تاریخ مشائخِ چشت

جلد اوّل

از

پروفیسر خلیق احمد نظامی

ادارۂ ادبیاتِ دلّی

(۱۹۸۰)

Marfat.com

(جملہ حقوق طبع بحق مجیب احمد نظامی محفوظ ہیں)

26737
V-1

DATA ENTERED

سن اشاعت ۱۹۸۰ء
قیمت ایک سو بیس روپے

محمد احمد نے ادارۂ ادبیات دلی کے لئے
جید پریس بلیماران دہلی میں چھپوا کر
شائع کیا
حافظ محمد یونس صدیقی امروہوی نے
کتابت کی

Marfat.com

اِنتساب

اپنے دادا مرحوم

مولوی فرید احمد نظامیؒ

کے نام

اگر سیاہ دلم، داغ لالہ زارِ توام
وگر کشادہ جبینم، گُلِ بہارِ توام

Marfat.com

Marfat.com

دیباچہ

"تاریخ مشایخ چشت" کو جو حسن قبول عطا ہوا اور علمی حلقوں میں جس طرح پذیرائی ہوئی وہ مصنف کے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ اس سلسلہ کو جاری رکھنے میں جو غیر معمولی تاخیر ہوئی اور شائقین کو جو زحمت انتظار اٹھانا پڑی اس کے لئے وہ شرمسار اور معافی خواہ ہے ؎

امید ہست کہ بیگانگیٔ عرفی را
بدوستیٔ سخن ہائے آشنا بخشند

پورے پچیس سال (ربع صدی) ہوتے ہیں کہ یہ کتاب شائع ہوئی تھی۔ خیال تھا کہ اس سلسلہ کی دوسری جلدیں یکے بعد دیگرے شائع ہوتی رہیں گی اور ناظرین کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے گا۔ لیکن بعض ایسے موانع پیش آتے رہے کہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اس سلسلہ کی اشاعت میں جس قدر تاخیر ہوتی رہی اتنی ہی شائقین کی بے چینی اور پھر مایوسی میں اضافہ ہوتا رہا۔ ایسی صورت میں، مجبوراً قلم ہاتھ سے رکھ رکھ کر اٹھا لیتا تھا۔ لیکن اس زمانہ میں بعض دوسری تصانیف توجہ کا مرکز بن گئیں۔ اور "تاریخ مشایخ چشت" کا کام وہیں کا وہیں رہ گیا۔ اب پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو ربع صدی کا طویل عرصہ اپنے ارادوں کی ناکامیوں کا ایک دردناک منظر بن کر سامنے آ جاتا ہے۔ اسے ارادے کی کمزوری کہیئے یا حالات کی نامساعدت، جو کام برسوں پہلے مکمل ہو جانا چاہیئے تھا، اس میں اس قدر تاخیر اور تعویق

Marfat.com

ہو گئی کہ کوئی معذرت خواہی بھی اب سود مند نہیں ہو سکتی۔ توفیق الٰہی شامل حال رہی تو اس کام کو جلد پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔

اب اس سلسلہ کی کتابوں کی اشاعت اس ترتیب سے کی جائے گی:

جلد اول : مقدمہ — یعنی تاریخ تصوف اسلام پر اجمالی نظر

جلد دوم : حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح سے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رح تک مشایخ دور اول کے تفصیلی حالات

جلد سوم : خواجہ کمال الدین علامہ رح سے شیخ یحیٰی مدنی رح تک سلسلہ چشتیہ کے مشایخ کے مفصل حالات، نیز دکن، بنگال، گجرات، مالوہ وغیرہ میں چشتیہ سلسلہ کی خانقاہوں کا قیام اور مشایخ سلسلہ کے تفصیلی حالات

جلد چہارم : (صابریہ سلسلہ) حضرت علاء الدین صابر رح سے شیخ ابو سعید گنگوہی رح تک مشایخ صابریہ کے مفصل حالات۔

جلد پنجم : (نظامیہ سلسلہ) شاہ کلیم اللہ دہلوی رح سے خواجہ اللہ بخش تونسوی رح تک

جلد ششم : (صابریہ سلسلہ) شاہ محب اللہ الہ آبادی رح سے مولانا محمد قاسم نانوتوی رح اور مولانا اشرف علی تھانوی رح تک۔

جلد ہفتم : چشتیہ سلسلہ کا لٹریچر — ایک جائزہ
دور حاضر میں چشتی مرکز اور اُن کا نظام

ان جلدوں کے لئے بیشتر مواد جمع ہو چکا ہے۔ صرف تسوید و ترتیب کا کام باقی ہے۔ مشایخ متقدمین سے متعلق جلد تیار ہے، اس کی کتابت کا کام جلد شروع ہو جائے گا۔ جلد پنجم پر نظر ثانی ہو چکی ہے اور اس کی کتابت کا کام جاری ہے۔

پہلی ترتیب میں تبدیلی کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ پہلی جلد حقیقت میں سب جلدوں کے لئے ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں اس نقطۂ نظر کی پوری وضاحت ہے جس سے مشایخ چشت کی زندگی اور کارناموں کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس بنا پر اس کو کسی ایک جلد کا حصہ بنا دینا مناسب نہیں سمجھا گیا۔

Marfat.com

محب مکرم محمد احمد صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ اُن کی مستعدی نے میرے ارادوں میں جان ڈال دی ورنہ اردو کے اداروں سے مصنفین کو جو تجربے ہوتے ہیں وہ بڑے سے بڑے عزم کو سرد کرنے کے لئے کافی ہیں۔

پیش نظر جلد "تاریخ مشایخ چشت" کے مقدمہ کی بجنسہ نقل نہیں ہے۔ اس میں جہاں جہاں ضروری سمجھا گیا، ترمیم اور اضافہ کر دیا گیا ہے لیکن یہ خیال کہ جلد کے حجم کو ایک حد سے نہ بڑھنے دیا جائے ہر قدم پر عناں گیر رہا ہے۔ پھر بھی بعض مباحث جن کی تشنگی کا احساس تھا، ذرا تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں اور بعض ابواب کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ بایں ہمہ اس کتاب میں جو خامیاں ہیں ان کا پورے طور پر احساس ہے اور میں اس جلد کو شیخ بدرالدین اسحاق رح کے ان اشعار پر ختم کرتا ہوں جو انھوں نے تصریف بدری کے خاتمہ پر لکھے تھے ؎

إنّي بَسَطْتُ يَدَيَّ إلَيْكَ إلٰهِي ۔۔۔ وَيَسِيلُ سَيْلُ الدَّمْعِ مِنْ مَاقِي

فَارْحَمْ بُكَائِي وَاعْفُ عَمَّا قَدْ جَرَى ۔۔۔ مِنْ غَفْلَتِي فِي هٰذِهِ الْأَوْرَاقِ

خلیق احمد نظامی

نظامی ولا، سرسید روڈ، علی گڑھ

۲۰ رجون ۱۹۷۹ء

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

انتساب

دیباچہ

تعارفی مقالات

حصہ اول : مقصد اور منہاج

باب اول : آغازِ سخن ۲۷

باب دوم : لفظ صوفی کی تحقیق ۴۰

باب سوم : تصوف کے ماخذ ۴۵

باب چہارم : تصوف کتاب و سنت کی روشنی میں ۵۰

باب پنجم : صوفیہ کا مقصد حیات ۶۳

باب ششم : صوفیہ اور تعلیم اخلاق ۸۴

حصہ دوم : تدوین فکر اور تنظیم سلاسل

باب اول : قرون اولیٰ میں مسلمانوں کا سیاسی اور سماجی نظام اور صوفیہ کا پہلا طبقہ ۹۳

باب دوم : دینی زندگی کے نئے تقاضے اور تحریک تصوف کے ارتقا کا دوسرا دور ۱۰۹

باب سوم : تدوین فکر سے تنظیم سلاسل تک ۱۲۵

باب چہارم سلسلوں کا نشو و نما اور ہندوستان میں ورود ۱۵۷

Marfat.com

فہرست مضامین

حصہ سوم : چشتیہ سلسلہ کا نشو و نما

باب اول : چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل اور اس کے متقدمین مشایخ	۱۸۹
باب دوم : ہندوستان میں سلسلہ کا اجرار اور دور اول کے مشایخ	۱۹۸
باب سوم : چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں	۲۵۲
باب چہارم : صابریہ سلسلہ اور اُس کے مشایخ	۲۶۹
باب پنجم : چشتیہ سلسلہ سولھویں اور سترھویں صدی میں	۲۸۰
باب ششم : چشتیہ سلسلہ کی نشاۃ ثانیہ	۲۹۰

حصہ چہارم : مشایخ چشت کا نظام اصلاح و تربیت

باب اول : بیعت اور اس کا مقصد	۳۰۱
باب دوم : معلم اخلاق کا کردار اور ذمہ داریاں	۳۱۴
باب سوم : اصلاح و تربیت کے طریقے	۳۲۷
باب چہارم : نظام اصلاح و تربیت میں خانقاہ کی اہمیت	۳۴۰
باب پنجم : اخلاقی شخصیت کی تعمیر	۳۴۵
باب ششم : خلفار اور خاص مریدین کی تربیت	۳۵۸
باب ہفتم : عام مریدین کی اصلاح اور تربیت	۳۷۵

Marfat.com

فہرست مضامین

باب ہشتم : عوام کو تلقین اور ہدایت ۳۸۰
باب نہم : ہندوؤں کے ساتھ تعلقات ۳۸۳
باب دہم : سماع اور اس کے آداب ۳۹۰

حصۂ پنجم : چشتیہ سلسلہ کی اساسِ فکر

باب اول : فکر کے دائرے ۳۹۷
باب دوم : محورِ فکر : قرآن پاک ۴۰۶
باب سوم : علمِ حدیث اور راہِ سنت ۴۱۳
باب چہارم : صوفیۂ متقدمین کے افکار اور ان کا اثر ۴۱۸
باب پنجم : چشتی مشایخ اور علماء ۴۲۲
باب ششم : شیخ نصیرالدین چراغ دہلیؒ کے زمانہ میں ہیجان فکر ۴۲۷
باب ہفتم : شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور فلسفۂ وحدت وجود ۴۳۲
باب ہشتم : صوفی شعراء اور ان کے کلام کی مقبولیت ۴۳۹
باب نہم : مشایخ چشت کی تصانیف کی فکری اور اصلاحی نوعیت ۴۴۴
باب دہم : ختم سخن ۴۴۹
مآخذ ۴۵۱ – ۴۶۷
اشاریہ ۴۶۸ – ۵۰۱

Marfat.com

Marfat.com

تعارفی مقالات

۱ — ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم

۲ — پروفیسر محمد حبیب مرحوم

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

سیرت کی تربیت اور شخصیت کی تعمیر، یہ شاید آدمی کے کاموں میں سب سے کٹھن اور سب سے اہم کام ہیں۔ انفرادی زندگی میں بھی، جماعتی زندگی میں بھی۔ انفرادی زندگی کی تکمیل اور یہ کام تو ہم معنی چیزیں ہیں، جماعتی زندگی کا سدھار بھی ان کا طالب ہے، اس لئے کہ جماعتی تمدن کی تعمیر کا لازمی تقاضا ہے کہ معمار خود بھی اپنی تعمیر کرے۔ اس تعمیر کا راستہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے صلاحیتوں اور استعدادوں کی جو گوناگوں اور کبھی کبھی متضاد بخششیں کی ہیں اُن میں یکسوئی اور یک جہتی پیدا کی جائے، بے ترتیب انفرادیت کو مرتب سیرت بنایا جائے اور اس سیرت کو جانے بوجھے بالا رادہ اقدارِ مطلقہ کی چاکری میں لگا کر اخلاقی شخصیت کے مرتبۂ بلند پر پہنچایا جائے۔ خزانۂ کائنات میں اخلاقی شخصیت غالباً سب سے گراں بہا گوہر ہے، فرشتے اس پر رشک کرسکتے ہیں، کرتے ہیں، خالقِ کائنات اپنے اس شاہکار پر ناز کرسکتا ہے، کرتا ہے۔

شخصیت کی تعمیر کے اس کام کو جس اہتمام، جس انہماک، جس خلوص اور جس شیفتگی سے اکابر صوفیہ نے انجام دیا اور جس وسیع پیمانہ پر اس کام کے انجام دینے میں لوگوں کی مدد اور رہنمائی کی اس کی دوسری مثال تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے۔ ان کے کارناموں سے، ان کے مجاہدوں، ان کی خدمتوں، ان کی تعلیمی تربیتی کوششوں سے واقفیت، آج بھی تعمیرِ شخصیت کے دشوار کام میں موثر معاونت کرسکتی ہے۔ دورِ انحطاط میں قوم اپنے اکابر کے کارناموں اور ان کی

Marfat.com

شخصیتوں کو بھی اپنی ہی پست سطح پر لے آتی ہے، چنانچہ ان مردانِ خدا کے یاد کرنے والے بھی ان کی طرف طرح طرح کے من گھڑت افسانے منسوب کر کے سمجھتے ہیں کہ ان کا رتبہ بڑھا رہے ہیں اور افکار و کردار کے اس انمول خزانہ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے جن سے انھوں نے انسانی زندگی کو مالا مال کیا ہے۔ ناقدرے ہیروں میں کنکر کی خوبیاں نکالتے ہیں مگر زمانہ کا رخ بدل رہا ہے، نظریں پھر حقیقت کی متلاشی نظر آتی ہیں۔

مجھے بڑی خوشی ہے کہ میرے ایک ہونہار نوجوان ساتھی خلیق احمد صاحب نظامی نے ان خاصانِ خدا کے ایک گروہ یعنی چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کے حالات اس انداز سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے جن سے ان کی زندگی اور ان کے کام کی صحیح رُوح آشکارا ہو جائے اور ہم ان بزرگوں کے ارادوں کی قوت، افکار کی صحت، جماعتی حس کی ذکاوت اور طبیعت کی ہیجان پذیری کی وسعت، گیرائی اور پائداری یعنی سیرت کی تربیت کے ان لوازم کی جھلک دیکھ لیں، ایک نقشہ، دھندلا سا ہی سہی، ان کے ثباتِ قدم کا، ان کی خود اعتمادی، ان کے ضبط نفس، ان کی بے لوث خدمت، ان کی اخلاقی جرأت کا، یعنی شخصیت کی تعمیر کے گھنبیر کام کا نقشہ سامنے آجائے۔

یہ کام ہمیشہ ہی ضروری تھا، آج اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ صوفیہ کے حالاتِ زندگی کو کشف و کرامات کے کہرے سے نکال کر صحیح تاریخی پس منظر کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت اتنی کبھی نہ تھی جتنی آج ہے۔ خلیق احمد صاحب نظامی نے جو مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے رکن ہیں اور جن کی تحریروں سے اہل علم ناآشنا نہیں، سلسلۂ چشتیہ کی تاریخ کو پانچ جلدوں میں مرتب کرنے کا قصد کیا ہے۔ یہ کام مکمل ہو جائے تو ہندی قرونِ وسطیٰ کی تمدنی تاریخ کا ایک اہم پہلو روشنی میں آجائے گا۔ پیش نظر جلدیں جو اس مجوزہ سلسلہ کی ایک کڑی ہے اٹھارویں اور انیسویں صدی کے مشائخِ چشت کے حالات بڑی تحقیق سے جمع کئے گئے ہیں۔ مصنف نے ان بزرگوں کے کارناموں کو اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے سیاسی، تمدنی اور معاشی حالات کے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح ان کے اصلی خط و خال نمایاں کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

کتاب کے ابتدائی ابواب میں تصوف اسلام کی نوعیت، تصوف کی تاریخ، مشائخ کے مقصدِ حیات، ان کے نظامِ اصلاح و تربیت اور اندازِ تبلیغ و اشاعت سے بحث کی گئی ہے۔ مشائخ کے حالات سے متعلق جو لٹریچر میری نظر سے گذرا ہے اس میں کہیں ان بزرگوں کے حالات اور ان کی اصلاحی اور اخلاقی تعلیم کو اس طرح پیش کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔

خلیق احمد صاحب نظامی ہونہار مورخ اور معلم ہیں اور مجھے امید ہے کہ جس کام کو انھوں نے ہاتھ میں لیا ہے وہ حسن و خوبی سے تکمیل کو پہنچے گا اور مورخ ہی ان کے مرہونِ منت نہ ہوں گے بلکہ معلم بھی، کتابیں پڑھنے پڑھانے والے بھی اور شخصیت سازی کا کام کرنے والے، اور اس میں اوروں کو سہارا دینے والے بھی۔ یہ بات ہر ایک کے حصہ میں نہیں آتی۔

علی گڑھ ۲۸ مئی ۱۹۵۳ء

ذاکر حسین

(وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

تعارف

خلیق احمد صاحب نظامی کی تصنیف "تاریخ مشائخ چشت" کو جو ہندوستان کے سب سے اہم مذہبی سلسلے سے متعلق ہے، دنیا سے روشناس کراتے وقت میں فخر و مسرت کی ایک عجیب کیفیت محسوس کرتا ہوں۔

عرصہ ہوا ایک سلسلہ میں مجھے میرٹھ جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہاں مصنف سے جو میرے ایک پرانے شاگرد مسٹر عزیز احمد ایڈوکیٹ کے صاحبزادہ ہیں پہلی بار ملاقات ہوئی۔ اس وقت وہ ایم۔ اے کے طالب علم تھے لیکن ہندی قرون وسطیٰ کی تاریخ میں ان کا غیر معمولی انہماک بالخصوص تصوف کے وسیع مطالعہ کو دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ میں نے طے کرلیا کہ اس ہونہار نوجوان کو علی گڑھ بلا لینا چاہیئے۔ کچھ ہی دنوں بعد خوش قسمتی سے حالات نے ساتھ دیا تو میں نے فوراً خلیق صاحب کو علی گڑھ بلا لیا۔

انسان کے مستقبل کی تشکیل و تعمیر میں بعض اوقات اتفاقات کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ خلیق صاحب کی زندگی کے مقاصد اور کام کا تعین اُن فارسی مخطوطات نے کیا جن کا ایک بیش بہا ذخیرہ ان کے دادا چھوڑ گئے تھے۔

میرٹھ اور علی گڑھ دونوں مقامات پر خلیق نظامی صاحب نے مشائخ کی تاریخ کا مواد بڑی محنت سے فراہم کیا ہے، انھوں نے چشتیہ سلسلے کی تاریخ کو پانچ جلدوں میں مرتب کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ پیشِ نظر جلد اس مجوزہ سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس میں شاہ

Marfat.com

کلیم اللہ دہلویؒ سے خواجہ اللہ بخش تونسویؒ تک کے تمام صوفیائے چشت کے مفصل حالات درج ہیں۔ اس نوع کے سلسلے کو ایک درمیانی کڑی سے شروع کرنے میں دقتیں ضرور ہیں، لیکن ایک محقق اس معاملہ میں بالکل مجبور رہوتا ہے جس طرح اور جس وقت اس کا مواد جمع ہوجاتا ہے اسی طرح اور اسی وقت وہ اپنی تحقیق کے نتائج پیش کرسکتا ہے، اسی ہی وقت کے پیش نظر خلیق صاحب نے کتاب کے ابتدائی حصہ میں تصوفِ اسلام کی نوعیت سے بحث کی ہے اور تصوف کے ان ارتقائی مدارج کا جایزہ لینے کے بعد جن سے وہ دوسرے ممالک میں گذرا ہے چشتیہ سلسلے کی تاریخ بھی دیدی ہے، یہ تمام تفصیلات شروع کے ۳۰۸ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں مصنف سے گفتگو کے دوران میں مجھے اس بات کا پتہ چلا کہ یہ صفحات محض تمہیدی ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ پہلی جلد میں فلسفۂ تصوف کی اس طرح تشریح کریں کہ تصوف کی اہمیت ایک ہمہ گیر نظام کی حیثیت سے واضح ہوجائے ـــــ ایک ایسا نظام جو فلسفۂ حیات سے لے کر خدمت خلق تک انسانی زندگی کے ہر گوشہ پر حاوی ہے

خلیق صاحب نے جس کام کا بیڑہ اٹھایا ہے اس کے لئے ان کی اہلیت اور موزونیت مسلم ہے۔ یہاں میں ان کی تین خصوصیات کی طرف اشارہ کروں گا۔ اولاً یہ کہ انھوں نے تصوف کے تمام ماخذ کا وسیع اور غایر مطالعہ کیا ہے جن تک انسانی دسترس ممکن ہوسکتی ہے۔ میرے خیال میں ان سے بہتر اس کام کو اب تک کوئی انجام نہیں دے سکا ہے۔ دورِ حاضر کے مصنفین میں اگر کوئی شخص اس وسعت مطالعہ میں ان کے لگ بھگ آتا ہے تو وہ صرف شیخ غلام سرور لاہوری ہیں۔ کوئی اسّی نوے برس ہوئے ان کی کتاب "خزینۃ الاصفیا" دو جلدوں میں شائع ہوئی تھی۔ لیکن اس کتاب کا بڑا نقص یہ تھا کہ مصنف نے عقاید کا سہارا لے کر ان تمام اصولِ اسناد کو یکسر نظرانداز کردیا تھا جو علمائے اسلام کی نظر میں صدیوں تک علم و حکمت کی روح سمجھے جاتے رہے ہیں تنقیدی اصولوں سے چشم پوشی کرکے محض عقاید پر علم کی عمارت تعمیر کرنا ناسمجھی نہیں تو کیا ہے۔ اس قسم کی تحریریں متضاد افکار کا مجموعہ بن کر رہ جاتی ہیں اور بالآخر ان کا نتیجہ بدعقیدگی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ صاحب خزینۃ الاصفیا نے اپنی کتاب میں ہیبت ناک قسم کی ایسی کراما

Marfat.com

کی تفصیل دی ہے جن کو پڑھ کر انسانی عقل وخرد کو شرم آجاتی ہے۔ موجودہ نسلیں ان پر بحث و مباحثہ کرنے کی بجائے بے توجہی سے ان کو نظر انداز کرنا بہتر سمجھتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کشف و کرامات کے بے معنی قصوں کا تصوف سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ کا کہنا ہے کہ کرامات تصوف کے سلسلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں حقیقتاً تصوف اخلاقی زندگی کا ایک نظام اور نظامِ کائنات کی ایک مکمل توجیہہ پیش کرتا ہے ——— اس کو کشف و کرامات سے کیا تعلق! خلیق صاحب نے شیخ نظام الدین اولیاؒ کے اس قول کو مستقلاً مدِ نظر رکھا ہے اور یہی وہ خصوصیت ہے جو ان کی تصنیف کو ایک امتیازی حیثیت دیتی ہے۔

دوم یہ کہ گو تصوف کی تعریف و توجیہہ میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے خلیق صاحب کی یہ تصنیف ہی ایک ایسی واحد کتاب ہے جس میں تصوف کو تاریخی نقطۂ نظر سے پیش کیا گیا ہے، مصنف نے ہر دور کے فکر کو اس عصر کے مخصوص مسائل سے متعلق کرکے واضح کیا ہے، یہ بڑی مستحسن کوشش ہے، تاریخ کے کسی دور میں بھی تصوف کی ایک جامد حیثیت نہیں رہی۔ انسان کے افکار کا اس کے مادی ماحول سے متعلق ہونا ایک لازمی چیز ہے۔ اس کے افکار خلا میں زندہ نہیں رہ سکتے۔ تصوف کو ایک جامد طریقۂ فکر خیال کرلینا ہماری مستقل عادت بن چکی ہے۔ خلیق صاحب نے اس غلط اور فرسودہ راہ سے ہٹ کر تصوف کے انقلابات کو سماجی اور سیاسی نظام سے جس طرح منسلک کرکے مسائل کی وضاحت کی ہے اس کے لئے وہ قابل ستائش و مبارک باد ہیں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس نکتہ کی یہاں مزید تشریح کردی جائے۔

ہندوستان کے قرونِ وسطیٰ کے صوفیہ کی جو تصانیف دستیاب ہوتی ہیں ان میں اس دور کے فرماں رواؤں کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ امیر حسن سجزیؒ نے فوائد الفواد میں شیخ نظام الدین اولیاؒ کے ملفوظات کو جمع کیا ہے لیکن کتاب میں معاصر فرمانروا سلطان علاء الدین خلجی کا یکسر کوئی حوالہ ہی نہیں ملتا۔ حالانکہ جن تاریخوں میں یہ ملفوظات جمع کئے گئے ہیں اس وقت علاء الدین سریر آرائے سلطنت تھا۔ بالکل یہی حال خیر المجالس

کا ہے اس میں حمید قلندر نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رح کے ملفوظات جمع کیے ہیں لیکن فیروز شاہ کا ذکر بالکل مفقود ہے۔ اس کے کئی سبب ہیں۔ خلیق صاحب نے بالکل قطعی طور پر ثابت کیا ہے کہ نہ صرف ابتدائی دور کے صوفیہ بلکہ دورِ متوسط کے تمام مشایخ و اکابر دین حکومتِ وقت اور حکام سے تعلق رکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کی یہ بے نیازی اور استغنا ان کے مذہبی تقدس اور برتری کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ بعد کو جو غیر مستند قسم کی حکایات ان بزرگوں کے متعلق مشہور ہوئیں ان کا انداز کچھ ایسا ہے جس سے یہ محسوس ہوتا ہے گویا دورِ سلطنت میں چشتیہ سلسلے کے اکابر مشایخ فرماں روایانِ وقت پر بڑا گہرا اثر رکھتے تھے اور حکمراں طبقے سے ان کی بڑی رسم و راہ تھی۔ بعض حکایتوں میں تو یہ صوفیہ درباریوں کے پیرایہ میں نظر آتے ہیں۔

اس تبدیلی کا سبب یہ ہے کہ بعد میں خود صوفیہ کے نقطۂ نظر میں ایک بہت بڑا فرق ہو گیا تھا۔ بابا فریدؒ کی سالکوں کو یہ قطعی ہدایت تھی کہ وہ امرا اور سلاطین سے کوئی رسم و راہ نہ رکھیں۔ دورِ سلطنت میں اس تنبیہ کی برابر تکرار بھی ہوتی رہی اور اس پر عمل درآمد بھی بڑی سختی سے ہوا۔ لیکن ۱۳۵۶ء میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رح کے انتقال کے بعد ایک زبردست تغیر رونما ہوا۔ سہولت و آسائش کی خاطر یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ صوفیہ فرماں رواؤں اور حکام بالا سے راہ و رسم ضرور پیدا کریں تاکہ ان پر خیر و نیکی کا اثر ڈالا جا سکے۔ اس نظریہ کی ترویج کے وقت یہ حقیقت بالکل فراموش کر دی گئی کہ حکومت سے مفاہمت اپنے اصولوں سے سو فی صدی دستبردار ہونے کے بعد ہی ممکن ہے۔ اس ہی کے ساتھ ساتھ ایک اور تبدیلی یہ ہوئی کہ بیش تر صوفیہ نے خلافت اور سجادہ نشینی اپنے لڑکوں کے سپرد کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پندرھویں صدی کے بہت سے حکمراں صوبائی خاندانوں سے صوفیہ کا ایک ایسا سلسلہ منسلک ہو گیا جن کے یہاں خلافت کا تعلق وراثت سے تھا۔ سلاطین نے صوفیہ اور ان کے مریدین کی خوشنودیِ مزاج کی خاطر بڑے بڑے اوقاف دیئے اور نذریں پیش کیں اور اس کے بدلے ان کے اثر سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ ان تمام تبدیلیوں کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو انسانیت کی فلاح اور بہبود کے لئے ایک آفاقی جدوجہد کے طور پر پیش کیا تھا۔ دنیا میں اسلام کا ظہور ایک ایسے ضابطہ کے طور پر

ہوا جو مظلوموں کا حامی تھا۔ حکمراں طبقہ کی نفسیات اُسے چھو کر بھی نہ گذری تھی۔ حقیقتاً اسلام خدمتِ خلق کا ایک عالمگیر اصول لے کر آیا تھا۔ لیکن سولہویں صدی میں صوفیہ بھی مسلمانوں کے اس تعلیم یافتہ طبقہ سے جا ملے جو اسلام کے عالمگیر اصولوں کی توجیہہ حکمراں طبقہ کے معتقدات کے زیر اثر کرتا تھا۔

بعد کے صوفیہ نے ان توجیہات کو ایک نئے ضابطہ کی شکل دے دی۔ اس کے اولین آثار تو خیر ابتدا ہی سے موجود تھے لیکن ہندوستانی ماحول کے پس منظر میں اس کی مکمل ترین تشریح ضیاء الدین برنی کی فتاوای جہانداری میں ملتی ہے۔ برنی نے فیروز شاہ تغلق کی حکومت کے پہلے چھ برس میں اسے تصنیف کیا تھا، یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ اس بیش بہا تصنیف میں (جو ہماری یونیورسٹی کی افسر افضال الدین ایم اے لندن اسکول آف اورنٹیل اسٹیڈیز میں ایڈٹ کر رہی ہیں) برنی نے رسول خدا اور خلفاء کی روایات اور معمولات کو یہ کہہ کر برطرف کر دیا ہے کہ یہ اصول ایک ایسے دور کی یادگار ہیں جو محض وقتی تھا اور جس کا دوبارہ ظہور میں لانا اس لئے ناممکن ہے کیونکہ وہ ایک مثالی چیز تھی اور تبدیل شدہ حالات میں اس کے حصول کی کوشش بے سود ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی طرف سے وحی آتی تھی اور خلفائے راشدین کو انھوں نے تربیت دی تھی۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو واقعات گذر گئے ہیں ان کی تکرار ناممکن ہے۔ جہاں داری چونکہ حکمراں طبقہ کا حق ہے اس لئے سماجی نظام کو وراثت کے ذریعہ برقرار رکھنا ضروری ہے، جہاں تک مسلمان عوام کا تعلق ہے ان کی جگہ معین ہے۔ علماء کے لئے ازبس ضروری ہے کہ وہ عوام کو دینی رسوم مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائگی سے ماورا کوئی تعلیم نہ دیں۔ رہے وہ لوگ جو محکوم ہیں اور اسلام قبول کر چکے ہیں مثلاً ہندو اور منگول، ان کی طرف توجہ کی چنداں ضرورت اس لئے نہیں ہے کیونکہ توحید کا تصور جسمانی طور پر انھیں ورثہ میں نہیں ملا ہے اور نہ اس قسم کا کوئی عقیدہ ان کے خون میں جاری وساری ہے۔ آگے چل کر برنی کہتا ہے نہ تو ہم میں وہ مسلمانی باقی ہے اور نہ ہمیں وہ مسلمان میسر ہیں جن پر ہم ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرح حکومت کر سکیں۔ اپنی دلیل کو مستحکم کرنے کے لئے برنی کہتا ہے کہ ہم اس واقعہ کو نظر انداز نہ کریں کہ چار خلفا میں سے جنھوں نے رسول کے

Marfat.com

بتائے ہوئے رستہ پر چلنے کی کوشش کی تین کو صرف اس لئے شہید کر دیا گیا کہ وہ حکمرانوں کی طرح اپنا ذاتی تحفظ غیر ضروری سمجھتے تھے۔

برنی کی اس تصنیف کا لوگوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ عہد سلطنت میں جب کہ حکمراں خاندانوں میں پے بہ پے تبدیلی ہو رہی تھی حکومت کے ضوابط کے متعلق اس کی سفارشات کے کچھ کارگر ہونے کا امکان تھا ورنہ بعد میں تو ان کی طرف کسی نے توجہ بھی نہ کی. حالانکہ برنی کے بتائے ہوئے ضابطے حکمراں طبقہ کو عوام سے نفع اندوزی کی بڑی سہولتیں بہم پہنچاتے تھے لیکن پھر بھی حکمراں طبقہ نے ان ضوابط کو ایک نظریاتی حیثیت دے کر بھی تو نہ نوازا۔ برنی نے مذہب کے حریری پردہ میں نظریۂ وراثت اور نفع اندوزی کا جواز بھی تلاش کر لیا۔ لیکن فرمانرواؤں کے نزدیک اس کتاب کے نظریات نے بار نہ پایا۔ برنی کی تصنیف نے عوام کے ضمیر میں اس تضاد کو حق بجانب اور جائز رکھا جس کی رو سے جہانبانی اور نفع اندوزی کو مخلوط کر دیا گیا تھا اور جس نے عوام کو دو طرفہ حیثیت دے کر انسان کا ایک رخ خدا کی طرف پھیر دیا تھا اور دوسرا بندوں کی طرف۔ بہر کیف برنی نے حکمراں طبقہ کا جو تجزیہ کیا ہے اس سے ہمارا یہاں کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تو صرف اس تغیر کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جس کی وجہ سے امتدادِ وقت کے ساتھ ساتھ صوفیہ حکمراں طبقہ سے منسلک ہو گئے۔ علمائے ظاہری اور علمائے دینی کا جو فرق شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو اس قدر عزیز تھا آہستہ آہستہ ختم ہو گیا اور صوفیہ کی وہ بات نہ رہی جو پچھلے زمانہ میں تھی۔ دور مغلیہ اور اس کے بعد صوفیہ کے مراکز کا طرۂ امتیاز فقر کے بجائے اوقاف ہو گئے۔ ان اوقاف کی ضامن حکومتِ وقت تھی۔ نتیجتاً انگریزی اقتدار ہندوستان میں رونما ہوا اور رفتہ رفتہ پوری طرح مستحکم ہو گیا۔ چیرمین ماؤ سی تنگ کا قول ہے کہ پوری شہنشاہیت کا مقابلہ صرف عوام کے ذریعہ تو ممکن ہے، لیکن مشرقی حکمراں طبقہ کے طریقہ کار کے مطابق اس کا انسداد ناممکن ہے کیونکہ اس طبقہ کی جڑیں اب بہت کمزور ہو چکی ہیں۔ عوام کے طریقۂ کار کا ہی سہارا لے کر اس نسل نے ہندوستان اور چین کو آزاد کرایا ہے۔ خلیق صاحب نے اٹھارھویں صدی کے پیچیدہ عقائد پیچیدہ

سیاست وافکار اور متضاد افعال (جن کی وجہ سے ہندوستان میں غیر ملکی حکومت قائم ہوئی تھی) کے سلسلے میں بڑی کاوش کی ہے، عوام کا طریقۂ کار ہمیں انگریزی اقتدار کی توسیع کے وقت بھی اسی طرح محفوظ کرسکتا تھا جس طرح اس نے ہماری آج مدد کی ہے۔ لیکن اس طریقۂ کار کے لئے تین چیزیں درکار ہیں:۔

(۱) غیر مذہبیت (۲) ترقی پسند مقاصد (۳) حکمراں طبقہ کی مکمل تحلیل، منگولوں کے حملوں کے زمانہ میں ان تینوں میں سے کسی ایک کے لئے بھی کوئی تیار نہ ہوتا تھا صرف صوفیہ یہ جانتے تھے کہ جان کس طرح سے دی جاتی ہے۔ اٹھارھویں صدی میں یہ کام بھی ان کے بس کا نہ رہا تھا۔ کچھ لوگوں نے تلوار اٹھائی اور تلوار ہی کے ذریعہ ختم ہوگئے۔ کچھ صوفیہ نے تحریر وتقریر کے ذریعہ آنے والے طوفان سے آگاہ کیا اور لوگوں کو تنبیہ بھی کی، لیکن ان کی اکثریت خاموش رہی۔ صوفیہ اور علماء نے تو نہیں البتہ وہابیوں نے اس مایوسی کے دور میں انگریزی حکومت کے قیام کے خلاف ہندی مسلمانوں کے ردِّ عمل اور اضطراب کو ظاہر کیا۔ اس دور میں بیشتر صوفیہ کی حالت زبوں تھی۔ وہ مغل منصب داروں اور اودھ کے بدکار امراء سے بھی ،یں زیادہ پست ہو چکے تھے۔ مزاروں سے عقیدت اور دیگر خارجی شواہد سے اگر اندازہ لگایا جائے تو ہندوستان اور بیرون ہند کے مسلمان تصوف سے تو اب بھی وابستہ نظر آئیں گے لیکن وابستگی کے اس انداز میں فرار کا پہلو ملے گا۔ اس میں کسی اعلیٰ کام کو انجام دینے کے جذبہ کو ابھارنے کی صلاحیت نام کو نہیں۔ اس وابستگی پر تو خود ایک مردنی کا رنگ چھایا ہوا ہے۔

تاریخِ عالم کے طالب علم کے لئے جو کائنات کی جدوجہد کو ایک بہتر دور کا پیش خیمہ سمجھنے کا عادی ہو چکا ہے، یہ انقلاب تعجب کی چیز نہیں ہے۔ عہدِ حاضر تصوف کے لئے ابتلا اور آزمایش کا دور ہے، تصوف کو اس منزل سے اس لئے گذرنا پڑ رہا ہے تاکہ اس کی خرابیاں دُھل جائیں اور اس کی بلوریں شکل پھر اسی آب وتاب کے ساتھ نکھر آئے، مجھے پورا پورا یقین ہے کہ تصوف اس آزمائش میں پورا اترے گا اور زیادہ توانا اور صحت مند ہو کر پھر آدمی کے خطاکار قدموں کو ظلمت اور گمراہی سے بچائے گا۔

Marfat.com

تاریخِ عالم میں تصوف کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم دورِ حاضر کے مسائل اور تصوف کے اساسی اصولوں کو ذہن میں رکھیں۔

پچھلے چار سو برس سے دنیا ایک ایسی شدید کشاکش سے گذر رہی ہے جس کی مثال ہمیں پتھر کے زمانہ سے اب تک تاریخ میں نہیں ملتی۔ آہستہ آہستہ ایجادات (مثلاً کاغذ کی ایجاد) کے دور نے جنم لیا۔ انسان بتدریج اپنے فکر و عمل میں تبدیلیاں پیدا کرتا رہا یہاں تک کہ نئی تبدیلیاں اس کا مزاج بن گئیں۔ لیکن سولھویں صدی سے ایک طرف تو پیداوار اور رسل و رسایل کے ذرائع نے زبردست ترقی کی اور دوسری طرف جاگیردارانہ نظام اور پرانے طبقۂ امرا کو ختم کر دینے کے بعد اُمرا کا ایک ایسا نیا طبقہ وجود میں آیا جس کی سب سے بڑی خصوصیت نئے حالات میں بہترین طور پر کام انجام دینا ہے، اس کے ساتھ ساتھ طبقاتی اختلافات بھی شدید تر ہوگئے اور بالآخر مزدور طبقہ کی فتح ہوئی۔ صدیوں سے یہی انقلاب عظیم کارفرما ہے۔ اس کی رفتار کبھی شدید ہو جاتی ہے اور کبھی سُست لیکن جو ہے ناگزیر اور یقینی۔ آج کل کی سیاسی دنیا دو جماعتوں میں بٹی ہوئی ہے۔ کمیونسٹ دنیا جس کے رہبر پرولتاریت اور عوام کے اکابر ہیں اور دوسری وہ دنیا جس کی قیادت صنعت و حرفت کے امرا کے ہاتھ میں ہے۔ دونوں جماعتوں کے قائد اس اعتبار سے جمہوری کہے جاسکتے ہیں کہ انھیں ووٹ کے حاصل کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ دونوں جماعتوں کے اساسی فرق سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمارا واسطہ تو دونوں کی اس بصیرت و نگاہ اور فکر و اعتقاد سے ہے جس کا علومِ مجرد و منطبق کی ترقی کے دوران میں تقسیم اور پیداوار کی ترقی کے زمانہ میں، اور انسان کے مصائب مثلاً بھوک، وبا اور جاہلیت (جسے ہمارے آبار و اجداد سماجی نظام کا خاصہ سمجھتے تھے) کے دوران میں یکسر ختم ہو جانے کا قوی امکان ہے۔ اس میں تو خیر اب شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ آئندہ چند صدیوں میں یہ کشاکش تیز تر ہو جائے گی۔ بہرحال کامیابی یقینی اور قطعی ہے۔

سائنس داں کو بحیثیت سائنس داں کے ضروری ہے کہ وہ ایک ایسے لائحہ عمل کو تسلیم کرلے جو مذہبی معتقدات سے قطعاً غیر متعلق ہو، چاہے اس کے ذاتی تصورات کچھ

Marfat.com

بھی رہیں۔ اب روز بڑھتے اور ترقی کرتے ہوئے علوم کی بنیاد دلیل وحکمت پر ہے، تجربہ پر ہے، مشاہدہ پر ہے، ان حالات میں ایک سائنس دان بحیثیت سائنس داں کسی مذہبی روایت یا کسی مذہبی عقیدہ کی بنیاد پر اپنے کام کو نہیں چلا سکتا۔

رسمی مذاہب اور جامد دینیاتی نظام کے اکابر جب اس ہمہ گیر انقلاب سے دوچار ہوئے جس کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے تو انھوں نے ہر جگہ ایک رجعت پسندانہ انداز اختیار کر لیا (رجعت پسندانہ انداز سے میری مراد ایک ایسے رویہ سے ہے جو انسان کے فکر و عمل کو گرد و پیش کے حالات کے مطابق تبدیلی پیدا کرنے سے روکتا ہے) رجعت پسندی اور معاندانہ افتادِ طبع کی بنا پر کشاکش کا پیدا ہونا یقینی تھا۔ چنانچہ پہلی آویزش کی ابتدا ۱۷۸۹ء کے اس فرانسیسی انقلاب سے ہوئی جو کلیسائیت کے یقیناً اس ہی قدر خلاف تھا جتنا ۱۹۱۷ء کا روسی انقلاب، امریکہ کے انقلابیوں نے ۱۷۷۶ء میں جب ملک کے آئین کو ترتیب دیا تو ریاستی کلیسا کی تنظیم کو ممنوع قرار دے کر انھوں نے اپنے مسائل کو حل کر لیا۔ انگریزی حکمراں طبقہ جس کی فراست کی نظیر دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے اس مسئلہ کو بہت شروع ہی میں حل کر چکا تھا۔ ایلزبیتھ کے مشہور STATUTE OF SUPREMACY کے ذریعہ ۱۵۵۹ء میں انگلستان میں تمام مذہبی امور کے لئے کلیسا کو پارلیمنٹ کا پابند بنا دیا گیا اور مذہب کے انتظامی معاملات میں بادشاہ وقت کی اس حکومت کو اختیار دے دیا گیا جس کی بنیادیں مذہب پر مطلقاً استوار نہ تھیں۔ بہرکیف مذہب کی رسمیات اور غیر مذہبی رجحانات کے درمیان تقریباً تمام ممالک میں ایک کشمکش جاری ہے۔ تیس برس ہوئے چیرمین ماؤسی تنگ نے اپنی جد و جہد کا آغاز کنفوشیس کے پرستاروں کے خلاف جنگ سے کیا تھا۔ اس کی جد و جہد کامیاب ہو چکی ہے۔ تبت کے لاما اب نام کو ہی باقی رہ گئے ہیں، ہمارے ملک میں بھی مذاہب و افکار کا زبردست تنوع موجود ہے، لیکن حکومت کے غیر مذہبی ہونے کا اعلان کیا جا چکا ہے۔ ریاست کی بنیادیں جن اصولوں پر استوار کی گئی ہیں وہ غیر مذہبی ہیں۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان کے یہاں چونکہ کوئی منظم کلیسائی نظام نہیں ہے، اس لئے ان کی حیثیت ذرا مختلف ہے، علمائے دین کی بڑی تعداد نئے رجحانات کے خلاف

Marfat.com

جنگ میں مصروف ہے اور مصر ہے کہ پرانے طریقہ ہائے زندگی کو پھر تازہ کیا جائے۔ مسلمانوں کے عقاید کی کمزوری کا گلہ ہر دور میں کیا جاتا رہا ہے' آج پھر نئے انداز میں شروع کر دیا گیا ہے گویہ اب بے معنی سا معلوم ہوتا ہے، اسلامی دنیا میں مذہب اسلام اور اسلامی تاریخ سے ایک گونہ دلچسپی بڑھتی جارہی ہے اور امکان اس بات کا ہے کہ ہم شاید اسلامی ثقافت کو پھر اس انداز سے ترتیب دینے میں کامیاب ہوں گے جس کی مثال تاریخ میں نہ مل سکے گی۔ یہ بہرکیف یقینی ہے کہ مسلمان روشن خیال اور تعلیم یافتہ طبقہ کا عقیدہ ان مذہبی رہنماؤں کی طرف سے بالکل متزلزل ہو چکا ہے جو تقلید جامد کے ذریعہ زندہ رہنا چاہتے ہیں اور جو مسلسل ان غیر ترقی پسندانہ اصولوں کی تبلیغ کر رہے ہیں جو مسائل حاضرہ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ رجحان کے اس تغیر کے ساتھ ساتھ عوام تو نہیں لیکن تعلیم یافتہ طبقہ مذہبی رسوم سے بھی بری طرح بدظن ہوتا جارہا ہے۔ اِن تمام چیزوں کے باوجود اس بات کا امکان ضرور ہے کہ بہتر سماجی حالات میں ماضی کی صحت مند چیزیں پھر واپس آجائیں گی

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بدحالی اور افراط و تفریط کے دور میں تصوف کی جگہ کیا ہے؟

ہمیں یہ بات خوب یاد رکھنی چاہئے کہ تصوف' اسلام سے کئی سو برس پہلے انسانی فکر میں آچکا تھا۔ داراشکوہ کا خیال صحیح ہے کہ تصوف کی اولین مستند تشریح اپنشدوں میں ملتی ہے، غور کیا جائے تو یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ ترکوں اور منگولوں کا نظریہ "ال تنگری"، چینیوں کا تصور "تیان" اور صوفیائے اسلام کا نظریہ "حق" اساسی طور پر ایک ہی چیز ہیں۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے صوفیہ اپنے معتقدات کی بنیاد صرف قرآن کو ٹھہراتے ہیں۔ قرآن کی تصوفانہ تفسیر ہمیں اس قدر بالغ نظر ضرور کر سکتی ہے کہ ہم وضعیت اور سخن سازی کی ان گتھیوں سے بلند ہوسکیں جن میں ملاؤں کے ایک طبقہ نے اس کو اُلجھا رکھا ہے۔ قرآن کی جو تشریح تصوف پیش کرتا ہے وہ عقلیت پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی نقطۂ نگاہ لئے ہوئے ہے۔ اس میں ایک وسعت ہے، اس کا رخ کائنات کی طرف ہے۔ اس کا لہجہ آفاقی ہے، شاید قرآن کی صحیح ترین تفسیر یہی ہے۔

Marfat.com

خلیق صاحب نے ٹھیک کہا ہے کہ تصوف کے عقاید کی بنیاد وحدت الوجود پر ہے۔ قرون وسطیٰ کے مشایخ کی طرح ہمیں اس کے بیان کرنے اور سمجھانے میں تامل نہ کرنا چاہئے بلکہ بلامذہب وملت کی کسی تفریق کے ضرورت اس کی ہے کہ اس کے بنیادی تصورات کو اسکولوں کی کتابوں میں بیان کیا جائے۔ مسلمانوں کے لئے اس نظریہ کی مذہبی اساس قرآن کا یہ ارشاد ہے۔ ھُوَالاوّل وَالآخِرُ وَالظاھِرُ وَالباطن وَھو بکل شئ علیم

لیکن یہاں ہم وحدت الوجود کو صرف اسلامی تصوف کے ایک نظریہ کی حیثیت ہی سے دیکھنا نہیں چاہتے بلکہ اس کی عالمگیر حیثیت کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ حیثیت جس نے اس کو پوری انسانیت کے لئے ایک نظریۂ حیات بنا دیا ہے۔

کسی ضابطہ یا اصول کو سمجھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کا مقابلہ اس کے متضاد نظریہ سے کیا جائے۔ اس ضمن میں میں برکلے کے IDEALISM کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس نظریہ نے برکلے کو کلیسائی اعزاز تو بخش دیا لیکن اس کو میں یورپ کی ایک مقامی غلطی تصور کرتا ہوں۔ موضوع بحث کے اعتبار سے میں لینن کا ذکر کرنا زیادہ موزوں خیال کرتا ہوں۔ لینن یورپ کے فلسفہ اور سائنس کی دنیا کا پورا جائزہ لینے کے بعد بالآخر مارکس کی جدلیاتی مادیت سے متفق ہو گیا۔ مادہ کا ذکر کرنا اب لاحاصل ہے۔ مادہ تو ختم ہو چکا۔ بالفاظ دیگر سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مادہ محض ایک ہیئت ہے جسے کوئی بھی شے سہولت کے لئے ہم اسے قوت کہہ سکتے ہیں اپنے اظہار کے لئے اختیار کر سکتی ہے۔ بہرکیف انسان اور خارجی مظاہر کی دوگونہ حیثیت تو برقرار رہتی ہے۔ برکلے کی غلطی کو نظر میں رکھ کر لینن انسان کو روزانہ کے حقایق کی طرف واپس بلاتا ہے۔ وجود میرا بھی ہے اور اس کائنات کا بھی جو میرے گردوپیش ہے۔ لیکن اولیت اور برتری مجھے حاصل نہیں میرے گردوپیش کو ہے، اشیاء کی حقیقت ان کے مظاہر سے بالکل مختلف ہے لیکن میرے مشاہدہ اور خارجی دنیا میں مطابقت کا ہونا اس ہی قدر ناگزیر ہے۔ میرا تجربہ اور عمل بھی مجھے اس ہم آہنگی کا پتہ دیتے ہیں کیونکہ خارجی دنیا کو تبدیل کرنے پر مجھے قدرت حاصل ہے۔

وحدت الوجود کے مسئلہ میں اس غلطی کی تکرار ہرگز نہیں ہے جو برکلے سے سرزد ہوئی

Marfat.com

ہے۔ وحدت الوجود خارجی دنیا کا منکر نہیں ہے اس کا اعتراف کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کے بغیر تو یہ نظریہ ہی بے معنی ہو جاتا ہے۔ وحدت الوجود تو ایک حد تک جدلیاتی مادیت سے بھی فوق لئے ہوئے ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ موجودات کی اصل ایک ہے۔ سائنس یا تجربات کی رو سے قوت ENERGY کو شعور میں اور شعور کو قوت میں اس طرح تبدیل کر دینا جیسے حرارت کو بجلی میں تبدیل کیا جا سکتا ہے ممکن نہیں ہے۔ بایں ہمہ جدلیات کی اصطلاح ہی میں انسان اور خارجی شواہد میں وحدت کا موجود ہونا مضمر ہے، آدمی کے افکار سے خارجی دنیا کی ہم آہنگی بھی اس کا ثبوت ہے۔ لینن اور اینگلز بھی اس پر زور دیتے ہیں کہ دونوں کے تطابق کو ایک امر مسلم کے طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ چنانچہ وحدت الوجود کا مسئلہ جدلیاتی مادیت کے منافی نہیں ہے بلکہ اس کا ایک منطقی نتیجہ ہے وحدت الوجود ایک ایسے شعورِ اعلیٰ کا تصور پیش کرتا ہے جس کے دو مظاہر، انسان اور خارجی دنیا ہیں۔ انسان کی اخلاقی زندگی اس ہی شعور اعلیٰ سے ماخوذ ہے۔ فرض کریجئے کہ یہ شعور موجود نہ ہوتا تو دنیا ایک ہیولیٰ کی شکل میں ہوتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تمام بے ترتیبیوں کے باوجود دنیا منظم اور آراستہ شکل میں موجود ہے اور انسان اس کی اصلاح پر قادر بھی ہے۔ یہ سب اس ہی شعورِ اعلیٰ کی وجہ سے ہے جو انسان کی قدرت کو طاقت بخش کر اسے اس لائق بناتا ہے کہ وہ ہر چیز کو متغیر کر سکے اور اسے ترتیب دے دے۔

وحدت الوجود کی تعلیم سب سے پہلے اپنشدوں نے دی۔ مشرقی فلسفہ و اذکار میں اس کی ایک امتیازی حیثیت ہے۔ قرونِ وسطیٰ کے صوفیہ اس کی نشر و اشاعت میں اس لئے پس و پیش کرتے تھے کیونکہ حکمراں طبقہ سے متعلق ہو جانے کے بعد (سولھویں صدی تک پہنچتے پہنچتے) انھیں اس کی انقلابی نوعیت سے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وحدت الوجود ایک ایسا مانوس لفظ ہو گیا جو ہر شخص کی زبان پر رہنے لگا اور اس کے اظہار کی ہر شخص کو اجازت ہو گئی کیونکہ اب یہ فکر و عمل کے کسی بلند جذبہ کو متحرک نہیں کر سکتا تھا۔ حکمراں طبقہ سے وابستگی کی یہ نوعیت اب ختم ہو چکی ہے۔ حکمراں طبقہ اب فنا ہو رہا ہے اور وقت کا تقاضا یہ ہے کہ وحدت الوجود کے اساسی نقطۂ نظر کی طرف ایک بار پھر رجوع کیا

Marfat.com

جائے اور اس کے مطالب و مفہوم کی دوبارہ تشریح کی جائے۔

اس کے بعد ہم تصوف کے اخلاقی پہلو پر آتے ہیں، خلیق صاحب نے بڑے غور و فکر کے ساتھ اس امر کی تشریح کی ہے کہ صوفیہ کردار کی فضیلت پر زور دیتے تھے اور خدمتِ خلق کو اس فضیلت کا معیار ٹھہراتے تھے۔ بنی نوعِ انسان کی خدمت کے بغیر خدا پر صوفی کا ایمان ناقص رہتا تھا۔ خلیق صاحب نے حسن کمال حسن و خوبی کے ساتھ اس کی تشریح کی ہے اس میں مَیں کچھ اضافہ کرنا نہیں چاہتا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اخلاقی زندگی انقلابی جذبہ کے بغیر بالکل بے معنی ہے جو شخص میری طرح سماج کے صحیح اور غلط کے مروجہ معیار کا خیال رکھتے ہوئے بے کیف زندگی گذار سکتا ہے وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ اخلاق کہتے کسے ہیں۔ اخلاقی زندگی مروج معیار کو تسلیم کر لینے سے عبارت نہیں ہے بلکہ سماجی نظام کے قیام کی خاطر مروج معیار کی مخالفت کا نام اخلاقی زندگی ہے۔ خدا خود ایک زبردست انقلابی ہے وہ خود کسی چیز کو اس کی حالت پر نہیں چھوڑتا۔ ایک مشہور ہندو مقولہ میں یہ خیال اس طرح ادا کیا گیا ہے کہ "خدا سمندر کو ہمیشہ بلوتا رہتا ہے"۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ سماجی نظام چونکہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اس لئے انسان کا اخلاقی ضابطہ بھی اس کے ساتھ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا تھا "میں سکون و قیام لے کر نہیں بلکہ تلوار لیکر آیا ہوں"۔ اس اعلان کی مزید تشریح کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ میری تعلیم گھر گھر میں ایک کشاکش پیدا کر دے گی اور روایتی ٹھہراؤ کا باقی رہنا ناممکن ہو جائے گا، خود رسول عربیؐ نے فرمایا تھا "مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ میں رسوم و رواج اور پرانی اقدار کو زیر و زبر کر دوں"۔

ساتویں سے چودھویں صدی تک تصوف کی نوعیت ایک انقلابی ضابطہ کی سی رہی۔ ابتدائی دور کے صوفیہ (مثلاً حبیب عجمیؒ اور ان کی جماعت، جن کو ڈاکٹر نکلسن نے QUIETISTS کے نام سے یاد کیا ہے، سلطنت بنی امیہ کی محکوم اقوام سے تعلق رکھتے تھے۔ سلطنت کے تمام وقیع عہدے عرب نژاد لوگوں کے پاس تھے، چنانچہ صوفیہ کے مختلف سلسلوں کے بانیوں پر ظلم و تشدد کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ شہر در شہر مارے مارے پھرتے

Marfat.com

تھے لیکن نہ تو کوئی کامیاب قسم کے انقلاب کے آثار پیدا ہو پاتے تھے اور نہ صوفیہ کا ہی کوئی ارادہ تھا کہ وہ شخصی اغراض و مقاصد کی خاطر حصول قوت کے لئے جد وجہد کریں بلکہ شیخ جنیدؒ نے تو یہ اعلان کر دیا تھا کہ یہ زمانۂ وحشت گذر رہا ہے اور پھر بعد میں ایک ایسا نظریہ پیش کر دیا جس سے پانچ سو برس تک صوفیہ بالکل مطمئن و متفق رہے۔ نظریہ یہ تھا کہ نہ تو حکمراں طبقہ کی مخالفت کی جائے نہ موافقت۔ وہ علیحدہ اپنی ایک دنیا میں رہتے تھے۔ اس دور کے حالاتِ رسل و رسائل میں یہ ایک حد تک ناگزیر بھی تھا۔ چودھویں صدی میں جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں، مفاہمت کے اس رویہ کو صوفیہ نے بالکل ترک کر دیا۔ شاہی مراعات کے خنک سایہ میں وقت کاٹنا ان کا مطمحِ نظر ہو گیا اور فقر و فاقہ کی زندگی عہد ماضی کی ایک داستان بن کر رہ گئی۔

لیکن یہاں ہمارا تعلق تصوف کے انحطاط و تنزل سے اس قدر نہیں ہے جتنا اس سے کہ صحت و عروج کے زمانہ میں تصوف نے دنیا کے افکار میں کیا اضافہ کیا۔ حالانکہ صوفیہ قرونِ وسطیٰ کے پیداوار اور رسل و رسائل کے سقیم ذرائع کی وجہ سے اپنے زمانہ کے معاشرہ کی کسی نئے انداز سے تشکیل تو نہ کر سکے لیکن ان کی تعلیمات میں ایسے جدید اور ترقی پسندانہ نظام العمل کا مل جانا یقینی ہے جس کی بنا صرف انھوں نے ہی رکھی ہے مختصراً ذیل میں چند ضروری نکات کا حوالہ دینا کافی ہوگا:-

۱۔ صوفیۂ صافی سے توقع کی جاتی تھی کہ اگر مروج اخلاقی اور سماجی قوانین ان کے روحانی مطمح نظر سے ٹکرائیں تو وہ ان قوانین کو فوراً رد کر دیں۔ کچھ صوفیہ نے مروج روایت کو پاسِ وضع کی خاطر رد بھی کر دیا اور پھر ملامتی کہلائے۔ لیکن یہ امر اس چیز کی پردہ پوشی نہیں کر سکتا کہ یہ قرآنی ضابطہ —— "وہ ان لوگوں کے الزامات سے ذرا نہیں گھبراتے جن کا کام انھیں الزام دینا ہے" —— تمام صوفیہ کا مذہب بن چکا تھا۔

۲۔ شخصی ملکیت کے اصول کے تمام صوفیہ مخالف تھے۔ بڑے بڑے صوفیہ مثلاً شیخ نظام الدین اولیاؒ کسی کو اس وقت تک مرید ہی نہ کرتے تھے جب تک کہ وہ

Marfat.com

اپنی ہر چیز کو بیچ کر روپیہ غربا میں تقسیم نہ کر دے۔ حکومت کی ملازمت اختیار کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ نے اپنے ایک مرید سے خلافت نامہ صرف اس بنا پر واپس لے لیا تھا کہ اس نے اپنے کنبہ کی فاقہ زدگی کو دیکھ کر دور وزتنگ علاء الدین خلجی کے اس فرمان پر غور کیا تھا جس کی رُو سے اسے اودھ کا قاضی مقرر کر دیا گیا تھا۔ وجہ معاش کے لئے دو صورتیں اختیار کرنے کی اجازت تھی ایک تو ہمسایوں کی بے مانگی مدد یعنی فتوح اور دوسرے زمینِ احیار یعنی کاشت۔

۳۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ کے جماعت خانہ میں تمام لوگ ایک اشتراکی اصول پر زندگی بسر کرتے تھے۔ کپڑے، تسبیح، جانماز۔ اکل و شرب کے چند برتن اور کتابوں کے علاوہ ملکیت کا تصور کسی طرح بھی روا نہ سمجھا جاتا تھا۔ شیخ کے رہنے کے لئے ایک کمرہ علیحدہ ہوتا تھا اور تمام غیر شادی شدہ مرید ایک کمرۂ عام میں رہتے تھے۔ کھانا سب ساتھ مل کر کھاتے تھے۔ امداد کے طور پر ہمسایہ اگر کچھ دے دیں تو فبہا ورنہ جماعت خانہ کے تمام لوگ محنت مزدوری کرتے تھے اور ہر شخص کے لئے یہ تقریباً ضروری تھا کہ وہ طعام مشترک کے لئے کچھ نہ کچھ مہیا کرے۔ جماعت خانہ میں زندگی بسر کرنے کے اصول مقرر تھے "سیر الاولیاء" میں شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے جماعت خانہ کا بڑا اچھا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ جماعت خانہ کے لوگ دن بھر مشقت کرتے تھے۔ لکڑیاں اور کریلے تو جنگل سے لاتے تھے لیکن نمک کو جسے وہ اپنی مشقت سے حاصل نہ کر سکتے لوگوں کی طرف سے قبول کر لیا جاتا تھا۔

۴۔ تمام صوفیہ عالم اور فاضل ہوتے تھے۔ صوفیہ کا عوام سے گہرا تعلق ہوتا تھا۔ کیونکہ تصوف زیر دستوں اور مظلوموں کا مسلک تھا۔ چیرمین ماؤسی تنگ کا کہنا ہے کہ "کمیونزم ایک ایسا مسلک ہے جس کا منشا انسانیت کی خدمت ہے"۔ بڑے بڑے صوفیہ کو ماؤسی تنگ کے سے انقلابی مواقع تو میسر نہ تھے لیکن ان کا نظریۂ خدمت بالکل وہی تھا جس کا حوالہ ماؤسی تنگ نے دیا ہے۔ خلیق صاحب نے بھی جابجا اس کی بہت سی مثالیں دی ہیں۔

۵۔ قرونِ وسطیٰ کے کل ادب میں عورت سے شدید نفرت کا اظہار ملتا ہے۔

بغیر کسی وجہ کے عورتوں کو منحوس تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن صوفیہ نے عورتوں کے سلسلے میں ایک بالکل متضاد نظریہ اختیار کیا۔ وہ عورتوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ ایک جگہ کہتے ہیں "فرض کریجیے جنگل سے یک لخت ایک شیر برآمد ہو۔ اس وقت یہ کون پوچھے گا کہ شیر مادہ ہے نر۔" عورت شیخ کے درجہ کو تو نہ پہنچ سکتی تھی۔ لیکن اور قسم کا جنسی امتیاز قطعاً نہ کیا جاتا تھا۔ عورتوں کا احترام کیا جاتا تھا۔ مشقت عورتوں کے لئے بھی ضروری سمجھی جاتی تھی۔ ان کے لئے لازم تھا کہ وہ نماز پڑھیں اور روزہ رکھیں۔ مستند مصنفین اس پر متفق ہیں کہ متصوف عورتیں اپنے کام کو بڑی تن دہی سے انجام دیتی تھیں۔

۶۔ ہر جماعت خانہ علم و فضل کا ایک مرکز ہوتا تھا اور ساتھ ساتھ ایک ایسا مقام بھی جہاں مہمان صوفیہ قیام بھی کر سکیں۔ دستور یہ تھا کہ مہمان، جماعت خانہ کے لوگوں سے ملنے نہیں جاتے تھے بلکہ جماعت خانہ کے ساکنین کا یہ فرض ہوتا تھا کہ وہ مہمان سے جا کر ملیں نشست و برخاست کے آداب ہر شخص پر سختی سے عاید کئے جاتے تھے، ہر جاندار کا احترام کیا جاتا تھا۔ جماعت خانہ میں ہر قسم کی گفتگو کی اجازت تھی لیکن مناظرہ کی کوئی گنجائش نہ تھی، شیخ کی حیثیت ایک روحانی قسم کے آمر کی سی تھی۔ تمام معاملات میں اس کا فیصلہ قطعی سمجھا جاتا تھا لیکن اس سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ مریدین کے ساتھ پدرانہ شفقت سے پیش آئے گا۔

۷۔ تصوف کے مبتدی کو جماعت خانہ میں کس قسم کی تعلیم دی جاتی؟ اس کی تفصیلی تشریح تو خلیق صاحب کریں گے لیکن یہاں میں اتنا بتا دینا کافی سمجھتا ہوں کہ سفر صوفیہ کی تعلیم کا نہایت ہی اہم جزو تھا۔ جس زمانہ میں منگولوں کے حملوں کی وجہ سے سفر ناممکن ہو گیا تھا اس وقت بھی صوفیہ لمبے لمبے سفر کرتے تھے، بے برگ و نوا طعام و قیام کے لئے انھیں لوگوں کے سلوک کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ تین چار مہینہ تک غیر ممالک کا سفر ان کے لئے معمولی بات تھی، مختلف ممالک کے سماجی حالات کا براہ راست مطالعہ کرنے کی وجہ سے ان میں ایک کائناتی نقطۂ نظر پیدا ہو جاتا تھا۔ اور یہ کائناتی نقطۂ نظر اس زمانہ کے مفکرین میں صرف ان ہی کا طرۂ امتیاز تھا۔ سکندر لودی اور ہمایوں کے ہم عصر

Marfat.com

شیخ جمال الدین دہلوی اس کی بہترین مثال ہیں۔ شیخ صاحب دہلی سے مصر گئے، ہرات گئے اور مولانا جامی کے ساتھ قیام کیا۔ واپس آئے تو لوگوں نے کہا کہ ہندوستان کے انتہائی جنوبی گوشہ میں آدم کے پیر کے نشانات کا سراغ ملا ہے۔ چنانچہ پھر عصا سنبھالا اور نکل کھڑے ہوئے۔

۸ - صوفیہ انفرادی آزادی کے بھی زبردست علمبردار تھے۔ وہ تین کا احترام کرتے تھے۔ خدا، رسول اور شیخ یا بالفاظ دیگر سلسلے کی روایات، ان تین کے علاوہ کسی کے سامنے جھکنا ایک صوفی کے مشرب سے خارج تھا۔ بعض صوفیہ تو اس حد تک انفرادیت پسند تھے کہ سلسلے کی روایات سے بھی ان کا جی اکتاتا تھا۔ نہ ان کا کوئی مرشد ہوتا تھا اور نہ کوئی مرید۔ یہ لوگ اویسی کہلاتے تھے۔ مریدین نہ ہونے کی وجہ سے ان کے حالات کا بھی پتہ نہیں چلتا، ایک دن شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ حمید قلندر سے (جنھوں نے شیخ نصیر الدین چراغؒ کے ملفوظات کو قلمبند کیا ہے) کہنے لگے غنیٰ کے مدارج بہت ہیں، لیکن اس کا آخری درجہ غنی عن اللہ ہے۔ پھر کہنے لگے یہ آخری درجہ کیا ہے اس بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں۔

۹ - صوفیہ طبعاً بڑے امن پسند ہوتے تھے۔ نظامی صاحب نے اس مسئلہ کو بالتفصیل بیان کیا ہے اس لئے اس کی تکرار میرے لئے بے کار ہے۔ بعد کی روایات نے صوفیہ کی ایک نئی قسم تخلیق کر لی ہے جو جلالی کہلاتی ہے۔ جلالی صوفیہ کا کام لوگوں کو زجر و توبیخ اور ملامت کرنا تھا۔ بہرکیف ان جلالی صوفیہ کا تصورِ حیات تصوف کے اصولوں کے منافی ہے، قرآن کہتا ہے "اے رسول ہم نے تجھے انسانیت کے لئے رحمت و رافت بنا کر بھیجا ہے" خود اللہ کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے "رحم و کرم اس کا مزاج ہے" چنانچہ ایک صحیح قسم کے صوفی کا فرض یہ ہے کہ وہ لوگوں کے لئے رحمت ثابت ہو اور وہ ان کی خدمت کرے۔ نہ تو اس کا شیوہ ملامت ہونا چاہیئے اور نہ اس کا عمل تشدد۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا کہنا تھا کہ درویشوں کا راستہ عوام کے راستہ سے مختلف ہے، درویش دوست اور دشمن دونوں کا دوست ہوتا ہے۔

26737

گذشتہ صفحات میں مَیں نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ وحدت الوجود کا مسئلہ ایک ایسا صحیح فلسفیانہ نقطۂ نظر ہے جو اپنے انقلابی افتاد و رجحان کے باعث انسان کے لئے ناگزیر ہے۔ دوم یہ کہ تصوف کی روایات ایک جیتے جاگتے ضابطہ کی حیثیت سے اس باب میں ہماری مدد کر سکتی تھیں کہ ہم ماضی اور حال کے سماجی مسائل کا صحیح انقلابی حل تلاش کریں اور یہ حل صوفیہ کے خدمتِ خلق کے شعار کے مطابق ہو۔

موجودہ نسل کا فرض ہے کہ وہ بہتر حالات کے تحت اس منصب کو اپنانے کی کوشش کرے جس میں صوفیہ ناکام رہے ہے۔ صوفیہ نے کوشش کی کہ وہ قرونِ وسطیٰ کے ناکارہ ضوابط کو فنا کر دیں اور عوام کی مادی اور ثقافتی بہبود کے لئے بے لوث خدمت کے ذریعہ ایک نئے معاشرہ کی تشکیل کریں، یہ کام پورا نہ ہو سکا اور آج اس کا متقاضی ہے کہ موجودہ نسل اس کو تکمیل تک پہنچادے۔

نظامی صاحب کی تیسری خصوصیت کے بارے میں شوپنہار کے الفاظ میں میں صرف اتنا کہوں گا کہ وہ تصوف کے لئے جیتے ہیں لیکن تصوف پر ان کا مدارِ زندگی نہیں ہے۔ شیخ نظام الدین اولیأؒ سے کمال وابستگی کی بنا پر وہ خود کو نظامی کہتے ہیں لیکن ان کا کوئی مخصوص پیر یا مرشد نہیں ہے، البتہ ماضی کے تمام صوفیہ ان کے پیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نہ ان کے کوئی مرید ہیں سوائے مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے طلبار کے۔

یہ کتاب اس لئے پیش نہیں کی جارہی ہے کہ یہ بازار میں کامیابی سے فروخت ہو سکے۔ اس کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ تاریخ اور تنقید کی روشنی میں ان مفکرین کی تعلیمات کو پیش کیا جائے اور باقی رکھا جائے جو گفتار و کردار، فکر و عمل میں حق پرستی اور سچائی کے علمبردار تھے۔

نظامی صاحب ہندوستانی تاریخ کے ہونہار نوجوان فاضلوں میں ہیں۔ میری دعا ہے کہ رب العالمین میرے اس نوجوان شریک کار کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنے ان علمی کاموں کو پورا کر سکے جن کو اس نے اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہے۔

محمد حبیب
(پروفیسر تاریخ و سیاسیات)

بدر باغ
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

Marfat.com

Marfat.com

حصہ اول

مقصد اور منہاج

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

آغاز سخن

حرم جویاں درے را می پرستند
فقیہاں دفترے را می پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاراں دیگرے را می پرستند

حقیقت کیا ہے اور کہاں ہے؟ —— انسان نے جب سے اس کرۂ ارضی پر آنکھ کھولی ہے، اس کے وجود کی گہرائیوں سے اس سوال کے جواب کا تقاضا ہوتا رہا ہے۔ قرآن حکیم نے فطرت انسانی کی اس جستجو کا مرقع پوری بلاغت کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں اس طرح کھینچ دیا ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝
فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝
فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ
الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ
اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

الانعام ۶: ۷۵ - ۷۸

Marfat.com

(اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہت کے جلوے دکھا دیئے، تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائے۔

پھر (دیکھو) جب ایسا ہوا کہ اُس پر رات کی اندھیری چھا گئی تو اُس نے (آسمان پر) ایک ستارہ (چمکتا ہوا) دیکھا۔ اُس نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے" (کہ سب لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں) لیکن جب وہ ڈوب گیا، تو کہا "نہیں، میں اُنھیں پسند نہیں کرتا جو ڈوب جانے والے ہیں" (یعنی طلوع و غروب ہوتے رہتے ہیں) پھر جب ایسا ہوا کہ چاند چمکتا ہوا نکل آیا، تو ابراہیم نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے" لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا "اگر میرے پروردگار نے مجھے راہ نہ دکھادی ہوتی تو میں ضرور اُسی گروہ میں سے ہو جاتا جو سیدھے راستے سے بھٹک گیا ہے!"

پھر (جب صبح ہوئی اور) سورج چمکتا ہوا طلوع ہوا، تو ابراہیم نے کہا "یہ میرا پروردگار ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے"۔ لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اُس نے کہا "اے میری قوم! تم جو کچھ خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو، میں اس سے بیزار ہوں میں نے ہر طرف سے منھ موڑ کر، صرف اُس ہستی کی طرف اپنا رخ کر لیا ہے جو (کسی کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ) آسمان اور زمین کی بنانے والی ہے (اور جس کے حکم اور قانون پر آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات چل رہی ہے)، اور میں ان سے نہیں جو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے ہیں!" [1]

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ معصیت سے پاک نگاہ، غفلت سے منزہ دل اور وضعیت میں نہ الجھی ہوئی رُوح، حقیقت کو بالکل بے نقاب دیکھ سکتی ہے۔ اقبال نے اس حقیقت کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے ؎

وہ سکوتِ شام صحرا میں غروبِ آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بینِ خلیل

---

[1] ترجمان القرآن ج ۱ ص ۴۵۵

Marfat.com

تفکر اور تدبّر کے ذریعہ جب بھی انسان نے معرفت حق کی راہ تلاش کی ہے تو ایک منزل سے آگے اس نے اپنی جستجو کے لئے سارے دروازے بند پائے ہیں۔ محسوسات وبدیہات نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ فلسفہ اور منطق کی موشگافیاں اسکے دل کو الجھا تو سکی ہیں لیکن اس کی تشفی کا سامان مہیا کرنے سے یکسر قاصر رہی ہیں۔ امام رازیؒ کی طرح اس منزل کے سب رہ نوردوں کو بالآخر یہ اعتراف کرنا پڑا ہے کہ

لقد تأملت الطرق الکلامیہ، والمناھج الفلسفیہ، فمارأیتہا تشفی علیلاً ولا تروی غلیلاً [1]

میں نے علم کلام اور فلسفہ کے تمام طریقوں کو خوب دیکھا بھالا لیکن بالآخر معلوم ہوا کہ نہ تو ان میں کسی بیمار دل کے لئے شفا ہے نہ کسی پیاسے کے لئے سیرابی

کائنات کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان پہلے اپنی حقیقت کو سمجھے۔ چنانچہ قرآن ہدایت کرتا ہے ـــــ

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝

(۵۱ : ۲۰-۲۱)

اور یقین رکھنے والوں کے لئے زمین میں (معرفتِ حق کی) نشانیاں ہیں اور خود تمہارے وجود میں بھی۔ پھر کیا تم دیکھتے نہیں ؟

دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی قوم یا ملّت ہو جس نے اپنے ماحول اور صلاحیت کے مطابق معرفت حق کی کوشش نہ کی ہو نطق انسانی نے مختلف زبانوں کا پیکر بدل بدل کر اس راز کو سمجھنے اور ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گڈریے کی معصوم فطرت نے اپنے رب

---

[1] نقلہ ملا علی القاری فی شرح الفقہ الاکبر۔

Marfat.com

کو اس طرح پکارا ؎

تو کجائی تا شوم من چاکرت
چارقت دوزم کنم شانہ سرت

(تو کہاں ہے (بتا) تاکہ میں تیرا نوکر بن جاؤں۔ تیرا پاتابہ سیوں
اور تیرے سر میں کنگھی کروں)

تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کو سوءِ ادب سمجھ کر روکنا چاہا۔ لیکن اُن پر عتاب الٰہی ہوا اور وحی آئی ؎

بندۂ ما را ز ما کردی جدا

(ہمارے بندہ کو ہم سے تو نے جدا کر دیا) (مثنوی دفتر دوم ص ۱۶۶۔ ۱۶۵)

معرفت حق کی جستجو ایک گڈریے کے دل کو بھی اُس طرح بے چین کر سکتی ہے، جس طرح ایک عارف کے دل کو۔ اِسی انسانی جستجو کا نام تصوّف ہے۔

لیکن شاید کسی مذہب میں اس نوع کی جد و جہد نے وہ اہمیت اور ہمہ گیری اختیار نہیں کی جو اسلام میں تصوف کی تحریک کو حاصل ہوئی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ تاریخِ اسلام میں ان عوامل اور محرکات کا تجزیہ جن کے ذریعہ اسلامی فکر مختلف ذہنی اور سماجی فضا میں آگے بڑھی اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک صوفیہ کی زندگیوں اور اُن کے طریقۂ کار کا جائزہ پوری دقتِ نظر کے ساتھ نہ لیا جائے، تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ بایں ہمہ مسلمانوں کے فکر و عمل کا شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہو جس پر تصوف سے زیادہ تنقید و تبصرہ کیا گیا ہو۔ مآخذ سے لے کر مقاصد اور اثرات تک اس کے ہر ہر پہلو پر انتہائی شد و مد کے ساتھ نکتہ چینی کی گئی ہے۔ ناقدین نے صرف اسکے سرچشموں ہی کو غیر اسلامی بتانے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ملت اسلامیہ کے اکثر امراض کا باعث ہی اس کو قرار دیا ہے، کش مکشِ حیات سے گریز، راہبانہ زندگی، اتباع شریعت سے انحراف، غیر اسلامی فکر و کردار —— غرض طرح طرح کے الزام تصوف اور صوفیہ پر عائد کئے گئے ہیں۔ بعض ناقدین نے تو اپنے لہجے میں اس قدر سختی پیدا کر لی

ہے کہ صدق وانصاف کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے اور انھوں نے تاریخی حقائق سے چشم پوشی کر کے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ تصوف 'اسلام کے رُخِ روشن پر ایک بدنما داغ تھا ——— اگر یہ الزامات صرف "صوفیۂ خام" اور "مسخ شدہ تصوف" پر ہیں تو ان کی صداقت میں کلام نہیں، لیکن اگر بلا استثنا تصوف اور صوفیۂ کرام پر ہیں تو غلط ہی نہیں بلکہ گمراہ کن بھی ہیں۔ حقیقی تصوف مذہب کی روح، اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال ہے۔ اس کی اساس شریعت ہے اور اُس کا سرچشمہ قرآن و حدیث۔ یہ شریعت کی نفی نہیں بلکہ اس کی توضیح ہے۔ صرف اقرار باللسان نہیں، بلکہ اقرار بالقلب بھی ہے۔

(۲) پھر کچھ لوگ اس غلط فہمی میں بھی مبتلا ہیں کہ تصوف جُہلا کا مسلک تھا۔ اور صوفیہ علمِ دین سے نابلد تھے۔ مشایخ کے حالات کا سرسری مطالعہ بھی اس الزام کی نوعیت دریافت کرنے کے لئے کافی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز پر ان بزرگوں نے سب سے زیادہ زور دیا وہ علم ہی تھا۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ فرمایا کرتے تھے کہ جاہل پیر مسخّر شیطان ہو جاتا ہے۔ اس کی نگاہ حقیقت اور سراب میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ وہ دل کی بیماریوں کی صحیح تشخیص اور مناسب علاج نہیں کر سکتا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں:

پیر آنچناں باید کہ در احکام شریعت و طریقت وحقیقت عالم باشد۔ وچوں ایں چنیں باشد، او خود ہیچ نامشروع نہ فرماید" [1]	پیر ایسا ہونا چاہئے کہ احکام شریعت، طریقت اور حقیقت کا علم رکھتا ہو، اگر ایسا ہوگا تو خود کسی نامشروع چیز کے لئے نہ کہے گا۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کا یہ اصول تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو جو عالم نہ ہو، خلافت عطا نہیں

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۴۷

Marfat.com

فرماتے تھے[۱] شاہ ولی اللہ دہلوی نے قرآن اور حدیث کے علم کو ایک پیرو مرشد کے لئے لازمی قرار دیا ہے[۲] حضرت یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے:

اجتنب صحبة ثلاثة اصناف من الناس العلماء الغافلین والفقراء المداھنین والمتصوفة الجاھلین[۳]	تین قسم کے آدمیوں کی صحبت سے بچنا چاہئے۔ ایک غافل عالم سے اور دوسرے مکار فقیر سے، اور تیسرے جاہل صوفی سے۔

علامہ ابن جوزی تصوف کے حامیوں میں نہیں تھے، لیکن ان کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ

وماکان المتقدمون فی التصوف الا رؤساء فی القرآن والفقہ والحدیث والتفسیر[۴]	قدمائے صوفیہ قرآن، فقہ، حدیث اور تفسیر کے امام تھے۔

(۳) پھر صوفیۂ کرام پر ایک عام الزام رہبانیت کا ہے۔ لیکن الزام لگانے والوں نے کبھی یہ غور نہیں کیا کہ جس چیز کو صوفیہ نے ترک کیا وہ دنیا نہ تھی، دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال تھا[۵] وہ کہتے تھے کہ انسان اللہ کی دی ہوئی سب نعمتوں سے فائدہ اٹھائے، اس کائنات کی ایک ایک چیز سے مستفید ہو[۶] لیکن اس طرح کہ دنیا کی محبت اُس کے دل کو آلودہ

---

[۱] سیر الاولیا۔ ص ۲۸۸ [۲] قول الجمیل۔ ص ۱۴ [۳] کشف المحجوب۔ ص ۱۳ [۴] تلبیس ابلیس۔ ص ۳۴۵

[۵] مولانا ابو الکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں اسی حقیقت کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے "دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال روحانی سعادت کے خلاف ہے"۔ ج ۲ ص ، [۶] قرآن میں متقی لوگوں کے متعلق کہا گیا ہے

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (۲۴ : ۳۷)	جن کو خرید و فروخت وغیرہ دنیاوی اشغال ذکر خدا سے غافل نہیں کرتے۔

یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ جو "دنیاوی اشغال میں شرکت نہیں کرتے" بلکہ ان کی خوبی یہ بیان کی گئی ہے کہ اسکے باوجود وہ خدا سے غافل نہیں ہوتے۔ خیر المجالس میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رح نے اسی نقطۂ نظر سے معاملہ کی نوعیت کو واضح کیا ہے۔ ص ۱۸۳-۱۵۶

Marfat.com

نہ کرنے پائے[1] اور جب جان دینے اور اس کی لذتوں سے دست بردار ہونے کی دعوت دی جائے تو وہ لبیک کہتے ہوئے، اس طرح دوڑے گویا بھوکے کو غذا کی اور پیاسے کو پانی کی پکار سنائی دی۔ اس کی زندگی کا محور و مرکز رضائے خداوندی بن جائے اور اس کے قلب کی بے چین دھڑکنیں صبح و شام یہ ہی پکارنے لگیں ؎

مقصود من بندہ ز کونین توئی

از بہر تو میرم ز برائے تو زیم[2]

حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کے یہ الفاظ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ فرماتے ہیں:

ترکِ دنیا آں نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً لنگوٹہ بہ بندد و بنشیند، ترک دنیا آں است کہ لباس بپوشد، وطعام بخورد، وانچہ می رسد رَوا بدارد، وبجمع او میل نکند، وخاطر را متعلق چیزے ندارد، ترک دنیا است۔[3]	ترک دنیا کے یہ معنی نہیں کہ کوئی اپنے آپکو ننگا کرے اور لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے اور کھائے بھی اور حلال کی جو چیز پہنچے اسے روا رکھے۔ لیکن اس کے جمع کرنے کی طرف رغبت نہ کرے اور دل کو اس سے نہ لگائے۔ ترک دنیا یہ ہے۔

عارف رومیؒ نے اس خیال کی ترجمانی اس طرح کی ہے ؎

---

[1] کسی صوفی شاعر کا کہنا ہے کہ انسان دنیا میں اس طرح سے رہے، جیسے مرغابی پانی میں کہ جب پانی سے باہر نکلتی ہے تو پر خشک ہوتے ہیں ؎

بگیر رسم تعلق دلا ز مرغابی

کہ او ز آب چو برخاست خشک پر برخاست

[2] بابا فرید گنج شکرؒ اکثر تنہائی میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو، فوائد الفواد، ص ۲۰۳ ؛ خیر المجالس، ص ۲۰۳ ؛ [3] فوائد الفواد۔ ص ۹

چیست دنیا؟ از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

شیخ ہجویریؒ ایک بزرگ کا قول نقل کرتے ہیں کہ فرمایا کرتے تھے:

لیس الفقیر من خلی من الزاد	فقیر وہ نہیں ہے کہ اس کا ہاتھ متاع
انما الفقیر من خلی من المراد[1]	اور توشہ سے خالی ہووے، بلکہ فقیر وہ ہے
	جس کی طبیعت مراد سے خالی ہووے

اگر یہ "رہبانیت" ہے تو پھر یہ طے کرنا ہوگا کہ اسلام کی تعلیم کیا ہے؟

(۴) شاید حقایق سے اس قدر بے اعتنائی کا ثبوت کبھی نہیں دیا گیا جتنا یہ کہہ کر کہ صوفیہ نے ایک 'خانقہی مزاج' پیدا کر کے ملّت کے قوائے عمل کو مضمحل کر دیا۔ یہ الزام غلط اور بے بنیاد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں نے ملّت کے عروقِ مردہ میں ہمیشہ نئی روح پھونکی ہے اور زوال و انحطاط کے زمانہ میں تجدید و احیار کے راستے تلاش کئے ہیں، اور یہ ہی ان کے کارناموں کا ایک ایسا گوشہ ہے جس کا اب تک تعصب اور تنگ نظری سے الگ ہو کر جائزہ نہیں لیا گیا۔ تاریخ کے طلبار نے شاہی خاندانوں کے عروج و زوال کی داستانوں میں اپنے آپ کو کچھ اس طرح گم کر دیا ہے کہ اُن کے نزدیک تاریخ صرف دربار اور میدانِ جنگ سے ہی عبارت ہو کر رہ گئی ہے۔ گویا سنائیؒ کا یہ دعوت نامہ اُن کے کانوں تک پہنچا ہی نہیں ؎

اے کہ شنیدی صفتِ روم و چین
خیز و بیا مُلکِ سنائیؒ بہ بیں

مذہبی تذکرہ نگاروں نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس طرح کہ ان بزرگوں کے اصلی خط و خال ہی چھپ گئے۔ اور ماحول کے صحیح پس منظر میں نہ ان کو دیکھا جا سکا اور نہ انسانیت کی سطح پر ان کی عظمت و بلندی کا اندازہ لگایا جا سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگوں کی سوانح

---

[1] کشف المحجوب (اردو ترجمہ) ص ۵۶

حیات، کرامات کی چند بے معنی داستانوں کا مجموعہ بن کر رہ گئی۔ وقت کا تقاضا ہے کہ اِن بزرگوں کے حالات بنی نوع انسان اور ملّت کی ضروریات کے آئینہ میں دیکھے جائیں، تاکہ اُن کے افکار، سیرت اور کارناموں کی صحیح نوعیت واضح ہو سکے۔

یورپ کے مستشرق جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو انھیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی زوال کبھی اُن کے دینی نظام کو تباہ نہ کر سکا۔ بلکہ بقول پروفیسر ہٹی HITTI اکثر ایسا ہوا کہ 'سیاسی اسلام' کے نازک ترین لمحات میں 'مذہبی اسلام' نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔[۱] ہولینڈ کے ایک فاضل لوکے گارد FREDE LOKKEGAARD نے دبے انداز میں اس بات پر استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ گو اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔[۲]

کیا ان اسباب کا تجزیہ ممکن نہیں جنھوں نے مسلمانوں کی دینی زندگی کو سیاسی زوال کے خطرناک اثرات سے بچایا اور زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کے فکر و عمل میں تبدیلیاں پیدا کیں۔ انگلستان کے ایک مشہور اور ذی علم مستشرق پروفیسر ایچ۔ اے۔ آر۔ گب H.A.R. GIBB نے ایک مرتبہ آکسفورڈ یونیورسٹی کی مجلس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:۔

"تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا ہے لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیہ کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔"[۳]

---

[۱] HISTORY OF THE ARABS, P. 475

[۲] ISLAMIC TAXATION IN THE CLASSIC PERIOD, (COPENHAGEN 1950)

[۳] ISLAMIC CULTURE 1942, P. 265

Marfat.com

پروفیسر گب کی رائے سے ہمیں پورا پورا اتفاق ہے۔ اسلامی تاریخ میں صوفیۂ کرام کے کارنامے یقیناً اسی نظر سے مطالعہ کے مستحق ہیں۔ مسلمانوں کی ملی زندگی میں جب کوئی مشکل مقام آیا ہے تو ان ہی بزرگوں نے بصیرت اور حکمت کے ساتھ نامساعد حالات کا مقابلہ کیا ہے۔ ان کا ہاتھ ملت کی نبض پر اور اُن کا دماغ تجدید و احیاء کی تدبیریں سوچنے میں مصروف رہتا تھا۔ اسلامی سوسائٹی کا صحیح مزاج قائم رکھنے کے لئے انھوں نے بڑی پُرخلوص جدوجہد کی تھی۔ حقیقت میں اس حکم خداوندی کی تعمیل کی کہ

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ

اور تم میں ایک اُمت ہونا چاہیئے جو خیر کی طرف بلائے اور ممنوعات سے روکے۔

اُن ہی کے ذریعے ہوئی۔ اسلامی تاریخ کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ ان بزرگوں نے کس طرح "یَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ" اور "يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" کی خدمات انجام دی ہیں۔ جب مسلمانوں کی سیاسی ترقی کا دور آیا اور عسکری کامیابیوں نے آنکھوں کو خیرہ کردیا، تو یہ بزرگ مادیت کے سیلاب کو روکنے میں لگ گئے۔ جب سیاسی نظام درہم برہم ہوا تو "ذہنی انتشار" کے خلاف لڑنے لگے۔ جب قوم کا اخلاقی مزاج بگڑتا ہوا پایا تو انھوں نے اپنی تمام ذہنی اور عملی صلاحیتیں صحت مند عناصر کو اُبھارنے میں صرف کردیں، اس احساس کے ساتھ کہ 'سنت اللہ' غفلت و معصیت کا نتیجہ ہلاکت و بربادی کی صورت میں ظاہر کرتی ہے:

سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ○ (۳۳ : ۶۲)

یہ اللہ کا قانون ہے جس کے مطابق تمام گزری ہوئی قوموں سے سلوک ہوا اور اللہ کے قانون میں تم کبھی تبدیلی نہ پاؤ گے

میر خورد[۱] نے سچ کہا ہے:

وکانوا الدین اللہ حصنا مؤیدا
وسنة من سیئتہ خیر مرسل[۱]

وہ خدا کے دین اور پیغمبر کی سنت کے لئے مضبوط قلعے تھے۔

---

[۱] سیر الاولیاء۔ ص ۱۴-۱۳

(۵) کوئی انسانی تحریک، خواہ وہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو، جب افراط وتفریط، عمل ورد عمل کا بازیچہ بنتی ہے تو اس کی شکل مسخ ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ فقہ اسلامی کی تدوین نے مسلمانوں کی دینی اور سماجی زندگی کو سنوارنے میں عظیم الشان کام کیا لیکن جب اس کو حیلہ بازیوں کا ذریعہ بنایا گیا، تو مسلمانوں کی عملی زندگی بالکل بے روح ہو کر رہ گئی۔ متکلمین نے اسلام کو یونانی فلسفہ کی زد سے بچانے میں بڑی خدمت انجام دی لیکن جب علم کلام نے شبہات وشکوک پیدا کرنا اپنا مقصد بنالیا تو مسلمانوں کی ذہنی زندگی میں شدید انتشار پیدا ہوگیا۔ یہی حال تصوف کا بھی ہوا۔ جب باطنی زندگی کو ظاہری زندگی سے الگ کیا گیا تو شریعت وطریقت کی تفریق پیدا ہوگئی۔ دنیا پرستی سے گریز کو رہبانیت کی شکل دے دی گئی۔ مجاز پرستی، پیر پرستی، قبر پرستی، نغمہ وسرود کو روحانی ترقی کا لازمی جزو قرار دے لیا گیا —— بے شک یہ سب گمراہیاں تصوف میں پیدا ہوئیں۔ لیکن اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ صوفیۂ صافی نے ہمیشہ ان گمراہیوں کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ اور ان فاسد عناصر کو خارج کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے ہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ وغیرہم جنھوں نے صوفیۂ خام کی صدہا برائیوں کی نشان دہی کی ہے، خود صوفی تھے! حقیقی تصوف اور مسخ شدہ تصوف میں امتیاز کئے بغیر اسلامی تاریخ کے اہم واقعات کا تجزیہ ممکن نہیں۔

(۶) تصوف کے مقصد اور منہاج کے متعلق یہ گفتگو شاید نامکمل رہے، اگر اس ضمن میں مختصراً اُن دو[1] بنیادی اصولوں کا ذکر نہ کر دیا جائے جو صوفیہ کی سعی وجہد کا مرکز ومحور تھے اور جن کے ذریعہ انھوں نے تخلیق کائنات کا مقصد پورا کرنے کی کوشش کی۔

(۱) انسان کی زندگی، خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، بغیر "اتقا" کے کامیاب ہو ہی نہیں سکتی۔ "اتقا" کے معنی ہیں تمام دنیاوی آلائشوں، جسمانی خواہشوں اور نفسانی

---

[1] تفصیل آگے آئے گی۔

مطالبوں سے جسم و روح کو محفوظ رکھنا۔ تمام عبادتوں کا مقصد اور منشا بھی یہی ہے۔۔۔
چنانچہ نماز کے متعلق قرآن میں تصریح کی گئی ہے ۔۔۔۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (۲۹ : ۲۵)
نماز ہر قسم کی بد اخلاقیوں سے انسان کو روکتی ہے۔

روزہ کے متعلق کہا گیا ہے ۔۔۔۔

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (۲ : ۱۸۳)
روزے کے ذریعہ تم پرہیزگار بن جاؤ گے۔

زکوٰۃ کے متعلق حکم ہوتا ہے ۔۔۔۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِہِمْ صَدَقَۃً تُطَھِّرُھُمْ وَتُزَکِّیْہِمْ بِھَا (۹ : ۱۰۳)
اُن کے مال و دولت میں ایک حصہ بطور صدقہ کے لے لو، کیونکہ تم اس کے ذریعہ اُن کو بخل اور حرص و طمع کی بد اخلاقیوں سے پاک و صاف کر سکو گے۔

اس عبادت سے انسان خود اپنی شخصیت کی تکمیل کرتا ہے۔ اگر انسان میں یہ جذبۂ عبادت کمزور پڑ جائے تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ مرتبہ انسانیت سے نیچے گر رہا ہے۔ قرآن میں ارشاد

لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغَافِلُوْنَ ٥ (۷ : ۱۷۹)
اُن کے پاس دل ہیں مگر سوچتے نہیں اُن کے پاس آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں، اُن کے پاس کان ہیں مگر سنتے نہیں، وہ مثل چارپایوں کے ہو گئے بلکہ اُن سے بھی بدتر اور یہی ہیں کہ غفلت میں ڈوب گئے!

اس جذبۂ عبادت کو قلب انسانی میں بیدار رکھنا، صوفیہ کی نظر میں سب سے اہم اور

Marfat.com

پاکیزہ فریضہ تھا جس کے لئے انھوں نے اپنی زندگیوں کو وقف کر دیا تھا۔

(ب) انسان کا سب سے اہم اور ارفع کام انسانیت کی خدمت ہے اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ جب "غمِ حیات" بوجھ بن جائے تو انسان کو "مقصدِ حیات" سے روشناس کر کے اس کی اخلاقی قوتوں کو بیدار کر دیا جائے، یہاں تک کہ فقر میں اس کو فخر محسوس ہونے لگے۔ انسانی فطرت سکون کی متلاشی ہے۔ مادی وسائل کی جد و جہد جتنی بڑھتی ہے، اتنا ہی یہ سکون ختم ہوتا جاتا ہے اور بے چینی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ انسان کی بدبختی یہ ہے کہ جو چیز اس کے سکون اور اطمینان کو برباد کرتی ہے اسی کے مزید حصول میں اپنے مرض کا علاج تلاش کرتا ہے اور زہر کو تریاق سمجھ کر پیتا ہے۔ انسان کے حقیقی اطمینان اور خوشی کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ جتنا اُس سے قُرب ہوتا ہے، مسرّت کے سوتے اس کی زندگی میں اُبل پڑتے ہیں۔ معبودِ حقیقی کے وجود کا احساس اُس کے پیکرِ خاکی میں ایک ایسی قوت پیدا کر دیتا ہے، جو اُس کو عزتِ نفس، خودداری، استغنا، اور سچی انابت سے مالامال کر دیتی ہے۔ اپنے رب کے سامنے ایک سجدہ کے بعد انسان، نہ صرف ہزاروں سجدوں سے نجات پا جاتا ہے بلکہ اس کی زندگی کا محور ہی بدل جاتا ہے۔ پھر جو انسان بندوں کے دل خالقِ کائنات سے اس طرح جوڑنے کی کوشش کرتا ہے وہ نہ صرف تخلیقِ کائنات کا منشا پورا کرتا ہے۔ بلکہ انسان کی حقیقی راحت اور مسرّت کا سامان بھی مہیا کرتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ	جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے اُن کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔
(سورہ رعد)	

صوفیہ نے اِسی قرآنی نسخہ سے دلوں کا علاج کیا۔ اور اسی کو اپنا مقصدِ زندگی قرار دے کر اپنی جہد و سعی کا نقشہ بنایا۔

Marfat.com

باب دوم

لفظ 'صوفی' کی تحقیق

لفظ 'صوفی' کے مادہ اشتقاق پر علماء میں بڑا اختلاف رہا ہے۔ گیارہویں صدی عیسوی تک اس موضوع پر اتنا لٹریچر جمع ہو چکا تھا کہ حضرت شیخ علی ہجویری رح لکھتے ہیں :—

" مردماں اندر تحقیق ایں اسم بسیار سخن گفتہ اند، وکتب ساختہ "[1]	لوگوں نے اس اسم کی تحقیق کے بارے میں بہت باتیں کہی ہیں، اور کتابیں تصنیف کی ہیں۔

عام طور پر کتب تصوف میں مندرجہ ذیل مادہ اشتقاق سے بحث کی گئی ہے :

(۱) صَفَا — بمعنی پاکیزگی و صفائی قلب۔

(۲) اہلِ صُفّہ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کچھ بزرگ تھے جو مسجد نبوی میں ہر وقت عبادت کرتے رہتے تھے۔

(۳) صَف — وہ لوگ جو ہمیشہ صفِ اول میں نماز ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

(۴) صوفہ — ایک قدیم قبیلہ کا نام ہے جو کعبہ کا خادم تھا۔

(۵) صفوت القفا۔ گدی پر جو بال ہوتے ہیں اُن کو کہتے ہیں۔

---

[1] کشف المحجوب۔ ص ۲۲ (مطبوعہ لاہور)

Marfat.com

(۶) **تھیوصوفیا** — یونانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں حکمت الٰہی۔

(۷) **صوفانہ** — ایک قسم کا پودا ہوتا ہے۔

(۸) **صُوف** — بمعنی پشمینہ یا اون۔

ہر مکتب خیال کے علماء نے اپنی رائے کی تائید میں طویل بحثیں کی ہیں، لیکن کسی نے بقول شیخ ہجویریؒ "مقتضائے لغت" کی طرف توجہ نہیں کی۔ عربی لُغت کی رو سے صَفَا سے جو لفظ بنے گا وہ "صفوی" ہوگا نہ کہ صوفی، صُفہّ سے "صُفّی" بنے گا نہ کہ صوفی۔ اسی طرح صف سے "صفی" بن سکتا ہے، صوفی نہیں، اگر صوفی کی نسبت صوفانہ کی طرف ہوتی تو یہ لفظ "صوفانی" ہوتا، نہ کہ صوفی۔

ابو ریحان البیرونی کا خیال ہے کہ لفظ 'صوفی' کا مادۂ اشتقاق عربی نہیں بلکہ ایک یونانی کلمہ ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے:

السوفیۃ ھم الحکماء فان السوف بالیونانیۃ الحکمۃ و بہا یسمی الفیلسوف فیلاسوفا ای محب الحکمۃ ولما ذھب فی الاسلام قوم الی قریب من رایہم سمّوا باسمہم ولم یعرف اللقب [1]	صوفی بمعنی فلاسفر ہے۔ کیونکہ یونانی میں لفظ سوف بمعنی فلسفہ ہے، یہی وجہ ہے کہ یونانی میں فیلسوف کو فیلاسوفا کہتے ہیں یعنی فلسفہ کا دلدادہ چونکہ اسلام میں ایک جماعت ایسی تھی جو ان کے مسلک کے قریب قریب تھی اسی بنا پر اس جماعت کا نام بھی صوفی پڑ گیا۔

مشہور مستشرق نالڈیکی NOLDEKE نے اس خیال کی نہایت پرزور تردید کی ہے اور تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یونانی الفاظ کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا جو قاعدہ رائج تھا اس کے لحاظ سے لفظ صوفی کا مادہ اشتقاق کوئی بھی

---

[1] کتاب الہند۔ ص ۱۶

Marfat.com

یونانی کلمہ نہیں ہوسکتا۔ [۱]

جمہور صوفیہ کا خیال یہ ہے کہ لفظ 'صوفی'، صوف سے مشتق ہے۔ چنانچہ شیخ ابوالنصر سراج رح (المتوفی ۳۷۸ھ) فرماتے ہیں:

الصوفية نسبوا الى ظاهر اللبسة لان لبسة الصوف دأب الانبياء وشعار الاولياء والاصفياء [۲]

صوفیہ اپنے ظاہری لباس کی وجہ سے صوفی کہلائے، یہ اس لئے کہ بھیڑوں کی اون کے کپڑے پہننا، انبیاء، اولیاء، برگزیدہ ہستیوں کا نشان خاص ہے

یہی رائے ابن خلدون کی بھی تھی۔ لکھتے ہیں:

"میری رائے میں صوفی صوف ہی سے مشتق ہے کیونکہ یہ فرقہ عام لوگوں کے برخلاف اعلیٰ درجہ کے کپڑے پہننے کی جگہ موٹے جھوٹے اونی کپڑے پہنتا رہا ہے" [۳]

پروفیسر براؤن E BROWNE نے لکھا ہے کہ اس خیال کی تائید کہ صوفی کی نسبت صوف کی طرف ہے، اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایران میں صوفی کو پشمینہ پوش کہا جاتا ہے۔ [۴]

اسی سلسلہ میں ایک دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صوفی کا لفظ کب اور کس کے لئے استعمال ہوا؟ ——— امام قشیری رح اپنے رسالے میں لکھتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کے سوا برگزیدہ مسلمانوں کا اور کوئی لقب قرار نہیں دیا گیا۔ کیونکہ شرفِ صحبت سے بڑھ کر اور کوئی شرف نہیں ہوسکتا تھا۔ پھر جن لوگوں نے صحابہ کی صحبت پائی، ان کو تابعین کہا گیا، اُس کے بعد لوگ تبع تابعین کے لقب سے پکارے گئے۔ پھر لوگوں کے مختلف درجے ہوتے گئے، اس لئے جن بزرگوں کی توجہ دین کی طرف زیادہ ہوئی ان کو زاہد و عابد کے لقب

۱۔ Z. D. M. G, XL VIII, P-45

۲۔ کتاب اللمع ص ۲۱۔ ۳۔ مقدمہ ابن خلدون۔ اردو ترجمہ۔ جلد سوم ص ۱۲۷

۴۔ LITERARY HISTORY OF PERSIA VOL I P 417

Marfat.com

سے پکارا گیا لیکن جب بدعات کا ظہور ہوا اور مختلف فرقے پیدا ہو گئے تو ہر فریق نے یہ دعویٰ کیا کہ اُن میں زُہّاد پائے جاتے ہیں اِس لئے خواص اہلِ سُنت، تصوف کے نام سے ممتاز ہوئے اور دوسری صدی سے پہلے ان بزرگوں نے اس نام سے شہرت پائی۔" [۱]

مولانا جامی رح کی تحقیق یہ ہے کہ سب سے پہلے جو بزرگ صوفی کے لقب سے مشہور ہوئے وہ شیخ ابو ہاشم کوفی رح [۲] (المتوفی ۱۵۰ھ / ۷۶۷ء) تھے۔ چنانچہ نفحات الانس میں لکھتے ہیں:

"اول کسیکہ ویرا صوفی خواندہ اند وے بود، پیش از وے کسے را باین نام نخواندہ بودند" [۳]

کتاب اخبار مکہ کی ایک روایت کے بموجب لفظ 'صوفی' اسلام سے پیشتر بھی رائج تھا اور عابد و برگزیدہ اشخاص کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

شیخ ابو النصر سراج رح لکھتے ہیں کہ لوگوں کا یہ خیال کہ یہ اصطلاح بغدادیوں کی رائج کی ہوئی ہے، قطعاً غلط ہے۔ اس لئے کہ یہ لفظ حضرت حسن بصری رح کے زمانہ میں رائج تھا اور ان کا زمانہ صحابیوں کی معاصرت کا تھا۔ کتاب اللمع میں فرماتے ہیں:

"کان یعرف هذا الاسم فی	یہ لفظ (یعنی صوفی) حسن بصری رح کے
وقت الحسن البصری روی عنہ	زمانہ میں معروف تھا۔ چنانچہ ان سے
انہ قال رایت صوفیا فی الطواف	مروی ہے کہ میں نے ایک صوفی کو طواف
وروی عن سفیان الثوری انہ	کرتے دیکھا۔ سفیان ثوری رح فرماتے
قال لولا ابو هاشم الصوفی ما عرفت	ہیں کہ اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو
دقیق الریاء، وقد ذکر فی الکتاب	میں ریا خفی کو نہ سمجھ سکتا۔ کتاب تاریخ
الذی جمع فیہ اخبار مکۃ عن محمد	مکہ میں محمد بن اسحاق وغیرہ سے مروی

---

[۱] رسالہ قشیریہ۔ ص ۹ (مطبوعہ مصر) [۲] شیخ ابو ہاشم کوفی رح کی صحبت میں حضرت سفیان ثوری رح (المتوفی ۱۶۱ھ / ۷۷۷ء) بھی رہے تھے۔ [۳] نفحات الانس ص ۲۲ (مطبوعہ بمبئی)

Marfat.com

بن اسحق وغیرہ یذکر فیہ حدیثا ان قبل الاسلام قد خلت مکۃ فی وقتٍ من الاوقات حتی کان لایطوف بالبیت احدٌ وکان یجئ من بلاد بعیدۃ رجل صوفی فیطوف بالبیت وینصرف، فان صح ذالک یدل علی ان قبل الاسلام کان یعرف ھذا الاسم وکان ینسب الیہ اھل الفضل والصلاح" [1]

ہے کہ اسلام سے قبل ایک بار مکہ خالی ہو گیا اس وقت بیت اللہ کا طواف کرنے کے لئے کوئی متنفس باقی نہ رہا۔ البتہ کسی دور دراز علاقہ سے ایک صوفی مرد آتا اور طواف کرکے واپس چلا جاتا تھا۔ اگر یہ روایت پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو ثابت ہو گا کہ اسلام سے پیشتر بھی یہ لفظ مستعمل تھا اور ارباب فضل وصلاح کے لئے بولا جاتا تھا۔

ابو محمد جعفر بن احمد بن حسین السراج القاری نے امیر معاویہؓ کا ایک خط نقل کیا ہے جو انھوں نے ابن ام الحکم، گورنر مدینہ کے نام لکھا تھا، اس میں ایک شعر تھا:

قد کنت تشبہ صوفیا لہ کتب
من الفرائض او آیات فرقان [2]

(تو مشابہ تھا ایسے صوفی سے جس کے پاس کتابیں
ہوں جن میں فرائض اور آیات قرآن مذکور ہوں)

اس روایت کو اگر صحیح مان لیا جائے [3] تو صوفی کا لفظ پہلی صدی ہجری میں استعمال ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

---

[1] کتاب اللمع ص ۲۲۔

[2] مصارع العشاق۔ ص ۲۲۴ (مطبوعہ الجوائب قسطنطنیہ)

[3] یہ روایت سند متصل کے طور پر ابو مخنف سے ہشام بن عروہ تک جاتی ہے۔

باب سوم

تصوف کے مآخذ

تصوف کے مآخذ کیا ہیں؟ اس کا منبع و مخرج کہاں تلاش کرنا چاہئے؟ ـــــ علمار اسلام اور مستشرقین نے اس مسئلہ میں مختلف آرا کا اظہار کیا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تصوف، یونانی فلسفہ کے زیر اثر پیدا ہوا۔ پروفیسر نکلسن NICHOLSON نے اس خیال کو بڑے وثوق کے ساتھ اپنی تصانیف میں پیش کیا ہے۔ اور صوفیہ اور حکمار یونان کے خیالات میں تطبیق کی کوشش کی ہے۔ ڈوزی DOZY فان کریمر VONKREMER وغیرہ کی رائے ہے کہ تصوف، فلسفہ ویدانت سے ماخوذ ہے۔ پھر کچھ لوگ بُدھ مذہب کو اس کا منبع قرار دیتے ہیں[1] جن لوگوں کا یہ اصرار ہے کہ تصوف کا مخرج غیر اسلامی ہی قرار دیا جائے، اُنھیں مندرجہ ذیل پہلوؤں کو بھی نظر میں رکھنا چاہئے

(۱) اگر دو تحریکوں کے بنیادی اصولوں میں یکسانیت ہو، تو محض اس یکسانیت کی بنا پر، ایک تحریک کو دوسری تحریک سے ماخوذ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ممکن ہے کہ دونوں

---

[1] ایک زمانے میں علامہ اقبال کا بھی یہی خیال تھا۔ چنانچہ انھوں نے وکیل (امرتسر) میں ۱۹۱۶ء میں کچھ مضامین لکھے جن میں اس حدیث نبوی سے کہ "سب زمانوں سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھر تابعین کا، پھر تبع تابعین کا، پھر اس کے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو گواہی دینے میں عجلت کریں گے، حالانکہ اُن سے کوئی شہادت طلب نہیں کی گئی۔ وہ امانت میں خیانت کریں گے۔ ایفائے عہد نہ کریں گے اور ان کے درمیان سِمَن کا ظہور ہوگا" (بخاری و مسلم) استدلال کرتے ہوئے بتایا ہے کہ سِمَن سے مراد بدھ مذہب کے راہب ہیں۔
(وکیل امرتسر ۲۵ر نومبر ۱۹۱۶ء۔ ص ۵)

Marfat.com

تحریکیں ایک ہی قسم کے اسباب اور ایک ہی قسم کے حالاتِ گرد و پیش کا نتیجہ ہوں۔

(۲) تصوف کے خیالات کا اظہار، ہر ملک، ہر زبان، اور ہر مذہب میں ہوا ہے۔ ظاہر سے ہٹ کر باطن کی طرف متوجہ ہونا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ ولبر فورس کلارک WILBER FORCECLARKE اور لوئی میسی نیون LOUIS MASSIGNON کا خیال ہے کہ ہر قوم ایک خاص وقت میں تصوف کی طرف راغب ہو جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ خیالات دوسروں ہی سے اخذ کئے جائیں۔ حالات خود انسانی فطرت کو باطنی اصلاح و تربیت کی راہیں تلاش کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

(۳) مستشرقین کی ایک عام روش یہ ہے کہ وہ اسلام میں قدیم مذاہب کی تعلیمات اور اثرات تلاش کرنے میں بڑی کاوش کرتے ہیں اور پھر اپنی تحقیقات کا انکشاف اس انداز سے کرتے ہیں گویا کسی ایسی حقیقت کو بے نقاب کر رہے ہیں جس کو مسلمانوں نے عمداً چھپائے رکھا تھا۔ یہ کوشش ایک بنیادی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر کی جاتی ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا کہ وہ کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے۔ انھوں نے وہی چیز پیش کی جو اُن سے پہلے دوسرے انبیاء کرام پیش کرتے چلے آئے تھے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ ؕ

(اے محمدؐ) تجھ سے (اس کتاب میں) وہی کہا گیا ہے جو تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا۔

سورۂ بقرہ میں ہے:

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

(اے مسلمانو) کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہماری طرف اُترا اور جو ابراہیم پر، اسمٰعیل پر اور اسحٰق پر، یعقوب پر اور اُن کی اولاد پر اُترا، اور جو موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور سب پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا (سب پر) ایمان

Marfat.com

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ج

لائے۔ ہم ان میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی خدا کے فرماں بردار ہیں۔ تو اگر یہ بھی اسی طرح مانیں جس طرح تم نے مانا تو انھوں نے سیدھی راہ پائی، اور اگر جو اس سے باز رہیں وہ محض ضد پر ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی قوموں کے دینی سرمایہ سے بے تعلقی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ یہ بتایا کہ وحیِ الٰہی کا جو سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا وہ ان پر ختم ہو گیا۔ ہر قوم کی شریعت میں سچائیاں تھیں۔ ماننے والوں نے اُن کو مسخ کر دیا۔ بہرحال اسلام میں اگر کوئی چیز ایسی پائی جائے جو پہلے کسی قوم کے دینی سرمایہ کا خاص جزو رہی ہو تو اس کو "غیر اسلامی" کہنا صحیح نہیں۔

(۴) بعض لوگوں سے ایک شدید غلطی یہ ہوئی ہے کہ انھوں نے تصوف کے مآخذ کا تعین، بعد کے اثرات کی بنا پر کیا ہے۔ جب کوئی انسانی تحریک اپنے مولد سے نکل کر دوسرے علاقوں میں پھیلتی ہے تو وہاں کی ذہنی آب و ہوا، مخصوص اقتصادی اور جغرافیائی حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ ہر تحریک نئے ملک اور نئے ماحول میں پہنچ کر اس جگہ کے ہم آہنگ عناصر کو ساتھ لینے کی کوشش کرتی ہے۔ تاکہ اس کو تقویت حاصل ہو اور نشو و نما کا صحیح موقع ملے۔ جب تصوف کی تحریک وسطِ ایشیا میں پہنچی تو یہ ممکن نہ تھا کہ بدھ مذہب سے بالکل متاثر نہ ہو۔ حضرت شیخ علی ہجویریؒ نے دسویں صدی کے بعض صوفی گروہوں کا حال لکھا ہے۔ غور سے پڑھیے تو معلوم ہو گا کہ بدھ مذہب کے کتنے اثرات ان لوگوں نے قبول کر لئے تھے — جب ہندوستان میں یہ تحریک پہنچی تو ناممکن تھا کہ یہاں کے اُن قدیم مذہبی اصولوں کو جذب نہ کرلے جو اُس کے بنیادی اصولوں سے نہ ٹکراتے ہوں[1]۔ سید محمد غوث شطاری گوالیاریؒ نے بحر الحیات اور داراشکوہ نے مجمع البحرین میں اسلامی تصوّف اور ہندو فلسفہ

[1] نوٹ اگلے صفحہ پر دیکھیے۔

کا اسی نظر سے مطالعہ کیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا خیال ہے کہ مختلف روحانی سلسلوں نے افکار واشغال کے جو طریقے اختیار کئے وہ مخصوص علاقوں کے بسنے والے لوگوں کے طبعی رجحانات کو سامنے رکھ کر کئے گئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ مشایخ نے دیگر مذاہب کے اُن نظریات کو جو اسلام کے بنیادی اصولوں سے نہ ٹکراتے ہوں اور جن کا قبول کرنا اس ماحول میں ناگزیر ہو، اسی مصلحت کے پیشِ نظر اختیار کر لیا ہو۔ اتحادِ عمل کے جتنے پہلو بھی حاصل ہوں، ان پر عامل ہونا حصول مقاصد کے لئے مضر نہیں، مفید تھا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

یَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ	اے کتاب والو! آؤ، ہم تم ایک بات
سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ	پر جو ہمارے تمہارے درمیان یکساں
وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا	ہے، متفق ہو جائیں وہ یہ کہ ہم اللہ کے
بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا	سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور نہ کسی
فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران)	کو اس کا شریک بنائیں اور نہ آپس میں

۱؎ مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں: "جتنے اشغال ہیں وہ جمع خواطر ہی کے لئے ہیں گو وہ مقصود بالذات نہیں اور اس میں مشایخ نے یہاں تک وسعت کی ہے کہ بعض اشغال جوگیوں تک کے لئے ہیں مثلاً حبس دم، یہ جوگیوں کے یہاں کا شغل ہے مگر چونکہ یہ اُن کا مذہبی یا قومی شعار نہیں ہے اور خطرات کے دفع کے لئے نافع ہے اس لئے اُس کو بھی اپنے یہاں لے لیا ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں، نہ اس میں تشبہ ممنوع ہے کیونکہ جو چیز کسی دوسرے فرقے کا نہ قومی شعار ہو نہ مذہبی شعار ہو محض تدبیر کے درجے میں ہو اس کو تدبیر ہی کی حیثیت سے کسی نفع کے لئے اختیار کر لینے میں کوئی محذور شرعی نہیں ہے۔ چونکہ حبس دم بھی ایک محض تدبیر طبی ہے دفع خواطر کی ـــــ اس کا بھی... استعمال جائز ہے، کیونکہ یہ اخذ محض تدبیر میں ہے نہ کہ کسی مذہبی یا قومی شعار میں اور اس کے جواز کی دلیل خندق کا واقعہ ہے"۔ الافاضات الیومیہ جلد دہم ص ۵۰

ایک ایک کو خدا کو چھوڑ کر رب بنا
لے اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو کہہ
دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم حکم الٰہی کے
تابع ہیں۔

لیکن دوسرے مذاہب سے یہ معاملہ کرنے میں پیغمبرانہ بصیرت کی ضرورت ہے اور یہ کام صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کا مذہبی وجدان پوری طرح نشو ونما پا چکا ہو جس کی روح پر اسلامی رنگ چڑھ چکا ہو، جس کی نگاہ حق وباطل میں امتیاز کرنے میں کبھی دھوکا نہ کھائے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو گمراہی وضلالت کے علاوہ اس کا کوئی نتیجہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ وہ دوراہہ ہے جہاں اسلام کی ترقی اور زوال کے راستے مل جاتے ہیں۔ ذرا سی لغزش سے صدہا گمراہیوں کے دروازے کھل سکتے ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ذرا سی حکمت سے ہزاروں کو ضلالت وگمراہی سے نکلنے کا موقع مل جائے۔ روحانی سلاسل کے وجود میں آنے کے بعد صوفیہ کرام نے اس بنیادی مسئلہ پر بڑی توجہ کی۔ وسط ایشیا، ہندوستان، افریقہ، چین، ملایا، جاوا وغیرہ میں انھوں نے جو انداز تبلیغ واشاعت اختیار کیا وہ اسی بنیادی حکمت پر مبنی تھا۔ افغانستان کو بدھ مذہب کے اثر سے نکال کر اسلام کے آغوش میں لانے اور منگولوں کو حلقہ بگوش اسلام بنانے میں اسی طریقہ کار پر عمل کیا گیا تھا۔

(۵) موجودہ زمانہ میں تصوف کے ماخذ کو غیر اسلامی بتانے کا رجحان کم ہو چلا ہے۔ پروفیسر لوئی میسی ینون نے جو تصوف اسلام پر مستشرقین میں سب سے بڑا عالم مانا جاتا ہے۔ اپنی معرکۃ الآرا تصنیف

ESSAI SUR LES ORIGINES DE LEXIQUE
TECHNIQUE DE LA MYSTIQUE MUSULMANE
(PARIS, 1922)

میں بڑی تحقیق وکاوش سے یہ ثابت کیا ہے کہ تصوف کا منبع ومخرج، قرآن واحادیث ہی ہیں۔ اور یہ تحریک خالصًا اسلامی ہے۔

Marfat.com

باب چہارم

تصوّف کتاب وسُنّت کی روشنی میں

صوفیہ نے اپنے عمل کا جواز ہمیشہ قرآن وسنت سے پیش کیا ہے۔ تصوف کی بنیاد دو چیزوں پر ہے — محبت الٰہی اور معیتِ ذاتی۔ صوفیہ کا کہنا ہے کہ کتاب اللہ میں خود محبتِ الٰہی کی دعوت دی گئی ہے اور بے شمار آیتوں میں اس کے نتیجہ کے طور پر معیت اور قربِ ذاتی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہی چیز ہے جس کو تصوف کی اصطلاح میں 'معرفت' کہتے ہیں۔

(۱) مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں:

"قرآن نے انسان کے لئے دینی عقائد واعمال کا جو تصور قائم کیا ہے اس کی بنیاد بھی تمام تر رحمت ومحبت ہی پر رکھی ہے۔ کیونکہ وہ انسان کی روحانی زندگی کو کائناتِ فطرت کے عالمگیر کارخانہ سے کوئی الگ اور غیر متعلق چیز قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اسی کا ایک مربوط گوشہ قرار دیتا ہے.....

چنانچہ قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ خدا اور اس کے بندوں کا رشتہ محبت کا رشتہ ہے اور سچی عبودیت اسی کی عبودیت ہے، جس کے لئے معبود صرف معبود ہی نہ ہو بلکہ محبوب بھی ہو۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ	اور (دیکھو) انسانوں میں سے کچھ انسان ایسے ہیں جو دوسری ہستیوں کو اللہ کا ہم پلّہ بنا لیتے ہیں۔ وہ انھیں اس

Marfat.com

طرح چاہنے لگتے ہیں، جس طرح اللہ کو چاہنا ہوتا ہے۔ حالانکہ جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں۔ اُن کی زیادہ سے زیادہ محبت صرف اللہ ہی کے لئے ہوتی ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ط

(۳ : ۲۹)

(اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہہ دو) اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھنے والے ہو، تو چاہیئے کہ میری پیروی کرو (میں تمھیں محبت الٰہی کی حقیقی راہ دکھا رہا ہوں اگر تم نے ایسا کیا تو (صرف یہی نہیں ہوگا کہ تم اللہ سے محبت کرنے والے ہو جاؤگے بلکہ خود) اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

وہ جا بجا اس حیثیت پر زور دیتا ہے کہ ایمان باللہ کا نتیجہ اللہ کی محبت اور محبوبیت ہے[1]۔"

مولانا آزاد کی یہ عبارت، صوفیہ کے مسلک کی بہترین وضاحت کرتی ہے۔ قرآن محبت الٰہی کو دینی عقائد و اعمال کا مرکزی نقطہ قرار دیتا ہے۔ اور صوفیہ اسی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے تھے۔ اس کی تفصیل اگلے باب میں دیکھئے۔

(۲) قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ

اور اللہ نے تم پر (اے محمدؐ) کتاب اتاری اور حکمت نازل کی اور وہ باتیں بتائیں جو تم کو معلوم نہ تھیں۔

صوفیہ کا کہنا ہے کہ یہاں حکمت سے مراد علم باطن ہے۔ اس کی تعلیم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انفرادی طور پر کچھ صحابہ کو دی تھی۔ اُن سے یہ سلسلہ جاری ہوا۔

---

[1] ترجمان القرآن۔ ج ۱۔ ص ۸۰۔

Marfat.com

(۳) عبادت الٰہی میں انہماک پر صوفیہ زور دیتے تھے اور قرآن حکیم کی ان آیتوں کو پیش کرتے تھے :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ

پس تم اللہ کو کھڑے بیٹھے، اور لیٹے یاد کرو۔

مقبول بندوں کے متعلق فرمایا گیا ہے :

who remember A

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران ۲۰

جو خدا کو اٹھتے بیٹھتے، اور لیٹتے یاد کرتے ہیں۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا

(سجدہ ۲۰

جن کے پہلو (رات کو) خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں، وہ خوف اور امید کے ساتھ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا

(فتح ۴۰

تم ان کو دیکھو گے کہ رکوع میں جھکے ہوئے اور سجدہ میں پڑے ہوئے خدا کے فضل اور خوشنودی کو تلاش کرتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ

بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تو دو تہائی رات کے قریب اور آدھی رات

وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ ط (مزمل - ۲)	اور ایک تہائی رات کے بعد اٹھتا ہے اور تیرے ساتھ ایک جماعت بھی اُٹھ کر نماز پڑھتی ہے ۔

(۴) قرب ذاتی یا معرفت جس کو صوفیہ اپنا منشاء و مقصد قرار دیتے ہیں، کلام پاک سے ثابت ہے. حضرت مجدد الف ثانی رح ایک مکتوب میں لکھتے ہیں ۔

"اقربیت او تعالیٰ بما از ما بہ نص قطعی ثابت شدہ است"[۱]

کلام پاک کی جن آیتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہیں :

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (مومن ۶)	تم مجھے پکارو میں تم کو جواب دوں گا
وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ [۲] (پ ۲۷، ع ۱)	اللہ تمہارے ساتھ ہے. جہاں کہیں تم ہو. جو کچھ تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے
نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ (پ ۲۷ ع ۱۶)	ہم اس سے تمھاری بہ نسبت قریب تر ہیں مگر تم نہیں دیکھتے ۔
وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ	ہم جانتے ہیں جو باتیں آتی رہتی ہیں اس کے جی میں اور اس سے رگِ جان سے زیادہ قریب ہیں ۔

(۵) شیخ ابو النصر سرّاج رح صاحب کتاب اللمع نے لکھا ہے کہ قرآن حکیم میں

---

[۱] مکتوبات مجدد الف ثانی رح ج ۱ م ۲۵

[۲] حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، فتح الرحمٰن میں وَهُوَ مَعَكُمْ اینما کنتم کا ترجمہ کرتے ہیں :

"او با شما است ہر جا کہ باشید"

صادقین، صادقات مخلصین، محسنین، خائفین، عابدین، صابرین، اولیاء، ابرار، مقربین، وغیرہ الفاظ سے اہل تصوف ہی مراد ہیں۔

پھر صوفیہ کرام احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اُن کے لئے مکمل رہبر ہے۔ اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کا جواز سنت میں موجود ہے۔

(۱) قرآن میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا (مزمل ۱۰)	اے کملی اوڑھنے والے! تھوڑی دیر کے سوا تمام رات اُٹھ کر نماز پڑھ، آدھی رات یا اس سے کچھ کم و بیش، اور اس میں قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھ، ہم تجھ پر ایک بھاری بات اتارنے والے ہیں۔ بیشک رات کو اُٹھ کر نماز پڑھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے اور موثر ہوتا ہے۔ بے شک تیرے لئے دن میں بہت بڑا شغل ہے، اپنے پروردگار کا نام لے، اور ہر چیز سے کٹ کر اسی کی طرف ہو جا۔

صوفیہ کا کہنا ہے کہ "ہر چیز سے کٹ کر اس کی طرف ہو جانے" کی جو ہدایت رسول اکرم صلعم کو کی گئی تھی، وہ اسی پر عمل کرتے ہیں۔

(۲) احادیثِ نبوی میں جس چیز کو 'احسان' سے تعبیر کیا گیا ہے وہ تصوف ہی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

الاحسان ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک	احسان یہ ہے کہ تم اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ

Marfat.com

تم کو دیکھ رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس حدیثِ نبوی پر بحث کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ حقیقی تصوف یہی ہے۔

(۳) کشف المحجوب میں ہے کہ حارثہؓ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا:

كيف اصبحت يا حارثة قال اصبحت مؤمناً بالله حقاً فقال انظر ما تقول يا حارثة انّ لكلّ شئ حقيقة فما حقيقة ايمانك فقال عزفت نفسي عن الدنيا فاستوى عندي حجرها وذهبها وفضّتها ومدرها فاسهرت ليلي واظمأت نهاري حتى صرت كأنّي انظر الى عرش ربّي بارزاً وكأنّي انظر الى اهل الجنّة يتزاورون فيها وكأنّي انظر الى اهل النّار يتعادّون وفي رواية يتغاوزون الحديث

یعنی اے حارثہ تو نے صبح کس طرح کی۔ کہا میں نے صبح ایسی حالت میں کی کہ میں مومن تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے حارثہ غور سے دیکھو کیا کہتے ہو؟ ہر حق کے واسطے ایک حقیقت اور برہان ہوا کرتی ہے۔ اور تیری اس بات کی برہان کیا ہے۔ حارثہ نے جواب دیا کہ یہ ہے کہ میں اس دنیا سے اپنے بدن کو توڑ دوں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سونا اور پتھر اور ڈھیلا میرے نزدیک برابر ہیں اور جب میں دنیا سے جدا ہو گیا تو عقبیٰ میں مل گیا۔ یہاں تک کہ بہشت دوزخ اور عرش کو دیکھ رہا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تو نے پہچان لیا فالزم قالہا ثلثا یعنی اس کو لازم پکڑ اور یہ آپ نے تین بار فرمایا۔[1]

[1] کشف المحجوب ص ۶۷-۲۶۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی حارثہؓ کے اس قول سے استدلال کیا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۱۶۸

Marfat.com

(۴) صحیح بخاری میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما
ہے کہ "جو بندہ اپنی طاعتوں سے میری قربت کو تلاش کرتا رہتا ہے، تو میں اس سے محبت
کرنے لگتا ہوں، یہاں تک کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے اور اس
کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے، او
پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے"۔ [1]

(۵) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اصحاب صفّہ کا وجود، اس بات
کا ثبوت ہے کہ رسول اکرم صلعم عبادت میں ہمہ وقت انہماک کو ایک خاص طبقہ کے لئے بُرا
نہیں سمجھتے تھے۔ شیخ ہجویریؒ فرماتے ہیں:

"اندر وقت پیغامبر فقرا، مہاجرین بودہ اند۔ آنانکہ اندر حکم آداب عبودیت حق تعالیٰ و صحبت متابعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نشستہ بودند، اندر مسجد وے واز اشغال جملہ اعراض کردہ و ترک معارضہ بگفتہ و خداوند تعالےٰ بدادن روزی خود باور داشتہ۔ و توکل بروے کردہ تا رسول علیہ السلام مامور بودہ بصحبت و قیام کردن بحق ایشاں۔ چنانکہ خدائے گفت، قولہ عزوجل وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ونیز گفت

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مہاجرین فقرا ایسے تھے کہ خدا کی عبادت کے آداب اور حضور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اتباع پورا پورا بجالاتے تھے اور آپ کی مسجد یعنی مسجد نبوی میں بیٹھے رہتے تھے۔ اور تمام اشغال اور جھگڑوں کو ترک کر دیا تھا اور اس امر کا کامل یقین رکھتے تھے کہ خدائے تعالیٰ رزق رساں ہے اور اس پر توکل تھا اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی صحبت کے واسطے مامور تھے اور ان کے حق کو قائم رکھتے تھے جیسا

---

[1] بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب التواضع۔

Marfat.com

کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے

ان لوگوں کو کہ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی ذات پاک کی خواہش رکھتے ہیں دور مت کر۔

اور فرمایا:

وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اپنی آنکھیں یعنی توجہ کی نگاہ اُن کی طرف رکھ۔ اور ان کو نظر حقارت سے نہ دیکھ، کیا تو دنیا کی زندگی میں زینت چاہتا ہے۔ اسی واسطے رسول اللہ، جہاں کہیں اُن کو دیکھتے تو فرماتے کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں خدائے تعالیٰ نے تمھاری بابت مجھ پر عتاب فرمایا

تا رسول علیہ السلام ہر کجا یکے از ایشاں بدیدے گفتے، مادر و پدرم فدائیاں باد کہ خداوند تعالیٰ از برائے ایشاں با من عتاب کرد [1]

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصحابِ صُفّہ کے متعلق یہاں اجمالاً کچھ عرض کر دیا جائے۔

اس جماعت میں حضرت ابوذر غفاریؓ، سلمان فارسیؓ، عمارؓ، صہیبؓ، بلالؓ، حذیفہ بن یمانؓ، ابو سعید خدریؓ، وغیرہم شامل تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اُن کی تعداد چار سو بتائی ہے۔ حافظ ابو نعیم نے حروف تہجی کے اعتبار سے اُن کا ذکر کیا ہے اور ابن جوزی نے صفۃ الصفوہ میں اس طبقہ کے بہت سے بزرگوں کا ذکر زاہدوں اور عابدوں کے ضمن میں کیا ہے۔

صحابہ کی اس مقدس جماعت نے اپنی زندگی صرف عبادت اور تعلیمِ قرآن پر وقف کر دی تھی۔ دنیاوی معاملات سے ان کا کوئی سروکار نہ تھا، رات دن عبادت، تلاوت اور قرأت میں مصروف رہتے تھے۔ ان بزرگوں کے ہاں بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقہ

---

[1] کشف المحجوب ص ۱۵ ا ترجمہ ص ۴۸۔۴۷

سے نکل جاتے تھے۔ معاش کا زیادہ تر دارومدار صحابہ اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت پر تھا۔ اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور مسجد کی چھت میں لٹکا دیتے، جو کھجوریں ٹپک ٹپک کر گرتیں، یہ لوگ اُن کو اُٹھا کر کھا لیتے۔ ان میں سے کچھ لوگ دن کو پانی بھر لاتے، جنگل سے لکڑیاں چن لاتے اور اُن کو بیچ کر جو آمدنی ہوتی اس کو وجہ معاش میں صرف کرتے۔ لیکن زیادہ تر ان بزرگوں کی گذر اوقات صدقات پر ہوتی تھی۔ چنانچہ ابن کعب القرظی نے لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ فقراء سے اصحاب صُفّہ مراد ہیں۔ اُن کے حالات میں ابن الاعرابی احمد بن محمد البصری (المتوفی ۳۴۱ھ) علامہ جلال الدین سیوطی اور دیگر علماء نے رسالے اور کتابیں تصنیف کی ہیں۔ سورہ انعام اور سورہ کہف میں ان بزرگوں کی عبادت و ریاضت کی تعریف کی گئی ہے۔

(۶) تصوف کی مستند کتابوں مثلاً قوت القلوب، رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب — عوارف المعارف، تذکرۃ الاولیاء، فوائد الفواد، خیر المجالس کے صفحے کے صفحے الٹ جائیے، صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ عملاً کتاب و سنت کی تلقین ملے گی۔ جو لوگ حافظ شیرازؒ کے اس شعر میں

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

اپنی بے راہ روی کا جواز تلاش کرتے ہیں، اُنھیں بوڑھے سعدیؒ کی یہ نصیحت ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی یہ تنبیہہ:

"مشرب پیرا ... حجت نمی شود دلیل از کتاب و حدیث می باید"[۱]	(مشرب پیرا ... حجت نہیں، دلیل کتاب و حدیث سے ہونی چاہیے)

---

[۱] اخبار الاخیار۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ص ۸۱

Marfat.com

بھی سامنے رکھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ اس منزل کی رسم و راہ کا اعلان اس طرح کرتے ہیں:

این راہ کسے یابد کہ کتاب بر دست راست گرفتہ باشد، و سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بر دست چپ، و در روشنائی این دو شمع می رود، تا نہ در مغاک شبہت افتد نہ در ظلمت بدعت،، [1]	یہ راہ تو صرف وہی پا سکتا ہے جس کے سیدھے ہاتھ میں قرآن پاک ہو، اور بائیں ہاتھ میں سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، اور ان دونوں چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے، تاکہ نہ تو شبہ کے گڑھوں میں گرے، نہ بدعت کے اندھیرے میں پھنسے۔

شیخ ابوبکر طمستانیؒ فرماتے ہیں:

الطریق واضح والکتاب والسنۃ قائم بین اظہرنا [2]	راستہ کھلا ہوا ہے اور کتاب و سنت ہمارے سامنے موجود ہیں۔

حضرت شیخ علی ہجویریؒ روحانی ترقی کے لئے اتباع شریعت کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ اور "اتباع شریعت" کی ایسی جامع تعریف کرتے ہیں کہ اجماع اُمت کا اتباع بھی اس کا ایک لازمی جزو بن جاتا ہے۔

فرماتے ہیں:

رکن اول از شریعت کتاب ست چنانکہ گفت عز من قال فِيهِ اٰيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ	پہلا رکن شریعت میں کتاب اللہ ہے جیساکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: قرآن مجید میں آیات محکمات ہیں کہ وہ اصل کتاب ہیں،
و دیگر سنت است۔ چنانکہ گفت	اور دوسرا رکن سنت ہے جیساکہ فرمایا: جو کچھ رسول اللہ

---

[1] تذکرۃ الاولیا۔ ص ۸ [2] رسالہ قشیریہ ص ۳۴۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ
وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا
وسیوم اجماع امت۔ چناں کہ
رسول گفت علیہ السلام
لا تجتمع امتی علی الضلالۃ علیکم
بالسواد الاعظم ؎۱

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس
پر عمل کرو۔ اور جس بات کو منع فرمایا ہے
اس سے بچو، اور تیسرا رکن اجماع امت ہے
جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے، میری اُمت گمراہی پر
جمع نہیں ہوتی ہے، اختیار کرو سواد اعظم کو

کہاں تو وہ کتاب وسنت سے بے توجہی کا الزام اور کہاں اتباع اجماع امت کی تلقین حقائق سے بے اعتنائی کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے۔ مشائخ نے جگہ جگہ اپنے متعلقین اور مریدین کو ہدایت کی ہے کہ اگر کسی شخص کی روحانی عظمت کا اندازہ لگانا ہو تو اس کی زندگی کو شریعت وسنت کے آئینہ میں دیکھا جائے۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی ؒ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"اے برادر! در تفاوت مراتب
فقرا اگر امروز خواہی کہ دریابی بجانب
شریعت او نگاہ کن۔ کہ شریعت معیار
است، عیار فقیر بر شریعت روشن
می گردد"۔ ؎۲

اے برادر، اگر تم آج فقراء کے مراتب
کا پتہ لگانا چاہو تو اُن کے اتباع شریعت
پر نظر کرو کہ شریعت معیار ہے اسی کسوٹی
پر فقیر کی حقیقت روشن ہو جاتی ہے۔

شیخ حسین نوری ؒ کا مشورہ تھا:

من رایتہ یدعی مع اللہ عز وجل
حالۃ تخرجہ عن حد علم الشرع
فلا تقربنہ ومن رایتہ یدعی
حالۃ لا یدل علیہا دلیل ولا

اگر ایک شخص کو دیکھو کہ خداوند تعالیٰ کے
ساتھ ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے۔ جو
اس کو علم شریعت کی حد سے نکال دیتی ہے،
تو اس کے قریب نہ جاؤ اور اگر ایک شخص

؎۱ کشف المحجوب ص ۱۱ ؎۲ مکتوبات کلیمی ص ۲، مکتوب ۹۵

Marfat.com

يشهد لها حفظ ظاهر فاتهمه علی دینه ؎	کو دیکھو کہ وہ ایک ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے جس کی کوئی دلیل نہیں اور ظاہری احکام کی پابندی اس کی شہادت نہیں دیتی، تو اس کے دین پر تہمت لگاؤ۔

خواجہ فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں ؎

جاوید در متابعت مصطفےٰ گزیں
تا نور شرع او شود ت بر تو مقتدا

حقیقت یہ ہے کہ صوفیۂ صافی کا عقیدہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ جس عمل کو کتاب وسنت رد کر دیں وہ زندقہ ہے۔ جس شخص کی زندگی شریعت وسنت کے مطابق نہیں اسے صوفیہ کے طبقہ میں شمار ہی نہیں کرنا چاہئے، چہ جائیکہ اُس کے عمل کو تمام صوفیہ کا عمل تصور کر کے، تصوف پر تنقید کی جائے۔

(۷) شاید ہی دنیا میں کسی پیغمبر یا مذہبی رہنما کے احوال زندگی کا اتباع اُس محبت، عقیدت اور شیفتگی کے ساتھ کیا گیا ہو جیسا کہ صوفیہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا تتبع کیا ہے۔ حیاتِ قدسی کی ایک ایک ادا، اور اس کی ایک ایک سنت کو انھوں نے اخلاق وانسانیت کی معراج سمجھا ہے اور اس سے نزدیک ہونے کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی سعادت۔ وہ کہتے تھے کہ جو اتباعِ سنت میں جتنا مستعد ہے اسی قدر وہ سرچشمۂ ہدایت سے زیادہ سیراب ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ عوارف المعارف میں لکھتے ہیں کہ تصوف نام ہے قولاً، فعلاً، حالاً ہر حیثیت سے اتباعِ رسول کا اور شیخ عبدالواحد بن زید کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ

قال القائمون بعقولهم علی	جو اپنی عقل کو سنتِ رسول پر صرف

؎ تلبیس ابلیس ص ۱۷۸، ۱۷۹

فہم السنة والعاكفون عليها بقلوبہم والمعتصمون بسيدهم من شر نفوسهم هم الصوفية ؎۱

کرتے ہیں اور اپنے قلوب کو اس پر متوجہ کرتے ہیں اور اپنے نفس کی خباثتوں سے اپنے سردار کے دامن میں پناہ لیتے ہیں ان ہی لوگوں پر صوفی کا اطلاق ہوتا ہے۔

اتباع سنت میں صوفیۂ صافی کے انہماک کا اندازہ لگانے کے لئے صرف یہ دو واقعات کافی ہیں۔

(ا) حضرت شبلیؒ مرض الموت میں مبتلا تھے۔ نزع کا وقت تھا۔ گویائی کی طاقت جواب دے چکی تھی۔ ایک خادم وضو کرا رہا تھا۔ داڑھی میں خلال کرانا بھول گیا۔ شبلیؒ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر داڑھی میں خلال کرایا۔ مبادا سنت رسولؐ کا کوئی جزو فروگذاشت ہو جائے۔ ؎۲

(ب) شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے امام غزالیؒ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ایک صوفی بزرگ محمد اقطع نے دو برس تک خربوزہ نہ کھایا۔ کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا مجھ کو ابھی یہ معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خربوزہ کیونکر نوش فرمایا ہے۔ ؎۳

ان واقعات کو مستثنیات سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بیشتر صوفیۂ کرام کی زندگی میں اتباع سنت کا یہی جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔

؎۱ عوارف (مطبوعہ مصر) ص ۲۷ ؎۲ کتاب اللمع ص ۱۰۴-۱۰۳

؎۳ دُرر نظامیہ، مولانا علی شاہ بن محمود جاندار (قلمی نسخہ)

Marfat.com

باب پنجم

صوفیہ کا مقصد حیات

تصوف کی تعریفیں مشایخ کی کتابوں میں کثرت سے ملتی ہیں لیکن ان تعریفوں کی بنا پر صوفیۂ کرام کے مقاصد کے متعلق کچھ فیصلہ نہیں کیاجا سکتا۔ حضرت شیخ ابوالحسن فوشنجہؒ فرمایا کرتے تھے:

التصوف الیوم اسمٌ ولا حقیقۃ وقد کان حقیقۃ و لا اسمٌ [1]	تصوف آج کل ایک بے حقیقت نام ہے۔ اس سے پہلے حقیقت بلا نام کے تھا۔

اس لئے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ خود صوفیۂ کرام کی زندگی میں تصوف کے معنی تلاش کئے جائیں۔ اور اُن کے مقاصد کا تعیّن اسی کی بنا پر کیا جائے۔

محبتِ الٰہی حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ ایک خط میں مولانا فخرالدین مروزیؒ کو لکھتے ہیں:

اتفاق اصحابِ طریقت و اربابِ حقیقت است کہ اہم مطلوب و اعظم مقصود از خلقت بشر محبت رب العالمین است [2]	اصحابِ طریقت اور اربابِ حقیقت کا اس باب میں اتفاق ہے کہ انسان کی پیدائش کا اہم مطلوب اور بڑا مقصود رب العالمین کی محبت ہے

---

[1] کشف المحجوب۔ ص ۷۷ (اردو ترجمہ) [2] سیرالاولیا ص ۴۵۵، ۴۵۴

Marfat.com

ضروری ہے کہ قرآن حکیم اور احادیث نبوی کی روشنی میں محبتِ الٰہی کی نوعیت اور اہمیت کو سمجھا جائے۔

قرآن میں ایمان کی سب سے بڑی علامت اور خاصیت محبتِ الٰہی کو قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ - ۲۰)	اور جو ایمان لائے وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں۔

پھر ایک جگہ تنبیہہ کی جاتی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (۵ : ۵۹)	اے پیروان دعوتِ ایمانی! اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے دین کی راہ سے پھر جائے گا (تو وہ یہ نہ سمجھے کہ دعوت حق کو اس سے کچھ نقصان پہنچے گا) عنقریب اللہ ایک گروہ (سچے خدا پرستوں کا) پیدا کردے گا۔ جنھیں اللہ کی محبت حاصل ہوگی اور وہ اللہ کو محبوب رکھنے والے ہوں گے۔

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، محبت الٰہی میں سرشاری کی زندگی تھی۔ آپ دعا فرمایا کرتے تھے:

اللھم اجعل حبّك اَحبّ الیّ مِن نَفسِی واَھلِی ومن الماءِ البارِدِ (ترمذی)	الٰہی تو اپنی محبت کو میری جان سے میرے اہل وعیال سے، اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ میری نظر میں محبوب بنا۔

آپ راتوں کو اتنی دیر تک عبادت کیا کرتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ لوگ یہ

سمجھتے تھے کہ آپ کی یہ عبادت خشیتِ الٰہی سے ہے، اور چونکہ آپ گناہوں سے پاک کر دیئے گئے تھے اس لئے آپ کو ریاضتِ شاقہ کی ضرورت نہ تھی۔ آپ نے اس شبہہ کو دفع کرتے ہوئے فرمایا کہ ان عبادتوں کا مقصد محبتِ الٰہی ہے۔ خشیتِ الٰہی نہیں۔ اسی لئے ارشاد فرمایا:

وجعلت لی قرۃ عینی فی الصلوٰۃ — میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے

صوفیۂ کرام نے اسی محبت کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا تھا۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نہایت سوز و گداز کے ساتھ یہ رباعی پڑھا کرتے تھے ؎

دنیا شہ را و قیصر و خاقاں را — دوزخ بدرا بہشت مرنیکاں را
تسبیح فرشتہ را صفا مرانساں را — جاناں مارا و جان ماجاناں را [1]

حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ نے ایک دن بابا فریدؒ کو دیکھا کہ بند حجرے میں پشت پر دونوں ہاتھ رکھے ہوئے کھڑے ہیں، قبلہ کی طرف چند قدم بڑھتے ہیں اور یہ اشعار پڑھ کر وجد کرتے جاتے ہیں:

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم — خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود منِ بندہ ز کونین توئی — از بہر تو میرم ز برائے تو زیم [2]

صوفیہ کا کہنا ہے کہ محبت ہی رازِ حیات ہے۔ اگر اس کی آگ دل میں نہ ہو، تو وہ گوشت کا ایک بے جان ٹکڑا ہے۔ اگر عشق کی گرمی ہو تو انوار ربانی کا محل ؎

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات (اقبال)

محبت کے معنی یہ ہیں کہ انسان کی زندگی سمٹ کر ایک مرکز پر آجائے۔ اُس کا بال بال یہ پکارنے لگے:

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ — بے شبہہ میری نماز اور میری قربانی

---

[1] خیر المجالس ص ۳۰، [2] خیر المجالس ص ۲۲۵ - ۲۲۴

مَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ — اور میری زندگی اور میری موت سب اسی ایک عالم کے پروردگار اللہ کے لئے ہے۔

اس کو ایک لمحہ بھی بغیر اللہ کے چین نہ ملے۔ شبلی رح کا یہ قول اُس کے حالات کا آئینہ دار بن جائے۔

الفقیر من لا یستعنی بشیٔ دون اللہ — فقیر سوائے حق کے کسی چیز سے آرام نہیں پاتا۔ [1]

وہ عملاً اس ارشادِ خداوندی کی تفسیر ہو:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ — میں نے انسانوں کو اور جنوں کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

اس کے نفس کے تقاضے خاموش ہو جائیں۔ رضائے الٰہی اس کا مقصود ہو۔ وہ اپنے لئے رہنا چھوڑ دے، خدا کے لئے جینے لگے۔

خدا کے لئے جینا کہنے کو تو ایک معمولی سا جملہ ہے، لیکن اگر اس پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ارتقاءِ انسانیت کی آخری منزل یہی ہے۔ ''خدا کے لئے جینے'' کے معنی یہ نہیں کہ انسان دنیا و مافیہا سے قطع تعلق کرے اور ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر عبادت کرنے لگے وہ شادی بھی کرے، کھائے بھی۔ اللہ کی مخلوق سے ملے بھی — لیکن اس طرح کہ وہ علائق کے ہجوم اور تعلقات کے ازدحام میں گرفتار ہو کر اپنے معبودِ حقیقی کو نہ بھول جائے۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے مستفید ہو۔ لیکن دنیا کی محبت اس کے دل میں جگہ نہ حاصل کر پائے۔ وہ ہر کام میں رضائے الٰہی کا طلب گار ہو —— خدا کے لئے جینا، نیت کا ایک زبردست انقلاب ہے۔ ایسا انقلاب جو انسانی زندگی کے مرکز و محور کو بدل دیتا ہے۔ انسان کا ہر کام کسی اعلیٰ مقصد کی تکمیل کے لئے ہونے لگتا ہے۔ وہ دنیا کا ہر کام کرتا ہے۔ لیکن

---

[1] کشف المحجوب۔ ص ۱۹

Marfat.com

اس کی نیت عام انسانوں سے مختلف ہوتی ہے ــــ فوائد الفواد میں حضرت محبوب الٰہی سے اور خیر المجالس میں حضرت چراغ دہلی رح سے دو حکایتیں نقل کی گئی ہیں جن سے بہتر 'خدا کے لئے جینے' کے مفہوم کی وضاحت ممکن نہیں۔

ہفتہ کا دن ہے، اور ذی قعدہ ۷۱۸ھ کی ساتویں تاریخ۔ حضرت محبوب الٰہی رح کے سامنے تفسیر امام ناصری رکھی ہوئی ہے۔ دین میں استغراق کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگتے ہیں:

ایک بزرگ شیخ دریا کے کنارے رہا کرتا تھا۔ اس کی ایک عورت تھی۔ ایک روز عورت سے کہا کھانا لے کر دریا کے پار جا، اس فقیر کو جو وہاں بیٹھا ہے دے آ۔ عورت نے کہا۔ پانی گہرا ہے، عبور کس طرح کروں گی۔ شیخ نے کہا: دریا کے کنارے جا کر کہنا کہ میرے شوہر کی حرمت سے جس نے کبھی مجھ سے صحبت نہیں کی مجھے راہ دے۔ عورت حیران رہ گئی اور اپنے دل میں کہا اس سے میرے یہاں اتنے بچے پیدا ہوئے اور یہ کہتا ہے کہ میں نے صحبت ہی نہیں کی۔ آخر شوہر کے فرمان کے مطابق دریا کے کنارے پہنچی، اور وہی کہا تو دریا نے راستہ دے دیا۔ اور وہ پار ہو گئی۔ وہاں پہونچ کر درویش کے سامنے کھانا رکھا۔ اس نے کھا لیا تو عورت سوچنے لگی کہ آتی مرتبہ تو اس طرح آئی۔ اب جاؤں کس طرح۔ درویش نے پوچھا۔ کس طرح آئی تھی؟ عورت نے ساری بات کہہ سنائی۔ درویش نے کہا۔ اچھا اب جا کر یہ کہنا کہ اے دریا اس شیخ کی حرمت سے جس نے تیس برس سے کسی قسم کا کھانا نہیں کھایا۔ مجھے راستہ دے۔ عورت حیران رہ گئی کہ میرے سامنے ابھی اس نے کھانا کھایا ہے اور ابھی اس طرح کہتا ہے۔ خیر اس نے دریا کے کنارے ایسا ہی کیا۔ راستہ مل گیا اور اپنے شوہر کے پاس پہنچ گئی۔ اور کہا کہ مجھے ان دونوں باتوں کا بھید بتلا کہ تو نے کئی سال مجھ سے صحبت کی اور اس درویش نے بھی میرے سامنے کھانا کھایا اور یہ دونوں جھوٹ باتیں کہہ کر میں نے دریا سے راستہ لیا۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ شیخ نے کہا: تجھے واضح رہے کہ میں نے ہوائے نفسانی سے کبھی تجھ

Marfat.com

سے صحبت نہیں کی۔ اسی طرح اس درویش نے بھی کبھی نفسانی طمع سے کھانا نہیں کھایا۔ بلکہ محض عبادت و طاعت کی خاطر۔ اس لحاظ سے اس نے کبھی کھانا نہیں کھایا۔"

یہ حکایت بیان کرنے کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا:

"ایں بود معنی ہر دو سخن یعنی	ان دونوں باتوں سے معلوم ہوتا ہے
مردانِ خدا ہر چہ کنند برائے	کہ جو کچھ مردانِ خدا کرتے ہیں وہ خدا
خدا کنند، نیت شاں ہمہ حق باشد	کے لئے کرتے ہیں۔ ان کی نیت سب
۵	حق کی خاطر ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت چراغ دہلی رحؒ نے شیخ عبداللہ خفیفؒ کا قصہ سنایا کہ:

"شیخ عبداللہ خفیفؒ کو کہیں دعوت میں بلایا گیا۔ وہاں قسم قسم کے کھانے تھے۔ حلوا اور لوزینہ بھی وہاں تھا۔ شیخ نے ہاتھ بڑھا کر ایک لوزینہ اٹھایا اور نوش کیا اچھا معلوم ہوا۔ لہٰذا دوسرا بھی اٹھا کر کھایا۔ اس وقت خیال ہوا کہ یہ دوسرا لوزینہ خدا کے واسطے نہیں کھایا۔ لذت کو کھایا کہ دل کو پسند آیا تھا۔ ہنوز وہ لوزینہ منھ میں تھا کہ شیخ نے اپنی زبان چاب لی۔ خون نکلنے لگا۔ دستارچہ سے بار بار صاف کرتے تھے لیکن خون زیادہ نکلتا تھا۔ لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا۔ میں نے پہلے ایک لوزینہ کھایا تھا بہت لذیذ تھا، دوبارہ پھر وہی کھایا۔ خیال آیا کہ یہ کھانا خدا کے واسطے نہیں، لذت کو تھا۔ لہٰذا سزائے نفس کو اپنی زبان چاب لی ہے۔" ۶

جب زندگی اس طرح بسر کی جائے تو اس کی اساس ہی بالکل بدل جاتی ہے۔ انسان کا ہر کام عبادت بن جاتا ہے۔ عبادت کے اسی مفہوم کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سمجھایا کہ ایک مرتبہ حضرت سعدؓ نے ارادہ کیا کہ اپنی ساری دولت راہِ خدا میں

---

۵ فوائد الفواد ص ۶۱ - ۶۰ ، اس حکایت میں کرامت کا جزو اہم نہیں بلکہ جو نتیجہ اخذ کیا گیا وہ قابل غور ہے

۶ خیر المجالس ص ۱۷۹ - ۱۷۸

دے دیں۔ تو فرمایا: "اے سعد! جو کچھ اس نیت سے خرچ کرو کہ اس سے خداوند تعالےٰ کی ذات مقصود ہے۔ اس کا تم کو ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں دو اس کا بھی ثواب ہے"۔ ایک مرتبہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو مسعود انصاریؓ سے فرمایا: "مسلمان اگر ثواب کی نیت سے اپنی بیوی کا نفقہ پورا کرے تو وہ بھی صدقہ ہے"۔ یہ ہے خدا کے لئے جینا، اور یہ ہے نیت کا وہ انقلاب جو انسان کی زندگی میں ایک بنیادی تغیر پیدا کر دیتا ہے۔

جب خدا کے لئے جینے کا یہ وسیع مفہوم تسلیم کر لیا جائے تو پھر انسان کا ہر دنیاوی کام عبادت بن جائے۔ بلکہ اس کی پوری زندگی ہی عبادتِ الٰہی ہو جائے۔ ویسی ہی عبادت جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ	میں نے جنوں کو اور انسانوں کو اس
إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○	لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

صوفیہ کا کہنا ہے کہ زندگی صرف وہی ہے جو یادِ حق میں بسر کی جائے۔ باقی سب سراب ہے اور دھوکا۔ حضرت محبوب الٰہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ زندگی تو عبارت ہی یادِ حق سے ہے:

"حیات آنست کہ درویش بذکرِ حق مشغول باشد۔" [1]

اس کی وضاحت میں انھوں نے یہ قصہ بیان فرمایا جو بڑا نصیحت آموز ہے۔

"ایک درویش میرک نامی تھا۔ ایک اور درویش کو اس کی زیارت کا شوق ہوا اس درویش میں یہ کرامت تھی کہ جو خواب دیکھتا، سچ ہوتا۔ اس کی تعبیر عین وہی ہوتی تھی جو وہ دیکھتا تھا جب اسے اشتیاق غالب ہوا تو زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں ایک منزل پر خواب میں سُنا کہ میرک گرامی فوت ہو گیا۔ صبح اٹھ کر کہا کہ افسوس میں نے اتنی راہ اس کی زیارت کے لئے قطع کی اور وہ بھی مر گیا۔ اب کیا کرنا چاہیے۔ چلو وہاں چل کر اس کی قبر کی ہی زیارت کریں گے

---

[1] فوائد الفواد۔ ص ۲۰

Marfat.com

وہاں پہنچ کر پوچھنا شروع کیا کہ میرک گرامی کی قبر کہاں ہے۔ سب نے کہا وہ تو زندہ ہے اور تم قبر کی بابت پوچھتے ہو۔ وہ درویش حیران رہ گیا کہ میرا خواب جھوٹ کس طرح ہو گیا۔ الغرض میرک گرامی کے پاس جا کر سلام کیا۔ اس نے کہا۔ اے خواجہ فی الواقع تیرا خواب ٹھیک تھا۔ کیونکہ میں ہمیشہ یادِ خدا میں مصروف رہتا تھا۔ آج کی رات اس کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول ہو گیا تھا، پس عالم میں منادی ہو گئی کہ میرک گرامی مر گیا"۔ [1]

محبتِ الٰہی کا اثر انسانی زندگی پر محبت الٰہی کا جذبہ جب انسان کے دل میں گھر کر لیتا ہے، تو فکر و عمل کا کوئی گوشہ اس سے اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

(۱) محبت الٰہی کا سب سے بڑا اور گہرا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسانی زندگی میں "مرکزیت" پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ مرکزیت، نظامِ ربوبیت کی ایک شان اور خدا کی وحدانیت پر کامل ایمان کا لازمی نتیجہ ہے۔ شرک، انسانی فکر و عمل کی مرکزیت کو فنا کرتا ہے اس لئے کوئی انسانی گناہ اُس سے بڑھ کر شدید نہیں ہو سکتا۔ پھر جو چیز اس مرکزیت کو جو ایمان کی اصلی شان ہے برقرار ہی نہیں بلکہ صحیح معنی میں پیدا کرتی ہے وہ محبت ہے۔

(۲) اللہ سے سچی محبت کا رشتہ رکھنے والا انسان ہر وقت اپنے آپ کو اُس کی بارگاہ میں پاتا ہے۔ خدا کی موجودگی کا یقین اس کو اس طرح سے ہوتا ہے گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ میر خورد ؒ نے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء ؒ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ خدا کی طرف اس محویت کے ساتھ متوجہ رہتے تھے گویا اس کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

جب انسان، ذاتِ باری تعالیٰ کو اس طرح اپنے نزدیک محسوس کرنے لگتا ہے تو معصیت کی تمام راہیں اس کی زندگی میں بند کر دی جاتی ہیں۔ وہ گناہ کرنے کے قابل ہی نہیں رہتا۔ "مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ" کا دربار ہر وقت اُس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ وہ اپنے محبوب میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ گناہ کرنے کی فرصت ہی اس کو نہیں ملتی۔

---

[1] فوائد الفواد۔ ص ۲۰

Marfat.com

حضرت شیخ علی ہجویریؒ نے لکھا ہے کہ صرف یہ علم کہ خدا دیکھ رہا ہے انسان کو معصیت سے روکتا ہے: [1]

"چوں بندہ عالم بود کہ خداوند بدو ناظر است، کارے نکند کہ ازو شرم دارد بقیامت" [2]	جب بندہ یہ بات یقین کی رُو سے جان جائے گا کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے تو وہ ہرگز ایسا کام نہ کرے گا جس سے اس کو قیامت کے دن خدا کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔

لیکن جب معبودِ حقیقی کی ذات ہر وقت آنکھوں کے سامنے ہو، تو زندگی کے انقلاب کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

(۳) جب محبتِ الٰہی کا پوری طرح غلبہ ہوتا ہے، تو انسان کی نظر میں سونا اور پتھر برابر ہو جاتا ہے[3]۔ مادی دنیا کی کششیں اس کے لئے بے اثر ہو جاتی ہیں خیرالمجالس میں لکھا ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک رات کو بارگاہِ خداوندی میں التجا کی کہ اے اللہ مجھے یہ بتا دے کہ بہشت میں، میرا یار اور مصاحب کون ہوگا۔ آواز آئی۔ فلاں چرواہا حضرت جنید بغدادیؒ اس چرواہے سے جا کر ملے اور کئی دن اس کا حال دیکھنے کے بعد پوچھا: تم پنج وقتہ نماز جماعت سے پڑھتے ہو۔ اس کے سوا کوئی کام ایسا نہیں کرتے جو

---

[1] شیخ ہجویریؒ نے اس کی تشریح میں ایک قصہ لکھا ہے۔ بصرہ کا ایک رئیس اپنے باغ میں گیا۔ باغبان کی بیوی خوب صورت تھی۔ اس پر راغب ہو گیا۔ اور باغبان کو کسی کام سے بھیج کر، عورت سے دروازے بند کرنے کے لئے کہا۔ عورت نے جواب دیا۔ سب بند کر دئے۔ ایک نہیں بند کر سکتی۔ پوچھا۔ وہ کون سا؟ جواب دیا ——— "درے کہ میان ما و خداوند است" رئیس پر اس جملہ کا ایسا اثر ہوا کہ فوراً استغفار پڑھی اور توبہ کی۔ کشف المحجوب۔ ص ۱۰

[2] کشف المحجوب۔ ص ۱۰

[3] ملاحظہ ہو، حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم۔ ص ۱۶۸

Marfat.com

اس قدر قبولیت کا باعث ہو۔ شاید یہ اعلیٰ مرتبہ جو تمھیں ملا ہے وہ تمھارے کسی باطنی معاملہ کے سبب سے ہے۔ چرواہے۔ نے جواب دیا۔ اے خواجہ جنید! میں ایک جاہل آدمی ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ معاملہ کس کو کہتے ہیں اور باطن کیا ہوتا ہے۔ البتہ مجھ میں دو خصلتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ اِن سب پہاڑوں کو سونے کا کر دے اور میرے قبضۂ تصرف میں ہوں، اور وہ سب میرے پاس سے جاتے رہیں تو مجھ کو اُن کے نہ ہونے کا رنج و غم نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی مجھ پر جفا کرے یا مجھ سے احسان و وفا کرے تو میں جفا و وفا اس کی طرف سے نہیں جانتا بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانتا ہوں"۔[1] یہ سب کیفیات محبتِ الٰہی سے پیدا ہوتی ہیں۔

(۴) جب محبت الٰہی اس درجہ پر پہنچ جائے کہ:

وَکَّلْتُ الی المحبوب امری کلّہ	میں نے اپنا کام اپنے محبوب کے حوالہ
فان شاء احیانی وان شاء اتلفا	کیا، خواہ اب وہ مجھے زندہ رکھے یا مار ڈالے۔

تو انسان میں توکل و استغنا کی ایک عجیب کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب دنیا کی جاہ و حشمت، دولت و ثروت اُس کے سامنے آتی ہے تو وہ یہ کہہ کر منھ موڑ لیتا ہے:

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ	کیا اللہ بندے کے لئے کافی نہیں۔

اللہ کی ربوبیت پر کامل ایمان رکھنے والا انسان اپنے رزق کی طرف سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ کے اس وعدے پر پورا یقین رکھتا ہے کہ

مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا	جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے
وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ	لئے راستہ نکالتا ہے اور ایسی جگہ سے
وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ	رزق فراہم کرتا ہے جہاں کسی کا سان گمان بھی نہیں ہوتا، جو اللہ پر توکل

---

[1] خیر المجالس فارسی ص ۴۰-۳۹، اردو ترجمہ (مطبوعہ) ص ۲۷

Marfat.com

کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہے۔

یہی وہ یقین ہے جو اس کو دارا و سکندر سے اونچا اٹھا دیتا ہے۔ اقبال نے سچ کہا ہے :

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ نے ایک فقیر سے کہا کہ مجھ سے کچھ مانگ۔ جواب دیا میں اپنے غلاموں کے غلام سے کیا مانگوں۔ بادشاہ نے کہا۔ یہ کیا کہا۔ غلاموں کا غلام کیسا۔ جواب دیا :

مرا دو بندہ اند، کہ آں ہر دو	میرے دو بندے ہیں اور وہ دونوں
خداوندانِ تو اند۔ یکے حرص و	تیرے آقا ہیں۔ ایک حرص
دیگر اَمل۔ [1]	دوسرے آرزو۔

انسانی کردار کے نشوونما اور تشکیل میں اس احساس کا کہ وہ اپنی روزی کے لئے کسی دنیوی طاقت کا محتاج ہے، بڑا مہلک اثر پڑتا ہے "تعمیرِ خودی" اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک انسان اپنے پورے ایمانی جذبہ کے ساتھ حق تعالیٰ کو اپنا روزی رساں نہ مان لے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر اللہ کی محبّت، انسان کے دل میں جاگزیں ہو جائے تو اس کی زندگی کا سانچہ ہی بدل جائے۔ فکر و عمل کی بلندی، خدمتِ خلق، راست بازی اور سچائی، ــــــ کتنی ہی خوبیاں ہیں جو صرف اسی جذبہ کا نتیجہ ہیں۔

محبّتِ الٰہی کی عملی راہ یہ حقیقت تسلیم کر لینے کے بعد کہ ایمان باللہ کا نتیجہ اللہ کی محبّت ہے، یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بندے کے لئے خدا کی محبّت کی عملی راہ کیا ہے؟

ــــــ مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن میں فرماتے ہیں :

"خدا کی محبت کی راہ اس کے بندوں کی محبت میں سے ہو کر گزری ہے۔ جو

---

[1] کشف المحجوب۔ ص ۱۶ - ۱۵

Marfat.com

انسان چاہتا ہے خدا سے محبت کرے، اُسے چاہئے، خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے:

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ (۲ : ۱۷۷)	اور جو اپنا مال اللہ کی محبت میں نکالتے اور خرچ کرتے ہیں۔
وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ (۷۶ : ۸)	اور اللہ کی محبت میں وہ مسکینوں یتیموں، قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اور (کہتے ہیں) ہمارا یہ کھانا کھلانا، اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ محض اللہ کے لئے ہے۔ نہ ہم تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ کسی طرح کی شکرگزاری"[۱]

احادیثِ نبویؐ میں متعدد جگہ محبت کی عملی راہ پر زور دیا گیا ہے۔ حضرت ابی ہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قیامت کے دن ایسا ہوگا کہ خدا ایک انسان سے کہے گا، اے ابنِ آدم! میں بیمار ہو گیا تھا، مگر تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ بندہ متعجب ہو کر کہے گا بھلا ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے اور تو تو رب العالمین ہے۔ خدا فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ تیرے قریب بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی خبر نہیں لی تھی۔ حالانکہ اگر تو اس کی بیمار پرسی کے لئے جاتا تو مجھے اُس کے پاس پاتا۔ (یعنی اس کی خدمت کرنے ہی میں میرے لئے خدمت گزاری تھی۔) اُسی طرح خدا فرمائے گا، اے ابنِ آدم! میں نے تجھ سے کچھ کھانا مانگا تھا، مگر تو نے مجھے نہیں کھلایا، بندہ عرض کریگا بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے

---

[۱] ترجمان القرآن۔ جلد اول۔ ص ۱۰۸

Marfat.com

کسی بات کی احتیاج ہو؟ خدا فرمائے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے انکار کر دیا تھا۔ اگر تو اُسے کھلاتا تو تو مجھے اُس کے پاس پاتا۔" [1]

حضرت براء بن عازب رضؓ سے روایت ہے کہ ایک بدوی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے وہ کام سکھایئے جو مجھے جنت میں لے جائے۔ فرمایا:

"انسان کو غلامی سے آزاد کر، انسان کی گردن کو قرض کے بندھن سے چھڑا اور ظالم رشتہ دار کا ہاتھ پکڑ، اگر تو یہ نہ کر سکے تو بھوکے کو کھلا اور پیاسے کو پلا۔ اور نیکی بتا اور برائی سے روک، اگر یہ بھی نہ کر سکے تو بھلائی کے سوا اپنی زبان روک" [2]

صوفیۂ کرام نے محبتِ الٰہی کی اس عملی راہ کو اختیار کیا تھا۔ اُن کی زندگیاں خدمتِ خلق کے لئے وقف تھیں۔ وہ دن رات انسانی دلوں کو ایک رشتۂ الفت میں پرونے کے لئے بے چین رہتے تھے۔ کسی کو تکلیف میں دیکھتے تو دل پریشان ہو جاتا۔ بھوکوں کا خیال آتا تو لقمے، حلق میں اٹکنے لگتے۔ ملفوظاتِ مشایخ پر نظر ڈالیے تو معلوم ہو گا کہ خدمتِ خلق کو اِن بزرگوں نے اپنی زندگی کا اہم ترین فریضہ بنا لیا تھا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے بازاروں میں دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ کسی چیز کی قدر نہ ہو گی۔ میر خوردؒ نے شیخ کا قول نقل کیا ہے کہ:

مرا در واقعہ کتابے دادند	مجھے خواب میں ایک کتاب
در آں مسطور بود تا توانی راحتے	دی گئی جس میں لکھا ہوا تھا کہ جہاں
بدلے می رساں کہ دل مومن محل	تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچا

---

[1] مسلم عن ابی ھریرۃ

[2] ادب المفرد امام بخاریؒ باب من لا یؤذی جارہ

Marfat.com

اسرار ربوبیت است، بزرگے خوش گوید۔ بیت

می کوش کہ راحتے بجانے برسد
یا دست شکستہ بنانے برسد

می فرمود کہ در بازار قیامت ہیچ کالائے را آنچناں رواج نخواہد بود کہ دریافت دلہا را" [1]

کیونکہ مومن کا دل اسرار ربوبیت کا محل ہے۔ ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے ؎ میکوش کہ راحتے بجانے برسد
یادست شکستۂ بنانے برسد

اور فرمایا کہ قیامت کے بازار میں کوئی اسباب اتنا قیمتی اور مروج نہ ہوگا جتنا دلوں کو راحت پہنچانا۔

حضرت محبوب الٰہیؒ نے اس حقیقت کو مختلف انداز میں متعدد جگہ سمجھایا ہے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

"طاعت دو طرح کی ہوتی ہے۔ لازمی اور متعدی۔ لازمی وہ ہے جس کا نفع صرف کرنے والے کی ذات کو پہنچے۔ اور یہ نماز، روزہ، حج درود اور تسبیح ہے۔ متعدی وہ ہے جس سے اوروں کو فائدہ پہنچے، انفاق، (روزی دینا) شفقت غیر کے حق میں مہربانی کرنا وغیرہ اسے متعدی طاعت کہتے ہیں۔ اس کا ثواب بے شمار ہے" [2]

خود حضرت محبوب الٰہیؒ کی حیاتِ طیبہ اس طاعتِ متعدی کی بہترین مثال ہے۔ حضرت بابا فریدؒ کے ایک عزیز، خواجہ عزیزالدین، ایک دعوت میں شرکت کرنے کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخؒ نے دریافت کیا۔ کہاں تھے۔ عرض کیا، ایک دعوت میں گیا تھا۔ وہاں لوگ یہ کہتے تھے:

خدمت شیخ نظام الدین عجب فراغ باطنی دارد، او را ہیچ غمے

شیخ نظام الدینؒ کو بڑا فراغ باطنی حاصل ہے۔ انھیں اس جہاں کا

---

[1] سیر الاولیا۔ ص ۱۲۸۔

[2] فوائد الفواد۔ ص ۱۴، ۱۳۔

Marfat.com

واندیشۂ ایں جہاں نیست۔ — کوئی غم اور فکر نہیں ہے۔

حضرت محبوب الٰہیؒ نے یہ سُن کر فرمایا:

"آں قدر غم واندوہ کہ مرا است ہیچ کس را دریں جہاں نیست۔ زیرا کہ چندیں خلق می آیند و غم واندوہ خویش می آیند آں ہمہ بردل و جان من نشنید۔ عجب دلے باشد کہ غم برادر مسلمان بشنود و در وے اثر نکند"۔ ؎۱

جس قدر غم واندوہ مجھے رہتا ہے، کسی کو اس جہان میں نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ اتنی مخلوق میرے پاس آتی ہے، اور اپنے رنج اور تکلیف بیان کرتی ہے۔ ان سب کا بوجھ میرے جان و دل پر پڑتا ہے وہ عجب دل ہوگا جو مسلمان بھائی کا غم سُنے اور اس پر اثر نہ ہو۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کی پوری زندگی خلق کی اسی دردمندی میں گزری۔ وہ اپنے پرائے سب کا غم کھاتے تھے۔ ہر شخص کی پریشانی کو دور کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ لوگ جب اپنی درد بھری داستانیں سناتے تو ان کا دل بے چین ہوجاتا۔ جس طرح ممکن ہوتا ہر آنے والے کی دل جوئی کرتے۔ دشمن بُرا بھلا کہتے، گالیاں دیتے، لیکن اُن کے دل پر میل نہ آتا، بلکہ یہ شعر گنگنانے لگتے ؎

ہر کہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد
ہر کہ مارا یار نبود ایزد اورا یار باد
ہر کہ خارے افگند در راہ ما از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد ؎۲

اُن کا یقین تھا کہ اگر برائی کا بدلہ برائی ہی سے دیا جائے تو یہ دنیا انسانوں کی بستی نہ رہے۔

؎۱ خیر المجالس۔ ص ۱۰۵۔

؎۲ فوائد الفواد۔ ص ۸۶۔ سیر الاولیا ص ۵۵۴۔

Marfat.com

ایک دن فرمانے لگے :

یکے خار نہد و تو ہم خار نہی۔ ایں خار خار باشد۔ میاں مرد ماں ہم چنیں است کہ با نغزاں نغزی با کوزاں کوزی، اما میان درویشاں ہم چنیں نیست کہ با نغزاں نغزی با کوزاں ہم نغزی۔ ؎[1]

اگر کوئی کانٹا رکھے اور تو بھی اس کے عوض کانٹا رکھے تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔ عام لوگوں میں تو یہ دستور ہے کہ نیک کے ساتھ نیک اور بد کے ساتھ بد ہوتے ہیں، لیکن درویشوں میں یہ دستور نہیں۔ یہاں نیک و بد دونوں کے ساتھ نیک ہونا چاہیئے۔

ایک اور موقع پر فرمایا :

"نفس است و قلب است۔ ہر گاہ کہ کسے بنفس پیش آید وایں کس می باید کہ بقلب پیش آید یعنی در نفس ہمہ خصومتست و غوغا و فتنہ و در قلب سکوت و رضا و ملاطفت پس چوں کسے بنفس پیش آید نفس مغلو شود، اما اگر کسے مقابلہ نفس ہم بنفس پیش آید پس خصومت و فتنہ را حد کجا است"۔ ؎[2]

دو چیزیں ہیں۔ ایک نفس دوسرے قلب۔ جب کوئی نفس سے پیش آئے تو اس سے قلب سے پیش آنا چاہیئے۔ یعنی نفس میں دشمنی، غوغا اور فتنہ ہے۔ اور قلب میں سکوت رضا اور نرمی۔ پس جب کوئی نفس (دشمنی) سے پیش آئے تو قلب (نرمی) سے پیش آنا چاہیئے اس طرح نفس (دشمنی) مغلوب ہو جائے گا۔ لیکن اگر کوئی نفس سے پیش آئے اور دوسرا بھی اس کا مقابلہ نفس سے

---

[1] فوائد الفواد ص ۸۰

[2] فوائد الفواد۔ ص ۱۲۴

Marfat.com

کرے تو پھر دشمنی اور فتنہ کی کوئی
حد نہیں رہتی ۔

فوائد الفواد میں قدم قدم پر یہ ہی تلقین ہے ۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے ، ہر ہر موقع پر اپنے مریدین کو سمجھایا ہے کہ اس دنیا میں فوز و کامرانی کے الفاظ اُس وقت تک شرمندۂ معنی نہیں ہو سکتے جب تک انسان خدمتِ خلق کو اس طرح اپنی زندگی کا مقصد نہ بنا لے کہ برائی کا خیال ہی اس کے دل میں نہ آئے ۔ دنیا جفا کرے اور وہ وفا کرے ، دنیا تکلیف پہنچائے تو وہ راحت کا سامان بن جائے ۔ لوگ اس کو بُرا کہیں تو ابرو پر شکن نہ آئے بلکہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائے ۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے :

"اگر میان دو کس آزارے باشد سبیل آنست کہ ایں کس از طرف خود درونۂ خود صاف کند ، چوں ایں کس درونۂ خود از عداوت پاک کند ، البتہ از جانب او ہم آزار کم شود"۔ [1]

اگر دو آدمیوں میں جھگڑا اور رنجش ہو تو طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنا دل بالکل پاک و صاف کرے ۔ جب ایک شخص اپنا باطن عداوت سے پاک کرے گا ، تو دوسرے کی طرف سے بھی آزار کم ہو جائے گا ۔

حضرت محبوب الٰہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ بُرا کہنا بُرا ہے لیکن بُرا چاہنا اس سے بھی بُرا ہے ۔

---

[1] سیر الاولیا ص ۵۵۵

انسان تو پھر انسان ہے ، دل کی صفائی اور محبت کا اثر جانور بلکہ پھول اور پودے بھی قبول کئے بغیر نہیں رہتے ۔ اس سلسلہ میں ایک فرانسیسی ڈاکٹر فرانسس برونل FRANCIS BRUNEL کا واقعہ دلچسپی سے خالی نہیں ۔ ۸ر جنوری ۱۹۷۰ء کو وہ دہلی کے عجائب گھر کو دیکھنے گئے تو وہاں کچھ شیر اپنے کٹھیروں میں پھر رہے تھے ۔ برونل نے اپنا ہاتھ کٹھیرہ کے اندر کر دیا اور شیر فوراً بڑی محبت سے گردن جھکا کر کھڑا ہو گیا ۔ برونل سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو جواب دیا کہ جانوروں سے جو سچی اور گہری محبت اُن کو ہے اس کا اثر جانوروں پر پڑتا ہے اور اُن کا غصہ محبت میں بدل جاتا ہے ۔ ہندوستان ٹائمس (۹ر جنوری ۱۹۷۰ء) ص ۳ ۔ جدید سائنس کی تحقیق ہے کہ پتوں اور پودوں پر محبت اور نفرت کا اثر پڑتا ہے ۔

"بد گفتن اندک است اما بد خواستن ازاں بدتر است" [1]

برا کہنا، برا چاہنے کے مقابلے میں کم برا ہے۔ برا چاہنا بدتر ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ کچھ لوگ آپ کو برسرِ منبر برا کہتے ہیں اور ہم ایسا سننے کی تاب نہیں رکھتے۔ فرمایا۔ میں نے ان سب کو معاف کر دیا۔ تم بھی معاف کر دو۔

من آں از ہمہ عفو کردم، چہ جائے آنست کہ کسے بعداوت مردم مشغول شود و ہر کہ مرا بد گفت ازو عفو کردم۔ اکنوں باید کہ شما عفو کنید و ایں نوع مذاکرہ دیگر بار مکنید مردم ازیں بد گفتہا چہ نجبد چوں گفتہ اند کہ صوفی آنست کہ مال او سبیل است و خون او مباح است۔ چوں ہم چنیں است از بد گفتن چہ باک است، چرا خصومت می باید کرد؟ [2]

میں نے ان تمام لوگوں کو معاف کر دیا ہمارا شیوہ یہ نہیں ہے کہ کسی کی عداوت میں مشغول ہوں۔ جس نے مجھے بُرا اور ناسزا کہا ہے۔ میں نے اسے معاف کر دیا۔ تمھیں بھی چاہیئے کہ ان لوگوں کو معاف کر دو۔ اور اس قسم کا مذاکرہ دوبارہ نہ کرو۔ آدمیوں کو اس قسم کی بدگوئیوں اور برائیوں سے رنجیدہ نہ ہونا چاہیئے چونکہ کہا گیا ہے کہ اصل میں صوفی وہ شخص ہے جس کا مال وقف اور خون مباح ہو۔ اور جب یہ ہے تو پھر اسے کسی کی بدگوئی اور (غیبت) سے کیا خوف ہو اور کسی سے خصومت کیوں رکھے۔

کچھ حاسد اور تنگ دل لوگوں نے یہاں تک جرأت کی کہ خانقاہ میں آکر حضرت محبوب الٰہیؒ کے منھ پر اُن کو بُرا بھلا کہا۔ حضرت شیخؒ نے سب کچھ سُنا، لیکن زبان سے ایک لفظ بھی

---

[1] سیر الاولیا۔ ص ۵۵۴

[2] سیر الاولیا۔ ص ۵۵۵ - ۵۵۴

Marfat.com

نہ کہا۔ ایک دن فرمانے لگے :

"معاملہ خلق بر خلق سہ قسم است قسم اول آنست کہ ازیں کس بدیگرے نہ منفعت برسد و نہ مضرت، حکم ایں کس حکم جماد باشد، قسم دوم ازیں بہتر کہ بدیگرے منفعت برسد نہ مضرت۔ قسم سیوم، از ہر دو خوشتر است کہ ازیں کس بدیگرے منفعت رسد واگر او را مضرت رسانند او مکافات نکند و تحمل کند و حلم ورزد ایں کار صدیقانست"[1]

لوگوں کے آپس میں معاملہ کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ ایک شخص سے دوسرے کو نہ فائدہ پہنچے نہ نقصان، ایسا شخص جماد کا حکم رکھتا ہے۔ دوسری قسم اس سے بہتر ہے اس میں وہ لوگ شامل ہیں جن سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے، نقصان نہیں پہنچتا۔ تیسری قسم جو پہلی دو قسموں سے بہتر ہے وہ یہ ہے کہ اس سے دوسروں کو ہمیشہ فائدہ پہنچتا ہے، اگر لوگ اسے مضرت پہنچاتے ہیں تو وہ اس کی پاداش و مکافات کا خیال نہیں کرتا بلکہ تحمل کرتا ہے اور تکلیفوں کو سہتا ہے اصل میں یہ کام صدیقوں کا ہے۔

مصیبت زدوں اور غریبوں سے سچی ہمدردی صرف وہی کر سکتا ہے جو مصیبت اور غربت کی تمام تکلیفوں کو اپنے اوپر طاری کر سکتا ہو، جس کو پیٹ بھر کر کھانا ملے وہ فاقہ زدوں کی حالت کا کیا اندازہ لگا سکتا ہے، جس کو زندگی کی تمام آسائشیں میسّر ہوں وہ کس طرح حاجت مندوں کی بے چینی اور تکلیف کا احساس کر سکتا ہے! حضرت محبوب الٰہیؒ کی زندگی کے واقعات شاہد ہیں کہ ان کی اخلاقی تعلیم زبان تک محدود نہ

---

[1] فوائد الفواد۔ ص ۹۱

Marfat.com

تھی۔ وہ ان اخلاقی اصولوں کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ ایک دن حاضرین کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ سائے میں جگہ نہ رہی۔ لوگ دھوپ میں بیٹھنے لگے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کی طبیعت بے چین ہو گئی۔ فرمایا:

"ذرا پاس پاس ہو بیٹھو۔ تاکہ وہ بھی سائے میں بیٹھیں۔ کیونکہ دھوپ میں بیٹھے تو وہ ہیں اور جلتا میں ہوں" [۱]

حضرت محبوب الٰہیؒ اکثر روزہ رکھا کرتے تھے۔ لیکن اس طرح کہ شاذ و نادر ہی کبھی سحری کھائی ہو۔ خواجہ عبدالرحیمؒ جن کے ذمہ سحری کا حضرت کی خدمت میں پیش کرنا مقرر تھا عرض کرتے: مخدوم! آپ نے افطار کرتے وقت بہت ہی کم کھانا تناول فرمایا ہے۔ اگر سحری کے وقت بھی تھوڑا سا کھانا تناول نہ کریں گے تو ضعف بڑھ جائے گا اور طاقت سلب ہو جائے گی۔ خواجہ عبدالرحیمؒ کی یہ بات سُن کر حضرت محبوب الٰہیؒ زار و قطار رونے لگتے اور فرماتے:

"چندیں مسکیناں و درویشاں در کنجہائے مساجد و دوکانہا گرسنہ و فاقہ زدہ افتادہ اند، ایں طعام در حلق من چگونہ فرورود" [۲]	بہت سے مساکین اور درویش مسجدوں کے کونوں اور دکانوں میں بھوکے اور فاقہ زدہ پڑے ہوئے ہیں۔ بھلا یہ کھانا میرے حلق میں کس طرح اُتر سکتا ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ حقیقی تصوف، خدمتِ خلق کا دوسرا نام ہے۔ مشائخ نے محبت الٰہی کو خدمت خلق ہی کے ذریعہ تلاش کیا تھا۔ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مدینہ کی گلیوں میں 'حق' کو پایا ہے۔ ان سے پوچھا گیا، کیسے؟ جواب دیا:

---

[۱] فوائد الفواد۔ ص ۹۱

[۲] سیر الاولیا۔ ص ۱۲۸

"روزے در بازار مدینہ می رفتم شکستگانے دیدم از غایت شکستگی صفت نتواں کرد برایشاں رحم آمد، خواستم کہ با ایشاں باشم و موانست بگیرم، در صحبت ایشاں بودم، پنداشتم کہ خدا با شکستگاں است" [1]

ایک دن میں مدینہ کے بازار میں چلا جا رہا تھا کہ چند خستہ حال لوگوں کو دیکھا جن کی پریشان حالی کی کیفیت بیان نہیں ہوسکتی مجھے ان پر رحم آیا۔ اور چاہا کہ میں بھی اُن کے ساتھ رہوں اور اُن سے موانست اختیار کروں چنانچہ اُن کی صحبت میں رہا اور سمجھ گیا کہ خدا خستہ حالوں کے ساتھ ہے۔

---

[1] سیر الاولیا، ص ۵۵۹ - ۵۵۸

Marfat.com

باب ششم

صوفیہ اور تعلیمِ اخلاق

خدمتِ خلق کے معنی صرف یہ ہی نہیں کہ چند بھوکوں کا پیٹ بھر دیا جائے یا چند حاجت مندوں کی ضرورت کو پورا کر دیا جائے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم ایک کام ہے اور وہ یہ کہ لوگوں کو برائی سے روکا جائے اور بھلائی کی طرف بلایا جائے۔ مسند میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا:

"میں ان لوگوں کو پہچانتا ہوں جو نبی ہیں اور نہ شہید ہیں، لیکن قیامت میں ان کے مرتبہ کی بلندی پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا سے محبت ہے اور جن کو خدا پیار کرتا ہے، وہ اچھی باتیں بتاتے اور بری باتوں سے روکتے ہیں"۔

بنی نوع انسان کے اخلاق کی درستگی کے لئے جدوجہد وہ کام ہے جس کے لئے پیغمبر مبعوث کئے گئے ہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

بعثت لاتمم حسن الاخلاق	میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

قرآن میں پیغمبرانہ فریضہ کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ [1]	پیغمبر اُن (اَن پڑھ جاہلوں) کو پاک و صاف کرتا اور ان کو کتاب و حکمت

---

[1] ابن درید (المتوفی ۳۲۱ھ) نے "حکمت" کے یہ معنی لکھے ہیں: (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کی باتیں سکھاتا ہے

قرآن مجید اور احادیث نبوی میں جگہ جگہ انسانی اخلاق کی درستگی کی ضرورت اور اہمیت کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ سورہ بقرۃ میں ہے :

"نیکی یہی نہیں ہے کہ تم نمازمیں اپنا منھ پورب یا پچھم کی طرف کرو، بلکہ اصلی نیکی اس کی ہے جو خدا پر، قیامت پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لایا اور مال کی خواہش کے باوجود (یا خدا کی محبت کے سبب سے) اپنا مال رشتہ داروں کو، غریبوں کو، مسافر کو، مانگنے والوں کو، اور غلاموں کو آزاد کرنے میں دیا اور نماز ادا کرتا رہا اور زکوٰۃ دیتا رہا، اور جو وعدہ کرکے اپنے وعدے کو پورا کرتے ہیں اور جو مصیبت تکلیف اور لڑائی میں ثابت قدم رہتے ہیں، یہی ہیں جو راستباز ہیں۔ اور یہی تقویٰ والے ہیں"

ارشادِ نبوی ہے کہ مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے (اکمل المومنین ایمانا احسنهم خلقا)۔ تمام مذہبی عبادات کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان میں اچھے اخلاق پیدا ہوں۔ حدیث شریف میں ہے "جس کی نماز اس کو برائی اور بدی سے نہ روکے تو ایسی نماز اس کو خدا سے اور دور کر دیتی ہے"[1]۔ ایک جگہ فرمایا جاتا ہے کہ انسان حسن خلق سے وہ درجہ پا سکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے:

ان الرجل لیدرک بحسن خلقہ

درجۃ قائم اللیل وصائم النہار ؂

فکل کلمۃ وعظتک اوزجرتک اودعتک الی مکرمۃ اونہتک من قبیح فہی حکمۃ وحکم۔ جمہرۃ اللغۃ ج ۲ ص ۱۸۲ (حیدرآباد)

ہر وہ بات جو تجھ کو سمجھائے یا تجھ کو تنبیہ کرے، یا کسی اچھی خصلت کی طرف بلائے، یا کسی بری چیز سے روکے وہ حکمت اور حکم ہے۔

[1] احیاء العلوم۔ امام غزالیؒ

Marfat.com

تصوف کی تعریفوں کو اگر ایک جگہ جمع کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بیشتر تعریفیں ایسی ہیں جن میں تصوف کو اخلاق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مشایخ کے نزدیک تصوف کا مقصد یہ ہے کہ انسان خود اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرے اور دنیا کے دوسرے بسنے والوں کو مادّی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک و صاف کرے۔ بنی نوع انسان کے ساتھ تعلقات میں شگفتگی پیدا کرنا، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا، بُرائی سے بچانا، بھلائی کی طرف بلانا یہ وہ کام ہیں جو عبادت سے زیادہ اہم ہیں۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے:

"بہت نماز پڑھنا اور وظائف میں بکثرت مشغول رہنا۔ قرآن مجید کی تلاوت میں بہت مصروف رہنا، یہ سب کام چنداں مشکل نہیں ہیں۔ ہر باہمت شخص کر سکتا ہے بلکہ ایک ضعیف بڑھیا بھی کر سکتی ہے، روزہ پر مداومت کر سکتی ہے۔ تہجد گذاری میں مصروف رہ سکتی ہے۔ قرآن مجید کے چند پارے پڑھ سکتی ہے۔ لیکن مردان خدا کا کام کچھ اور ہی ہے" [۱]

مشایخ متقدمین کی نظر میں تصوف ایک اخلاقی ضابطہ کا نام تھا جس میں اپنے نیز دوسروں کے اخلاق کی درستگی کو زندگی کا سب سے اہم فرض سمجھا جاتا تھا۔ حضرت شیخ ابوالحسنؒ کا قول ہے:

لیس التصوف رسوما ولا علوما ولکنہ اخلاق۔ [۲]	تصوف رسوم اور علوم کا نام نہیں ہے، بلکہ اخلاق کا نام ہے۔

حضرت شیخ محمد بن قصابؒ کہا کرتے تھے:

التصوف اخلاق کریمۃ ظہرت فی زمان کریم من رجل کریم مع قوم کریم [۳]	تصوف اخلاق کریمہ ہیں جو بہتر زمانہ میں بہتر شخص سے بہتر قوم کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں۔

---

[۱] سیر الاولیا۔ ص۔ ۴۵ [۲] کشف المحجوب ص ۱۴۱ (لاہور ایڈیشن) [۳] رسالہ قشیریہ۔

Marfat.com

حضرت محمد بن علی بن حسین بن علیؓ بن ابی طالب کا قول ہے:

التصوف خلق فمن زاد علیک فی الخلق زاد علیک فی التصوف ۱؎	تصوف خوش اخلاقی کا نام ہے یعنی جو شخص زیادہ کرتا ہے صوفی زیادہ ہوتا ہے

حضرت شیخ مرتعشؒ فرماتے ہیں:

التصوف حسن الخلق ۲؎	تصوف خلق نیک کا نام ہے۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ فرمایا کرتے تھے کہ تصوف راہِ صدق و اخلاقِ حسنہ کا نام ہے۔ ۳؎

صوفیۂ کرام کے حالاتِ زندگی اور تصوف کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اسلامی تصوف، نفوسِ انسانی کو مادی نجاستوں سے پاک کرنے اور اعلیٰ اخلاق و کردار پیدا کرنے کی ایک عظیم الشان تحریک تھی۔ صوفیہ نے کارِ نبوی کو جاری رکھا اور بنی نوعِ انسان کے اخلاق و اطوار، فکر و عمل کو درست کرنے کی کوششیں کیں۔ مشایخ متقدمین کے ملفوظات، تعلیم اخلاق کی سلسبیل و کوثر ہیں۔ جن کی خاموش روانی دلوں کو بے اختیار اپنی طرف کھینچتی ہے اور دلوں میں اچھے عمل کا جذبہ اور ولولہ جوش مارنے لگتا ہے ــــ ان بزرگوں کی کوشش صرف یہ ہی نہ تھی کہ انسان کے ظاہری اعمال درست ہو جائیں بلکہ وہ چاہتے تھے کہ بُرائی کے سوت ہی بند ہو جائیں۔ انسان کا دل برائی کی طرف راغب ہی نہ ہو کہ دل کی نجاست، جسم کی نجاست سے بدرجہا بُری ہے۔

حضرت شیخ رکن الدین ملتانیؒ فرمایا کرتے تھے:

"جنابت بر دو نوع است، جنابت دل ست و جنابت تن و جنابت تن از صحبت با زن حاصل شود	جنابت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک جنابت دل کی۔ دوسری جنابت بدن کی۔ بدن کی جنابت وہ ہے جو عورت کے

۱؎ کشف المحجوب ص ۳۸ (لاہور ایڈیشن) ۲؎ کشف المحجوب ص ۴۱ (لاہور ایڈیشن)

۳؎ خیر المجالس ص ۱۳۸، ترجمہ ص ۹۶؛

Marfat.com

وجنابت دل بصحبت ناہموار،
جنابت تن پاک بآب شود، اما
جنابت دل بآب دیدہ محو گردد[1]

ساتھ صحبت کرنے سے حاصل ہو۔
اور دل کی جنابت نالائقوں کی صحبت
سے ہوتی ہے بدن کی جنابت تو پانی
سے پاک ہو جاتی ہے لیکن دل کی جنابت
آنسوؤں سے دھوئی جاتی ہے۔

صوفیۂ کرام کی زندگیوں کا جو پہلو سب سے زیادہ توجہ کا مستحق ہے وہ ان کی تعلیم اخلاق ہے۔ جن مصنفین نے اوراد و وظائف اور کشف و کرامات کے افسانوں کو مرکزی اور بنیادی حیثیت دے دی ہے انھوں نے تصوف کی حقیقت کو سمجھنے اور سمجھانے میں بڑی رکاوٹیں پیدا کر دی ہیں۔ خواجہ اجل شیرازیؒ کا یہ واقعہ جو حضرت محبوب الٰہیؒ نے ایک بار اپنی مجلس میں بیان فرمایا مشائخ متقدمین کے لائحہ عمل، طریق کار اور مقصد حیات کا بہترین آئینہ دار ہے۔ فرماتے ہیں

"ایک شخص خواجہ اجل شیرازیؒ کی خدمت میں آیا اور مرید ہو کر خواجہ صاحبؒ کے حکم کا منتظر تھا کہ اب مجھے نماز یا ورد تبلاتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے صرف یہ کہا کہ جو بات اپنے لئے پسند نہیں کرتا وہ اوروں کے لئے بھی پسند نہ کر اور اپنے لئے اس بات کی خواہش کر جس کی اوروں کے لئے خواہش کرتا ہے۔ مدت بعد جب وہ شخص پھر حاضر خدمت ہوا تو عرض کی کہ میں فلاں روز آپ کا مرید ہوا تھا اور منتظر تھا کہ آپ مجھے نماز یا ورد کی بابت فرمائیں گے۔ لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ اب بھی میں اسی بات کا منتظر ہوں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا اس روز تجھے کیا سبق دیا تھا۔ مرید حیران رہ گیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے مسکرا کر فرمایا، اس روز میں نے کہا تھا کہ جو بات اپنے لئے پسند نہیں کرتا وہ دوسروں کے لئے بھی نہ کر اور اپنے لئے اس بات کی خواہش کر

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۴۴

Marfat.com

جس کی اوروں کے لئے کرتا ہے۔ چونکہ تو نے پہلا سبق یاد نہیں کیا، اب میں دوسرا سبق کس طرح سکھاؤں۔ [1]

حقیقت یہ ہے کہ تصوف، نام ہی خدمتِ خلق اور تعلیم اخلاق کا ہے۔ مشائخ متقدمین نے اس کو یہی سمجھا تھا اور اسی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔

ارتقاء روحانی محبت الٰہی، خدمتِ خلق، تعلیم اخلاق ——— ان سب کا نتیجہ کیا ہے؟ صوفیہ کا کہنا ہے کہ ان سب کا نتیجہ "ارتقاء روحانی" ہے ———

"ارتقاء روحانی" کی وضاحت مولانا ابوالکلام آزاد کی زبانی سنیے کہ اس سے بہتر وضاحت ممکن نہیں۔ فرماتے ہیں:

"فی الحقیقت وہ "قانون ارتقاء" جو لامارک، ہلبیر، ابن مسکویہ اور ڈارون نے دریافت کیا ہے۔ صرف مخلوقات کے جسم ہی تک محدود ہے۔ وہ کچھ نہیں بتلاتا کہ ارتقاء کی یہ زنجیر ہیکل انسانی کی کڑی تک پہنچ کر پھر کہاں چلی جاتی ہے اور اس کے بعد ارتقاء کے منازل باقی رہتے ہیں یا نہیں؟ لیکن وہ قانونِ ارتقاء جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا وہ بتلاتا ہے کہ بلاشبہ انسانیت کے مرتبہ تک پہنچنے کے بعد "ارتقاء جسمی" تو ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کے بعد ایک "ارتقاء روحانی" کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور جسم حیوانی کو انسان کا ہیکل اختیار کرنے کے بعد بھی انسان بننے کے لئے بہت کچھ بننا اور ترقی کرنا باقی رہتا ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور
وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ	جن لوگوں نے علم حق حاصل کیا۔
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝	سو اللہ تعالیٰ ان کے مدارج کو
(۵۸ : ۱۱)	ترقی دیتا ہے اور ارتفاع بخشتا ہے۔

---

[1] فوائد الفواد۔ ص ۸ (اردو ترجمہ ص ۶)

Marfat.com

یہی مدارج ہیں جو اولیاء اللہ اور اصحاب الجنہ کے ذہاب الی اللہ کی مختلف منزلیں ہیں۔ ایمان باللہ اور محبت الٰہی اس ارتقاء روحانی کی اصل ہے۔ اور ارتقاء انسانی کے معنی یہ ہیں کہ اللہ پر ایمان و ایقان ترقی کرے، اور اللہ کی ولایت اور دوستی اپنے اونچے مرتبوں اور مقاموں تک بلند ہو جائے۔

اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ	کلمات طیبہ اور صالح اللہ ہی کی طرف
وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ	بلند ہوتے ہیں اور وہ عمل صالح کرنے
(۳۵ : ۱۱)	والوں کو ارتفاع بخشتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں دو چیزیں بیان کی ہیں "کلم الطیب" اور "عمل صالح" پس انسانیت کی تکمیل اور ارتقاء کی بنیاد بھی یہی دو چیزیں ہیں۔ "کلم الطیب" سے مقصود ایمان باللہ ہے اور "عمل صالح" سے مقصود انسان کے وہ تمام کام جو صحت و اصلاح اور عدل و حقیقت کے مطابق ہوں، فرمایا کہ ایمان باللہ صعود کرتا ہے اور بلند ہوتا ہے اور عمل صالح کو خدا اونچے درجوں تک لے جاتا ہے[1]

تصوف اور صوفیۂ کرام کے مقصد حیات کے متعلق جو گفتگو گذشتہ صفحات میں ہم نے کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صوفیۂ کرام نے محبتِ الٰہی کو اپنا مقصدِ حیات قرار دیا تھا۔ خدمتِ خلق کو انھوں نے اس مقصد کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ اس کا صلہ "ارتقاء روحانی" کی شکل میں ان کو ملا۔ اور یہ "ارتقاء روحانی" انسانیت کی تکمیل تھی۔

---

[1] "اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان" (طبع ثانی ۱۹۳۹ء لاہور) ص ۵۵، ۵۴

حصہ دوم

تدوین فکر اور تنظیم سلاسل

باب اول

قرونِ اُولیٰ میں مسلمانوں کا سیاسی اور سماجی نظام

اور صوفیہ کا پہلا طبقہ

تصوف کے مطالعہ کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی سماج اور سیاست کے بدلتے ہوئے تقاضوں اور رجحانات پر پوری توجہ کی جائے تاکہ اگر ایک طرف صوفیہ کے کام کی نوعیت تاریخ کے پس منظر میں واضح ہوجائے تو دوسری طرف ان کے دینی افکار و خیالات کے نشو و نما کے اصل محرکات کا پتہ بھی چل جائے۔ صوفیہ کے افکار و اعمال میں حالاتِ گرد و پیش کا ردعمل تلاش کرنا ازبس ضروری ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم تاریخ کو اپنا رہبر بنا کر حالات کا تجزیہ نہ کریں۔

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کا سیاسی و سماجی نظام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سیاسی نظام ترتیب دیا تھا وہ مکمل طور پر اسلام کے اصولِ مساوات کا آئینہ دار تھا۔ حاکم و محکوم کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ حکومت کا سارا کام مسلمانوں کے مشورے سے ہوتا تھا۔ بیت المال سب کا مشترکہ سرمایہ تھا۔ رسول اکرمؐ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے اونٹ کے ایک بال زیادہ کا بھی مستحق نہیں سمجھتے تھے[1]۔ قانون تعزیرات بڑے اور چھوٹے سب کے لئے یکساں تھا۔ رسول اکرمؐ کے عدل وانصاف کے آگے اُن کی

---

[1] ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب صلوٰۃ القاعد۔

Marfat.com

لخت جگر فاطمہؓ اور ایک عام آدمی دونوں برابر تھے[۱]۔ آپ کی بارگاہ میں سلمانؓ صہیبؓ اور بلالؓ وہی مرتبہ رکھتے تھے جو رؤسائے قریش۔ آپ کے دروازے پر نہ حاجب[۲] ہوتے تھے نہ پہرہ دار، مدینہ کی گلیوں میں غریبوں اور بے کسوں کی مدد کے لئے آپ اکثر گھومتے ہوئے نظر آتے تھے۔ چشم روزگار نے ابتدائے آفرینش سے ایسا عادلانہ نظام کائنات ہستی میں نہیں دیکھا تھا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقہ کے اوپر سے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا وہ اسلامی تاریخ کا سب سے اہم خطبہ ہے۔ اس میں اسلامی سماج اور سیاست کے سب بنیادی اصول اجمالاً لیکن پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔[۳]

"لوگو! توجہ سے سنو اور یاد رکھو۔ ممکن ہے کہ آیندہ مجھے تم سے ملنے کا موقع نہ مل سکے۔ جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں جس طرح تم اس دن، اس مہینہ اور اس مقام کی حرمت کرتے ہو، اسی طرح ایک مسلمان کا خون مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے ہر کام کا حساب لے گا .... دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ جس طرح تمھارے حقوق عورتوں پر ہیں، اسی طرح عورتوں کے حقوق تمھارے اوپر ہیں .... اُن کے ساتھ نرمی کرنا اور مہربانی سے پیش آنا۔ اور اللہ سے

---

۱ صحیح بخاری۔ کتاب الحدود۔

۲ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) اپنے زمانے میں حاجبوں کی زیادتی سے متاثر ہو کر ایک باب کا عنوان قائم کرتے ہیں " باب ماذکر ان النبی لم یکن لہ بواب "

۳ یہ مکمل خطبہ حدیث کی کسی کتاب میں یک جا نہیں ملتا۔ اس کے ٹکڑے مختلف کتابوں میں آئے ہیں۔ یہاں یہ سب ٹکڑے جمع کر دئے گئے ہیں۔ اصل میں یہ ایک طویل خطبہ تھا۔ جس شخص کو جو جملہ یاد رہ گیا اسی کی اس نے روایت کر دی۔

ڈر کر اُن کے حقوق کا لحاظ رکھنا....... غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلانا، اور جو خود پہنو وہی اُن کو پہنانا۔ اُن سے کوئی خطا ہو تو درگذر کرنا یا اُن کو جدا کر دینا۔ وہ بھی اللہ ہی کے بندے ہیں۔ اُن پر سختی روا نہ رکھنا۔

نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم خاک سے بنے تھے۔

تمھارے کسی بھائی کی کوئی چیز تمھارے لئے اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ رضامندی سے نہ بخش دے۔ دیکھو ناانصافی نہ کرنا۔

میں نے تمھارے درمیان ایک چیز چھوڑی ہے۔ جس کو اگر تم مضبوط پکڑو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ یاد رکھو وہ قرآن ہے۔

لوگو! عمل میں خلوص، مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی، اور جماعت میں اتحاد۔ یہ تین باتیں ایسی ہیں جو سینہ کو پاک رکھتی ہیں......

جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقامِ خون) باطل کر دیئے گئے۔ اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ربیعۃ بن الحارث کے بیٹے کا خون باطل کئے دیتا ہوں۔

جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے۔ اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود، عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں''۔

یہ صدائے دل نواز جو ناقہ پر سے بلند ہوئی تھی، دنیا میں اخوت، مساوات اور عدل کا پہلا اور آخری پیغام تھی۔ اسلامی سماج اور سیاست جن اصولوں پر منظم ہوئی تھی وہ پوری وضاحت کے ساتھ یہاں بیان کر دیئے گئے تھے۔ آنے والی نسلوں کے لئے سرورِ کائنات صلعم کا یہ خطبہ چراغِ راہ کی مانند تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین نے پوری طرح اس اعلانِ نبوت کی پاسداری کی۔ انھوں نے نظامِ خلافت، منہاجِ سنت پر ترتیب دیا اور اپنے طریقہ کار میں راہِ نبوی کا اتباع

کیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

"جس طرح وجودِ نبوت میں مختلف حیثیتوں کا اجتماع تھا، اسی طرح ان کی شخصیت بھی جامع وحاوی تھی۔ دینی دعوت اور شرعی اجتہاد وامر، حکومت وفرمانروائی اور قوام ونظامِ شرع، نظامِ شریعت اور نظامِ سیاست۔ یہ سب اُن کی ذات میں اکٹھے تھے۔ اُن کی حکومت سچے اور حقیقی اسلامی نظام پر تھی۔ یعنی حکومتِ شوریٰ۔ جس کو آج کل کی زبان میں ایک ناقص تشبیہ کے ساتھ ری پبلک کہہ سکتے ہیں۔ یہ سلسلہ حضرت علی علیہ السلام پر ختم ہوگیا۔" [1]

خلافتِ راشدہ کے بعد جو سیاسی نظام قائم ہوا وہ منہاجِ سنت پر نہ تھا۔ بنی اُمیہ کے زمانے میں اسلام کے سیاسی نظام کا سارا مرکز ومحور بدل گیا۔ خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔ عوام سے وہ مساویانہ ربط اور تعلق، جو خلفاء راشدین کے عہد کی خصوصیت تھی، ختم ہوگیا۔ دروازوں پر حاجب بٹھادیئے گئے۔ مسجدوں میں مقصورے تعمیر کرلئے گئے۔ بیت المال ذاتی ملکیت سمجھا جانے لگا۔ مسلمانوں کی دینی زندگی کی اصلاح وتربیت، جو اب تک خلفاء کے اہم ترین فرائض میں شامل تھی، نظرانداز کردی گئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانے میں سیاسی اور دینی فرائض کا جو اجتماع تھا، وہ ماضی کی داستان بن کر رہ گیا۔ اسلامی زندگی کی اجتماعیت فنا ہوگئی۔ مذہب اور سیاست کے راستے بدل گئے۔ مسلمانوں کی ملّی زندگی کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی۔ شیخ علی ہجویری نے اس تبدیلی کو اپنے صوفیانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:

"یکے از مدعیان علم درویشے را	ایک علم کے مدعی نے ایک فقیر سے
گفت کہ ایں کبود چرا پوشیدی	کہاکہ تونے نیلگوں لباس کیوں پہنا ہے
گفت از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم	اس نے جواب دیا کہ پیغمبر صلعم سے

[1] جزیرۂ عرب اور مسئلہ خلافت، ص ۱۰

Marfat.com

سہ چیز بماند یکے فقر و دیگر علم، و سہ دیگر شمشیر۔ شمشیر سلطاناں یافتند نہ در جائے آں کار فرمودند۔ و علم علما را اختیار کردند۔ بآموختن بسندہ کردند۔ و فقر گروہ فقرار اختیار کردند، و آنرا آلتِ غنا ساختند من بر مصیبت ایں سہ گروہ کبود اندر پوشیدم [1]	تین چیزیں باقی رہیں۔ ایک فقیری، دوسرے علم، تیسرے تلوار۔ تلوار بادشاہوں نے پائی مگر اُنھوں نے اس کو موقع پر استعمال نہ کیا، اور علمار نے علم اختیار کیا، اور اس کے سکھانے کو کافی سمجھا۔ اور فقیری فقیروں کے گروہ نے پسند کی مگر اس کو امیری کا آلہ بنایا میں نے ان تینوں گروہوں کی مصیبت پر نیلگوں لباس پہنا ہے۔

اسلامی زندگی کی اجتماعیت کے ختم ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی وحدتِ عمل جاتی رہی مسلمانوں کا دین دار طبقہ یہ خیال کرنے لگا کہ حکومت کی ملازمت اب دین کی خدمت نہیں رہی بلکہ دنیا داری کے مترادف ہوگئی۔ اس بنار پر بہت سے بزرگوں نے حکومتِ وقت سے قطع تعلق کر لیا، اور پہلی صدی ہجری ہی میں مسلمانوں کا سیاسی نظام بعض بہترین شخصیتوں کی خدمات سے محروم ہوگیا۔

پھر بنی امیہ کے زمانے میں کچھ ایسے ناخوش گوار واقعات رونما ہوئے جنھوں نے ملت کے جذبات کو مجروح کر دیا۔ وہ حسرت و یاس کے ساتھ نبی صلعم اور خلفائے راشدین کے زمانے کو یاد کرتے تھے۔ بنی اُمیہ نے اپنے طرز عمل سے ایسا شدید تقابل پیدا کر دیا تھا کہ لوگوں کو اپنے گرد و پیش سے شدید بے اطمینانی محسوس ہونے لگی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی علاقے میں گورنر مقرر کرتے تو ہدایت فرماتے کہ لوگوں پر نرمی کی جائے چنانچہ جب معاذ بن جبل رض کو یمن کی گورنری پر مامور کیا تو فرمایا:

یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا	آسانی پیدا کرنا، دشواری پیدا نہ کرنا

---

[1] کشف المحجوب۔ ص ۳۹۔

Marfat.com

وتطاوعا ولا تختلفا۔ — لوگوں کو بشارت دینا، اور اُن کو وحشت زدہ نہ کرنا، باہم اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا"۔

معاذؓ جب چلنے کے لئے تیار ہوئے، اور رکاب پاؤں میں ڈالی تو پھر مزید ہدایت فرمائی:

احسن خلقك للناس — لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ کرنا [1]

حضرت عمرؓ کا یہ معمول تھا کہ ہمیشہ گورنروں کے متعلق لوگوں سے پوچھتے رہتے تھے۔ اصابہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جریرؓ سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے متعلق دریافت فرمایا تو انھوں نے یہ الفاظ کہے:

ترکتہ فی ولایتہ اکرم الناس مقدرة واقلهم قوة وهو بهم کالأم البرة یجمع بهم کما تجمع الذرة، اشد الناس عند الباس واحب قریش عند الناس۔ — میں نے ان کو گورنری میں اس حال میں چھوڑا کہ وہ مقدرت میں شریف ترین انسان تھے۔ ان میں سختی بہت کم تھی اور لوگوں کے لئے مثل مادر مشفقہ کے تھے، اُن کی روزی کو چیونٹی کی طرح جمع کرتے تھے۔ لڑائی میں سب سے زیادہ سخت تھے اور قریش میں لوگوں کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔

عہد بنی اُمیہ میں گورنروں کا طرزِ عمل بالکل اس کے برعکس تھا۔ حجاج جیسے گورنروں کے مظالم سے لوگ کانپ اُٹھے تھے۔ ایک طرف رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ تھی کہ بار بار فرماتے ہیں کہ خوش خلقی کا برتاؤ کرنا، دوسری طرف زیاد کا وہ خطبہ بترا

---

[1] سیرت النبی (حصہ اول، جلد دوم) ص ۷۰

اس نے بصرہ کی جامع مسجد میں دیا تھا! —— ناممکن تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اس تبدیلی کا ردِّ عمل ظاہر نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ شام کے کچھ نبطیوں کو جزیہ ادا نہ کرنے کی سزا میں دھوپ میں کھڑا ہوا دیکھ کر ہشام بن حکیم بن حزام بے اختیار پکار اُٹھے تھے:

اشہد لسمعت رسول اللہ	میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یقول	صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سُنا ہے کہ
ان اللہ یعذب الذین	خدا ان لوگوں کو عذاب دے گا جو
یعذبون الناس فی الدنیا	لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں۔

حجاج بن یوسف کے مظالم دیکھ کر حضرت خواجہ حسن بصریؒ کو اتنی تکلیف ہوئی کہ گیارہ سال تک گوشہ گیر رہے اور جب حجاج کے مرنے کی خبر سنی تو سجدہ میں گر گئے اور کہا:

اللھم انی اخافک واخاف	اے اللہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں اور
من لا یخافک [1]	اس سے ڈرتا ہوں جو تجھ سے نہیں ڈرتا

واقعہ کربلا، محاصرۂ مکہ، واقعۂ حرّہ۔ ایسے واقعات ہیں جن سے مسلمانوں کے دین دار طبقے کو شدید رنج ہوا تھا۔

پھر اس زمانہ میں فتوحات کا جو ہنگامہ برپا تھا اس میں دینی تقاضوں کو فراموش کر دیا گیا تھا۔ ولید کے زمانے میں مسلمانوں کی فوجیں اگر ایک طرف اسپین میں وزی گوتھ کے سیاسی نظام کو مسمار کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں، تو دوسری طرف وسط ایشیا میں مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب پوری قوت کے ساتھ امنڈ رہا تھا۔ ان رزمی ہنگاموں میں دینی جذبات کم، جاہ و حشمت کی خواہش زیادہ کارفرما تھی۔ وہ معاصرین جن کے دل و دماغ پر غزوات نبوی اور خلفائے راشدین کی جنگوں کے نقشے جمے ہوئے تھے، جب اس حُبِ زر و حشم کے نظارے دیکھتے تھے تو ان کے دلوں کو تکلیف ہوتی تھی۔

کیا 'اسلام' ان جنگوں کی اجازت دیتا ہے؟ کیا 'اسلام' صرف حکومتیں قائم

---

[1] سرور الصدور (قلمی نسخہ) ملفوظات شیخ حمید الدین ناگوریؒ

کرنے کے لئے آیا ہے؟ کیا حجاج جیسے گورنروں کا طریقۂ کار کسی طرح بھی احکام شرع کے مطابق ہے؟ —— یہ اور ایسے ہی صدہا سوالات دین دار لوگوں کے ذہن میں گھومتے تھے۔ وہ نہایت افسوس کے ساتھ ملّی وحدت کے خاتمہ کو محسوس کرتے تھے۔ اُن کی نظروں میں اب 'خلافت'، 'خلافت' نہ تھی، 'ملک عضوض'، میں بدل چکی تھی۔

ان کا دل ان حالات سے ایسا گھبرایا کہ سوائے حکومتِ وقت سے قطع تعلق کر لینے کے کوئی دوسری راہ اُن کو نظر نہ آئی ؎

دامن اُس کا تو بھلا دور ہے اے دستِ جنوں
کیوں ہے بے کار، گریباں تو میرا دُور نہیں

یزید بن معاویہ نے ابو الاشعث صنعانی کو حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ وہ مدینہ میں ایک صحابی سے ملے اور اس فتنہ کے متعلق ان کی رائے معلوم کی۔ جواب دیا "میرے دوست! ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے وصیت کی ہے کہ اگر تمھارے زمانے میں اس قسم کے فتنے پیدا ہوں تو اُحد پر جا کر اپنی تلوار توڑ ڈالو۔ پھر اپنے گھر میں بیٹھ رہو۔ اور اگر کوئی تمھارے گھر میں گھس آئے تو بستر پر لیٹ جاؤ۔ اگر بستر کا بھی رُخ کرے، تو گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ اور کہو کہ اپنے اور میرے دونوں کے گناہوں کا وبال اپنے سر پر لو اور دوزخ میں چلے جاؤ اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ اس لئے میں نے اپنی تلوار توڑ ڈالی ہے اور خانہ نشین ہو گیا ہوں" —— ایسے بہت سے بزرگ تھے جنھوں نے عہد بنی اُمیہ میں حکومتِ وقت سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے گوشہ گیر ہونے کے بجائے عملاً اصلاح کی کوشش کیوں نہ کی؟ انھوں نے بنی امیہ کے اقتدار کو تسلیم ہی کیوں کیا؟ اگر وہ خاموش رہنے کے بجائے عملاً نظامِ حکومت کی اصلاح کی کوشش کرتے تو ملت کو کہیں زیادہ فائدہ پہنچتا! —— یہ سب سوالات اپنی جگہ درست ہو سکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طبقہ نے جو خاموشی اختیار کی وہ بھی ملت کے مفاد ہی کی خاطر تھی۔ بنی اُمیہ کے اقتدار کے خلاف جنگ، ملّت میں انتشار پیدا کرنے کے مترادف ہوتی۔ مسلمان اس وقت شدید اندرونی اور بیرونی خطرات

سے دوچار تھے۔ صد ہا فتنے تاک میں لگے ہوئے تھے۔ ایسے نازک وقت میں بنی امیہ کے خلاف اگر کوئی تحریک اٹھتی تو ملت کے سارے اجزاء درہم برہم ہوجاتے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ بہت سے صحابہ کرام رضؓ بھی اِن حالات میں خاموشی اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے!

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ انعقاد خلافت کی صورتوں کے ضمن میں فرماتے ہیں:-

"پھر اگر کوئی ایسا شخص جو اِن اوصاف کا جامع نہ ہو لوگوں پر غلبہ حاصل کرلے تو اس کی مخالفت پر بھی جرأت نہ کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ غالباً اب وہ شخص بغیر لڑائیوں اور جھگڑوں کے خلافت سے معزول نہیں ہوسکتا ہے اور یہ فساد بہ نسبت اس مصلحت کے بہت بڑا ہے جو خلافت سے مقصود ہوتی ہے۔ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کیا ہم اُن ائمہ سے قتال نہ کریں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ جب تک وہ تمھارے اندر نماز کو قائم رکھیں اور فرمایا جس صورت میں تم صریح کفر دیکھو اور خدا کی طرف تمھارے پاس اس کی دلیل موجود ہو"۔[1]

اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

"انفراد و تفرقہ ہر حال میں بربادی و ہلاکت ہے۔ پس جماعت سے کسی حال میں باہر نہ ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ اوائل عہد بنو اُمیہ میں جب کہ صحابہ کرام کی جماعت ہر ناحیۂ ملک میں موجود تھی، تمام صحابہ نے اس پر اجماع کیا کہ گو امراء بنو اُمیہ خلافت کے اہل نہیں۔ طریق ہدی و سنت سے منحرف ہوگئے، نظام شوریٰ درہم برہم ہوگیا، بدعت و احداث اور صریح ظلم و جور اُن کا شیوہ ہے بایں ہمہ اُن پر خروج جائز نہیں ان ہی کی اطاعت کرنی چاہیئے، ان ہی کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیئے۔ اِن ہی کو زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ حفظِ ملک و ملت کی راہ میں نکلیں تو

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم۔ ص ۳۵۸ (لاہور ایڈیشن)

Marfat.com

ان ہی کے جھنڈے کے نیچے سمع وطاعت کے ساتھ جمع ہو جانا چاہئے۔" ۱؎

بہر حال اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جن بزرگوں نے بنی اُمیّہ کے خلاف خروج کے مقابلے میں گوشہ گیری کو ترجیح دی، اُنھوں نے ملّت کی بہبودی کی خاطر ایسا کیا تھا۔

صوفیہ کا پہلا طبقہ یہ ہے حالات کا وہ پس منظر جس میں صوفیہ کا پہلا طبقہ وجود میں آیا۔ بصرہ اور کوفہ، جہاں اموی گورنروں نے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے تھے، تصوف کے سب سے پہلے مرکز بنے اور یہیں سے یہ تحریک اِسلامی دنیا کے اور حصوں میں پھیلی۔ ان دونوا)شہروں کی بعض اور بھی خصوصیات تھیں۔ بصرہ کی عرب نوآبادی اصلاً تمیمی تھی۔ یہ لوگ فطرتاً حقیقت پسند تھے اور ناقدانہ مزاج رکھتے تھے۔ اُن کی شاعری میں حقیقت پسندی جھلکتی تھی اور علم حدیث میں ان کی ناقدانہ صلاحیتوں نے اپنے جوہر دکھائے تھے۔ طبعیتوں کا عام رجحان، اعتزال اور قدریت کی طرف تھا۔ فکر و نظر کی ان خصوصیات کا نتیجہ تھا کہ تصوف کو اِس سرزمین میں پھلنے پھولنے کا موقع مل گیا۔ بصرہ کے مشہور صوفیہ میں امام حسن بصریؒ (المتوفی ۱۱۰ھ/۷۲۸ء)، حضرت مالک بن دینارؒ، فضل الرقاشیؒ، رباح بن عمر القیسیؒ، صالح المریؒ اور عبدالواحد بن زیدؒ (المتوفی ۱۷۷ھ/۷۹۳ء) خاص طور پر مشہور رہیں۔

کوفہ کی عرب نوآبادی کی خصوصیات بصرہ سے کچھ مختلف تھیں۔ یہاں کے عرب اصلاً یمنی تھے۔ مزاج میں روایت پسندی بھری ہوئی تھی۔ شاعری میں افلاطونیت کے قائل تھے۔ عقیدہ کے اعتبار سے شیعیت اور مرجیت کا زیادہ زور تھا۔ یہاں کے مشاہیر صوفیہ میں ربیع بن خیشام (المتوفی ۶۷ھ/۶۸۶ء) ابو اسرائیل (المتوفی ۱۴۰ھ/۷۵۷ء)، جابر بن حیان، منصور بن عمار، عبدک وغیرہم خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

صوفیہ کے اس پہلے طبقہ کا زمانہ ۴۱ھ/۶۶۱ء سے ۲۳۶ھ/۸۵۰ء تک مقرر کیا گیا ہے۔ کوفہ اور بصرہ کے متذکرہ بالا صوفیہ کے علاوہ اس دور کے مشاہیر میں حضرت اویس قرنیؓ، حضرت

۱؎ جزیرہ عرب اور مسئلہ خلافت ص ۱۶۔

محمد واسع رح، حضرت حبیب عجمی رح، حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رح (م ۱۸۷ھ مطابق ۸۰۳ء) حضرت ابراہیم ادہم رح وغیرہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان بزرگوں کے حالات خواجہ فریدالدین عطار رح نے تذکرۃ الاولیار میں درج کئے ہیں۔ [1]

اس دور کے صوفیہ کی خصوصیات یہ تھیں:

(۱) ان بزرگوں پر "خشیت خداوندی" کا بڑا غلبہ تھا اور اس بنا پر وہ "توبہ" پر بہت زور دیتے تھے۔ ان کی پوری زندگی سے توبہ واستغفار کی کیفیت ظاہر ہوتی تھی۔ حضرت رابعہ بصری رح فرمایا کرتی تھیں کہ "زبانی توبہ جھوٹوں کا کام ہے"۔ ایک مرتبہ اُن سے عبادت کے متعلق پوچھا گیا۔ فرمایا "وضو صحیح نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے گرم گرم خون کے چُلّو بھر کر منہ نہ دھولو"۔ [2]

حضرت حسن بصری رح ایک رات اپنے گھر میں رو رہے تھے۔ کسی نے رونے کا سبب دریافت کیا۔ اور کہا آپ تو بڑے پرہیزگار ہیں۔ جواب دیا۔ اس لئے روتا ہوں کہ شاید بے علمی سے یا بے ارادہ کوئی کام مجھ سے ہو گیا ہو یا غلطی سے کوئی قدم نامناسب مقام پر رکھ دیا ہو اور میرا یہ فعل درگاہِ ایزدی میں ناپسند ہوا ہو"۔ [3]

بعض مستشرقین کا کہنا ہے کہ 'خشیت الٰہی' کا جذبہ ان بزرگوں میں "حُب الٰہی" سے بڑھ کر تھا۔

(۲) اِن بزرگوں نے اپنے طرزِ فکر کو اجتماعی شکل دینے کی کوشش نہیں کی، وہ انفرادی طور پر عبادت وریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ انھوں نے اپنے گرد مریدین کا کوئی وسیع حلقہ پیدا نہیں کیا۔ علاوہ ازیں اس دور کے صوفیہ نے کوئی نئی اصطلاح یا کوئی نیا طریقہ کار ایجاد نہیں کیا۔ وہ اپنے ماحول سے کچھ ایسے دل برداشتہ تھے کہ اس سے علیحدہ رہ کر

---

[1] تذکرۃ الاولیار (اردو ترجمہ) ص ۵،

[2] مقام دعوت: مولانا ابوالکلام آزاد، ص ۲۷

[3] تذکرۃ الاولیار (اردو ترجمہ) ص ۴۴

Marfat.com

عبادت کرنے میں اُن کو سکون حاصل ہوتا تھا۔ حُبِ جاہ وحشم کے وہ مناظر جو مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا طرّہ امتیاز ہو کر رہ گئے تھے، رسول عربیؐ کی تعلیم کے منافی تھے۔ اور اس دور کے صوفیہ کو اُن سے یہ ایک بنیادی اختلاف تھا۔

(۳) اس دور کے صوفیہ کے تعلقات علمار ظاہر سے اچھے نہ رہ سکے اور مخالفت کا آغاز ہو گیا۔ حضرت ذوالنون المصری رح (المتوفی ۲۴۰ھ/۸۵۴ء) شیخ نوریؒ اور شیخ ابوحمزہؒ (۲۶۲ھ/۸۷۵ء اور ۲۶۹ھ/۸۸۲ء کے درمیان) اور منصور حلاّج کے واقعات اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۴) اس دَور کے صوفیہ نے اپنے خیالات کا اظہار تصانیف میں بہت کم کیا۔ صرف شیخ عبداللہ بن مبارکؒ (المتوفی ۱۸۱ھ/۷۹۷ء) اور حضرت سفیان ثوریؒ (المتوفی ۱۶۱ھ/۷۷۷ء) نے کچھ کتابیں تصنیف کی تھیں۔ شیخ عبداللہؒ نے کتاب الزہد لکھی تھی[۱] حضرت سفیان ثوری رح کے قلم سے یہ چار کتابیں نکلیں:

(۱) الجامع الکبیر فی الفقہ والاختلاف (۲) الجامع الصغیر (۳) کتاب الفرائض (۴) کتاب التفسیر۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے مرتے وقت وصیت کر کے اپنی تمام تصانیف نذر آتش کرا دی تھیں، لیکن اُن کی کتاب التفسیر کا ایک قدیم اور نادر نسخہ رام پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔

(۵) اس دور کے صوفیہ نے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے حکومت سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ وہ سرکاری ملازمت اور خلفار کی صحبت کو بُری نظر سے دیکھتے تھے۔ خلفار سے بچنے کی ہمیشہ کوشش کرتے، اگر کبھی مجبوراً ملنا پڑ جاتا تو نہایت جرأت اور ہمت کے ساتھ اُن پر تنقید کرتے۔ خواجہ فریدالدین عطارؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید، اپنے وزیر فضل کے ہمراہ خواجہ فضیل بن عیاض رح کے درِ دولت پر

---

[۱] BROCKELMANN, GESCHICHTE DER ARABISCHEN LITTERATUR (SUPPLEMENT) I P. 256

حاضر ہوا، دروازہ کھٹکھٹایا۔ پوچھا۔ کون ہے؟ وزیر نے جواب دیا۔ امیر المومنین۔ خواجہ فضیل رح نے فرمایا۔ امیر المومنین کو مجھ سے کیا کام۔ اور مجھے اُن سے کیا واسطہ۔ وزیر نے کہا: بادشاہ کی اطاعت واجب ہے، فرمایا مجھے حیران نہ کرو۔ وزیر نے کہا۔ اندر آنے کی اجازت دو، ورنہ ہم حکماً اندر آجائیں گے۔ فرمایا۔ اجازت تو نہیں دیتا، حکماً اندر آسکتے ہو۔ چنانچہ وزیر اور خلیفہ اندر گئے۔ خواجہ فضیل رح نے چراغ گل کر دیا تاکہ ہارون الرشید کو نہ دیکھ سکیں۔ اسی اثنا میں ہارون کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چھو گیا۔ فرمایا۔ کیسا نرم ہاتھ ہے۔ کاش کہ دوزخ کی آگ سے بچ جائے۔ خلیفہ نے درخواست کی کہ کچھ ہدایت فرمایئے جواب دیا۔ تیرا باپ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا۔ مصطفےٰ صلعم سے اس نے درخواست کی تھی کہ مجھے کسی صوبے کا حاکم بنادو تو اُنھوں نے فرمایا: یا عم بک نفسک یعنی تجھے تیرے نفس کا امیر کیا۔ ہارون الرشید بولا کچھ اور فرمایئے، فرمایا۔ یہ مُلک تیرا گھر ہے اور خلقت تیری اولاد۔ ماں باپ کے ساتھ نرمی، بہن بھائیوں پر مہربانی، بچّے بچیّوں سے نیک سلوک کر، اگر کوئی مفلس بڑھیا رات کو بھوکی سو جائے گی تو قیامت کے دن وہ بھی تیری دامن گیر ہوگی۔ تیرے ساتھ جھگڑے گی۔[۱]

حضرت خواجہ فضیل رح کے علاوہ بھی اور بہت سے بزرگ تھے جنھوں نے اسی قسم کا رویہ اختیار کر لیا تھا اور جب کبھی مجبوراً خلفاء سے دوچار ہو جاتے تھے تو سخت الفاظ میں ان کو فرائض سے آگاہ کرتے تھے۔ حضرت سفیان ثوری رح نے حج کے موقع پر منیٰ کے میدان میں خلیفہ منصور کو پکڑ لیا اور کہا: امیر المومنین! حضرت عمر رض نے ایک حج میں جس کے تمام مصارف پر سولہ (۱۶) دینار خرچ ہوئے تھے، فرمایا تھا۔

مَا اَرَانَا اِلَّا وقد احجفنا	یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں نے سارا
بیت المال	بیت المال لے لیا۔

آپ نے خدا اور اُمتِ محمدیہ کا بے شمار مال بغیر اجازت صرف کیا ہے۔ آپ اس کا کیا

---

[۱] تذکرۃ الاولیاء، ص ۸۴-۸۳ (اردو ترجمہ)

Marfat.com

جواب دیں گے ؟ ——— منصور لاجواب ہو گیا۔ بعد کو انھیں سلسلۂ حکومت میں منسلک کرنا چاہا تو وہ روپوش ہو گئے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے طرح طرح کے مصائب برداشت کئے لیکن حکومتِ وقت کی ملازمت کرنا پسند نہ کیا۔ یزید گورنر کوفہ نے امام صاحبؒ کو میر منشی اور افسرِ خزانہ مقرر کرنا چاہا۔ انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ یزید نے قسم کھا کر کہا جبراً منظور کرنا ہو گا۔ دوستوں نے بھی سمجھایا، لیکن امام صاحبؒ انکار پر قائم رہے، اور کہا کہ اگر یزید یہ کہے کہ "مسجد کے دروازے گن دو تو بھی مجھ کو گوارا نہیں، چہ جائیکہ وہ کسی مسلمان کے قتل کا فرمان لکھے اور میں اُس پر مہر کروں"۔ یزید نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ ہر روز اُن کے دس دُرّے لگائے جائیں۔ اس ظالمانہ حکم کی بھی تعمیل ہوئی۔ لیکن امام صاحبؒ اپنے عہد سے باز نہ آئے[1]۔ پھر خلیفہ منصور نے قضا کا عہدہ پیش کیا۔ امام صاحبؒ نے انکار کیا اور کہا کہ میں اس کی قابلیت نہیں رکھتا"۔ منصور نے غصہ میں آکر کہا: "تم جھوٹے ہو"۔ امام صاحبؒ نے جواب دیا: "اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعویٰ ضرور سچا ہے کہ میں قضا کے قابل نہیں، کیونکہ جھوٹا شخص قاضی مقرر نہیں ہو سکتا"۔ منصور نے قسم کھا کر کہا کہ تم کو قبول کرنا ہو گا۔ امام صاحبؒ نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز قبول نہ کروں گا۔ امام صاحبؒ قید خانے میں بھیج دیئے گئے اور وہاں سے اس وقت چھوٹے کہ قید حیات سے چھوٹے۔[2]

قرونِ اولیٰ کے دین دار طبقہ کا یہ طرزِ عمل حقیقت میں حکومت کی بے راہ روی کے خلاف احتجاج تھا۔ وہ مسلمانوں کی سیاست اور سماج کو خالص اسلامی رنگ میں دیکھنا چاہتے تھے ——— ان بزرگوں کے اس رویہ سے ملت کو بڑا فائدہ پہنچا۔

(۱) اگر یہ بزرگ باطنی اصلاح و تربیت، تزکیۂ نفس، عباداتِ وغیرہ پر زور نہ

---

[1] سیرۃ النعمان۔ مولانا شبلی۔ (کانپور ۱۸۹۲ء) ص ۵۸۔ ۵۷۔

[2] سیرۃ النعمان ص ۶۳۔ ۶۲۔ نیز کشف المحجوب۔ ص ۱۴۶، ۱۴۵ (اردو ترجمہ)

Marfat.com

دیتے تو اسلام محض ایک سیاسی پروگرام بن کر رہ جاتا. سیاسی ہنگامہ آرائیوں کے زمانے میں ان بزرگوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دکھایا کہ اسلام صرف ملک گیری و ملک رانی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ اصلاح و تربیت کا ایک مکمل نظام ہے جو انسان کو "ارتقاءِ روحانی" کا راستہ دکھاتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے دورِ اول میں سے اگر ان بزرگوں کے حالات کو حذف کر دیا جائے تو مسلمانوں کی تاریخ ملک گیری اور جہاں بانی کی داستان بن کر رہ جائے۔

(۲) تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ اسلام کی تعلیم اور اثرات، خلفاء کے ذریعے نہیں بلکہ ان ہی بزرگوں کے ذریعے پھیلے۔ خلفاء کا نہ عوام سے کبھی براہ راست تعلق رہا، نہ اُن کی زندگیوں میں خلفاءِ راشدین کی زندگی جیسی کشش پیدا ہوئی۔ وہ اسلامی طرزِ زندگی کے آئینہ دار نہ تھے، اس لئے اسلام کی تعلیم کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہی نہیں بن سکتے تھے۔ اسلام کے دینی نظام کو زندہ رکھنے اور پھیلانے کا کام ان ہی بزرگوں کے ذریعہ انجام پایا۔

(۳) پھر جس طبقہ نے اپنی علیحدگی اور بے تعلقی سے خلفاء کو اُن کی بے راہ رَوی کا احساس دلایا، اور موقعہ پا کر متنبّہ بھی کیا، وہ ان ہی بزرگوں کا کام تھا۔ ابھی اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ جو شخص اللہ کی ربوبیت پر ایمان کامل رکھتا ہے وہ دنیا کی طاقتوں کے سامنے بڑا بے باک اور حق گو ہوتا ہے کہ ع

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

امام ابو حنیفہ رح، امام سفیان ثوری رح، خواجہ فضیل بن عیاض رح، خواجہ حبیب عجمی رح، حضرت ابراہیم ادہم رح وغیرہم وہ بزرگ تھے جنھوں نے خلفاء کو اُن کی بے راہ روی پر سختی سے آگاہ کیا اور اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کر دکھایا کہ حکومت سے بے تعلقی کا سبب ان کا غیر اسلامی کردار تھا۔ اگر ہمارے مذہبی تذکرے اور تاریخ کی کتابیں کسی حد تک بھی قابلِ اعتبار ہیں (اور میرے خیال میں نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں) تو اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہئے کہ ان بزرگوں ہی نے مسلمان فرمانرواؤں کو اسلام کے

Marfat.com

احکام کو مکمل طور پر فراموش کر دینے سے روکا ہے۔ ان لوگوں کو جو اپنی طاقت و سطوت کے غرور میں سب کچھ بھول چکے تھے، یہ یاد دلانا کہ اُن سے بالاتر بھی کوئی ہستی ہے جو انسانی اعمال کا جائزہ لیتی ہے، اِن ہی بزرگوں کا کام تھا۔ دربار میں ایسے خوشامدیوں کا ہجوم رہتا تھا، جن کو کبھی یہ خیال بھی نہیں آسکتا تھا کہ خلفاء وقت کے مزاج کے خلاف کوئی بات کہنے کی جرأت کریں۔ ان سیاسی طاقتوں کے رویّے پر تنقید کی کوئی آواز سنائی دیتی ہے تو ان ہی بوریہ نشین فقراء کے جھونپڑوں سے۔

(۴) ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ جب تاریخ کا کوئی طالب علم، اسلام کا بہ حیثیت ایک مذہبی تحریک کے مطالعہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے بعد ان ہی بزرگوں کی حیاتِ طیبہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح یہ بزرگ اسلام کی دینی تاریخ کا ایک جزو لاینفک بن گئے ہیں۔ اُن کی زندگیوں کو غیر اسلامی قرار دے کر اگر نظر انداز کر دیا جائے تو نہ صرف اسلام کی مذہبی تاریخ میں ایک خلا پیدا ہو جائے بلکہ اسلام کے دینی نشوونما کا صحیح مطالعہ ہی ناممکن ہو جائے۔ "تکمیلِ اخلاق" جو بعثتِ نبوی کا اہم مقصد تھا، ہمیشہ اِن بزرگوں کا مطمحِ نظر رہا۔

Marfat.com

باب دوم

دینی زندگی کے نئے تقاضے اور

تحریکِ تصوّف کے ارتقاء کا دُوسرا دَور

اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور کا سب سے اہم واقعہ خلافت کا ملوکیت میں تبدیل ہونا تھا۔ طبقۂ اول کے صوفیہ اپنے فکری و عملی نشو ونما کے اعتبار سے اس تبدیلی کے خلاف ردِّ عمل کو ظاہر کرتے ہیں۔ صوفیۂ کرام کا دوسرا طبقہ اسلامی تاریخ کے ایک اور نہایت اہم دور سے تعلق رکھتا ہے۔ یونانی فلسفہ اور علوم جب مسلمانوں میں رائج ہوئے تو اسلامی سوسائٹی میں "عقلیت" کا ایک طوفان آیا اور عوام کے عقائد میں تذبذب، ایمان میں شک اور ذہن میں خلش پیدا ہونے لگی۔ اس دور کے صوفیہ کے کارناموں کا اسی پس منظر میں مطالعہ کرنا چاہیئے۔

یونانی علوم سے مسلمانوں کا سب سے پہلا تعارف فتح مصر کے بعد ہوا۔ اسکندریہ یونانی علوم کا مرکز تھا۔ بنی اُمیہ کے زمانے میں صرف طب اور کیمسٹری (CHEMISTRY) کی طرف توجہ کی گئی۔ اور ان ہی فنون سے متعلق کچھ کتابیں بھی عربی زبان میں منتقل کی گئیں۔ خلافتِ عباسیہ کی بنیاد پڑنے کے بعد دوسرے یونانی علوم بھی آہستہ آہستہ مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بننے لگے۔ ہارون الرشید نے ایک بیت الحکمت قائم کیا، جس میں غیر زبانوں کی کتابوں کو عربی میں منتقل کرنے کا انتظام تھا۔ یونانی فلسفہ کی گرم بازاری مامون الرشید سے شروع ہوئی۔ اس نے قیصر روم کو خط لکھا کہ ارسطو کی جس

Marfat.com

قدر کتابیں مل سکیں، بغداد بھیج دی جائیں۔ قیصر روم نے تلاش کے بعد ایک بڑے ذخیرے کا پتہ لگا لیا۔ لیکن بھیجنے میں تامل کیا اور ارکانِ دولت سے مشورہ کیا۔ اُنھوں نے یک زبان ہو کر کہا "کچھ مضائقہ نہیں۔ فلسفہ اگر مسلمانوں میں پھیلا تو اُن کے مذہبی جوش کو بھی ٹھنڈا کر کے رہے گا۔" [1] چنانچہ پانچ اونٹ لاد کر فلسفہ کی کتابیں مامون کے پاس بھیج دی گئیں۔ مامون نے یعقوب بن اسحاق کندی کو ترجمے پر مامور کیا۔ بیت الحکمت کے افسروں کو روم، آرمینیا، مصر، شام وغیرہ مقامات پر فلسفہ کی کتابیں جمع کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ مامون کی دلچسپی کو دیکھ کر تمام دربار میں جوش پھیل گیا۔ مامون کے ندیموں نے اپنے ایلچی دوسرے ملکوں میں بھیج کر فنونِ حکمیہ کی ہزاروں کتابیں منگوائیں۔

مامون نے مناظرہ کا باقاعدہ اہتمام کیا۔ سہ شنبہ کو صبح ہی سے علماء اور فلاسفہ اس میں شرکت کرتے تھے۔ فلسفہ کی اس گرم بازاری نے آخر اپنا اثر دکھایا اور مامون عقائد میں معتزلی المذہب ہو گیا۔ قرآن کے حادث ہونے کا مسئلہ اس کے دل میں بیٹھ گیا۔ اس نے اعلان کرا دیا کہ جو لوگ قرآن کے قِدم کے قائل ہیں اور اس عقیدے سے باز نہیں آتے اُنھیں پابہ زنجیر بغداد بھیج دیا جائے۔ تاکہ خلیفہ خود ان کی موت و حیات کا فیصلہ کرے۔ مامون کے ان احکام سے عوام میں خوف و ہراس پیدا ہو گیا۔ علامہ ابن تیمیہ رح رسالہ الفرقان میں لکھتے ہیں:

"مامون الرشید نے طرطوس سے جو کہ بغداد اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سرحدی مقام تھا اور ہر طرف سے اہل دین وہاں آتے تھے، اور قیام کرتے تھے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رح اور سری سقطی رح نے وہاں قیام کیا، اور ابو عبیدہ اور صالح بن احمد بن حنبل رح وہاں کے قاضی مقرر ہوئے، بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم بن مصعب کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا کہ وہ لوگوں کو مسئلہ خلق قرآن کی دعوت دے لیکن کسی نے اس عقیدے کو قبول نہیں کیا۔ اس کے بعد اس نے دوسرا مراسلہ

---

[1] المامون، حصہ دوم، ۱۷۷ (طبع سوم آگرہ)

بھیجا جس میں یہ حکم تھا کہ جو لوگ اس عقیدے کو تسلیم نہیں کرتے، ان کے نام قلم بند کر کے اس کے پاس بھیج دے۔ اب اکثر لوگوں نے اس عقیدے کو تسلیم کر لیا اور جن ستا آدمیوں نے انکار کیا وہ قید کر لئے گئے۔ قید ہونے کے بعد ان میں سے بھی پانچ آدمیوں نے اس عقیدے کو قبول کر لیا۔ صرف دو شخص یعنی امام احمد بن حنبلؒ اور محمد بن نوحؒ رہ گئے جو اپنے انکار پر قائم رہے۔ اس لئے ان لوگوں نے مامون کی خدمت میں ان دونوں بزرگوں کو روانہ کر دیا، لیکن ان کے پہنچنے سے پیشتر وہ اپنے بھائی ابو اسحٰق کو وصیت کر کے مر گیا۔ یہ ۲۱۸ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد امام احمد بن حنبلؒ ۲۲۰ھ تک قید میں رہے لیکن جب ان لوگوں کو فتنہ و فساد کا خوف ہوا تو ان کو مار پیٹ کر رہا کر دیا۔ اب جہمیہ کے مذہب کو فروغ حاصل ہوا چنانچہ جو لوگ اس کو قبول کر لیتے تھے وہ ان کو عطیہ دیتے تھے ورنہ ان کا وظیفہ بند کر دیتے تھے، ان کو سرکاری عہدوں سے معزول کر دیتے تھے اور اُن کی شہادت قبول نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب لڑائیوں میں قیدی پکڑتے تھے، تو ان کو بھی اس مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرتے تھے، اگر وہ لوگ اس مذہب کو مان لیتے تھے تو فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیتے تھے، ورنہ ان کا فدیہ قبول نہیں کرتے تھے اس کے بعد واثق خلیفہ ہوا تو یہ سختی اور بھی بڑھ گئی، لیکن متوکل کا زمانہ آیا تو ابتلاء و امتحان کے اس دور کا خاتمہ اور سنت کا ظہور ہوا"۔ [1]

عقلیت کا جو سیلاب مامون کے دربار سے نکلا تھا مسلمانوں کی زندگی میں لامرکزیت پیدا کرنے کا باعث بن گیا۔ اعتقاد کی ساری بنیادیں ہل گئیں اور ملت کی ساری زندگی میں انتشار پیدا ہو گیا۔ یہاں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اسلام تلاش و تحقیق، فلسفہ و حکمت کا مخالف ہے۔ قرآن نے انسان کو دعوت دی ہے کہ وہ کائناتِ ارضی و سماوی کی ایک ایک چیز پر غور کرے اور نتائج اخذ کرے لیکن اپنے دینی وجدان پر مہر نہ لگا لے۔

---

[1] رسالہ الفرقان۔ ص ۱۴۳۔

اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ وہ عقلیت جس نے دینی وجدان کے سایے میں پرورش نہ پائی ہو انفرادی اور ملی زندگی میں سمِ قاتل کا اثر رکھتی ہے۔ [۱]

(۱) جب اعتقاد و یقین کی جگہ شک و انکار لے لیتا ہے تو ذہن میں الجھنیں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ ذہنی مرکزیت اور وجدانی یک رنگی جو شخصی اور ملی زندگی میں سب سے زیادہ ضروری چیز ہے، فنا ہو کر رہ جاتی ہے۔ انسان مستقلاً کسی لائحہ عمل پر کام نہیں کر سکتا۔ وہ آج ایک عمارت تعمیر کرتا اور کل اُسے مسمار کر دیتا ہے۔ اس تلون مزاجی سے جو عقل کو رہبر بنا لینے سے پیدا ہوتی ہے، نہ شخصی زندگی درست ہو سکتی ہے اور نہ قومی زندگی کی بنیادیں استوار ہو سکتی ہیں۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رح نے ایک خط میں امام فخرالدین رازی رح کو ان کا ایک واقعہ یاد دلایا ہے جو بڑا سبق آموز ہے۔ لکھا ہے کہ آپ اپنے اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں کہ تیس سال کی محنت کے بعد ایک نتیجے پر پہنچے تھے، لیکن عقل نے ایک لمحہ میں شبہ پیدا کر کے ساری عمارت گرادی۔ [۲]

حضرت امام غزالی رح نے المنقذ من الضلال میں خود اپنے تجربات بتائے ہیں کہ عقل نے کس طرح ان کو پریشانی میں ڈالا تھا اور ان کی زندگی کو وبال کر دیا تھا۔ اُن کی اس کتاب کا ہر ہر صفحہ تجربات کی بنا پر پکار کر کہتا ہے ؎

بگذر از عقل و بیا ویز بہ موجِ یم عشق
کہ دریں جوئے تنک مایہ گہر پیدا نیست

حد یہ ہے کہ عقل کے ناقص رہبر ہونے کا اعتراف امام رازی رح کو بھی کرنا پڑا۔

---

[۱] علامہ اقبال نے اپنی کتاب RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM میں اس پر بصیرت افروز بحث کی ہے۔

[۲] شیخ اکبر رح کے اس خط کی نقل آصفیہ کتب خانہ حیدر آباد میں موجود ہے۔ اس میں عقل و وجدان یا دل دماغ کی صلاحیتوں پر نہایت ہی پرتاثیر گفتگو کی گئی ہے۔

Marfat.com

اور انھوں نے اپنے وصیت نامہ میں یہ لکھوایا:

ویمنع عن التعمق فی ایراد المعارضات والمناقضات و ماذالک الا للعلم بان العقول البشریۃ تتلاشی فی تلک المضائق العمیقۃ والمناھج الخفیۃ ۵	اور معارضات ومناقضات سے احتراز کیا جائے، اس لئے کہ عقولِ انسانی ان عمیق اور خفی مسائل میں بے کار محض ہیں۔

بہرحال عقلیت کی گرم بازاری نے مسلمانوں کی زندگی پر بہت بُرا اثر ڈالا، اور ان کی ذہنی مرکزیت کو فنا کر دیا۔

(۲) عقلیت کے ساتھ ساتھ "وضعیت" کا طوفان آنا بھی ناگزیر تھا۔ وضعیت کے اثرات، مولانا آزاد کی زبانی سنیئے۔ فرماتے ہیں:

"فطرت سے جب بُعد ہو جاتا ہے اور وضعیت کا استغراق طاری ہو جاتا ہے تو طبیعتیں اس پر راضی نہیں ہوتیں کہ کسی بات کو اس کی قدرتی سادگی میں دیکھیں وہ سادگی کے ساتھ حسن وعظمت کا تصور کر ہی نہیں سکتیں۔ وہ جب کسی بات کو بلند اور عظیم دکھانا چاہتی ہیں تو کوشش کرتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ وضعیت اور صناعیت کے پیچ وخم پیدا کریں"۔ ۵

س وضعیت کا سب سے بُرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مذہب کی آواز دل تک نہیں پہنچتی اور جب ل ہی متاثر نہ ہو، تو مذہب کی حقیقی روح سے آشنا ہونا، ناممکن ہے۔

(۳) اس عقلیت کے مہلک اثرات نے مسلمانوں کی دینی زندگی کے کسی گوشہ

---

۵ یہ وصیت نامہ امام صاحبؒ نے اپنے شاگرد خاص ابراہیم بن ابی بکر اصفہانی کو لکھوایا تھا امام سبکی نے طبقات الشافعیہ میں نقل کیا ہے۔

۵ ترجمان القرآن۔ جلد اول۔ ص ۶۷-۶۶

Marfat.com

کو نہیں بخشا۔ ذات و صفاتِ خداوندی۔ خلقِ قرآن۔ دوزخ، جنت، معجزات، معراج غرض ہر مسئلہ عقل کی کسوٹی پر پرکھا گیا۔ آیاتِ قرآنی کی ایسی تاویلات کی گئیں جن سے یونانی فلسفہ کی تائید ہو سکے۔" اس صورت حال کا سب سے زیادہ افسوس ناک نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کا طریقِ استدلال دوراز کار دقیقہ سنجیوں میں گم ہو گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کے تمام بیانات کا محور و مرکز اس کا طریقِ استدلال ہی ہے۔ اس کے ارشادات و بصائر اس کے قصص و امثال۔ اس کے مواعظ و حکم، اس کے مقاصد و مہمات، سب اسی چیز سے کھلتے اور اُبھرتے تھے۔ یہ ایک چیز کیا گم ہوئی گویا اس کا سب کچھ ہی گم ہو گیا"۔[1]

صوفیہ کا وہ طبقہ جو ان حالات میں پیدا ہوا، اس عقلیت اور وضعیت سے بیزار تھا۔ حضرت بایزید بسطامی رح، حضرت ذوالنون المصری رح، حضرت جنید بغدادی رح نے جو اس دورِ ثانی کے مشہور مشایخ میں تھے۔ عقلیت کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور "عشق" پر زور دیا کہ عقلیت اور وضعیت کے مسموم اثرات کو عشق ہی دور کر سکتا تھا ؎

سپاہِ تازہ برانگیزم از ولایتِ عشق
کہ در حرم خطرے از بغاوتِ خرد است

اُن کا کہنا تھا کہ ستاروں کی گزرگاہوں کو ڈھونڈنے کے بجائے انسان اگر اپنے افکار کی دنیا میں سفر کرے تو وہ اپنی شخصی اور قومی زندگی کو شاید بہتر بنا سکے اور سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرنے کے بجائے اگر زندگی کی شبِ تاریک کو سحر کرنے کی کوشش کرے تو اس سے بنی نوع انسان کو زیادہ فائدہ ہو۔ وہ مادی ترقی جو انسان کو معبودِ حقیقی سے دور لے جائے، ترقی نہیں زوال ہے۔

چنانچہ ان بزرگوں نے عشق سے عقلیت کا مقابلہ کیا۔ اور بتایا کہ عشق ہی سے منزلِ مقصود کا پتہ چل سکتا ہے۔ ورنہ عقل تو پائے چوبیں ہے کہ دو قدم بھی اس سے نہیں چلا جا سکتا۔

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفےٰ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۶۹

Marfat.com

اس دور کے صوفیہ کی خصوصیات یہ ہیں :

(۱) جس طرح گذشتہ دور کے صوفیہ نے بنی اُمیہ کی ملوکیت سے متاثر ہوکر "خشیت الٰہی" پر زور دیا تھا، اس دور کے صوفیہ نے معتزلہ اور دیگر عقلیت پسند گروہوں کی "وضعیت" سے متاثر ہوکر "عشق الٰہی" پر زور دیا۔ اور خود محبت الٰہی میں سرشاری کی زندگی بسر کی۔ حضرت بایزید بسطامی رح کے متعلق خواجہ فریدالدین عطار رح لکھتے ہیں "آتشِ محبت میں غرق تھے۔ اور تن کو ہمیشہ مجاہدہ اور دل کو مشاہدہ میں مشغول رکھتے تھے"[۱] اُن کی مناجات کا کچھ حصہ خواجہ عطار رح نے نقل کیا ہے۔ وہ غور سے مطالعہ کے قابل ہے۔ عرض کیا کرتے تھے۔ "بار خدایا کب تک میرے اور تیرے درمیان میں من اور تو ہوگا۔ اس من کو درمیان سے اٹھالے تاکہ میرا من تجھ سے ہو اور میں کچھ نہ رہوں، الٰہی جب تک میں تیرے ساتھ ہوں سب سے زیادہ ہوں اور جب تک اپنے ساتھ ہوں سب سے کم ہوں، الٰہی مجھے زاہدی درکار نہیں اور عالمی کی ضرورت نہیں۔ اگر مجھے اہل خیر میں سے کرنا چاہتا ہے تو اپنے دوستوں کے درجے تک پہنچا دے ـــــ میں تجھی سے ناز کرتا ہوں ـــــ الٰہی فطرتِ دل پر تیرے الہام کیسے اچھے معلوم دیتے ہیں"[۲] ـــــ یہ مناجات نویں صدی عیسوی کے اس ماحول میں جب عقلیت ہی عقلیت کا دور دورہ تھا ایک دوسری دنیا کی آواز معلوم ہوتی ہے۔

(۲) اس دور کے صوفیہ نے فلسفہ کی پیدا کی ہوئی ذہنی لامرکزیت کو قلبی کیفیات کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کی۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ دل کو اگر ایک مرکز پر لگا دیا جائے تو ذہن کی الجھنیں خود بخود دور ہو جائیں گی۔ حضرت معروف کرخی رح نے استغراق پر زور دیا۔ حضرت سری سقطی رح نے توحید کا وہ نظریہ پیش کیا جس نے بعد کو وحدت الوجود کی شکل اختیار کر لی۔ حضرت ذوالنون مصری رح نے اپنی تصانیف میں

---

[۱] تذکرۃ الاولیاء۔ ص ۱۲۵ (اردو ترجمہ)

[۲] تذکرۃ الاولیاء۔ ص ۱۵۲ (اردو ترجمہ)

Marfat.com

حال ومقام پر بحث کی ـــــ اگر بغور دیکھا جائے کہ ان نظریات نے عملی طور پر مسلمانوں کے ذہن پر کیا اثر ڈالا تو معلوم ہوگا کہ ان کے ذریعے عقلیت کے پیدا کئے ہوئے ذہنی ہیجان کو دور کرنے اور اس کے بنائے ہوئے سانچوں کو توڑنے کا سامان مہیّا ہو گیا۔

(۳) گو امام احمد بن حنبلؒ کو عموماً اس دور کے صوفیہ میں شامل نہیں کیا جاتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی ذہنی کیفیات بھی اس زمانے کے صوفیہ سے ملتی جُلتی تھیں عقلیت کے مذموم اثرات کو اُن کی دوربیں نظر نے بھی دیکھا تھا اور اس کا علاج "عشقِ خداوندی" ہی میں پایا تھا۔ انھوں نے اپنی کتاب الزہد[۱] میں محبتِ الٰہی پر بڑا زور دیا ہے۔

صوفیہ کا تیسرا طبقہ تاریخ تصوف کا تیسرا دور دسویں صدی عیسوی سے متعلق ہے۔ اس زمانے کے صوفیہ کی ذہنی کیفیات کو سمجھنے کے لئے فقہ اسلامی کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور نئے نئے مُلک مسلمانوں کے زیر اثر آئے تو اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑی۔ بہت سے ایسے مسائل پیدا ہوئے جن کے متعلق قرآن پاک اور احادیثِ نبوی میں کوئی صریح حکم نہیں تھا، چنانچہ حالات کا تقاضا ہوا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ایسے مسائل پر غور وفکر کرنے کے بعد کوئی راہ متعین کی جائے۔ چنانچہ تدوین فقہ کا دور شروع ہوا۔ امام ابو حنیفہؒ (۸۱-۱۵۰ھ / ۷۰۰-۷۶۷ء) امام مالکؒ (۹۰-۱۷۹ھ / ۷۰۸-۷۹۵ء)۔ امام شافعیؒ (۱۵۰-۲۰۴ھ / ۷۶۷-۸۲۰ء) اور امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴-۲۴۱ھ / ۷۸۰-۸۵۵ء) نے اپنی پوری دینی بصیرت کو استعمال کیا اور مختلف مسائل پر اپنی رائے پیش کر کے چار مذاہب کی بنیاد ڈالی ؎

آں امامانے کہ کردند اجتہاد
رحمتِ حق بر روانِ جملہ باد

---

[۱] تذکرۃ الاولیا ص ۱۵۲ (اردو ترجمہ) BROCKELMANN (SUPPLEMENT) I. P. 352

اسلامی سوسائٹی کی ایک زبردست ضرورت کو اِن بزرگوں نے پورا کر دیا۔ ان بزرگوں کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اُن کے اجتہاد کو حرفِ آخر کا مرتبہ دے دیا جائے گا۔ ہارون الرشید نے چاہا تھا کہ موطا امام مالکؒ کو خانۂ کعبہ میں آویزاں کر دیا جائے اور تمام مسلمانوں کو فقہی احکام میں اس کی پیروی پر مجبور کیا جائے۔ امام صاحبؒ نے اس خیال کو پسند نہیں کیا بلکہ تنبیہہ فرمائی کہ "ایسا نہ کرو، خود صحابہ فروع میں مختلف ہیں اور وہ ممالکِ اسلامیہ میں پھیل چکے ہیں، اور ان میں ہر شخص راہِ صواب پر ہے"۔[1] ——— لیکن ابھی ان بزرگوں کے وصال کو سو سال بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ علماء نے بابِ اجتہاد بند کر دیا۔ اور قرآن و حدیث سے براہِ راست استنباط کرنے کے بجائے اُن ائمہ دین کی آراء کو ہر زمانہ اور ہر حال کے لئے قطعی اور لازمی مان لیا گیا۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ؎

اجتہاد اندر زمانِ انحطاط   قوم را برہم ہمی پیچد بساط
ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر   اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

لیکن کسی سماج کو مستقل طور پر ایسے قانون سے باندھ دینا جو بہر حال انسانی اجتہاد کی پیداوار ہو، ٹھیک نہیں۔ انسانی سماج کے بدلتے ہوئے رجحانات اور تقاضے نئے اجتہاد کی طلب کرتے ہیں۔

پھر ایک زبردست گمراہی اس زمانے میں یہ پیدا ہوئی کہ فقہی مسائل میں حیلہ بازی کا دروازہ کھول دیا گیا۔ ہر شرعی حکم سے بچنے کے لئے حیلے اور ہر قیدِ شرعی سے نکل بھاگنے کے لئے بہانے تراشے جانے لگے۔[2] فقہ کی کتابوں میں ایک مستقل باب، باب الحیل کا

---

[1] حیاتِ مالک۔ مولانا سید سلیمان ندوی۔ ص ۶۸-۶۷ (طبع دوم)

[2] زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے لوگوں نے یہ حیلہ نکالا کہ سال کے آخر میں تمام مال بیوی کے نام ہبہ کر دیا۔ پھر جب بیوی پر زکوٰۃ فرض ہونے کا وقت آیا تو مال اپنے نام منتقل کرا لیا۔ اِنھیں حیلہ تراشیوں کو دیکھ کر شیخ ایوب سختیانیؒ نے کہا تھا:

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اضافہ کیا گیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں :

”کتاب وسنت کی تقدیم وحفظ کا بند تو پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا اور بنیادِ فقاہت محض اٹکل اور ظن ووہم پر قرار پا چکی تھی۔ پھر کیا تھا؟ ہر ذہن نے تیزی کھائی اور ہر قیاس نے بلند پروازی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شریعت الٰہی جو عدل وصداقت کے قیام کے لئے آئی تھی اسی کے نام سے مکر وفریب اور ظلم وغضب ونہب وصلب کے تمام کاروبار جاری ہو گئے، اور دنیا کی تباہی کے لئے اس سے بدتر وقت اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ خدا کا پاک نام لے کر اُس کی دنیا میں برائی پھیلائی جائے، کتنی ہی زناکاریاں ہیں جو حیلے نکال کر نکاح شرعی بنائی گئیں! کتنے ہی غصب ظُلم اور اکلِ اموال بالباطل کے مصائب ہیں جن کو ایک شرعی معاملہ بنا کر جائز کیا گیا! کتنے ہی عقودِ فاسدہ ہیں جن کو اسی شیطانِ حیل نے جائز کرا کے بندگانِ الٰہی کے حقوق تلف کرائے! کتنے ہی حج ہیں جو ساقط ہوئے! کتنی ہی زکاتیں ہیں جو کبھی ادا نہیں کی گئیں! کتنے ہی شاربِ الخمر اور زانیِ محض ہیں جو حدودِ شرعیہ سے صاف بچالئے گئے!“ [1]

اِن حیلہ بازیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن جو مذہب کا اصلی مقصد تھا بالکل بھلا دیا گیا اور مذہبی روح بالکل مردہ ہو کر رہ گئی۔

صوفیہ کا وہ طبقہ جو ان حالات میں پیدا ہوا، اس نے مذہب کی حقیقی روح کو

(بقیہ صفحہ سابقہ)

یخادعون اللّٰہ کانما یخادعون الصبیان	یہ لوگ خدا کو اسی طرح دھوکہ دینا چاہتے ہیں، جیسے بچوں کو بہلاتے ہیں۔

حفص بن غیاث نے کہا تھا: کتاب الحیل پر لکھ دو کہ کتاب الفجور ہے۔

اکبر کے زمانے میں مخدوم الملک نے بھی یہی حیلہ اختیار کیا تھا۔ حالانکہ دولت کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں سونے اور چاندی کی قبریں بنی ہوئی تھیں۔

[1] تذکرہ۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ ص ۸۹۔

بیدار کرنے۔ باطن کی اصلاح اور اخلاق کی درستگی کی طرف خاص توجہ کی۔ جو فقہی گتھیوں میں الجھے ہوئے تھے۔ ان سے للکار کر کہا ؎

در کنز و ہدایہ نتواں دید خدارا
آئینہ دِل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

اِن بزرگوں نے بتایا کہ جب تک دل کی دنیا پاک و صاف نہ ہوگی، انسانی زندگی میں کیف پیدا نہ ہوگا ؎

آئینۂ دل چوں شود صافی و پاک
نقش ہا بینی بروں از آب و خاک

دسویں صدی عیسوی کے صوفیہ میں شیخ ابوسعید ابن العربیؒ (المتوفی ۳۴۱ھ / ۹۵۲ء) شیخ ابو محمد الخلدیؒ (المتوفی ۳۴۸ھ / ۹۵۹ء) شیخ ابوالنصر سراجؒ (المتوفی ۳۷۸ھ / ۹۸۸ء) شیخ ابو طالب مکیؒ (المتوفی ۳۸۶ھ / ۹۹۶ء) شیخ ابو بکرؒ (المتوفی ۳۹۰ھ / ۱۰۰۰ء) اور ابو عبدالرحمٰن السلمی (المتوفی ۴۲۱ھ / ۱۰۲۱ء) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان بزرگوں نے زبان اور قلم سے صحیح مذہبی روح کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور اصلاح باطن پر خاص زور دیا۔ ان حیلہ بازیوں کو دور کرنے کے لئے (جنھوں نے باطنی زندگی کو گندہ کر دیا تھا) ضروری تھا کہ اخلاق کی صحیح تعلیم لوگوں کو دی جائے۔ اور اُنھیں بتایا جائے کہ کسی قسم کی انسانی ترقی اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک انسان کا دل تمام آلودگیوں سے پاک نہ ہو جائے۔ صوفیہ کے نزدیک اخلاق کا جو معیار تھا اس کے متعلق مولانا شبلی مرحوم کی یہ عبارت بڑی بصیرت افروز ہے:

"شریعت اور علم الاخلاق میں جن احکام کی تعلیم دی جاتی ہے مثلاً صبر، رضا، توکل استغنا، قناعت وغیرہ وغیرہ، ان پر انسان عمل کرتا ہے تو اس بنا پر کرتا ہے کہ شریعت نے اس کی تعلیم دی ہے اور شریعت کی سرتابی عذابِ قیامت کی مستوجب ہے۔ لیکن تصوف میں ایک حالت طاری ہو جاتی ہے جس سے خود بخود اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ صوفی دل پر جبر کر کے صبر اختیار نہیں کرتا، بلکہ طبعاً اس سے سرزد

ہوتا ہے۔ وہ نماز اس لئے نہیں پڑھتا کہ نہ پڑھوں گا تو دوزخ میں جانا پڑے گا، بلکہ اس لئے پڑھتا ہے کہ نہ پڑھنا اس کے اختیار میں نہیں ——— یہ تصوف کا عملی حصہ ہے"۔ لہ

اس دور کے صوفیہ نے تصوف کے اسی "عملی حصہ" پر زور دیا۔

(۱) اس مقصد کے حصول کے لئے انھوں نے مشائخ متقدمین کے حالات اور سوانح کو بطور نمونہ پیش کیا۔ شیخ ابوسعید ابن العربی رح، شیخ ابو محمد الخلدی رح، شیخ ابوعبدالرحمٰن رح کی کتابوں کا منشار یہی تھا۔ شیخ ابوسعید ابن العربی بڑے جید عالم، محدث اور فقیہہ تھے، خواجہ جنید بغدادی رح کے مرید تھے۔ انھوں نے طبقات نامی کتاب لکھی جس میں متقدمین صوفیہ کے حالات اور تعلیمات کو بڑی تفصیل سے پیش کیا۔ بدقسمتی سے یہ کتاب اب ناپید ہے لیکن اس کے جو اقتباسات کتابوں میں ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت مستند تھی اور محنت سے ترتیب دی گئی تھی۔ شیخ ابو محمد الخلدی رح نے حکایات الاولیاء اسی زمانے میں لکھی، یہ کتاب بھی اب معدوم ہے۔

مشائخ کے حالات میں جس کتاب کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی، وہ ابوعبدالرحمٰن السلمی رح کی طبقات الصوفیئن ہے۔ اس کتاب کو جے۔ پیڈرسن (J. PEDERSEN) نے مرتب کیا ہے۔ طبقات الصوفیئن بہت سی کتابوں کا ماخذ ہے۔ شیخ عبداللہ انصاری رح نے طبقاتِ صوفیہ میں اسی سے مدد لی، پھر مولانا جامی رح نے نفحات الانس کی ترتیب میں طبقاتِ صوفیہ کو اپنا رہبر بنایا۔

(۲) اس زمانے میں ایک زبردست کوشش یہ بھی کی گئی کہ تصوف کو شریعت اسلامی کے مطابق ثابت کیا جائے۔ شیخ ابوطالب مکی رح اور شیخ ابوبکر رح کی تصانیف میں یہ چیز خاص طور سے قابلِ غور ہے۔ شیخ ابوطالب رح قرآن وحدیث پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ قوت القلوب میں انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تصوف حقیقتاً قرآن وحدیث

لہ شعر العجم، حصہ پنجم (طبع دوم) ص ۱۴۱

Marfat.com

کی پیداوار ہے۔ انھوں نے عبادات کا ذکر بالکل اسی انداز میں کیا ہے، جس طرح فقہ کی کتابوں میں ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ انھوں نے عبادات کے باطنی پہلو اور منشا پر بڑا زور دیا ہے۔

شیخ ابوبکرؒ نے اپنی کتاب التعارف لمذہب اہل التصوفؒ میں اسلام کے ایک ایک بنیادی اصول سے بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ ہی صوفیہ کا ایمان و عمل تھا۔ تصوف کی حمایت اس کتاب میں بڑے مدلّل انداز میں کی گئی ہے۔ اسی بنا پر یہ بہت مقبول ہوئی اور اس پر متعدد حاشیے لکھے گئے۔

(۳) تصوف کی اصطلاحات کو مقبول عام بنانے کی کوشش اسی زمانے سے شروع ہوئی۔ تولیدِ اصطلاحات کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ منطق و فلسفہ کے مباحث نے طرح طرح کی نئی مصطلحات پیدا کر دی تھیں اور یہ انداز علم و فن کے ہر شعبہ میں کام کر رہا تھا۔

(۴) تصوف کی سب سے زیادہ اہم کتاب جو اس دور میں لکھی گئی وہ شیخ ابوالنصر سراج رحؒ کی کتاب اللمع ہے[۲]۔ خواجہ فریدالدین عطارؒ اُن کے متعلق لکھتے ہیں:

"درفنون علم کامل بود و در ریاضت و معاملات شانے عظیم داشت" (علم کے مختلف فنون میں وہ کامل تھے اور ریاضت اور معاملات میں عظیم شان رکھتے تھے)

اس کتاب میں تصوف کے بنیادی تصورات اور معمولات پر بڑی خوبی سے

---

[۱] پروفیسر اربیری (A.J. ARBERRY) نے ۱۹۳۳ء میں مصر سے شائع کیا تھا۔ میرے سامنے اس کا انگریزی ترجمہ ہے جو پروفیسر مذکور نے THE DOCTRINE OF THE SUFIS کے نام سے شایع کیا ہے۔

[۲] پروفیسر آر۔ اے نکلسن (R.A. NICHOLSON) نے ۱۹۱۴ء میں گب میموریل سیریز میں شائع کیا تھا۔ اس کا قدیم ترین نسخہ (مکتوبہ ۵۴۸ھ) بانکی پور کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ (نسخہ نمبر ۸۲۵)

بحث کی گئی ہے، اور نیت کی اصلاح پر بڑا زور دیا گیا ہے کہ وقت کا سب سے اہم تقاضا یہ ہی تھا۔ خواجہ فرید الدین عطارؒ لکھتے ہیں کہ شیخ سراجؒ، ابن سالمؒ کا یہ قول نقل کیا کرتے تھے کہ نیت خدا کے ساتھ ہے اور خدا سے ہے اور خدا کے لئے ہے[۱] (نیت بخدا است و از خدا و برائے خدا است)

شیخ ابو النصر سراج کی کتاب کا ایک پورا باب (کتاب الاحوال والمقامات[۲]) زہد، صبر، توکل، حال، خوف، محبت، شوق، مشاہدہ پر نہایت بلیغ اشارات سے بھرا ہوا ہے۔ ایک اور باب میں آداب صوفیہ اور سماع پر گفتگو کی ہے۔[۳]

(۵) دسویں صدی کے تصوف کی تاریخ میں ایک اہمیت یہ ہے کہ اُس زمانے میں صوفیہ کے حلقے اور گروہ بننے شروع ہو گئے۔ شیخ علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں بارہ گروہوں کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

دو گروہ ازاں مردود اند، و ده گروه مقبول[۴]	ان میں دو گروہ مردود اور دس مقبول ہیں۔

ان دو گروہوں کے نام یہ ہیں:

(۱) مردود گروہ میں حلولی اور حلاجی کا شمار کیا جاتا تھا۔ حلولی تناسخ کے قائل تھے۔

(۲) طیفوریہ۔ اس کی نسبت حضرت بایزید طیفور بسطامیؒ کی طرف تھی[۵] اس گروہ پر شوق اور مستی کا بڑا غلبہ تھا، اور اس کے پیرو 'سکر' کو 'صحو' پر ترجیح دیتے تھے۔

---

[۱] تذکرۃ الاولیا۔ ص ۲۰۹، ۲۰۸ (اردو ترجمہ) [۲] کتاب اللمع ص ۱ - ۴۱

[۳] کتاب اللمع ص ۲۱۰ - ۱۴۱ اور ۲۹۹ - ۲۶۷ [۴] کشف المحجوب ص ۱۳۹

[۵] کشف المحجوب کے علاوہ حضرت بایزید بسطامیؒ کا حال مندرجہ ذیل کتابوں میں ملتا ہے:

تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ (اردو ترجمہ ص ۱۵۲ - ۱۲۵)

نفحات الانس ص ۳۸ (مطبوعہ بمبئی ۱۲۸۴ھ) (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

(۳) قصاریہ۔ اس گروہ کی نسبت شیخ حمدون قصارؒ[۱] کی جانب تھی۔ یہ گروہ بعد کو ملامتیہ کی صورت اختیار کر گیا۔

(۴) نوریہ۔ اس گروہ کی نسبت شیخ ابی الحسن نوریؒ[۲] کی جانب تھی۔ یہ گروہ تصوف کا مقصد 'فقر' سے اونچا سمجھتا تھا۔ اور 'صحبت' کو 'عزلت' سے بہتر جانتا تھا۔

(۵) محاسبیہ۔ ان کی نسبت شیخ ابو عبداللہ حارث بن اسد محاسبیؒ[۳] کی جانب تھی۔ اس گروہ کا خیال تھا کہ رضا، 'مقام' نہیں ہے بلکہ 'حال' ہے۔ تقریباً دو سو سال تک اس مسئلہ پر شدید اختلاف رہا۔ اہلِ خراسان نے اُن کی رائے کی تائید کی۔ اہلِ عراق نے مخالفت کی۔ شیخ ہجویریؒ لکھتے ہیں "ان دو قوموں میں آج تک اختلاف پڑا ہوا ہے"۔

(۶) تستریہ۔ اس گروہ کی نسبت شیخ سہل بن عبداللہ تستریؒ[۴] کی جانب ہے۔ اس گروہ نے تزکیۂ نفس کے اصول ترتیب دیئے تھے۔ یہ لوگ سزائے نفس کے قائل تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

ے رسالہ قشیریہ ص ۱۶ (مطبوعہ ۱۲۸۷ھ)

[۱] کشف المحجوب کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابوں میں حالات ملتے ہیں:

تذکرۃ الاولیا۔ ص ۲۷۷ - ۲۷۵ (اردو ترجمہ)

نفحات الانس ص ۳۹

[۲] حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

تذکرۃ الاولیا۔ ص ۱۵ ۔ ۳۱۰ (اردو ترجمہ)

نفحات الانس۔ ص ۵۲

[۳] ملاحظہ ہو:

تذکرۃ الاولیا۔ ص ۱۹۰ - ۱۹۴

نفحات الانس۔ ص ۳۴

انھوں نے اپنی ایک تصنیف کتاب الصبر والرضا میں صبر اور رضا پر (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

(۷) حکیمیہ۔ اس کی نسبت حضرت ابی عبداللہ بن علی الحکیم الترمذی رح سے تھی۔ "ولایت" کا تصور اسی گروہ سے شروع ہوا۔ حکیم ترمذی رح کا قول تھا کہ تمام دنیا اللہ کے ولیوں میں تقسیم ہے، اور ہر علاقہ (ولایت) ایک بزرگ کی نگرانی میں ہے۔

(۸) خرازیہ۔ اس گروہ کی نسبت شیخ ابو سعید خرازی رح کی طرف تھی۔[۲] فنا کا تصور اس گروہ نے پیش کیا۔

(۹) خفیفیہ۔ اس گروہ کی نسبت حضرت ابو عبداللہ محمد بن خفیف رح[۳] کی جانب تھی۔ اس گروہ نے "حضور" اور "غیبت" کا تصور پیش کیا۔

(۱۰) سیاریہ۔ اس گروہ کی نسبت شیخ ابو العباس سیاری رح[۴] کی جانب تھی۔ اس گروہ نے "جمع و تفریق" کا نظریہ پیش کیا۔

مندرجہ بالا گروہ دسویں صدی عیسوی میں وجود میں آئے تھے لیکن ان کی نسبت مشایخ متقدمین کی جانب کردی گئی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

متصوفانہ کلام کیا ہے۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ جو ۶۲۱ھ میں نقل ہوا ہے، بانکی پور کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

[۸] حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔

تذکرۃ الاولیاء ص ۲۲۹ - ۲۱۵ نفحات الانس۔ ص ۴۴

[۱] ملاحظہ ہو: تذکرۃ الاولیاء ص ۲۳۷ - ۲۳۵

J.R.A.S. ARTICLE BY AMED ROZ 1912, P. 584

میسی نیوں (MASSIGNON) کا خیال ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی رح، حکیم ترمذی رح سے بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے اور انھوں نے حکیم رح کی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا تھا۔

ESSAI SUR LA MYSTIQUE, P. 256-264

[۲] ملاحظہ ہو: تذکرۃ الاولیاء ص ۳۰۹ - ۳۰۶

[۳] تذکرۃ الاولیاء ص ۳۴۷ [۴] تذکرۃ الاولیا ص ۴۰۲

Marfat.com

باب سوم

تدوینِ فکر سے تنظیمِ سلاسِل تک

تصوف، دسویں صدی عیسوی میں — دسویں صدی عیسوی تک تصوف نے
ایک باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر لی تھی۔ مستند کتابوں کا ذخیرہ مہیا ہو گیا تھا۔
اصطلاحات بھی کافی تعداد میں وجود میں آگئی تھیں۔ گروہوں کی ابتدا بھی ہو گئی
تھی۔ لیکن یہ تینوں چیزیں ابھی ابتدائی منازل میں تھیں۔ کتابوں کی نوعیت رسالوں
کی تھی، ایسے رسالے جن میں یا تو متقدمین مشایخ کے حالات تھے، یا کسی ایک خاص موضوع
پر بحث تھی۔ تصوف کا پورا فلسفہ ابھی مدوّن نہیں ہوا تھا۔ اصطلاحات ایجاد ضرور ہو گئی
تھیں۔ لیکن ان کا مفہوم ابھی وضاحت کے ساتھ متعین نہیں ہوا تھا۔ اور ابھی بہت کچھ
اصطلاحات کی کمی بھی تھی۔ گروہوں کا حال بھی یہی تھا۔ ابھی 'سلسلوں' کی باقاعدہ شکل
اختیار نہیں کی تھی۔ اس منزل تک پہنچنے میں کافی رکاوٹیں باقی تھیں۔ اگلے تین سو سالوں میں
تینوں چیزیں پوری طرح نشو و نما پا گئیں اور تصوف کی تحریک، مسلمانوں کی دینی زندگی
کا ایک خاص عنصر بن گئی۔ آیندہ تصوف کی ترقی کا مطالعہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ
صدی بہ صدی اس کی ارتقائی کیفیت کا جائزہ لیا جائے۔

تصوف، گیارہویں صدی میں — گیارویں صدی عیسوی کے مشایخ میں مندرجہ ذیل
بزرگ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ اُن کے حالات کے مطالعہ سے تصوف کے عام رجحانات
کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

(۱) شیخ ابو نعیم اصبہانی رح (المتوفی ۴۳۰ھ / ۱۰۳۸ء)

Marfat.com

(۲) شیخ ابوالقاسم قشیریؒ (المتوفی ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء)

(۳) شیخ علی ہجویریؒ (المتوفی ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء اور ۴۷۲ھ/۱۰۷۹ء کے درمیان)

(۴) شیخ عبداللہ انصاریؒ (المتوفی ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء)

(۵) شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ (المتوفی ۴۴۰ھ/۱۰۴۹ء)

شیخ ابونعیم احمد بن عبداللہ بن اسحاق اصبہانی رح، شافعی المذہب تھے۔ علم حدیث کے ما[ہر] تھے، انھوں نے اپنی مشہور تصنیف حلیۃ الاولیاء میں ہزاروں صوفیہ کے حالات جمع ک[ئے] ہیں۔ یہ کتاب دس جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور متقدمین مشائخ کے حالات میں بہت مستند اور معتبر مانی جاتی ہے۔ امام ابن جوزی رح نے اس کتاب کا خلاصہ پانچ جلدوں میں کیا ہے۔

شیخ ابوالقاسم قشیریؒ اس عہد کے دوسرے مشہور و معروف بزرگ ہیں۔ اُن کا [رسالہ] فن تصوف میں سب سے زیادہ مقبول ہوا اور اس پر متعدد شرحیں لکھی گئیں۔ شیخ قشیریؒ علومِ دینی میں اچھی نظر رکھتے تھے۔ قرآن کا مطالعہ بڑی توجہ سے کیا تھا اور اس کی شرح لطائف الاشارات کے نام سے لکھی تھی۔ رسالہ قشیریہ میں تصوف کی مندرجہ ذیل اصطلاحات ملتی ہیں:

وقت۔ مقام۔ حال۔ قبض و بسط۔ ہیبت۔ انس۔ تواجد۔ وجد۔ وجود
جمع و فرق۔ فنا و بقا۔ غیبت و حضور۔ صحو و سکر۔ ذوق و شرب۔ سرّ و
سرّ و تجلی۔ محاضرہ۔ کشف و مکاشفہ، مشاہدہ و معائنہ۔ لوائح۔ طوالع۔
لوامع۔ ہجوم۔ تلوین و تمکین۔ قرب و بعد۔ شریعت۔ حقیقت۔ طریقت۔
نفس۔ خواطر۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔ شاہد۔ نفس۔
روح۔ سرّ۔

لہ رسالہ قشیریہ ۱۲۴۰ھ میں مصر سے اور ۱۲۸۴ھ میں بولاق سے شائع ہوا تھا۔ ۱۳۰۴ھ میں مصر سے ایڈیشن طبع ہوا ہے اس پر حاشیہ بھی ہے۔

Marfat.com

اس رسالے میں شیخ قشیریؒ نے اُن تمام اعتراضات کی تردید کی ہے جو اس زمانے میں عام طور پر تصوف اور صوفیہ پر عاید کئے جاتے تھے۔ ان کا اندازِ گفتگو بڑا سلجھا ہوا اور دل کش ہے۔ انھوں نے ثابت کیا ہے کہ تصوف، شریعت وسنت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں۔ شیخ قشیریؒ کے اس رسالے نے معترضین کی زبانیں بند کر دیں اور تصوف کی ترقی اور قبولیت کے دروازے کھول دیئے۔

شیخ علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخشؒ جید عالم اور مرتاض بزرگ تھے۔ اپنے زمانے کے بے شمار مشائخ سے ملے تھے اور فیض حاصل کیا تھا۔ ابتدائی زمانے میں سفر وسیاحت کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ شام سے لے کر ترکستان تک، اور دریائے سندھ سے لے کر بحرِ کیسپین تک گشت کیا تھا۔ آخر میں لاہور آئے اور پھر وہیں کے ہو رہے۔ شیخ ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں اپنی نو تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ اب سوائے کشف المحجوب کے سب معدوم ہو گئی ہیں۔

کشف المحجوب کا شمار تصوف کی اعلیٰ ترین کتابوں میں کیا جاتا ہے۔ دارا شکوہ نے لکھا ہے:

"۔۔۔۔ کشف المحجوب مشہور و معروف	کشف المحجوب مشہور و معروف ہے کسی کو
است و ہیچ کس را برآں جائے	اس پر اعتراض کی جرأت نہیں ہو سکتی
سخن نیست و مرشدیست کامل	وہ مرشدِ کامل ہے فارسی زبان میں
در کتب تصوف بخوبی آں در زبان	تصوف میں ایسی عمدہ کتاب تصنیف
فارسی کتابے تصنیف نشدہ" [1]	نہیں ہوئی۔

امام قشیریؒ کی طرح شیخ ہجویریؒ نے تصوف کو اسلامی شریعت سے قریب لانے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ شیخؒ کے خیالات میں بڑی صفائی اور اندازِ بیان میں بڑی گیرائی ہے۔ تصوف کی کتابیں اب تک عربی زبان میں تھیں اس لئے

---

[1] سفینۃ الاولیاء (قلمی نسخہ)

Marfat.com

عوام کو استفادہ کا موقع بہت کم تھا۔ یہ پہلی کتاب ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی۔ حقیق تصوف کو عوام تک پہنچانے میں اس کتاب کا بہت بڑا حصہ ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے:

"اگر کسے را پیرے نباشد چوں ایں کتاب را مطالعہ کند او را پیدا شود .... من ایں کتاب را بہ تمام مطالعہ کردہ ام" [1]

بہرحال، عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ شیخ ہجویریؒ کی اس کتاب نے ایک طرف تصوف سے متعلق عوام کی غلط فہمیوں کو دور کیا۔ دوسری طرف اس کی ترقی کی راہیں کھول دیں۔ اور اس راہ پر گامزن ہونے والوں کے لئے صاف الفاظ میں یہ اعلان کر دیا کہ

"ہر کہ خلق را دعوت کنند بامرے از حق مرآں را بُرہانے باید، بُرہان

---

[1] دُررِ نظامی ــ مرتبہ شیخ علی جاندار (قلمی نسخہ)

سنہ ۱۹۳۱ء میں جب پروفیسر محمد حبیب مرحوم کابل گئے تھے تو ملا شور بازار نے ان سے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ کشف المحجوب عربی زبان میں لکھی گئی تھی، اس کا فارسی ترجمہ بعد کو ہوا عربی اصل ضائع ہو گئی۔ فارسی ترجمہ باقی رہ گیا۔ پروفیسر محمد حبیب نے اس رائے کو قبول کر لیا اور ان کا خیال بھی یہ ہو گیا کہ اصل کتاب عربی میں تھی، جو ضائع ہو گئی۔ ان کا کہنا ہے کہ فارسی کا اندازِ تحریر ایسا ہے کہ ترجمے کا خیال ہوتا ہے۔ مجھے اس رائے سے اتفاق نہیں، جہاں تک فارسی طرزِ تحریر کا تعلق ہے اس زمانے کی دوسری کتابیں بھی اسی انداز میں لکھی گئی ہیں۔ ابوالفضل بیہقی کی تاریخ آل سبکتگین کی فارسی بھی اسی طرح کی ہے۔ علاوہ ازیں ہمیں کسی تذکرہ یا تاریخ میں اس کتاب کے عربی میں ہونے کا اشارہ نہیں ملتا۔ متقدمین مشائخ نے اپنی کتابوں میں جہاں جہاں اس کے اقتباسات دیئے ہیں وہ سب فارسی میں ہیں اور اسی موجودہ نسخے کے مطابق ہیں۔ کشف المحجوب، جیسا کہ اندرونی شہادت سے ظاہر ہے، لاہور میں لکھی گئی۔ یہاں کے بسنے والوں کے لئے فارسی زبان ہی کی کتاب زیادہ مفید ہو سکتی تھی۔

Marfat.com

آں حفظ سنت باشد" [1]

(جو شخص خلق کے سامنے دعوتِ حق لے کر جائے اسے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی دلیل بھی لانی چاہیئے۔ اور یہ دلیل پابندی سنت ہے)

شیخ عبداللہ انصاری ہروی رح، پیر ہری کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے زمانے کے مشہور محدث اور صوفی تھے۔ حنبلی مذہب کی طرف رجحان تھا۔ اتباعِ سنت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اہلِ بدعت سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہتے تھے۔ اور اسی وجہ سے پانچ مرتبہ ان کو لوگوں نے قتل کی دھمکی دی۔ انھوں نے تصوف کو مقبولِ عام بنانے میں بڑا کام کیا۔ ان کی مندرجہ ذیل تصانیف دستیاب ہوتی ہیں۔

(۱) منازل السائرین

(۲) طبقات الصوفیہ

(۳) کتاب جامع الکلام

(۴) مناجات

منازل السائرین، عربی زبان میں ہے۔ اور تصوف کے مسائل پر اس قدر مقبول کتاب ہے کہ اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں۔ طبقات الصوفیہ، عبدالرحمٰن سلمیؒ کی تصنیف سے ماخوذ ہے۔ جامع الکلام میں دینیات کے مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ پیر ہری کی مناجات بڑی پُر درد اور پُر تاثیر ہے۔ اس کے ترجمے متعدد زبانوں میں ہوئے ہیں۔

شیخ عبداللہ ہرویؒ کی تصانیف کو ہندوستان میں بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔ سرورالصدور (ملفوظ شیخ حمیدالدین ناگوریؒ خلیفہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ) میں متعدد جگہ اُن کی تصانیف کا ذکر ہے اور بڑی عقیدت سے اُن کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

---

[1] کشف المحجوب ص ۴۵

Marfat.com

اس زمانے کے شعرا میں سب سے پہلا مرتبہ شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ کا ہے۔ جن بزرگوں کا اب تک ذکر کیا گیا ہے، انھوں نے اپنی تصانیف (مناجات کے علاوہ) فارسی یا عربی نثر میں چھوڑی ہیں۔ شیخ ابو سعیدؒ نے فارسی رباعیات کا بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نثر کے ذریعے خیالات کی ترویج اتنی آسان نہیں جتنی نظم کے ذریعے ممکن ہے۔ ایک انگریز مصنف کا قول ہے کہ شعراء تو اپنے زمانے کے قانون ساز ہوتے ہیں۔ جو بات اُن کے قلم سے نکل گئی، ہر جگہ گشت کر گئی۔ مولانا شبلی مرحوم اُن کے متعلق لکھتے ہیں:

> "سب سے پہلے صوفیانہ خیالات، حضرت سلطان ابو سعید ابو الخیرؒ نے ادا کئے۔ وہ شیخ بو علی سینا کے معاصر تھے۔ اُن سے اور شیخ سے اکثر مراسلت رہتی تھی۔ شیخ مشکل مسائل ان سے دریافت کرتا تھا، اور وہ جواب دیتے تھے۔ یہ مراسلات آج بھی موجود ہیں" [۱]

شیخؒ کے اشعار میں عشقِ حقیقی کی آگ بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ان کی دو رباعیاں جو مولانا شبلی نے انتخاب کی ہیں۔ اُن کے جذباتِ عشق کی آئینہ دار ہیں۔

غازی برہ شہادت اندر تگ و پوست　　غافل کہ شہید عشق فاضل تر ازوست
در روز قیامت ایں بداں کے ماند　　کیں کشتۂ دشمن ست واں کشتۂ دوست

دل جز رہِ عشق تو نپوید ہرگز　　جز دردِ محبت تو نجوید ہرگز
صحرائے دلم عشقِ تو شورستاں کرد　　تا مہر کسے دگر نہ روید ہرگز

مختصراً، اس صدی میں تصوف کی حالت یہ تھی:

(۱) تصوف کے خیالات تیزی کے ساتھ عوام میں پھیل رہے تھے، تقریباً ہر مذہب کے مشاہیر صوفیہ اور علماء نے تصوف کی حمایت میں قلم اٹھا لیا تھا۔ (شیخ ابو نعیم

---

[۱] شعر العجم۔ جلد پنجم ص ۱۲۰ (طبع دوم)

Marfat.com

اصبہانیؒ شافعی مذہب تھے، شیخ علی ہجویریؒ حنفی تھے، شیخ عبداللہ انصاریؒ حنبلی تھے)

(۲) تصوف اور شریعتِ اسلامیہ کے درمیان تطابق کی کامیاب کوشش کی گئی تھی اور اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ صدیوں میں علماء کا بڑا حصہ تصوف کی طرف کھنچ آیا۔

(۳) شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ نے اپنی رباعیات، شیخ عبداللہ ہرویؒ نے اپنی مناجات اور شیخ ہجویریؒ نے اپنی کشف المحجوب کے ذریعے تصوف کے خیالات کو عوام تک پہنچا کر، تصوف کے عوامی تحریک بننے اور سلاسل کے منظم ہونے کا سامان بہم پہنچایا۔

تصوف، بارہویں صدی عیسوی میں | بارہویں صدی عیسوی کو اسلامی تصوف کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس زمانے میں تصوف کا فلسفہ پورے طور پر ترتیب دیا گیا۔ یہاں تک کہ اس کو ایک مستقل فن کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اسی زمانے میں بعض روحانی سلاسل کی داغ بیل بھی پڑی گو اُن کا عروج تیرہویں صدی میں ہوا۔ اس دور میں تصوف کے نشو و نما کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے چند ممتاز مشایخ کے حالات کا مطالعہ ضروری ہے۔

حضرت امام غزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) نے اپنی معرکتہ الآراء تصنیف احیاء علوم الدین اسی صدی کے شروع میں مکمل کی۔ حضرت امامؒ کو اسلامی تصوف کی تاریخ میں جو عظمت حاصل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔

مولانا شبلی مرحوم لکھتے ہیں:

"حضرات صوفیہ اور فلاسفۂ اسلام کے سرگروہ مولانا روم، شیخ الاشراق ابن رشد اور شاہ ولی اللہ صاحب ہیں۔ ان بزرگوں کی تصنیفات، درحقیقت امام صاحب ہی کے خیالات کا آئینہ ہیں۔ .... نبوت، وحی، الہام، حالات ما بعد الموت، معاد، قضا و قدر، خیر و شر کی جو حقیقت امام رازی، شیخ الاشراق، ابن رشد، شاہ ولی اللہ نے بتائی ہے .... امام غزالی ہی سے سُن کر کہا ہے"۔ [۱]

---

[۱] الغزالی۔ ص ۲۶۱۔ ۲۶۰ (نامی پریس کانپور ۱۹۰۲ء)

Marfat.com

امام صاحبؒ ابتدائی زمانہ میں درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے۔ اُن کے درس میں تین سو مدرسین اور سو امراء اور رؤساء حاضر ہوتے تھے۔ درس کے علاوہ وعظ بھی فرمایا کرتے تھے، ان وعظوں کو شیخ صاعد بن الفارس المعروف بابن اللبان قلم بند کرتے جاتے تھے۔

ایک دن وعظ کہہ رہے تھے کہ اتفاق سے ان کے چھوٹے بھائی احمد غزالیؒ جو صوفی منش تھے ادھر آنکلے اور یہ اشعار پڑھے:

واصبحت تهدی ولا تهتدی	تم دوسروں کو ہدایت کرتے ہو لیکن خود
وتسمع وعظا ولا تستمع	ہدایت نہیں پکڑتے اور وعظ سناتے
فیا حجر الشحذ حتی متی	ہو، لیکن خود نہیں سنتے۔ اے سنگ
تسن الحدید ولا تقطع	نسان! کب تک تو لوہے کو تیز کرتا رہیگا
	لیکن خود کو نہ کاٹے گا۔

ان اشعار کا دل پر ایسا اثر ہوا کہ مجاہدہ وریاضت کا شوق پیدا ہوگیا۔ پھر ایک عرصہ تک بیابانوں میں پھرتے رہے۔ ۴۹۹ھ/۱۱۰۵ء میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر عہد کیا (۱) کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جاؤں گا (۲) کسی بادشاہ کا عطیہ نہ لوں گا (۳) کسی سے مناظرہ ومباحثہ نہ کروں گا۔[۱] ابن الاثیر کا کہنا ہے کہ اسی زمانے میں انھوں نے احیاء علوم الدین تصنیف کی۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں:

"احیاء علوم میں یہ عام خصوصیت ہے کہ اس کے پڑھنے سے دل پر عجیب اثر ہوتا ہے۔ ہر فقرہ نشتر کی طرح دل میں چبھ جاتا ہے۔ ہر بات جادو کی طرح تاثیر کرتی ہے۔ ہر لفظ پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ یہ کتاب جس زمانے میں لکھی گئی خود امام صاحبؒ تاثیر کے نشہ میں سرشار تھے۔ بغداد میں ان کو تحقیقِ حق کا شوق پیدا ہوا۔ تمام مذاہب کو چھانا۔ کسی سے تسلی نہیں

---

[۱] مکاتبات امام غزالی۔ ص ۷

ہوئی۔ آخر تصوف کی طرف رخ کیا۔ لیکن وہ قال کی چیز نہ تھی، بلکہ سرتاپا حال کا کام تھا... آخر سب چھوڑ چھاڑ ایک کملی پہن، بغداد سے نکلے اور دشت پیمائی شروع کی۔ سخت مشاہدات اور ریاضات کے بعد، بزم راز تک رسائی پائی۔ یہاں پہنچ کر ممکن تھا کہ اپنی حالت میں مست ہو کر تمام عالم سے بے خبر بن جاتے۔ لیکن ع بیاد آر حریفانِ بادہ پیمارا' کے لحاظ سے افادۂ عام پر نظر پڑی، دیکھا تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ امیر وغریب، عام وخواص، عالم وجاہل، سب کے اخلاق تباہ ہو چکے ہیں اور ہوئے جاتے ہیں۔ علماء جو دلیلِ راہ بن سکتے تھے، طلبِ جاہ میں مصروف ہیں۔ یہ دیکھ کر ضبط نہ کر سکے اور اسی حالت میں یہ کتاب لکھی"۔ [1]

ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ صوفیہ نے تعلیم اخلاق کو اپنی زندگی کا اہم ترین مقصد قرار دیا تھا۔ اس فرض کی ادائیگی نے امام غزالیؒ کو مجبور کیا کہ مُہرِ سکوت توڑیں اور عوام کے اخلاق کی درستگی کے لئے کوشش کریں۔ امام صاحبؒ نے اس سلسلہ میں جو خدمات انجام دیں ان کو سمجھنے کے لئے اس زمانے کے سیاسی اور سماجی حالات کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔ یہاں ہم اس تفصیل میں نہیں جا سکتے [2]۔ خود امام صاحب اپنے زمانہ کا حال احیاء العلوم کے دیباچہ میں اس طرح لکھتے ہیں۔

"میں نے دیکھا کہ مرض نے تمام عالم کو چھا لیا ہے اور سعادتِ اُخروی کی راہیں بند ہو گئی ہیں۔ علماء جو دلیلِ راہ تھے زمانہ اُن سے خالی ہوتا جاتا ہے۔ جو رہ گئے وہ نام کے عالم ہیں جن کو ذاتی اغراض نے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ اور جنھوں نے تمام عالم کو یقین دلایا ہے کہ علم صرف تین چیزوں کا نام ہے۔ مناظرہ (جو فخر اور نمود کا ذریعہ ہے) وعظ وپند (جس میں عوام کی دل فریبی کے لئے رنگین اور مسجع فقرے استعمال

---

[1] الغزالی۔ ص ۶۳۔ ۶۲۔

[2] پروفیسر عمرالدین مرحوم نے اپنی فاضلانہ تصنیف THE ETHICAL PHILOSOPHY OF AL-GHAZZALI میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے

کئے جائیں۔) فتویٰ دینا، جو مقدمات کے فیصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ باقی آخرت کا علم تو تمام عالم سے ناپید ہو گیا ہے، اور لوگ اس کو بھلا چکے ہیں"۔

تصوف کے سلسلے میں امام صاحبؒ کی خدمات اجمالاً یہ ہیں:

(۱) امام صاحبؒ نے تصوف کو ایک باقاعدہ فن کی حیثیت دے دی۔ جو کچھ مشایخِ متقدمین نے (مثلاً امام قشیریؒ، ابوطالب مکیؒ وغیرہ نے) تصوف پر لکھا تھا اس کو امام صاحبؒ نے پورے طور پر جذب کیا، اس کے بعد نہایت وضاحت اور ترتیب سے تصوف کا پورا فلسفہ مدوّن کر دیا۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں "بڑی خصوصیت جس نے عام و خاص، عارف و جاہل سب میں اس کو (احیاء العلوم کو) مقبول بنا دیا ہے یہ ہے کہ حکمت و موعظت دونوں کو ساتھ ساتھ نبا ہا ہے"۔

(۲) امام صاحبؒ خود فلسفہ کے ماہر تھے، اور عرصہ تک عقلیت کے پھندوں میں اُلجھے رہے تھے۔ اُنھوں نے المنقذ من الضلال میں عقل کی بے چارگی کا جس طرح نقشہ کھینچا ہے وہ بڑا موثر ہے۔

(۳) امام صاحبؒ نے اپنی تصانیف میں حکمت و استدلال کا انداز قائم رکھا ہے، لیکن گفتگو اس طرح کی ہے کہ مذہبی وجدان خود بخود بیدار ہو جاتا ہے۔

(۴) امام صاحبؒ نے اپنی اخلاقی تعلیم کی بنیاد تین چیزوں پر رکھی ہے صحیح مذہبی وجدان۔ حکمت۔ نفسیات۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں ایک نفسیاتی گیرائی ہوتی ہے جو ایسے حکیمانہ انداز سے پیش کی جاتی ہے کہ صحیح مذہبی وجدان بیدار ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

(۵) امام صاحبؒ نے تصوف کی اصطلاحات کا مفہوم متعین کیا اور اُن کی وضاحت کی۔ علامہ ابن خلدون مقدمۂ تاریخ میں لکھتے ہیں:

وجمع الغزالی بین الامرین فی	امام غزالی نے احیاء میں دونوں
الاحیاء فدون فیہ احکام الورع	طریقوں کو جمع کیا۔ چنانچہ ورع اور
والاقتداء ثم بین اداب القوم	اقتداء کے احکام لکھنے کے ساتھ

Marfat.com

وسنتهم وشرح اصطلاحاتهم فی عباداتهم وصار علم التصوف فی الملت علماً مدوناً بعد ان کانت الطریقۃ عبادۃ

ارباب حال کے آداب اور طریقے بتائے اور ان کے مصطلحات کی شرح کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تصوف بھی ایک باقاعدہ علم بن گیا۔ حالانکہ پہلے اس کا طریقہ صرف عبادت کرنا تھا۔

امام قشیریؒ کے زمانہ تک جو اصطلاحات مشہور ہوگئی تھیں، ان کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ امام غزالیؒ نے مندرجہ ذیل اصطلاحات کا اضافہ کیا۔

سفر، سالک، مکان، شطح۔ ذہاب۔ وصل۔ فصل۔ ادب۔ تجلی۔ تخلی۔ علت۔ انزعاج۔ غیرت۔ حریت۔ فتوح۔ وسم۔ رسم۔ زوائد۔ ارادہ۔ ہمت۔ غربت۔ مکر۔ اصطلام۔ رغبت۔ وجد۔

(۶) صوفیۂ متقدمین کی بہت سی مخصوص روایات اور کردار کی اب تک توجیہہ نہیں ہوئی تھی۔ امام صاحبؒ نے ہر ہر مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی اور صوفیہ کے عمل کو صحیح ثابت کیا۔ مثلاً حکومت کی ملازمت نہ کرنا۔ صوفیہ کا یہ رویہ تو سب کو معلوم تھا، لیکن شرعی وجوہات پر کسی نے بحث نہیں کی تھی۔ امام صاحبؒ نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ دربار میں نہ جانے پر بحث کرتے ہوئے احیاء میں لکھتے ہیں: "انسان کو سلاطین کے دربار میں ہر قدم پر گناہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ شاہی مکانات بالکل مغضوب ہوتے ہیں۔ اور زمین مغضوبہ میں قدم رکھنا گناہ ہے دربار میں پہنچ کر سر جھکانا اور ہاتھ کو بوسہ دینا ہوتا ہے۔ اور ظالم کی تعظیم کرنا گناہ ہے دربار میں ہر طرف جو چیزیں نظر آتی ہیں یعنی پردہ ہائے زرنگار، البسۂ ریشمین، ظروف زرین، یہ سب حرام ہیں اور ان کو دیکھ کر چپ رہنا داخلِ معصیت ہے۔ آخر میں بادشاہ کی جان ومال کی سلامتی کی دعا مانگنی پڑتی ہے اور یہ گناہ ہے۔"

سلاطین کی ملازمت اور دادارات کو قبول نہ کرنے کا سبب بیان فرماتے ہیں:

ان اموال السلاطین فی عصرنا

ہمارے زمانے میں سلاطین کی جس

Marfat.com

حرام کلها او اکثرها فکیف لا و الحلال هو الصدقات والفئ والغنیمۃ ولا وجود لھا ولم یبق الا الجزیۃ وانھا توخذ بانواع الظلم لا یحل اخذ ھابہ[1]

قدر آمدنی ہے کل یا قریب کل حرام ہے اور کیوں حرام نہ ہو۔ حلال آمدنی زکوٰۃ، صدقہ اور فےٗ مال غنیمت ہے۔ سوان چیزوں کا اس زمانہ میں وجود ہی نہیں۔ صرف جزیہ رہ گیا وہ ایسے ظالمانہ طریقوں سے وصول کیا جاتا ہے کہ جائز اور حلال نہیں رہتا۔

بارہویں صدی کی دوسری عظیم المرتبت شخصیت حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رح (المتوفی ۵۶۱ھ ۱۱۶۶ء) ہیں۔ امام غزالی رح نے اگر علمی حیثیت سے تصوف کو ایک مستقل فن بنانے کی خدمت انجام دی، تو شیخ جیلانی رح نے عملی اعتبار سے اس تحریک میں ایک جان ڈال دی اور جس چیز کو ضیاء الدین برنی، مصنف تاریخ فیروز شاہی نے "فنِ شیخی" سے تعبیر کیا ہے اس کو معراجِ کمال تک پہنچا دیا۔ اُن سے پہلے کسی بزرگ نے تصوف کو اسلام کے زرین اصولوں کی نشر و اشاعت کا ذریعہ اس طرح نہیں بنایا تھا۔ ارشاد و تلقین کے ذریعہ جو انقلاب انھوں نے برپا کیا وہ اسلامی تصوف کی تاریخ میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ غور، غرجستان، بامیان اور اردگرد کا تمام علاقہ مہایانہ بدھ مت کے زیر اثر تھا۔ اسلام کا کچھ اثر اگر اس علاقہ میں پہنچا تھا تو وہ کرامیہ فرقہ کے ذریعہ۔ شیخ جیلانی رح کی تعلیم سے افغانستان اور اُس کے قرب و جوار میں ایک زبردست ذہنی انقلاب آیا۔ اور ہزاروں آدمیوں نے اُن کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

شیخ جیلانی رح کے وعظ بڑے پُر تاثیر ہوتے تھے۔ ہر طرح کے لوگ اس میں شرکت کرتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے لکھا ہے:

مجلس آنحضرت ہرگز از جماعت — حضرت کی مجلس کبھی یہود و نصاریٰ

---

[1] احیاء العلوم۔ باب خامس

Marfat.com

یہود و نصاریٰ وامثال ایشاں	سے جو مشرف بہ اسلام ہوتے تھے
کہ بردست او بیعت اسلام	اور قزاق، بدعتی اور فسادیوں سے
آوردندے و از طوائف عصاۃ	جو دست حق پرست پر توبہ کرتے
از قطاع طریق و ارباب بدعت	تھے خالی نہ ہوتی تھی۔
و فساد در مذہب و اعتقاد کہ	
تائب می شدند خالی نبودے۔[1]	

بعض اوقات حاضرین کی تعداد ۷۰ ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔[2]
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ راوی ہیں:

در مجلس وعظ آنحضرت چارصد	حضرت کی مجلس وعظ میں چار سو
نفر دوات و قلم گرفتہ می نشستند	آدمی قلم دوات لئے بیٹھے رہتے تھے
وانچہ از وے می شنیدند املا	اور جو اُن سے سنتے تھے وہ لکھ لیتے
می کردند۔[3]	تھے۔

شیخؒ کے مواعظ حسنہ کے دو مجموعے فتوح الغیب[4] اور فتح ربانی[5] اب بھی دستیاب ہوتے ہیں۔ فتوح الغیب میں ۷۸ وعظ نقل کئے گئے ہیں۔ فتح ربانی میں شیخ کے وہ ۶۲ خطبات شامل ہیں جو انھوں نے ۵۴۵ھ/۱۱۵۰ء اور ۵۴۶ھ/۱۱۵۱ء میں دیئے تھے۔ ان خطبات کا ایک ایک حرف دل سے نکلا ہوا ہے اسی بنا پر وہ دل کی انتہائی گہرائیوں میں اپنی جگہ تلاش کرتا ہے۔ حد یہ ہے کہ ایک متعصب مستشرق پروفیسر مارگولیتھ (PROF. D.S. MARGOLIOUTH) کو بھی اُن کے پُرتاثیر ہونے کا اعتراف کرنا پڑا ہے[6]

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۱۳   [2] اخبار الاخیار۔ ص ۱۲
[3] اخبار الاخیار۔ ص ۱۲
[4] مطبوعہ مصر۔ ۱۳۰۴ھ   [5] مطبوعہ مصر۔ ۱۳۰۲ھ
[6] (ص ۴۱) ENCY OF ISLAM VOL I P. 41

Marfat.com

شیخ گیلانیؒ کی دو اور مشہور تصانیف یہ ہیں (۱) غنیۃ الطالبین (۲) الفیوضات الربانیہ اول الذکر کتاب میں شیخؒ نے ۷۳ اسلامی فرقوں کا ذکر نہایت شرح وبسط سے کیا ہے۔ بارہویں صدی میں مسلمانوں کا دینی ماحول سمجھنے کے لئے یہ کتاب بہت کارآمد ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اسی افادیت کی بناپر اس کو فارسی زبان میں منتقل کیا تھا۔

شیخ گیلانیؒ کے وعظوں میں اگر ایک تاثیر تھی، تو ان کے اخلاق میں ایک کشش۔ شیخ ابوالمعمر منظفر منصور ابن المبارک الواعظ المعروف بہ جرادہ کہا کرتے تھے کہ میری آنکھ نے کسی کو سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادرؒ سے بڑھ کر خلیق، وسیع الصدر، کریم النفس، نرم دل اور حافظ عہد وپیمان نہیں دیکھا۔ جلالتِ قدر اور علوِ منزلت کے باوجود آپ، ہر چھوٹے بڑے کی عزت کرتے تھے۔ کمزوروں کے ساتھ بیٹھتے، فقیروں کی تواضع کرتے، لیکن کبھی کسی امیر کے لئے کھڑے نہ ہوتے، نہ کبھی کسی وزیر یا سلطان کے در پر جاتے۔ اپنے بیٹے شیخ سیف الدین عبدالوہابؒ کو وصیت کی تھی:

علیک بتقوی اللہ وطاعتہ لا تخف احداً ولا ترج و وکل الحوائج الی اللہ واطلبہا منہ ولا تثق باحدٍ سوی اللہ خذ التوحید التوحید اجماع الکل۔	خدا کے تقویٰ اور طاعت کو اپنے اوپر لازم رکھو، خدا کے سوا کسی سے خوف یا امید نہ رکھو۔ تمام حاجتیں خدا ہی کو سونپ دو اور اسی سے طلب کرتے رہو، بجز خدا کے کسی پر اعتماد نہ رکھو، لازم رکھو اپنے اوپر توحید کو، توحید کو کہ اسی پر سب کا اجماع ہے

اس دور کے ایک اور مشہور بزرگ شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردیؒ ہیں انھوں نے شیخ احمد غزالیؒ، شیخ جیلانیؒ اور دیگر بزرگوں سے فیض صحبت حاصل کیا تھا۔ داراشکوہ نے ان کے متعلق لکھا ہے:

"وبصحبت حضرت قطب ربانی محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالےٰ مشرف گشتہ بودند۔"

Marfat.com

شیخ ابو نجیب سہروردیؒ نے بھی اصلاح وتربیت کا کام بڑے اعلیٰ پیمانے پر انجام دیا۔ دجلہ کے مغربی کنارے پر آپ کی خانقاہ تھی۔ اس سے متصل ایک مدرسہ بھی بنوا دیا تھا ایک طرف علومِ ظاہری کا ہنگامہ تھا، دوسری طرف تصفیۂ قلوب وتذکیۂ نفوس کا کام جاری تھا۔ ابن خلکان نے لکھا ہے ظهرت برکته على تلامذته[1]۔ یعنی اُن کے فیوض وبرکات تمام شاگردوں پر ظاہر ہوئیں۔ ان کی کتاب آداب المریدین، مریدوں کی اصلاح وتربیت میں بڑی اہم کتاب ہے۔

بارہویں صدی کے آخر میں دو اور عظیم المرتبت شخصیتیں پیدا ہوئیں جنھوں نے تصوف کی تحریک کو وہ سب کچھ دیا جس کی اس کو ضرورت تھی۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ (۵۶۰-۶۳۸ھ / ۱۱۶۵-۱۲۴۰ء) اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (۵۳۹-۶۳۲ھ / ۱۱۴۵-۱۲۳۴ء) دو مختلف مکتب خیال سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن دونوں نے اپنی اپنی جگہ حیرت انگیز خدمات انجام دیں۔

شیخ اکبرؒ ۵۶۰ھ / ۱۱۶۵ء میں اسپین کے مشہور شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ۸ سال کی عمر میں مرسیہ سے لسبن آئے۔ وہاں قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اشبیلیہ چلے گئے اور وہاں کے مشاہیر کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ نامساعد حالات نے ان کو اشبیلیہ میں نہ ٹھہرنے دیا۔ اسپین کے ہر ہر گوشہ میں شیخ اکبرؒ پہنچے اور وہاں کے حالات کا بغور مطالعہ کیا۔ قرطبہ میں ابن رشد سے ملاقات ہوئی۔ ۱۲۰۱ء میں شیخ اکبرؒ نے مغرب کو خیر باد کہا اور مشرق کی راہ لی۔ مصر، حجاز، بغداد۔ ایشیائے کوچک ہر جگہ گئے لیکن اُن کے نظریات میں کچھ ایسی نُدرت اور سختی تھی کہ کسی جگہ لوگوں نے اُن کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ عمر کا بیشتر حصہ اسی مسافرانہ حالت میں گذرا، یہاں تک کہ ۱۲۴۰ء میں جان جان آفریں کے سپرد کردی اور دمشق کو اپنی آخری آرام گاہ بنایا۔

شیخ اکبرؒ، کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ مولانا جامیؒ نے اُن کی تصانیف کی تعداد ۵۰۰

---

[1] وفیات الابن خلکان۔ جلد اول۔ ص ۱۲۔ (مطبوعہ مصر)

بتائی ہے۔ برکلمان نے اُن کی ڈیڑھ سو ایسی تصانیف کی فہرست دی ہے جو اب بھی دستیاب ہوتی ہیں[1]۔ شیخ کی ان سب کتابوں میں فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ شیخ کے نظریات اور عقائد کا نچوڑ ان ہی کتابوں میں ملتا ہے۔ فتوحات کے متعلق فرماتے ہیں:

کان الاغلب فیما ادعت ھذہ الرسالۃ ما فتح اللہ بہ علی عند طوافی ببیتہ المکرم او قعودی مراقباً لہ بحرمہ الشریف المعظم[2]

یعنی جو حقائق و معارف میں نے اس کتاب میں ناظرین کے لئے بطور امانت درج کئے ہیں وہ اکثر خانۂ کعبہ کا طواف کرتے وقت یا حرم شریف میں بحالت مراقبہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر کھولے ہیں۔

دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:

فشغلنا ھذا الکتاب عنہ و عن غیرہ بسبب الامر الالٰھی الذی ورد علینا فی تقییدہ[3]

یعنی ہم پر اس کتاب کی تکمیل کے لئے خدا تعالیٰ کا تاکیدی حکم وارد ہوا۔ بدیں وجہ ہم دوسرے امور کو سرانجام دینے سے رک گئے۔[4]

شیخ اکبرؒ کے فلسفہ کا مرکزی نقطہ وحدت الوجود ہے۔ مختصراً اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے سوا کائنات میں کوئی چیز موجود نہیں۔ یا یہ کہ جو کچھ موجود ہے سب خدا ہی ہے اہل ظاہر کے نزدیک خدا سلسلۂ کائنات سے بالکل الگ ایک جداگانہ ذات ہے،

---

[1] "محی الدین ابن عربیؒ" از عفیفی۔ ص XVII

[2] فتوحاتِ مکیہ۔ جلد اول ص ۱۰

[3] فتوحاتِ مکیہ۔ جلد اول ص ۹۸

[4] شیخ اکبرؒ پر HENRY CORBIN کی کتاب CREATIVE IMAGINATION IN THE SUFISM OF IBN ARABI لائق مطالعہ ہے۔ (مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۶۹-۷۰ء)

صوفیہ کے نزدیک خدا سلسلۂ کائنات سے الگ نہیں۔

صد جائے اگر گرہ زنی رشتہ یکیست	با وحدتِ حق زکثرت خلق چہ باک

دھاگے میں جو گرہیں لگا دی جاتی ہیں، اُن کا وجود اگرچہ دھاگے سے ممتاز نظر آتا ہے لیکن فی الواقع دھاگے کے سوا کوئی زاید چیز نہیں، صرف صورت بدل گئی ہے۔

شیخ اکبرؒ کے اس نظریہ وحدت الوجود سے اسلام کے بہترین دماغ متاثر ہوئے اور یہ نظریہ تصوف کی روح بن گیا۔ وحدت الوجود کے متعلق چند باتیں ذہن میں رکھنی چاہییں کہ ان کے بغیر اس نظریہ کا صحیح جائزہ حدِ امکان سے باہر ہے:

(۱) مسئلہ وحدت الوجود پر عوام میں گفتگو کو مشایخ بہت بُرا سمجھتے تھے۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ فرمایا کرتے تھے:

مسئلہ وحدت الوجود را پیش ہر	مسئلہ وحدت الوجود کو ہر آشنا و بیگانہ
آشنا و بیگانہ نخواہید بر زبان آوردؔ[1]	کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیئے۔

شاہ نور محمد مہارویؒ کا قول ہے:

"برامم ماضیہ کہ حوادث واقع می	پہلی امتوں پر جو حوادث نازل ہوئے
شدند محض برائے اظہار وحدت وجود"[2]	وہ صرف اظہار وحدت وجود کی بنا پر تھے

حقیقت میں یہ مسئلہ اس قدر نازک ہے کہ عوام اس کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے اور ایسی صورت میں بے راہ روی پیدا ہو جانا لازمی ہے۔ اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی عوام کو اس گفتگو میں شریک کیا گیا ہے، الحاد و زندقہ کے دروازے کھُل گئے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں مشایخ نے ہمیشہ یہ احتیاط برتی ہے کہ (۱) مریدین کو اس پر گفتگو کرنے کی سخت ممانعت کی ہے۔

(۲) شیخ اکبرؒ کی کتابوں کو پڑھنے اور پڑھانے پر پابندیاں عاید کی ہیں۔ محمد غوثیؒ مصنف گلزار ابرار کے ایک بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فصوص الحکم کو پڑھانے کے

---

[1] مکتوبات کلیمی۔ ص ۴،   [2] مناقب المحبوبین۔ ص ۹۰

Marfat.com

لئے باقاعدہ سند حاصل کی جاتی تھی۔[۱] (۳) فصوص الحکم کی زیادہ تر شرحیں عربی میں لکھی گئی ہیں تاکہ صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ ہی ان سے استفادہ کرسکے ــــــــ واضح رہے کہ یہ تمام احتیاطیں ان مشایخ نے برتی ہیں جن کا وحدت الوجود پر ایمان تھا۔

(۴) نظریہ وحدت الوجود میں اعتقاد کا اثر عملی زندگی پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس پر اعتقاد رکھنے والے کا مطمح نظر بلند، ہمدردیاں وسیع اور مقاصد اعلیٰ ہوتے ہیں۔ وہ عملاً الخلق عیال اللہ کا قائل ہوتا ہے۔ وہ ہر نظریہ کو ہمدردانہ سمجھنے کے لئے تیار رہتا ہے اس لئے کہ اس کی نظر میں حقیقت تو ایک ہی ہے ــــــــ وحدت الوجود پر ایمان لانے کے بعد انسان میں تنگ نظری اور تعصب کا تو وجود رہتا ہی نہیں۔ صوفیہ اور مشایخ نے اس نظریے کے ذریعے دوسری قوموں کے مزاج کو پہچانا، ان کے مذہبی اور سماجی حالات کو پرکھا اور پھر اسلام کے زرین اصولوں کو ان تک پہنچانے کی کوشش کی۔ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کی بالغ نظر نے اسلامی تاریخ کے اس راز کو خوب سمجھ لیا تھا کہ اسلام کی ترویج و اشاعت میں فلسفہ وحدت الوجود کو بڑا دخل رہا ہے۔ اور اسی بنا پر وہ ایسا محسوس کرنے لگے تھے کہ اسلام کا فکری انقلاب اسی راہ سے ہو کر گزرے گا ــــــــ ان کا خیال صحیح تھا، اور بالکل صحیح۔ لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ وحدت الوجود کو عملی زندگی میں ایک انقلابی عنصر کی حیثیت سے استعمال کرنے کے لئے مجددانہ بالغ نظری اور بیدار مذہبی شعور کی ضرورت ہے۔ ورنہ اس کی گمراہیاں دین الٰہی کی شکل اختیار کرتی ہیں اور کبھی فتنۂ نمود و انمود کی۔[۲]

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ (۵۳۹-۶۳۲ھ / ۱۱۴۵-۱۲۳۴ء) حضرت ابن عربیؒ کے معاصر تھے۔ ایک روایت ہے کہ مکہ معظمہ میں اتفاقاً دونوں کی مڈبھیڑ ہو گئی، دونوں

---

[۱] گلزار ابرار (قلمی نسخہ) اردو ترجمہ ص ۴۵۳

[۲] وحدت الوجود کی تردید میں سب سے زیادہ مدلل کوشش مجدد الف ثانیؒ نے کی تھی۔ اُن سے پہلے اس نظریہ کے خلاف علاء الدولہ سمنانیؒ نے اپنی کتاب "العروۃ لاہل الخلوۃ" (قلمی نسخہ بانکی پور نمبر ۹۰۵) میں لکھا تھا اور شہودیت کو صحیح نظریہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔

نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، ایک لفظ زبان سے نہ نکالا، اور رخصت ہو گئے شیخ سہروردیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ کے مکتب خیال سے تعلق رکھتے تھے، شیخ اکبرؒ، شیخ بایزید بسطامیؒ، اور شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے نظریات سے متاثر تھے۔

شیخ سہروردیؒ کی کتاب عوارف المعارف، تصوف کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ تیرہویں صدی میں جب سلاسل کی تنظیم شروع ہوئی تو سہروردیہ سلسلہ کے علاوہ دیگر سلسلوں نے بھی اس کتاب کو اپنا لیا۔ عوارف المعارف کی خوبی یہ ہے کہ اس میں تصوف کے بنیادی اعتقادات، خانقاہوں کی تنظیم، مریدین و شیوخ کے تعلقات اور دیگر مسائل پر نہایت وضاحت سے کتاب و سنت کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ تصوف کی اصطلاحات کے معنی مختصر لیکن جامع طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ ایک طرف تو تصوف کا پورا فلسفہ اس میں مدوّن ہو گیا ہے۔ دوسری طرف خانقاہی نظام کے متعلق تفصیلی بحث آگئی ہے۔ چشتیہ سلسلہ کے مشائخ بھی اس کتاب کی بڑی قدر کرتے تھے۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ اپنے اعلیٰ مریدین اور خلفاء کو اس کا درس دیا کرتے تھے۔ محمد غوثی کا بیان تو یہ ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ نے اس پر ایک حاشیہ بھی لکھا تھا [1]۔

اخیر عمر میں شیخ سہروردیؒ کی شہرت ممالک اسلامیہ میں دور دور پھیل گئی تھی۔ علامہ ابن خلکان کا بیان ہے کہ:

ولم یکن فی اٰخر عمرہٖ فی عصرہٖ مثلہ وکان شیخ الشیوخ ببغداد [2]	آپ کی آخر عمر میں آپ کے معاصرین میں کوئی آپ کا مثل و ہم پایہ نہ تھا اور آپ بغداد کے شیخ الشیوخ تھے۔

---

[1] گلزار ابرار۔ مصنفہ محمد غوثی (قلمی نسخہ)

ہندوستان میں عوارف کی جو شرحیں لکھی گئی ہیں ان میں شیخ علی مہائمی (م ۸۳۵ھ) کی زوارف اللطائف (قلمی نسخہ بانکی پور نمبر ۸۶۳) خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

[2] وفیات الاعیان۔ جلد اول ص ۳۸۰

Marfat.com

امام تاج الدین سبکی محدثؒ نے لکھا ہے:

''حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی، فقیہہ، فاضل، عارف، کامل، زاہد متورع اور علم حقیقت میں اپنے وقت کے شیخ اور امام جلیل تھے۔ مریدین و طالبین کی تربیت، خلق کی خالق کی طرف دعوت۔ مخلوق کی رشد و ہدایت تکمیلِ سلوک سالکان اور تعلیم و تلقینِ طریقِ عبادت و خلوت وغیرہ آپ پر ختم تھی''۔ [۱]

شیخ سعدیؒ کو، جنھوں نے اسلامی دنیا کے کونے کونے کو چھان مارا تھا، جب مرشد کامل کی تلاش ہوئی تو شیخ سہروردیؒ ہی کے آستانے کی طرف دوڑے۔ شیخؒ کی اصلاح و تربیت کا نچوڑ یہ تھا کہ کبھی ''خود بیں'' نہ بننا اور کبھی ''بدبیں'' نہ ہونا۔ فرماتے ہیں:

مرا پیر دانائے فرخ شہاب — دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش — دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ اعلیٰ تصوف، اصلاح و تربیت اور تعلیم اخلاق کا ایک زبردست نظام تھا ——— !

بارہویں صدی عیسوی میں اسلامی دنیا کی حالت بہت زبوں تھی۔ خلافتِ بغداد پر نزع کا عالم طاری تھا۔ بغداد کی عظمت ماضی کی داستان بن چکی تھی۔ نئی نئی طاقتیں ابھر رہی تھیں اور ہر طاقت پہلے بغداد ہی کی طرف رُخ کرتی تھی۔ اخلاقی پستی اپنی آخری حد پر پہنچ چکی تھی۔ امراء و سلاطین خلفاء و وزراء سب پر ایک اخلاقی انحطاط کا رنگ چھایا ہوا تھا۔ عجم کا سیاسی نظام بے جان ہو چکا تھا اور کچھ ہی دنوں میں گرا چاہتا تھا۔ اُدھر اندلس میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی اور مسلمانوں کا سیاسی اقتدار ہچکیاں لے رہا تھا ———

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان حالات میں پیدا ہونے والے مشائخ نے سیاسی حالات کی درستگی کے لئے بھی کچھ کیا یا نہیں؟

حضرت امام غزالیؒ جن کا ذکر ہم نے اس صدی کے صوفیہ میں سب سے پہلے

---

[۱] طبقات امام سبکی جلد ۵ ص ۱۴۴ - ۱۴۳ -

Marfat.com

کیا ہے، ایسے زمانے میں پلے بڑھے تھے، جب ملک شاہ سلجوقی سریر آرائے سلطنت تھا۔ وہ عدل وانصاف میں مشہور تھا، اور رعایا کی بہبودی کا خیال رکھتا تھا۔ ملک شاہ کے بعد اس کے تین بیٹے برکیارق، محمد، اور سنجر سلطنت کے دعویدار ہوئے۔ اور خانہ جنگیوں کا ایک ایسا ہولناک سلسلہ شروع ہوا کہ شہر کے شہر تباہ ہوگئے، دیہات وقصبات میں خاک اُڑنے لگی۔ ہزاروں جانیں ضایع ہوگئیں اور امن وامان کا نام ونشان تک نہ رہا۔[ا]

امام صاحبؒ نے پوری بصیرت کے ساتھ حالات کا جائزہ لیا۔ وہ مسلمانوں کی سیاسی زندگی کے ہر گوشے سے واقف تھے۔ خراسان سے لے کر بیت المقدس تک اسلامی دنیا کا پورا مطالعہ کیا تھا۔ انھوں نے احیاء العلوم میں سلاطین کے کردار پر کھُل کر تنقید کی اور اُن کی گمراہیوں کے ایک ایک منبع ومخرج کا پتہ لگایا۔ اس تنقید نے عوام میں جرأت پیدا کی اور سلاطین کو بھی اُن کے خوابِ غفلت سے بیدار کر دیا۔ محمد بن ملک شاہ کو (جو سنجر کا بڑا بھائی تھا) ایک ہدایت نامہ جو نصیحت الملوک کے نام سے مشہور ہے لکھ کر بھیجا۔ اس میں عقائد دینی سے بحث کرنے کے بعد حکومت کے فرائض سے آگاہ کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت میں سب سے زیادہ عذاب جس کو دیا جائے گا وہ ظالم بادشاہ ہوں گے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر ایک خارشتی بکری کی خبرگیری مجھ سے رہ گئی تو قیامت میں مجھ سے مواخذہ ہوگا۔"

اے بادشاہ! دیکھو حضرت عمرؓ کو باوجود اپنے کمالِ احتیاط، عدل وانصاف کے مواخذے کا کس قدر ڈر تھا۔ اور تیرا یہ حال ہے کہ تجھ کو اپنی رعایا کی کچھ پروا نہیں اور کچھ نہیں جانتا کہ تیرے ملک والوں کا کیا حال ہے۔ تجھ کو صرف اس پر قناعت نہیں کرنی چاہیئے کہ خود ظلم کا ارتکاب نہیں کرتا۔ بلکہ تو اس بات کا بھی ذمہ دار ہے کہ تیرے غلام، عہدہ دار، عامل کسی پر ظلم وستم نہ کریں۔

(۲) اے سلطان! اگر تو دنیا کی لذات کی غرض سے لوگوں پر مظالم کرتا ہے تو غور سے دیکھ! دنیاوی لذات کیا ہیں! اگر تو کھانے کا زیادہ حریص ہے تو جانور

[ا] ابن الاثیر واقعات ۴۹۷ھ

ہے۔ اگر حریر و دیبا کے استعمال کا دلدادہ ہے تو مرد نما عورت ہے، اگر اپنے غیظ و غضب کے قابو میں ہے تو آدمی کی صورت میں درندہ ہے"۔

سلاطین کے علاوہ امام صاحبؒ نے ارکانِ سلطنت اور وزرار کو اُن کی بے راہ روی پر متنبہ کیا۔ انھوں نے وزرار کے نام بہت سے خطوط لکھے ہیں جن میں عدل و انصاف کی پابندی کی تاکید کی ہے۔

اسپین کے دردناک حالات سے بھی امام صاحبؒ ناواقف نہ تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ موحدین کی سلطنت امام صاحبؒ ہی کی وجہ سے وجود میں آئی۔ محمد بن عبداللہ تومرت بانی سلطنت موحدین امام غزالیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور امام صاحبؒ کی اس خواہش سے کہ کوئی اسلامی سلطنت وجود میں آئے اتنا متاثر ہوا کہ وطن واپس ہونے پر ایک سلطنت قائم کرنے کا ارادہ کرلیا۔ امام صاحبؒ سے ذکر کیا تو فرمایا کہ اگر اسباب مہیا ہوں تو کوشش کی جائے۔

علّامہ ابن خلدون نے لکھا ہے[1]:

ولقی فیما زعموا اباحامد الغزالی وفاوضہ بذات صدرہ بذالک فارادہ علیہ لما کان فیہ الاسلام یومئذٍ باقطار الارض من اختلال الدولۃ وتفویض ارکان السلطان الجامع للامۃ المقیم للملۃ بعد ان سئلہ عمن لہ من العصابۃ والقبائل التی یکون بہا الاعتزاز

جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے، وہ (محمد بن عبداللہ تومرت) ابوحامد غزالی سے ملا اور ان سے اپنے دلی خیالات کے متعلق مشورہ کیا۔ امام صاحبؒ نے اس کی تائید کی کیونکہ اس زمانہ میں اسلام تمام دنیا میں ضعیف ہو رہا تھا اور کوئی ایسا سلطان موجود نہ تھا جو تمام امّت کو فراہم کرسکے اور دین اسلام کو قائم رکھے لیکن پہلے

[1] مقدمہ ابن خلدون

والمنعت | امام صاحبؒ نے اس سے پوچھ لیا کہ تمہارے پاس اتنا سروسامان اور جمعیت ہے یا نہیں جس سے قوت اور حفاظت ہوسکے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح، خلفاء وقت پر عوام کے سامنے تنقید کرتے تھے۔ کسی بے راہ روی کا پتہ چل جاتا تو سخت مذمت کرتے۔ خلفاء خاموشی سے اُن کی تنبیہ کو سُنتے۔ بہجۃ الاسرار میں ایک واقعہ لکھا ہے جس کو کرامت کا رنگ دے دیا گیا ہے، لیکن بایں ہمہ بڑا عبرت آموز ہے۔ شیخ ابو العباس خضر بن عبداللہ حسینی موصلی سے مروی ہے کہ ایک رات ہم بغداد میں سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادرؒ کے مدرسے میں تھے خلیفہ مستنجد باللہ ابو المظفر یوسف، آپ کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں اور دس تھیلیاں اشرفیوں کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے ان تھیلیوں کی ضرورت نہیں۔ خلیفہ نے اصرار کیا تو آپ نے ایک تھیلی اپنے دائیں ہاتھ میں لے لی اور دوسری بائیں میں اور دونوں کو دبا کر نچوڑا تو اُن میں سے خون بہنے لگا۔ پھر آپ نے فرمایا — ابو المظفر کیا تو حیا نہیں کرتا کہ لوگوں کا خون لے کر میرے پاس آیا ہے۔[۱]

حقیقت میں وہ تھیلیاں عوام کے خون ہی سے بھری ہوئی تھیں! خلفاء متاخرین کے طرز حکومت پر اس سے بڑی تنقید اور کیا ہوسکتی ہے!

اسلامی دنیا کے عام حالات، خصوصاً اندلس کی ابتری نے شیخ محی الدین ابن عربیؒ پر جو اثر کیا وہ خود اُن ہی کی زبانی سننے کے قابل ہے۔ سلطان روم سلطان عزالدین کیکاؤس کو لکھتے ہیں:[۲]

کتبت کتابی والدموع تسیل	ومالی الی ما اس تضیہ سبیل
میں اپنا خط لکھ رہا ہوں اور آنسو بہہ رہے ہیں	اور میرے بس میں نہیں ہے کہ ان کو راضی کروں

---

[۱] بہجۃ الاسرار۔ ص ۶۱

[۲] فتوحات مکیہ۔ ج ۴ ص ۲۹۲ (مطبوعہ بولاق)

Marfat.com

اريد ارى دين النبي محمد — يقام و دين المبطلين يزول

چاہتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو دیکھوں کہ وہ بلند کیا جائے اور جھوٹوں کا دین مٹ جائے

فلم ار الا الزور يعلو واهله — يعزون والدين القويم ذليل

مگر بناوٹی سخن سازیوں کے اور اس کے کاروبار کرنے والوں کو معزز ہوتے دیکھ رہا ہوں اور سچا دین ذلیل ہو رہا ہے

فيا عز دين الله سمعا لناصح — شفيقا فنصاح الملوك قليل

اے عزالدین! ایک بہی خواہ کی نصیحت سُن جو تجھ پر مہربان ہے، یاد رکھ کہ بادشاہوں کو نصیحت کرنے والے کم ہیں

وحاذر بتاييد الاله بطانة — تشير بامر ما عليه دليل

اور بچو اللہ کی مدد سے ایسوں کو راز دار بنانے سے جو اشارے ایسی باتوں کی طرف کرتا ہو جس کی دلیل نہ ہو

اس کے خطاب عزالدین پر اعتراض کرتے ہیں:

اذا انت اعززت الهدى وتبعته — فانت لهذا الدين عز كما تدعى

اگر دینی ہدایت کو تم سے عزت نصیب ہو اور اس کی خود بھی تم پیروی کرو تو بیشک تم دین کی عزت ہو جیسا کہ پکارے جاتے ہو

وان انت لم تحفل به واهنته — فانت تذل الدين تخفضه وضعا

اور اگر تم نے دین کو نہیں سمیٹا اور اُسے ذلیل کیا تو پھر دین کے تم خوار کرنے والے ہو اور اسے تم نے پست کر دیا

فلا تاخذ الالقاب زورا فانكم — تُسئَلُ عنها يوم يجمعكم جمعا

پس جھوٹ موٹ کے القاب نہ اختیار کرو جس دن تم لوگ (قیامت میں) جمع کئے جاؤ گے، اس کے متعلق پوچھا جائے گا

وان قال دين الله كنت بملكه — ذليلا واهلي في ميادينها صرعا

اللہ سے دین نے اگر کہا کہ میں اس شخص کی حکومت میں ذلیل تھا اور دین دار لوگ اس ملک میں پچھڑے پڑے تھے تو قیامت کے دن تمہارا کیا جواب ہو گا۔

حق کی یہ آوازیں اس وقت اٹھی تھیں جب مسلمانوں کا سارا سیاسی اور سماجی نظام درہم برہم ہو رہا تھا!

حضرت شیخ نجیب الدین سہروردیؒ اور اُن کے برادر زادے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا زیادہ وقت عوام کی اصلاح و تربیت میں گزرتا تھا۔ لیکن جب سیاسی حالات کا تقاضا ہوتا کہ وہ اپنی خانقاہ سے باہر نکلیں تو ان کو کبھی تامل نہ ہوتا۔ خلیفہ الراشد سے جب شیخ نجیب الدینؒ

Marfat.com

نے بیعت خلافت کی تو اس کو بہت نصیحتیں فرمائیں۔ ابن اثیر نے لکھا ہے۔

وبایع لہ الشیخ ابوالنجیب و وعظہ وبالغ فی الموعظۃ [1]	شیخ ابوالنجیب نے ابوجعفر الراشد باللہ کی بیعت خلافت کی اور نہایت مبالغہ کے ساتھ اس کو پند و نصیحت فرمائی۔

جب خوارزم شاہ کی فوجیں بغداد پر حملہ آور ہوئیں تو شیخ شہاب الدین سہروردی رح نے نہایت جرأت کے ساتھ خوارزم شاہ سے گفتگو کی۔ روضۃ الصفا میں لکھا ہے:

"شیخ بطریق سنت سلام کرد و پادشاہ از غایت نخوت جواب داد... شیخ ہم چناں برپائے ایستادہ بہ عربی خطبہ بلیغ فصیح خواند، سخناں مائل برزبان آورد" [2]

ایک مرتبہ اربل میں سفارت کے نازک کام کو انجام دینے کے لئے شیخ شہاب الدین سہروردی رح ہی کا انتخاب کیا گیا [3] اور انھوں نے بڑی خوبی سے اس ذمہ داری کو نبھایا۔

بارہویں صدی کے ان مشاہیر صوفیہ کا تذکرہ ختم کرتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ ان صوفی شعراء کا ذکر بھی کر دیا جائے جنھوں نے تصوف کی تحریک کو عوام تک پہنچانے میں ایک زبردست خدمت انجام دی تھی۔

حکیم سنائی رح، نظامی گنجوی رح اور خواجہ فریدالدین عطار رح اس عہد کے مشہور صوفی شعراء تھے۔ صوفیانہ شاعری کے متعلق مولانا شبلی فرماتے ہیں:

"فارسی شاعری اس وقت تک بے جان تھی جب تک اس میں تصوف کا عنصر شامل نہیں ہوا۔ شاعری اصل میں اظہار جذبات کا نام ہے۔ تصوف سے پہلے جذبات کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔ قصیدہ، مداحی اور خوشامد کا نام تھا، مثنوی واقعہ نگاری تھی۔ غزل زبانی باتیں تھیں۔ تصوف کا اصلی مایۂ خمیر، عشق حقیقی ہے

---

[1] الکامل۔ جلد یازدہم ص ۱۲

[2] روضۃ الصفا۔ ج ۴ ص ۱۱۸

[3] ملاحظہ ہو، "علمائے سلف" از نواب صدر یار جنگ

Marfat.com

جو سرتاپا جذبہ اور جوش ہے، عشق حقیقی کی بدولت مجازی کی بھی قدر ہوئی اور اس آگ نے تمام سینۂ و دل گرما دیئے۔ اب زبان سے جو کچھ نکلتا تھا گرمی سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ اربابِ دل ایک طرف؛ اہلِ ہوس کی باتوں میں بھی تاثیر آگئی۔"[1]

شیخ ابو سعید ابوالخیر رح کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اُن کے بعد حکیم سنائی رح ہی نے اس باغ کی آبیاری کی۔ مولانا روم رح فرماتے ہیں:

عطار روح بود و سنائی دو چشم او
ما از پس سنائی و عطار آمدیم

حکیم سنائی رح نے تصوف میں دو مستقل کتابیں حدیقہ اور سیر العباد تصنیف کی تھیں۔ ان کے علاوہ ان کی چھ مثنویاں بھی ہیں۔ حدیقہ میں تصوف کے اکثر مقامات صبر، رضا، توکل، وغیرہ کے مستقل عنوان قرار دیئے ہیں۔ اور اُن کی حقیقت بتائی ہے۔ سیر العباد میں اس قسم کے مسائل سے بحث کی ہے، نفس ناطقہ، سالکانِ طریقت، اہلِ رضا، مراتبِ نفس وغیرہ۔

حکیم سنائی رح سے پہلے کسی نے تصوف کے اسرار و معارف کو اس طرح ادا نہیں کیا تھا۔ خود اُن کا دعویٰ ہے:

کس نہ گفت ایں چنیں سخن بجہاں — ور کسے گفت، گو بیار و بخواں
زیں نمط ہر چہ در جہاں سخن است — گر یکے در ہزار، آن منِ است
جوں ز قرآن گزشتی وز اخبار — نیست کس را ازیں نمط گفتار

مولانا شبلی کا خیال ہے کہ اخلاقی شاعری کی بنیاد بھی حکیم سنائی رح نے قائم کی، اور گو آگے چل کر اس صنف کو بہت وسعت ہوئی، لیکن اصول اور آئین حکیم سنائی ہی نے قائم کر دیئے تھے ابتدائی زمانے میں سنائی رح درباروں میں رہتے تھے اور قصیدہ گوئی میں وقت صرف کرتے تھے۔ ایک دن ایک مجذوب کی بات کا ایسا اثر ہوا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ بہرام شاہ نے اپنی بہن کو عقدِ نکاح میں دینا چاہا تو جواب میں لکھ بھیجا:

---

[1] شعر العجم۔ جلد پنجم۔ ص ۱۲۰

من نہ مرد زن وزر و جاہم ‏ ‏ بخدا اگر کنم و گر خواہم
گر تو تاجم دہی ز احسانم ‏ ‏ بہ سرِ تو کہ تاج نستانم

ایک رئیس نے اُن کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا تو اُسے لکھا:

اِنَّ الْمُلُوکَ اِذَا دَخَلُوا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا۔ گوشہ دل ایں گوشہ گرفتہ را بہ تفقد ستائش خود خراب نہ کند جسم حقیر ایں بندہ نہ سزائے حشم خداوندی است" [1]

خواجہ فریدالدین عطار رح نے صوفیانہ " شاعری کی وسعت کا دائرہ نہایت وسیع کر دیا ان کی بدولت قصیدہ، رباعی، غزل تمام اصنافِ سخن تصوف سے مالا مال ہو گئے۔ اُن کے اشعار کی تعداد لاکھ سے زیادہ ہے" [2]

مولانا روم رح فرماتے ہیں ؂

ہفت شہر عشق را عطار گشت
ما ہماں اندر خمِ یک کوچہ ایم

وحدت الوجود کا مضمون خواجہ صاحب رح کی خاص توجہ کا مرکز بنا۔ انھوں نے اکثر اشعار اسی مضمون کے لکھے "وہ نہایت جوش و خروش اور ادعا سے اس کو بار بار کہتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ سیر نہیں ہوتے۔ اُن کا فلسفہ یہ ہے کہ تمام اشیاء میں وہی جاری و ساری ہے اور اسی نے ہر چیز میں حُسن پیدا کر دیا ہے۔ وہ قد میں جلوہ، زلف میں شکن، ابرو میں وسمہ، یاقوت میں آب، مشک میں خوشبو ہے"۔ [3]

تاب در زلف و وسمہ بر ابرو ‏ ‏ سرمہ در چشم و غازہ بر رخسار
رنگ در آب و آب در یاقوت ‏ ‏ بوئے در مشک و مشک در تار تار

حاصل کلام یہ ہے کہ بارہویں صدی کے آخر تک تصوف بہ حیثیت ایک فن کے انتہائے کمال کو پہنچ گیا تھا۔ امام غزالی رح، شیخ اکبر رح، شیخ شہاب الدین سہروردی رح

---

[1] تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی
[2] شعر العجم۔ حصہ پنجم ص: ۱۲۵
[3] شعر العجم۔ حصہ پنجم ص ۱۲۶ - ۱۲۵

Marfat.com

نے اس کا فلسفہ، اصطلاحات، بنیادی مسائل سب کی وضاحت کردی تھی۔ حکیم سنائیؒ اور خواجہ عطارؒ نے عشق الٰہی کی آگ پھونکنے میں اپنے شاعرانہ کمالات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا ——— اب تصوف کا صرف عوامی تحریک بننا باقی تھا۔ تیرہویں صدی میں سلاسل کی تنظیم سے وہ کمی بھی پوری ہوگئی۔

تصوف، تیرہویں صدی میں تیرہویں صدی عیسوی میں روحانی سلاسل وجود میں آئے اور اُن کی تشکیل سے تصوف کی تحریک میں ایک نئی جان پڑگئی۔ اسلامی تصوف کی تاریخ تیرہویں صدی میں ہر اعتبار سے مکمل ہوجاتی ہے۔ حقیقت میں یہ سلاسل اس کے ارتقاء اور نشو ونما کی آخری منزل ہیں۔ آیندہ صدیوں میں تصوف کی تحریک زوال و انحطاط، اصلاح وتجدید کی مختلف حالتوں سے گزرتی رہی، لیکن بنیادی طور پر نہ اُس کے فلسفہ میں کوئی اضافہ ہوا نہ اس کے عملی پروگرام میں کوئی تبدیلی۔ امام غزالیؒ اور شیخ اکبرؒ کے افکار کے گرد تصوف کی ساری دنیا گردش کرتی رہی۔ اِن بزرگوں کی تصانیف کے حاشیوں اور خلاصوں سے باہر نکلنے کی ہمت کسی کو نہ ہوئی، مثنوی مولانا رومؒ نے شاعری کی ساری دنیا کو اپنے اندر جذب کرلیا۔ غرض ہر اعتبار سے تیرہویں صدی میں تصوف کی تحریک معراجِ کمال کو پہنچ گئی تھی۔

اس سے قبل کہ ہم روحانی سلاسل پر بحث کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن حالات کا بھی ایک سرسری جائزہ لے لیں جن میں یہ سلاسل وجود میں آئے۔

عجمی مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی زندگی تو عرصہ سے زوال پذیر تھی ہی لیکن تیرہویں صدی میں یہ اپنی تباہی کی آخری منزل پر پہنچ گئی۔ سیاسی نظام بے جان ہوگیا، اور سماج میں ابتری وانتشار پھیل گیا۔ عطا ملک جوینی کا بیان ہے کہ اگر خوارزم شاہ تلو فوجی افسروں کو طلب کرتا تھا تو دس حاضر ہوتے تھے[۱]۔ زندگی کے ہر ہر شعبہ میں یہ ہی حال تھا۔ ہر طرف لوٹ مار، غارت گری کا دور دورہ تھا۔ صنعت وحرفت اور تجارت تباہ وبرباد ہوچکی تھی۔

---

[۱] تاریخ جہاں کشا۔ (گب میموریل سیریز) ص ۳۵-۳۴

Marfat.com

بغداد کے وہ علاقے جہاں کبھی تاجروں کا ہجوم رہتا تھا، اب کبوتر بازوں کے اڈے بن گئے تھے۔ [1]

اخلاقی زبوں حالی اس سے کہیں زیادہ تھی۔ تمام وہ انسانی اوصاف جو سماج میں فوز و کامرانی، خوش حالی واطمینان کی ضمانت ہوتے ہیں ختم ہو چکے تھے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ سیاسی زوال سے پہلے اخلاقی زوال کی ساری منزلیں طے ہو چکی تھیں۔ عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا زوال منگولوں کے حملہ کا نتیجہ تھا۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ منگولوں کے حملے مسلمانوں کے زوال کا نتیجہ تھے، سبب نہ تھے۔ یہ سنت الٰہی کا نہ ٹلنے والا فیصلہ تھا جس کے مطابق اس فرسودہ نظام کو الٹ دیا گیا تھا۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ	یہ اللہ کا قانون ہے جس کے مطابق تمام
قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ	گزری ہوئی قوموں سے سلوک ہوا۔
تَبْدِيْلًا۔ (۳۳ : ۶۲)	اللہ کے قانون میں تم کبھی تبدیلی نہ پاؤ گے

بہر حال اسلامی دنیا میں سیل تاتار سے بڑھ کر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی۔ ان کی تباہ کاریوں سے عجم کے زرخیز اور لہلہاتے علاقے، بنجر اور ویران ہو گئے۔ ہر طرف تباہی اور بربادی کے مناظر نظر آنے لگے۔ ساری اسلامی دنیا زیر وزبر ہو گئی۔ بغداد جو تارک اسلام کا تاج تھا، خون میں نہا گیا۔ دریائے دجلہ مسلمانوں کی لاشوں سے پٹ گیا اور میلوں تک اس کا پانی لال ہی لال نظر آنے لگا۔ خانقاہیں اور مدرسے بے نور و بے چراغ ہو گئے۔ کتب خانوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ سعدی رح کا یہ جاں سوز مرثیہ جس میں اب بھی سوز دل کی بو آتی ہے، بغداد کے کھنڈرات میں گونجنے لگا ______

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنیں

اے محمدؐ گر قیامت سر بروں آری زخاک
سر بروں آر و قیامت درمیان خلق بیں

---

[1] THE RENAISSANCE OF ISLAM, BY ADAM MEZ P. 7

Marfat.com

——— ان روح فرسا مناظر کو دیکھ کر طبیعتیں خود بخود تصوف کی طرف راغب ہوگئیں۔ انابت، خضوع، تضرع، توکل جو تصوف کے خاص مقامات ہیں خود بخود دل پر طاری ہوگئے۔ شہر ویران ہوئے لیکن دلوں کی اجڑی ہوئی بستیاں آباد ہوگئیں۔

اس زمانے کے صوفیہ نے مسلمانوں کی سیاسی اور ذہنی ابتری کے دردناک نظارے دیکھے تھے۔ اُن پر ان حالات کا بڑا اثر تھا، اُن کی فطرت کا تقاضا تھا ؎

دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کے ذہنی انتشار کو دور کرنے کے لئے سلاسل کی تنظیم شروع کردی۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ سلسلوں کے عروج سے اسلامی سوسائٹی کو جو فائدہ پہنچا وہ یہی تھا کہ مسلمانوں کی پریشان نظری ختم ہوگئی، اُن کی طبیعتیں ایک چیز پر لگ گئیں، اور اُن کے ذہن ایک مرکز پر آگئے، توموں کی زندگی میں سب سے زیادہ خطرناک وقت وہ ہوتا ہے جب سیاسی انتشار، ذہنی انتشار کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ صوفیہ نے "ذہنی انتشار" کو دور کرنے میں جس بالغ نظری کا ثبوت دیا وہ محتاج بیان نہیں۔ اسلامی دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا گوشہ باقی رہا ہو جہاں خانقاہیں قائم نہ ہوئی ہوں اور جہاں عوام کی اصلاح و تربیت کا انتظام نہ کیا گیا ہو۔ جو قوم منگولوں کی چیرہ دستیوں اور سفاکیوں سے مضمحل ہوکر نبضیں چھوڑ چکی تھی، تصوف کے ذریعے سے پھر ایک بار زندہ ہوئی۔ زندگی کی یہ نئی لہر تین طاقتوں کی پیدا کی ہوئی تھی، خدا پر اعتماد اور بھروسہ، انفرادی زندگی کو اجتماعی زندگی کے لئے قربان کردینے کا جذبہ، اور اخلاقی اقدار کو زندہ کرنے کا عزم۔

فطرت کا انداز بھی خوب ہے۔ جب زوال انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو یہ انتہا ہی تجدید و احیاء کی صورتیں پیدا کر دیتی ہے۔ جب تباہی حد سے گزر جاتی ہے تو ترقی کا سامان مہیا کر دیا جاتا ہے۔ شکست میں فتح کے اسباب مہیا کئے جاتے ہیں۔ اور دشمن سے ہمدردی کرادی جاتی ہے۔ منگولوں نے جس بیدردی اور سفاکی کے ساتھ اسلام کے سیاسی اور سماجی نظام کو درہم برہم کیا۔ اس سے کون واقف نہیں! پھر انھیں دشمنانِ اسلام کو حلقہ بگوش اسلام بنا کر ان ہی سے مسلمانوں کی اُجڑی ہوئی

Marfat.com

بستیوں کو از سرِ نو آباد کرنے کا کام لیا گیا ۔

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

خواجہ فرید الدین عطارؒ کو ایک مغل نے شہید کیا ———————— پھر وہی مغل اُن کے مزار کا مجاور بنا!! بغداد کی جامع القصر کو ہلاکو کے حکم سے تباہ کیا گیا، اور پھر اسی کے حکم سے اس کی مرمت کی گئی!!!

اس عہد کے اُن شعراء میں جنھوں نے حالاتِ گرد و پیش سے متاثر ہو کر تصوف کی طرف رُخ کیا اور پھر ساری فضاؤں کو صوفیانہ جذبات سے معمور کر دیا، مولانا رومؒ شیخ سعدیؒ، اوحدیؒ اور عراقیؒ خاص طور سے مشہور ہیں ۔

مولانا رومؒ، ابتدائی زمانہ میں علم ظاہری کے ماہر تھے، بڑے تزک و احتشام سے اُن کی سواری نکلتی تھی، ایک دن شمس تبریزؒ نے سواری روک لی، اور حکیم سنائی کا یہ شعر پڑھا ۔

علم کز تو ترا نہ بستاند
جہل از اں علم بہ بود بسیار

مولانا پر ایسا اثر ہوا کہ علمِ ظاہری سے طبیعت ہٹ گئی، اور علمِ باطنی کی طرف رغبت پیدا ہو گئی ۔ اور پھر مشاہیر صوفیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ دمشق میں طالب علمی کے زمانے میں شیخ محی الدین ابن عربیؒ سے ملاقات ہوئی تھی ۔ بعد کو اُن کے مرید خاص مولانا صدر الدین قونویؒ سے صحبتیں رہیں ۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے بھی فیض حاصل کیا ۔

مولانا رومؒ کی مثنوی اُن کی شہرت دوام کا باعث بنی ۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں:

" فارسی زبان میں جس قدر کتابیں نظم یا نثر میں لکھی گئی ہیں، کسی میں ایسے دقیق نازک اور عظیم الشان مسائل اور اسرار نہیں مل سکتے جو مثنوی میں کثرت سے پائے جاتے ہیں ۔ فارسی پر موقوف نہیں اس قسم کے نکات اور دقائق کا عربی تصنیفات میں مشکل سے

Marfat.com

پتہ لگتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر علماء اور اربابِ فن نے مثنوی کی طرف تمام اور کتابوں کی نسبت زیادہ توجہ کی، اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ مصرعہ

ہست قرآں درزبان پہلوی — تو کچھ تعجب کی بات نہیں[1]

اس دور کے ایک مشہور صوفی بزرگ اور عالم شیخ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النودوی (م ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء) تھے۔ انھوں نے اپنی دو تصانیف ریاض الصالحین[2] اور بستان العارفین[3] میں تصوف کے اخلاقی پہلو کو خصوصیت کے ساتھ اجاگر کیا۔ اسی طرح مصر کے ایک مشہور صوفی بزرگ شیخ عزالدین ابو محمد عبدالعزیز الدمیری الدھری (م ۶۹۰ھ/۱۲۹۱ء) کے بعد انے اپنی کتاب طہارۃ القلوب والخضوع لعلام الغیوب[4] میں قلب کی صفائی اور نیت کی پاکیزگی پر زور دیا۔

اس زمانے میں ایک طرف اگر شعراء نے اپنے دل گداز اشعار کے ذریعے صوفیانہ خیالات کی ترویج و اشاعت کی تو دوسری طرف اکابر مشایخ نے روحانی سلاسل کی ترتیب و تنظیم سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ ولایتوں کی تقسیم اور قطب، ابدال وغیرہ کی نوعیت پر عموماً تو ہمانہ سطح پر غور کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ منگولوں کی پیدا کی ہوئی ذہنی ابتری کو مشایخ نے اس طرح پر ختم کیا کہ چپہ چپہ پر اپنا روحانی نظام قائم کر دیا اور ہر جگہ لوگوں کی اصلاح و تربیت کے لئے مقامی ذمہ داری کے ساتھ کوششیں کیں۔

---

[1] سوانح مولانا روم۔ ص ۶۹

[2] ریاض الصالحین کا ایک قدیم (غالباً قدیم ترین) نسخہ بانکی پور کے کتب خانہ میں موجود ہے (ج ۱۳، ص ۸، نمبر ۸۹۳)۔ اس کا سنہ کتابت ۶۸۱ھ ہے۔ نسخہ کے اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ دمشق کے دارالحدیث نوریہ میں ابن العطار نے اس پر درس دئے تھے اور علمی حلقوں میں یہ کتاب خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔

[3] قلمی نسخے بانکی پور (نمبر ۸۹۴) برلن (نمبر ۳۰۱۸) وغیرہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

[4] یہ کتاب ۱۲۹۷ھ میں بولاق سے شایع ہوئی تھی۔

باب چہارم

سلسلوں کا نشو ونما اور ہندوستان میں ورود

گذشتہ صفحات میں اُن سماجی اور مذہبی حالات کا جائزہ لیا گیا ہے جن سے متاثر ہو کر مشایخ نے تنظیم سلاسل کی طرف توجہ کی۔ اب وقت کا مطالبہ تھا کہ تصوف کی تحریک کو عوامی سطح پر منظم کیا جائے۔ یہ کام سلسلوں کی باقاعدہ تنظیم کے ذریعہ ہی انجام پا سکتا تھا۔ تصوف کی تحریک مختلف علاقوں اور مختلف زمانوں میں جس طرح آگے بڑھ سکتی تھی اس پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے ایک بار ضیاء الدین برنی سے فرمایا تھا:

"حق تعالیٰ در ہر عصرے بہ حکمت	خدا تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اپنی حکمت
بالغہ خود خاصیتے نہادہ است تا در	بالغہ کی ایک خاصیت پیدا کی ہے۔
مردم آں عصر طریق و رسم و عادتے	یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ کے آدمیوں کا
علاحدہ پیدا می آید چنانکہ مزاج	طریقہ اور رواج و رسم علیحدہ اور جدا
وطبیعت ایشاں باطبائع واخلاق	ہوتا ہے اور زمانہ کی رفتار لوگوں
گذشتگاں بازنمی نماید مگر در نوادر	میں اس درجہ اثر کرتی ہے کہ زمانہ
مردم وایں معنی از تجارب است"	موجودہ کے لوگوں کے مزاج اور

ؔ سیر الاولیاء ص ۳۴۶-۳۴۷؛ ترجمہ ص ۳۴۵۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

طبیعت گذشتہ لوگوں کے اخلاق
وطبائع کے ساتھ بالکل مشابہت نہیں
رکھتے البتہ بہت کم آدمی ایسے ہوتے
ہیں جن کی طبیعتیں پہلے لوگوں کی طبیعتوں
سے ملتی جلتی ہیں اور یہ بات تجربات
سے خوب واضح ہوتی ہے۔

وقت اور حالات کے اسی تقاضے نے تنظیم سلاسل کی راہ دکھائی اور تدوین فکر سے ہٹ کر تصوف کی تحریک کو عوامی تحریک بنانے کی طرف توجہ مرکوز ہوگئی۔ مشایخ کی تنظیمی جدوجہد نے رفتہ رفتہ منظم اور باقاعدہ سلسلوں کی شکل اختیار کرلی اور ایک وقت وہ آیا جب اسلامی دنیا کے گوشہ گوشہ میں روحانی سلسلوں کی داغ بیل پڑگئی اس طرح اسلامی سوسائٹی کی تجدید واحیار کا نیا سامان مہیا ہوگیا۔ قنوطیت، پژمردگی، اور بے عملی کی جس فضا نے معاشرہ پر ایک مُردنی سی طاری کردی تھی، اس کو ایمان وعمل کی قوتیں بیدار کرکے دور کیا گیا۔ اس جدوجہد کے پیچھے یہ احساس تھا کہ اگر صحت مند معاشرہ پیدا کردیا گیا تو پھر ہر نظام خواہ وہ دینی ہو یا سیاسی صحیح سمت میں سرگرم عمل ہوسکے گا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی ایک مجلس (۲۲ر شوال ۵۴۵ھ) میں اعلان کیا تھا ـــــ

"صاحبو۔ اتباع کرو یہاں تک کہ متبوع بن جاؤ۔ خدمت کرو یہاں تک کہ مخدوم بنو۔ اتباع کرو قضا وقدر کی اور ان کے خادم بنے رہو یہاں تک کہ وہ تمہاری تابعدار اور خدمت گزار بن جاویں۔ تم جھکو اُن کے سامنے وہ جھک جائیں گی تمہارے سامنے۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ "جیسا تو معاملہ کرے گا ویسا تیرے ساتھ معاملہ کیا جائے گا"۔ جیسے تم ہوگے ویسے (حاکم) تم پر مسلط ہونگے۔

ـــــ (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ـــــ

شیخ نے اسی حکمت کو اپنے اِس عمل کا جواز قرار دیا تھا کہ وہ ہرکس وناکس کو اپنے سلسلہ میں داخل کرلیتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ تصوف کی تحریک کو اپنے حالات کے پیشِ نظر عوامی تحریک بن جانا چاہیئے۔

Marfat.com

(گویا) تمہارے اعمال ہی (مجسم ہو کر) تمہارے افسر بنیں گے"! [1]

اس تعلیم نے عوام میں یہ احساس بیدار کر دیا کہ اُن کے عمل سے ایک جہانِ نو کی تعمیر و تشکیل ممکن ہے اور اگر وہ اپنی اخلاقی اور دینی حالت درست کر لیں تو پورا معاشرہ اور سیاسی نظام صحیح ہو سکتا ہے۔

سلسلوں کی تنظیم میں یہ اصول خاص طور پر کارفرما نظر آتے ہیں ——

(۱) مشایخ نے جس جگہ بھی جو سلسلہ قایم کیا وہاں کی عام ذہنی فضا، جغرافیائی حالات بسنے والوں کے رسوم و اطوار، عادات و خصائل اور فکری پس منظر کو پوری طرح نظر میں رکھا۔ اس طرح سلسلوں کا نظام نہ صرف اُس علاقہ کے ذہنی اور فکری ماحول سے ہم آہنگ ہو گیا بلکہ اُس کے نشو و نما کے لئے بھی حالات پوری طرح سازگار ہو گئے۔ علاوہ ازیں روحانی تربیت کے لئے جو اشغال تجویز کئے گئے اس میں بھی اُس علاقے کے لوگوں کے مزاج کا خاص لحاظ رکھا گیا۔ شاہ ولی اللہ رح نقش بندی سلسلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ان الشیخ بہاء الدین نصب مجددا الاحسان فی ارض الترک وکانوا قوی لبهیمیة وکان هو مجذوبا قد قبل سره الملکی نورا الهیا وتدلیا فتولد من نسبته وتربیته طریقة مفیدة غائد الافادیة [2]

شیخ بہاء الدین (نقشبند) ترکوں کی سرزمین میں مقام احسان کی تجدید کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ ترک قوم میں بہیمی قوت بہت زیادہ زوردار تھی حضرت شیخ مجذوب تھے اُن کے ملکی سرّ نے الٰہی نور اور تدلی کو قبول کر لیا تھا اسی لئے آپ کی نسبت اور آپ کی تربیت کا جو خاص قاعدہ تھا اسی سے ایک ایسا مفید طریقہ نکل آیا جو حد سے زیادہ نفع بخش ثابت ہوا۔

---

[1] فتح الربانی اردو ترجمہ مولانا عاشق الٰہی (دہلی ۱۳۳۹ھ) ص ۵۱ - ۵۰

[2] تفہیمات الٰہیہ۔ ج ۱ ص ۸۶

Marfat.com

(۲) منظم اور موثر طریقے پر کام کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ہر شخص کا دائرۂ عمل واضح اور متعین ہو۔ اس ضمن میں تصورِ "ولایت" مددگار ثابت ہوا اور مخصوص علاقائی ذمہ داری کے ساتھ مشایخ کے منظم گروہ اسلامی دنیا کے چپہ چپہ پر پھیل کر اصلاح و تربیت کے کام میں مصروف ہو گئے۔

مولوی عبدالغفور داناپوری نے نصح العباد فی وجود القطب والابدال والاوتاد[1] میں تمام وہ احادیث اور اقوال مشایخ نقل کر دیئے ہیں جن سے تصور ولایت، قطب وغیرہ پر روشنی پڑتی ہے۔ شیخ علی ہجویری رحہ نے اس پر اجمالی گفتگو کی ہے[2] اور اس تصور کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں ـــ

"بدانی خداوند تعالیٰ را اولیاست کہ ایشاں را بدوستی و ولایت مخصوص گردانیدہ است و والیان ملک اویند..."[3]

"ولایت" اور "قطب و ابدال" کے تصور کا اصل مقصد چھوٹے بڑے علاقوں میں ایک روحانی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ منظم طریقہ پر کام کرنا تھا۔ بعد کو صرف تصور رہ گیا روح فنا ہو گئی۔ اسی طرح آخری زمانہ میں نقشبندی مجددی سلسلہ میں "قیوم" کا تصور سماجی اور دینی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے وضع کیا گیا تھا لیکن یہ تصور وہ افادیت حاصل نہ کر سکا جو دور اول میں "تصور ولایت" نے حاصل کر لیا تھا۔

(۳) اس دور کے مشایخ نے اگر ایک طرف اسلامی سوسائٹی کو نکبت اور پستی سے نکالنے کی کوشش کی تو دوسری طرف تبلیغ و اشاعت کے کام میں بھی سرگرم رہے۔ خواجہ احمد اتا یسوی رحہ نے ترکوں کو حلقہ بگوش اسلام بنایا، شیخ سعد الدین حموی رحہ اور ان کے منسلکین نے منگولوں کو دامن اسلام میں کھینچ لیا، خواجہ معین الدین چشتی رحہ نے ہندوستان

---

[1] مطبع نامی لکھنؤ ۱۳۰۸ھ

[2] کشف المحجوب (مطبع پنجابی لاہور) ص ۱۲۵ - ۱۲۴

[3] مکتوبات حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، (نول کشور) ص ۲۵ - ۲۴

Marfat.com

میں ایک مذہبی اور سماجی انقلاب کی بنیاد ڈالی۔ اگر اس دور کے مشاہیر صوفیہ کے کارناموں کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ انھوں نے نہ صرف اسلامی سوسائٹی کے عروق مردہ میں زندگی کا نیا خون دوڑایا بلکہ اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے ایک انتہائی موثر طریقہ کار فراہم کر دیا۔ صوفیہ متقدمین نے اب تک جو خدمات انجام دی تھیں ان کا دائرہ بیشتر فکری اور نظری تھا۔ اب میدان عمل میں داخل ہونے کا وقت تھا۔ چنانچہ انھوں نے سارے فکری سرمایہ کو تجدید واحیاء، دعوت وعزیمت کے میدان میں ڈال کر اپنی صلاحیتوں کو اس طرف لگا دیا۔ شیخ نجم الدین کبریٰ رح خواجہ فرید الدین عطار رح اور بہت سے مشاہیر مشایخ کو اپنے سر دھڑ کی بازی لگانی پڑی اور آگ وخون کے دریا سے گزرنا پڑا لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ ہوئی اور بالآخر ان کی کوششوں سے ایک "جہانِ تازہ" کا نقشہ افق پر ابھرنے لگا۔ فتنۂ تاتار کے بعد اسلامی سوسائٹی کی نشاۃ ثانیہ ان ہی بزرگوں کی کوششوں کی رہینِ منت ہے۔

سلسلوں کی ابتداء تاریخی اعتبار سے یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں کہ سب سے پہلے کونسا سلسلہ وجود میں آیا۔ اس ضمن میں بعض حقائق کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) حضرت شیخ علی ہجویری رح نے کشف المحجوب میں جن گروہوں کا ذکر کیا ہے وہ حقیقت میں سلسلہ کی تعریف میں نہیں آتے۔ اُن کی نوعیت چھوٹے چھوٹے مکاتیب فکر کی تھی جن کی بنیاد پر بعد کو سلاسل منظم ہوئے۔

(۲) تصوف کے ابتدائی دور کی بعض ممتاز اور مرکزی شخصیتوں سے سلسلہ کا رشتہ بعد کو جوڑا گیا تھا۔ فکری اعتبار سے بعض بعد کے مشایخ کا ان مرکزی شخصیتوں سے متاثر یا منسلک ہونا تسلیم کیا جا سکتا ہے، لیکن تنظیمی حیثیت سے ان کا تعلق ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ شاہ ولی اللہ رح نے صحیح لکھا ہے۔

پس صوفیہ صافیہ ارتباط ایشاں در زمن اول بصحبت وتعلیم وتادیب بآداب تہذیب نفس بودہ است نہ	صوفیہ صافیہ جو اول زمانہ میں ہوئے ہیں تو ان کا ارتباط محبت اور تعلیم اور نفس کی تہذیب کے آداب سے مودب ہونے

Marfat.com

بخرقہ وبیعت [1]

سے تھا۔ اس وقت خرقہ اور بیعت نہ تھی۔

(۳) بعض متقدمین صوفیہ سے رشتہ جوڑنے کی جو کوشش مختلف خانوادوں نے کی۔ اس کے پیچھے فکری ارتباط اور روحانی تاثر کا احساس کارفرما تھا۔ بعض صورتوں میں ایک ہی مرکزی شخصیت سے مختلف مشایخ نے اپنے سلسلہ کو منسلک کرلیا۔ مثلاً حضرت شیخ معروف کرخی رح (م ۸۱۵ء) سے شیخ ابو علی الدقاق رح (م ۱۰۱۶ء) شیخ جعفری الخلدی رح (م ۹۵۹ء) اور صدرالدین محمد حمویہ رح (م ۱۲۲۰ء) کے طریقوں کو جوڑ دیا گیا۔

(۴) بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوا کہ سلسلہ کی واضح شکل اور نظام شیخ کے وصال کے کافی عرصہ بعد وجود میں آیا۔ مثلاً ہرچند کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رح کا حلقۂ اثر دُور دُور پھیلا ہوا تھا اور اُن کے منسلکین و معتقدین عرب و عجم کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے، لیکن سلسلہ کی تنظیمی شکل اُن کے وصال سے کم و بیش ۵۰ سال بعد ظاہر ہوئی۔

(۵) بایں ہمہ تقدم کے اعتبار سے یہ تین سلسلے سرفہرست رکھے جا سکتے ہیں۔ سلسلہ خواجگان، سلسلہ کبرویہ اور سلسلۂ قادریہ۔ صوفیہ کے بہت سے سلسلے حقیقتاً ان ہی سلسلوں کی شاخیں ہیں جو مختلف علاقوں میں مختلف ناموں سے وجود میں آئیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رح نے مختلف روحانی سلسلوں کے دائرہ اثر و نفوذ کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

بالجملہ طریقہ قادریہ مشہور ترین طرق است در عرب و ہندوستان، ونقشبندیہ در ہندوستان و ماوراء النہر شہرت تمام دارد، و در حرمین نیز شائع شدہ، و چشتیہ در ہندوستان بسیار مشہور است، و سہروردیہ

حاصل کلام یہ کہ سب طریقوں سے قادریہ طریقہ عرب اور ہندوستان میں بہت مشہور رہے، اور نقشبندیہ ملک ہندوستان اور ماوراء النہر میں بہت مشہور رہے اور حرمین میں بھی شائع ہوا ہے اور چشتیہ طریقہ

---

[1] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (مطبع احمدی ۱۳۱۱ھ) ص ۳ - ۲

Marfat.com

در نواحی خراسان وکشمیر وسندھ، کبرویہ در توران وکشمیر، وشطاریہ در ہندوستان، وشاذلیہ در مغرب ومصر وسوڈان ومدینہ فی الجملہ در مغرب وعیدروسیہ در حضرموت" [1]

ہندوستان میں بہت مشہور ہے اور سہروردیہ خراسان وکشمیر وسندھ کے نواحی میں اور کبرویہ طریقہ توران وکشمیر میں، اور شطاریہ ہندوستان میں، اور شاذلیہ مغرب ومصر اور سوڈان اور مدینہ میں فی الجملہ مغرب میں، اور عیدروسیہ طریقہ حضرموت میں

صوفی سلسلے عالم اسلام میں صوفیہ کے اُن سلسلوں کی تعداد جنہوں نے عالم اسلامی کے مختلف حصوں میں تبلیغ واشاعت، اصلاح وتربیت، دعوت وعزیمت کا انقلاب برپا کیا تھا کئی سو سے متجاوز ہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ ہنوز کوئی جامع اور مکمل تحقیقی کام ان پر نہیں کیا گیا۔ ۱۸۸۴ء میں لوئی رن LOUIS RINN نے اپنی کتاب MARABOUTS ET KHOUAN الجزائر سے شائع کی تھی، جس میں الجزائر کے صوفی سلسلوں کا حال درج تھا۔ پھر تین سال بعد شتیلیر H. LE CHATELIER نے اپنی کتاب LES CONFRERIES MUSALMANES DU HEDJAZ میں اس کام کو آگے بڑھایا۔ میسی نیون MASSIGNON نے اپنے مضمون 'طریقہ' (مطبوعہ ENCY. OF ISLAM) میں دو سو سے زائد روحانی سلسلوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک حالیہ تصنیف THE SUFI ORDERS IN ISLAM میں ٹرمنگھم TRIMINGHAM, J.S. نے سلسلوں کے نشو ونما سے متعلق بحث کی ہے۔ یہ کوششیں اپنی جگہ لائق داد ہیں لیکن سلسلوں پر ایک مبسوط کتاب کی ضرورت ابھی اپنی جگہ باقی ہے۔ ان سب فہرستوں کی مدد سے سلسلوں کی ایک محدود فہرست یہاں پیش کی جا رہی ہے۔ اس موضوع کو اگر پھیلایا جائے تو مستقل تصنیف بن جائے۔ اس لئے یہاں صرف چند

---

[1] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۹

اہم ناموں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس میں بعض وہ سلاسل بھی شامل ہیں جو انیسویں یا بیسویں صدی میں وجود میں آئے یا جن کی حیثیت کسی بڑے سلسلے کی شاخ کی ہے:

(۱) اَدھَمیہ۔ (ترکی اور شام میں)
(۲) اَحمدیہ۔ مصری طریقہ (بے شمار شاخیں مثلاً شنادیہ، اَنبابیہ وغیرہ)
(۳) عبدروسیہ۔ (سلسلہ کبراویہ کی یمنی شاخ)
(۴) اَکبریہ
(۵) علویہ
(۶) علاّویہ (درقاوہ کی الجزائری شاخ)
(۷) امیرِغنیہ (ادریسیہ کی شاخ نوبہ میں)
(۸) عماریہ (الجزائر اور تونس میں سلسلہ قادریہ کی شاخ)
(۹) عرُوسیہ (قادریہ سلسلہ کی طرابلسی شاخ)
(۱۰) عاشقیہ
(۱۱) اشرَفیہ (قادریہ سلسلہ کی ترکی شاخ)
(۱۲) عوامِریہ (سلسلہ عیسویہ کی تونسی شاخ)
(۱۳) عَزُوزیہ (تونس کا سلسلہ)
(۱۴) بابائیہ (ترکی سلسلہ)
(۱۵) بَدَویہ
(۱۶) بَیرمیہ (صفویہ سلسلہ کی ترکی شاخ)
(۱۷) بیومیہ
(۱۸) بکائیہ (قادریہ سلسلہ کی سوڈانی شاخ)
(۱۹) بَکرِیہ
(۲۰) بنّاوہ (قادریہ کی شاخ دکن میں)
(۲۱) بِکتاشیہ

(۲۲) بَیبریہ (صقلیہ کا سلسلہ)

(۲۳) بسطامیہ

(۲۴) بوعلیہ (الجزائر اور مصر میں قادریہ کی شاخ)

(۲۵) بُحوریہ

(۲۶) بُونوحیہ (جنوبی مراکش کا ایک سلسلہ)

(۲۷) بُرھانیہ (مصر)

(۲۸) دردیریہ (خلوتیہ سلسلے کی مصری شاخ)

(۲۹) درقاوہ (سلسلہ جزولیہ کی الجزائری و مراکشی شاخ)

(۳۰) دسُوقیہ

(۳۱) ذھبیہ (سلسلہ کبراویہ کا فارسی نام)

(۳۲) جَہریہ (یمنی سلسلہ)

(۳۳) جلالیہ بخاریہ (سہروردیہ سلسلہ کی شاخ اوچھ میں)

(۳۴) جِلوتیہ (سلسلہ صفویہ کی ترکی شاخ)

(۳۵) جَمالیہ (سہروردیہ کی ایرانی شاخ)

(۳۶) جرّاحیہ (سلسلہ خلوتیہ کی ترکی شاخ)

(۳۷) جَزُولیہ (مراکش میں سلسلہ شاذلیہ کی شاخ)

(۳۸) جِباویہ

(۳۹) جلالہ (سلسلہ قادریہ کا مراکشی نام)

(۴۰) جُنیدیہ

(۴۱) فِردوسیہ (کبراویہ کا ہندوستانی نام)

(۴۲) غوثیہ (شطاریہ سلسلہ کی ہندی شاخ)

(۴۳) غزالیہ

(۴۴) غازیہ (جنوبی مراکش میں سلسلہ شاذلیہ کی شاخ)

Marfat.com

(۴۵) گلشنیہ
(۴۶) گرزمار (سلسلہ قادریہ کی ایک ہندی شاخ)
(۴۷) حبیبیہ (شاذلیہ کی شاخ)
(۴۸) حدّادیہ
(۴۹) حداوہ (مراکش کے سیاح فقیروں کا سلسلہ)
(۵۰) حفنویہ (خلوتیہ سلسلہ کی مصری شاخ)
(۵۱) حیدریہ (قلندریہ سلسلہ کی ایرانی شاخ)
(۵۲) حاکمیہ
(۵۳) حلاجیہ
(۵۴) ہمدانیہ (سلسلہ کبراویہ کی کشمیری شاخ)
(۵۵) حمادشہ (الزرہون میں سلسلہ جزولیہ کی مراکشی شاخ)
(۵۶) حمزاویہ
(۵۷) حنصلیہ (مراکش کا ایک چھوٹا سلسلہ)
(۵۸) حریریہ (حوران میں رفاعیہ کی شاخ)
(۵۹) حاتمیہ
(۶۰) ہدائیہ
(۶۱) حلمانیہ
(۶۲) حلولیہ
(۶۳) حروفیہ
(۶۴) اباحیہ
(۶۵) ادریسیہ (سلسلہ خاضریہ کی شاخ)
(۶۶) اغتِ باشیہ (خلوتیہ کی ترکی شاخ)
(۶۷) اغتِ شاشیہ (کبرویہ کی خراسانی شاخ)

Marfat.com

(۶۸) عیسَویہ (مکناسہ میں جزولیہ کی مراکشی شاخ)
(۶۹) اِشرَاقیہ
(۷۰) اسمعیلیہ
(۷۱) اِتحَادِیہ
(۷۲) قادِریہ
(۷۳) قلندریہ
(۷۴) کرّائیہ (تونس کا چھوٹا سلسلہ)
(۷۵) کَرزازِیہ (شاذلیہ کی شاخ)
(۷۶) قَصاریہ
(۷۷) مَلاَمتیہ
(۷۸) گازرونیہ (ایران)
(۷۹) خاضِریہ (مراکشی سلسلہ)
(۸۰) خَفیفیہ
(۸۱) خَفِیہ (ترکستان اور چین)
(۸۲) خلیلیہ (تونس کا چھوٹا سلسلہ)
(۸۳) خلوَتیہ (خراسان)
(۸۴) خُمّوسیہ (تونس کا ایک سلسلہ)
(۸۵) خرّازِیہ
(۸۶) خواطریہ (سلسلہ مدنیہ کی حجازی شاخ)
(۸۷) خَواجگان
(۸۸) کُبرَویہ
(۸۹) قونیاویہ
(۹۰) قشیریہ

Marfat.com

(۹۱) مَدَنیہ (شاذلیہ کا پہلا نام)

(۹۲) مَداریہ (ہندوستان)

(۹۳) مَغربیہ

(۹۴) مَلامیہ (ترکی سلسلہ بیرمیہ کی شاخ)

(۹۵) مَنصُوریہ

(۹۶) مَرازقہ

(۹۷) مَشیشیہ (مراکش)

(۹۸) مَتبُولیہ (مصر)

(۹۹) مَولَویہ (اناطولی سلسلہ جلال الدین رومی رح)

(۱۰۰) مُحمدیہ

(۱۰۱) مُحاسبیہ

(۱۰۲) مُرادیہ (ترکی)

(۱۰۳) مُشارِعیہ (یمن)

(۱۰۴) مُطاوعہ

(۱۰۵) نقشبندیہ

(۱۰۶) ناصِریہ (شاذلیہ کی شاخ)

(۱۰۷) نِعمت اللّٰہیہ (کرمان میں ایرانی شیعوں کا سلسلہ)

(۱۰۸) نیازیہ (ترکی)

(۱۰۹) نبُوِیہ (شام)

(۱۱۰) نُورالدّینیہ

(۱۱۱) نُوربخشیہ

(۱۱۲) نُوریہ

(۱۱۳) پیرحاجات (افغانستان)

(۱۱۴) رحالیہ (مراکش)
(۱۱۵) رحمانیہ
(۱۱۶) رشیدیہ (الجزائر)
(۱۱۷) رسول شاہیہ (گجرات)
(۱۱۸) روشنیہ (ترکی، قاہرہ)
(۱۱۹) رفاعیہ (عراق، شام، مصر)
(۱۲۰) رکنیہ (بغداد)
(۱۲۱) رومیہ
(۱۲۲) سبعینیہ
(۱۲۳) سعدیہ (رفاعیہ سلسلہ کی شامی شاخ)
(۱۲۴) صفویہ (اردبیل میں سہروردیہ کی شاخ)
(۱۲۵) سہلیہ
(۱۲۶) سقطیہ
(۱۲۷) سلامیہ (عروسیہ)
(۱۲۸) سالمیہ
(۱۲۹) سمانیہ (مصر)
(۱۳۰) سنانیہ (تونس)
(۱۳۱) سنوسیہ
(۱۳۲) ساسانیہ (شام)
(۱۳۳) سیاریہ
(۱۳۴) شعبانیہ (ترکی)
(۱۳۵) شاذلیہ
(۱۳۶) شاہ مداریہ

Marfat.com

(۱۳۷) شیخیہ
(۱۳۸) شمسیہ (ترکی)
(۱۳۹) شرقاوہ (مراکش)
(۱۴۰) شرقاویہ (خلوتیہ سلسلہ کی مصری شاخ)
(۱۴۱) شطاریہ
(۱۴۲) شوذیہ (ہسپانوی)
(۱۴۳) صدیقیہ
(۱۴۴) سنان اُمیہ (ترکی)
(۱۴۵) سہیلیہ (الجزائر)
(۱۴۶) سہروردیہ
(۱۴۷) سلطانیہ (ترکستان)
(۱۴۸) سنبلیہ (ترکی)
(۱۴۹) تبائیہ (تونس)
(۱۵۰) طیبیہ (مراکش)
(۱۵۱) طیفوریہ
(۱۵۲) طالبیہ (مراکش)
(۱۵۳) تلقینیہ
(۱۵۴) تجانیہ (الجزائر اور مراکش)
(۱۵۵) چشتیہ
(۱۵۶) تہامیہ
(۱۵۷) علوانیہ (ترکی)
(۱۵۸) اُمّی سنانیہ (ترکی سلسلہ)
(۱۵۹) عرابیہ (قادریہ سلسلہ کی ایک شاخ)

Marfat.com

(۱۶۰) عشقیہ

(۱۶۱) عشاقیہ (ترکی)

(۱۶۲) اویسیہ (ترکی)

(۱۶۳) دفائیہ (شام)

(۱۶۴) وحدتیہ

(۱۶۵) وارث علی شاہیہ

(۱۶۶) وصولیہ

(۱۶۷) یسویہ (ترکستان)

(۱۶۸) یونسیہ (شام)

(۱۶۹) یوسفیہ (ملیانہ میں شاذلیہ کی مغربی شاخ)

(۱۷۰) زروقیہ (شاذلیہ کی ایک شاخ)

(۱۷۱) زینیہ (بورسہ میں سلسلہ سہروردیہ کی ترکی شاخ)

(۱۷۲) زیانیہ (شاذلیہ کی مغربی شاخ)

(۱۷۳) زرکقیہ

ہم تاریخ کے جس موڑ پر (یعنی بارہویں، تیرہویں صدی عیسوی میں) سلسلوں کی تشکیل اور نشو ونما سے بحث کر رہے ہیں اس کے پیش نظر ضروری ہے کہ صرف سلسلہ خواجگان، قادریہ سلسلہ، چشتیہ سلسلہ، کبرویہ سلسلہ اور فردوسیہ سلسلہ کے اجمالی حالات بیان کر کے اپنے اصل موضوع کی طرف لوٹ جائیں۔

سلسلہ خواجگان | یہ سلسلہ ترکستان میں قایم ہوا اور بہت جلد ترکوں کی ثقافتی اور روحانی زندگی کا اہم جزو بن گیا۔ خواجہ احمد یسوی رح (م ۱۱۶۶ء)[1] کو جو اس سلسلہ کے سرخیل ہیں، خواجہ فریدالدین عطار رح نے "پیر ترکستان" کے لقب سے یاد کیا ہے[2]

---

[1] رشحات (مطبع نول کشور ۱۹۱۲ء) ص ۹ - ۸

[2] منطق الطیر (بمبئی ۱۲۹۷ھ) ص ۳ - ۱۸۲

Marfat.com

ترک اُن کو اتا کہتے ہیں[1]۔ وہ ترکی زبان کے قدیم ترین شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اُن کے اشعار میں صوفیانہ جذبات کی فراوانی ہے۔ یسی جہاں شیخ اتا رح نے ارشاد و تلقین کا مرکز قایم کیا تھا، ترکستان میں ایک قریہ تھا، اب کازاختان میں شامل ہے۔ تیمور نے اُن کا عالی شان مقبرہ تیار کرایا تھا۔[2]

خواجہ اتا رح کے بعد خواجہ عبدالخالق غجدوانی رح (م ۱۱۷۹ء)[3] نے سلسلہ کے رُوحانی نظام کو مخصوص تصورات کے ذریعہ مستحکم کیا۔ انھوں نے ہوش در دم، نظر بر قدم، سفر در وطن، خلوت در انجمن، یاد کرد، بازگشت، نگاہ داشت، یاد داشت[4] اصطلاحات وضع کیں جن کو آج تک سلسلہ خواجگان کے رُوحانی نظام میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

خواجہ اتا رح اور خواجہ غجدوانی رح کے بعد جس بزرگ نے سلسلہ خواجگان کو مقبول عام بنانے میں بے پناہ جدوجہد کی وہ خواجہ بہاء الدین نقشبند رح (م ۷۹۱ھ/۱۳۸۸ء)[5] تھے۔ اُن کے بعد سلسلہ خواجگان "نقشبندیہ" کے نام سے مشہور ہوگیا۔ خواجہ نقشبند رح نے اتباع سنت پر خاص زور دیا۔ اور اعلان کیا:

> طریقۂ ما عروۃ الوثقیٰ است، چنگ در ذیل متابعت حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم زدنست واقتدار بآثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کردنست

---

[1] ترکی زبان میں "اتا" کے معنی باپ کے ہیں۔ ترک احتراماً اپنے مشایخ کو اتا کے لقب سے پکارتے تھے۔ رشحات میں بہت سے متقدمین مشایخ کے نام کے ساتھ لفظ "اتا" استعمال کیا گیا ہے۔

[2] "حضرت صاحب قران بہ قریہ یسی بزیارت شیخ احمد یسوی توجہ فرمود.... و بہ تعمیر آں مزار مبارک اشارت عالی ارزانی داشت و عمارتے معتبر اساس انداختند"، ظفرنامہ یزدی ص ۱۰-۹ (کلکتہ ایڈیشن)

[3] حالات کے لئے نفحات الانس ص ۴۱-۳۳۹؛ رشحات ص ۲۷-۱۸

[4] اصطلاحات کی وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو قول الجمیل ص ۶۸-۶۲

[5] نفحات الانس ص ۳۴۹-۳۴۵؛ رشحات ص ۵۷-۵۳

Marfat.com

..... وہرکہ ازیں طریقۂ ما روئے بگرداند خطر دین دارد۔ [1]

تیمور کو اُن سے خاص عقیدت تھی۔ کہتے ہیں کہ اس کی موت پر خواجہ صاحبؒ نے فرمایا تھا: "مرد و ایمان برد"۔[2] خواجہ عبید اللہ احرارؒ[3] (م ۸۹۵ھ) نے نقشبندی سلسلہ کا دائرہ اثر و اقتدار بہت وسیع کر دیا تھا اور اس زمانہ کے بیشتر ترک اور مغل فرمانروا، جن میں بابر کا باپ عمر شیخ مرزا بھی شامل تھا، اُن سے گہری عقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔ اُن کو روحانی بزرگی کے ساتھ ساتھ مادی دولت بھی حاصل تھی۔ جامی نے لکھا ہے ؎

چو فقر اندر لباس شاہی آمد
بہ تدبیر عبید اللّٰہی آمد

مجدد صاحبؒ نے اپنے مکتوبات میں ان کا ایک قول نقل کیا ہے کہ فرمایا کرتے تھے:

"اگر ما شیخی می کردیم، دریں روزگار ہیچ شیخ مریدی نمی یافت، لیکن ما را کار دیگر فرمودہ اند کہ مسلماناں را از شر ظلمہ نگاہ داریم۔ بواسطۂ ایں بہ بادشاہاں بایست اختلاط کردن و نفوس ایشاں را مسخر گردانیدن و بتوسط ایں عمل مقصود مسلمین برآوردن"۔ [4]

اگر ہم شیخی ہی کو (اپنا مقصود) بنا لیتے تو اس زمانے میں کسی اور شیخ کو ایک مرید بھی نہ ملتا۔ لیکن ہمارے سپرد ایک اور کام کیا گیا ہے (اور وہ یہ ہے) کہ مسلمانوں کو ظلم سے بچائیں۔ اسی وجہ سے بادشاہوں سے ربط ضبط رکھنا پڑتا ہے تاکہ وہ قابو میں آئیں اور اُن کے ذریعہ سے مسلمانوں کی مقصد برآری ہو۔

قادریہ سلسلہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے تصوف کو خالص اسلامی رنگ میں پیش کرنے اور اس کے بنیادی افکار و نظریات کو عوام تک پہنچانے میں عظیم الشان کارنامے انجام دیئے

---

[1] نفحات الانس ص ۳۴۰، [2] مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۱۶۲

[3] نفحات الانس ص ۳۷۰، ۳۶۴ ؛ جامی نے لکھا ہے کہ ان کے انوار و آثار مشرق سے مغرب تک پھیل گئے ہیں۔ [4] مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۸۳

اور اپنے پُر تاثیر مواعظ سے ایک دینی انقلاب برپا کر دیا۔ زمانہ کے تقاضوں اور اعمال کے عواقب سے آگاہ کرنے کے لئے انھوں نے ایک جملہ استعمال کیا ہے جو بڑا معنی خیز ہے۔ فرماتے ہیں ــــــ

"یاد رکھو زمانہ (گویا) حاملہ عورت ہے۔ جلد ہی تم کو نظر آجائے گا کہ اس سے کیا پیدا ہوتا ہے"۔ [1]

ایک مرتبہ عوام کی غفلت شعاری سے رنجیدہ ہو کر فرمایا:

"تمہارے دل کس قدر سخت ہو گئے؟ تم پتھر بن گئے۔ میں تم سے کہہ رہا ہوں اور دوسرے بھی کہہ رہے ہیں مگر تم ایک ہی حالت پر قایم ہو"۔ [2]

اُن کے پُر زور مواعظ نے سوتی ہوئی بستیاں جگا دیں اور تلاش حق اور اتباع سنت کی لہر ہر طرف دوڑا دی۔ حضرت شیخ رح کے وصال کے بعد اُن کے صاحبزادگان اور مریدین خاص نے سلسلہ کی نشر و اشاعت کا کام نہایت خلوص اور عزم کے ساتھ شروع کیا۔ اُن کے صاحبزادگان بالخصوص شیخ عبدالرزاق رح اور شیخ عبدالعزیز رح نے سلسلہ کی اشاعت میں بڑی جدوجہد کی سلسلہ کے انتہائی عروج کا زمانہ پندرہویں صدی ہے جب اسلامی دنیا کے دور دراز علاقوں میں اس کے مرکز قایم ہو گئے۔ شام اور عراق میں تو سلسلہ کے مشایخ بہت پہلے پہنچ گئے تھے ترکی میں شیخ اسمٰعیل رومی رح (م ۱۶۴۳ء) کی کوششوں سے سلسلہ کا اثر و نفوذ بہت بڑھ گیا اور ان ہی کو پیر ثانی کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ کم و بیش چالیس قادری تکیے اُن کی کوششوں سے قایم ہوئے۔ قادریہ سلسلہ کی شاخیں مختلف ناموں سے یمن، سوڈان، الجیریا، تیونس مصر، وغیرہ میں قایم ہوئیں اور شیخ کے افکار اور تعلیمات کو پُر جوش طریقے پر پھیلایا گیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ گو سلسلوں کے قیام کے لئے سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح نے فضا ہموار کی تھی اور نہایت وسیع پیمانہ پر عوام سے رابطہ قایم کیا تھا لیکن ان کے سلسلہ کو باقاعدہ ایک

---

[1] فتح الربانی (اردو ترجمہ مولانا عاشق الٰہی) ص ۵۰؛

[2] " " ص ۶۹؛

Marfat.com

سلسلہ کی حیثیت حاصل کرنے میں کافی مدت لگی۔

کبرویہ سلسلہ | کبرویہ سلسلہ کے سرلشکر شیخ نجم الدین کبریٰ رح (م ۶۱۸ھ/۱۲۲۱ء) تھے۔ ان کا نظام اصلاح و تربیت غیر معمولی طور پر موثر تھا، اسی بنا پر ان کو "شیخ ولی تراش"[۱] کہا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ فتنۂ تاتار کے ظاہر ہونے سے کچھ پہلے انھوں نے اپنے مریدوں کو جو تعلیم و تربیت کے لئے دُور دُور سے اُن کی خانقاہ میں جمع ہو گئے تھے طلب کیا اور کہا:

"زود برخیزید و بلاد خود روید کہ	جلدی کھڑے ہو جاؤ اور اپنے اپنے
آتشے از جانب مشرق برافروخت	وطن کو چلے جاؤ۔ ایک آگ مشرق میں
کہ تا نزدیک بمغرب خواہد سوخت	بھڑکی ہے وہ جلد ہی مغرب تک جلا
ایں فتنہ ایست عظیم کہ دریں امت	دے گی۔ یہ ایسا زبردست فتنہ رونما
مثل ایں واقع نشدہ است"۔	(ہونے والا ہے) کہ اس امت میں اس
[۲]	نوعیت کا (فتنہ) کبھی واقع نہیں ہوا ہے۔

خود انھوں نے منگولوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شہادت پائی۔ مصلحت خداوندی بھی عجیب تھی کہ

---

[۱] نفحات الانس ص ۳۷۵؛

[۲] نفحات الانس ص ۳۷۹؛

[۳] شہادت بھی جس طرح پائی وہ بھی تاریخ اسلام کا بڑا بصیرت افروز واقعہ ہے۔ فتنۂ تاتار رونما ہونے پر جب ان سے شہر چھوڑنے پر اصرار کیا گیا تو فرمایا مجھے یہاں سے جانے کی اجازت نہیں۔ (یہ تصور ولایت کا تحفظ تھا) جب منگول خانقاہ میں داخل ہو گئے تو اپنے باقی ماندہ مریدین کو پکارا: قوموا علیٰ اسم اللہ نقاتل فی سبیل اللہ (اللہ کا نام لے کر کھڑے ہو جاؤ تاکہ راہ خدا میں لڑیں) اور گھر میں سے خرقہ پہن کر برآمد ہوئے اور دونوں جیبوں کو پتھروں سے بھر لیا۔ منگول تیر پھینکتے تھے اور وہ پتھر۔ ایک تیر سینۂ مبارک پر آ کر لگا۔ اسے کھینچ کر نکال دیا اور ایک منگول کا پرچم چھین لیا اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ پرچم اُن کے ہاتھ سے نکالنے کی کوشش کی گئی لیکن دس منگول بھی مل کر نہ نکال سکے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

سلسلہ کبرویہ، فردوسیہ، ہمدانیہ، اشرفیہ

- شیخ نجم الدین کبریٰؒ (م ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء)
  - شیخ سعد الدین حمویہؒ (م ۶۵۰ھ / ۱۲۵۲ء)
  - شیخ مجد الدین بغدادیؒ (م ۶۱۶ھ / ۱۲۱۹ء)
    - شیخ نجم الدینؒ
    - شیخ رضی الدین علی لالاؒ (م ۶۴۲ھ / ۱۲۴۴ء)
      - شیخ احمد گرپانیؒ (م ۶۶۹ھ / ۱۲۷۰ء)
        - شیخ نور الدین اسفرائینیؒ (م ۷۱۷ھ / ۱۳۱۷ء)
          - شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانیؒ (م ۷۳۶ھ / ۱۳۳۶ء)
            - شیخ محمود مزدقانیؒ
              - سید علی ہمدانیؒ
                - سلسلہ ہمدانیہ
                - شیخ اسحاق ختلانیؒ (م ۸۲۶ھ / ۱۴۲۳ء)
                - سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ (م ۸۰۸ھ / ۱۴۰۵ء)
            - شیخ تقی الدین اخی علی الدوستیؒ
            - سلسلہ رکنیہ
    - خواجہ فرید الدین عطارؒ
  - شیخ سیف الدین سعید باخرزیؒ (م ۶۵۸ھ / ۱۲۶۰ء) (بخارا)
    - شیخ بدر الدین فردوسی السمرقندیؒ
      - شیخ رکن الدین فردوسیؒ
        - شیخ نجیب الدین محمدؒ (دہلی)
          - شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ (م ۷۸۲ھ / ۱۳۸۰ء)

Marfat.com

ان ہی کے خلفاء اور مریدین نے منگولوں کو حلقہ بگوش اسلام بنایا اور وسط ایشیا کا نقشہ آن کی آن میں بدل دیا۔

شیخ کے مریدین میں شیخ مجدالدین بغدادیؒ (م ۱۲۱۹ء) شیخ سعدالدین حمویؒ (م ۱۲۵۲ء) شیخ رضی الدین علی لالاؒ (م ۱۲۴۴ء) شیخ سیف الدین باخرزی رحؒ (م ۱۲۶۱ء) اور شیخ بہاء الدین رحؒ والد مولانا جلال الدین رومی رحؒ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں. خواجہ فریدالدین عطارؒ، شیخ مجدالدین بغدادیؒ کے مرید تھے۔

کبرویہ سلسلہ کی بعد میں متعدد شاخیں بن گئیں۔

شیخ سیف الدین باخرزیؒ کے مرید شیخ بدرالدین سمرقندیؒ نے فردوسی سلسلہ ہندوستان میں روشناس کرایا۔

ان سلسلوں کے نشوونما اور عروج وزوال کی داستان اسلامی تاریخ کے بعض اہم واقعات کو سمجھنے کے لئے بے حد ضروری ہے۔ لیکن یہاں ہم اس تفصیل میں جانے سے قاصر ہیں. اس باب میں ہمارا مقصد تصوف کے مختلف طرق اور سلاسل کا ہلکا سا خاکہ پیش کرنا تھا تاکہ ہمارے موضوع کی وضاحت ہو سکے۔

رُوحانی سلاسِل ہندوستان میں | ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں مندرجہ ذیل روحانی سلسلوں نے کام کیا ہے: لہ

(۱) جنیبیان	(۲) طیفوریان	(۳) کرخیان
(۴) سقطیان	(۵) جنیدیان	(۶) کازرونیان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مولانا رومؒ نے اس واقعہ کی طرف ان اشعار میں اشارہ کیا ہے ؎

ما ازاں محتشمانیم کہ ساغر گیرند　　نہ ازاں مفلسگاں کان بزِ لاغر گیرند

بیکی دست مے خالص ایمان نوشند　　بیکی دست دگر پرچم کافر گیرند

ملاحظہ ہو نفحات الانس ص ۳۰۹

لہ آئین اکبری (مرتبہ سرسید احمد خاں) ج ۲، ص ۲۰۳

Marfat.com

(۷) طوسیان	(۸) فردوسیان	(۹) سہروردیان
(۱۰) زیدیان	(۱۱) عباسیان	(۱۲) ادھمیان
(۱۳) ہبیریان	(۱۴) چشتیان	

یہ فہرست ضرورت سے زیادہ طویل ہے۔ اس میں کچھ ایسے سلاسل بھی شامل کرلئے گئے ہیں جن کو درحقیقت ہندوستان میں کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔ دوسری طرف تعجب ہے کہ قادریہ سلسلہ کو اس میں شمار نہیں کیا گیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہو کہ اس وقت تک سلسلہ باقاعدہ ہندوستان میں رائج نہیں ہوا تھا۔

ہندوستان میں سب سے پہلے چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل رکھی گئی۔ خواجہ معین الدین چشتی رح، پرتھوی راج کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر کو اپنا مستقر بنا کر سلسلہ کا کام شروع کر دیا۔ اُن کے بعد خواجہ قطبُ الدین بختیار کاکی رح، شیخ حمید الدین صوفی سوالی رح، بابا فرید گنج شکر رح، شیخ نظام الدین اولیا رح، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رح نے سلسلہ کے نظام کو دور دور پھیلا دیا۔ یہ چشتی بزرگ سلسلہ کے دور اول سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے ذریعہ سلسلہ کا فکری اور تنظیمی نظام ہندوستان میں قایم ہوا جس کے سہارے آیندہ صدیوں میں سلسلہ کی خانقاہیں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں قایم ہو گئیں۔

چشتیہ سلسلہ کے بعد سہروردیہ سلسلہ ہندوستان پہنچا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رح فرمایا کرتے تھے:

خلفائی فی الھند کثیرۃ — ہندوستان میں میرے کافی خلفاء ہیں [1]

دور اول ہی میں گو ان کے بعض نامور خلفا مثلاً شیخ نور الدین مبارک غزنوی رح، شیخ مجد الدین حاجی رح، قاضی حمید الدین ناگوری رح ہندوستان آگئے تھے لیکن سہروردیہ سلسلہ کو ہندوستان میں پھیلانے کا شرف شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رح کو حاصل ہوا۔ انھوں نے ملتان، اوچھ

---

[1] اخبار الاخیار ص ۳۶

سلسلہ سہروردیہ

- شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ
  - شیخ ترک بیابانیؒ (دہلی)
  - شیخ ضیاء الدین رومیؒ (دہلی)
  - مولانا مجد الدین حاجیؒ
  - سید نور الدین مبارک غزنویؒ
  - قاضی حمید الدین ناگوریؒ (دہلی)
    - شیخ شاہی موئے تابؒ (بدایوں)
    - شیخ احمد نہروالہؒ
    - خواجہ محمود موئنہ دوزؒ (دہلی)
  - شیخ جلال الدین تبریزیؒ
    - شیخ علیؒ (بدایوں)
  - شیخ بہاء الدین زکریاؒ (ملتان)
    - شیخ اسمٰعیل قریشیؒ
      - خواجہ کرکؒ (کڑہ)
    - شیخ حسین سادات
    - شیخ نتھوؒ
      - شیخ سالارؒ
        - سید عبد الغنیؒ
        - شیخ مبارکؒ (سندیلہ)
          - بدر الدین سرہندیؒ
          - سید صفیؒ
          - سید ادہن بلگرامیؒ
    - شیخ فخر الدین ابراہیم عراقیؒ
    - سید جلال الدین سرخ بخاریؒ (اوچھ)
    - شیخ صدر الدین عارفؒ (ملتان)
      - شیخ احمد معشوقؒ
      - شیخ رکن الدین ابو الفتحؒ (ملتان)
        - وجیہہ الدین عثمانؒ (سنامی)
        - شیخ حمید الدین ابو حاکم الہنکاریؒ
        - شیخ ہودؒ

Marfat.com

سلسلہ سہروردیہ

- سید جلال الدین سرخ بخاریؒ (اوچھ)
  - سید احمد کبیرؒ
    - سید صدر الدین راجو قتالؒ
    - سید جلال الدین مخدوم جہانیاںؒ
      - شیخ کبیر الدین اسمٰعیلؒ
        - شیخ سماء الدینؒ
          - شیخ اودھنؒ
          - جمالیؒ (مصنف سیر العارفین)
      - سید نصیر الدینؒ
        - سید برہان الدین قطب عالمؒ
          - سید شاہ عالمؒ (احمد آباد)
            - قاضی نجم الدینؒ
            - قاضی محمودؒ
            - عبداللطیف داور الملکؒ
          - شاہ بڈاؒ
            - عتیق اللہؒ
            - سید جلال الدین شاہؒ
            - شاہ پیارنؒ

Marfat.com

اور دیگر مقامات پر سہروردیہ سلسلہ کی مشہور خانقاہیں قایم کیں۔ ان کے سلسلہ کے مشاہیر بزرگوں میں شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی رح، سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں رح، شیخ سماء الدین رح، مولانا جمالی رح وغیرہم کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ گجرات میں سہروردیہ سلسلہ حضرت مخدوم جہانیاں رح کے مریدین کے ذریعہ پہنچا اور وہاں شیخ قطب عالم رح (م ۱۴۵۳ء) اور شیخ شاہ عالم رح (م ۱۴۷۵ء) نے اس کی اشاعت میں نمایاں حصہ لیا۔ بنگال میں سہروردی سلسلہ شیخ جلال الدین تبریزی رح کے ذریعہ متعارف ہوا۔ سہروردیہ سلسلہ کا دائرہ اثر و نفوذ پنجاب اور سندھ تک محدود رہا۔ لیکن شیخ بہاء الدین زکریا رح، شیخ رکن الدین ملتانی رح اور مخدوم جہانیاں رح کی روحانی شہرت ہندوستان ہی تک محدود نہ رہی بلکہ اسلامی ملکوں میں بھی پھیل گئی۔

فردوسیہ سلسلہ ہندوستان میں شیخ بدرالدین سمرقندی رح کے ذریعہ آیا۔ وہ دہلی میں کچھ عرصہ سلسلہ کا کام کرتے رہے، اور وہیں وصال فرمایا۔ اُن کے خلیفہ شیخ رکن الدین فردوسی رح نے دریائے جمنا کے کنارے اپنی خانقاہ بنائی تھی۔ اُن کے خلیفہ شیخ نجیب الدین فردوسی رح، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رح کے مرشد تھے۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رح نے سلسلہ کو بہت فروغ دیا اور اپنے مکتوبات کے ذریعہ اس کی تعلیمات کو دور دور پہنچا دیا۔ فردوسیہ سلسلہ خاص طور سے بہار میں پھیلا۔ کچھ مشائخ بنگال اور دیگر مقامات بھی پر گئے لیکن سلسلہ کا اصل مرکز بہار ہی رہا۔ شیخ منیری رح کو اسلامی ہند کی تاریخ تصوف میں خاص اہمیت اور عظمت حاصل ہے۔ انھوں نے تصوف کے خیالات کو نہایت عالمانہ اور پر زور انداز میں ملک میں پھیلایا۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے محمد بن تغلق کے لئے بھی تصوف کے بنیادی تصورات پر ایک کتاب لکھی تھی۔

پندرہویں صدی میں قادریہ اور شطاریہ سلسلے ہندوستان میں قایم ہوئے۔

قادریہ سلسلہ کے بعض قدیم مشائخ کے نام دکن کے تذکروں اور روایات میں ملتے ہیں لیکن اُن کے متعلق تحریری شہادتوں کی کمی کچھ اس نوعیت کی ہے کہ وثوق کے ساتھ اُن کو سلسلہ کی تاریخ میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ دکن کے سب سے مشہور قادری بزرگ شاہ نعمت اللہ قادری رح (م ۱۴۳۰ء) تھے لیکن سلسلہ کی نشر و اشاعت کا کام دکن سے زیادہ اُوچھ میں انجام پایا۔ حضرت

قادریہ سلسلہ

مخدوم محمد گیلانی حلبیؒ
(م ۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء) (اچہ)

مخدوم عبدالقادر ثانیؒ
(م ۹۴۰ھ / ۱۵۳۳ء)

شیخ عبدالرزاقؒ

سید حامد گنج بخشؒ
(م ۹۷۸ھ / ۱۵۷۰ء)

شیخ موسیٰ پاک شہیدؒ

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

شیخ داؤد کرمانیؒ
(م ۹۸۲ھ / ۱۵۷۴ء)
(شیر گڈھ)

شاہ ابوالمعالی قادریؒ
(م ۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء)
(لاہور)

Marfat.com

مخدوم محمد گیلانی رح (م ۱۵۱۷ء) نے سلسلہ کو مستحکم بنیادوں پر قایم کیا اور اپنے صوفیانہ اشعار کے ذریعہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے نام اور کام کو ہندوستانی عوام تک پہنچا دیا۔ اُن کے بیٹے مخدوم عبدالقادر ثانی رح کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح کا بیان ہے :

"بسیارے از عصاۃ وکفار بمشاہدہ	بہت سے گناہ گار اور کفار اُن کے
جمال ومعائنہ کمالش بسعادت	جمال کے مشاہدہ اور ان کے کمالات
توبۂ نصوح می رسیدند وبشرف	کے معائنہ سے (متاثر ہوکر) توبہ نصوح
ایمان مشرف می شدند"۔ [1]	کرتے تھے اور مشرف بہ ایمان ہوجاتے تھے۔

سولھویں اور سترھویں صدی میں قادریہ سلسلہ کے مشایخ پنجاب کے مختلف شہروں — لاہور، اوچھ، ملتان، شیر گڑھ، — اور ملک کے بعض علاقوں میں عقیدت اور ارادت کا مرکز تھے۔ سید حامد گنج بخش رح، شیخ داؤد کرمانی رح، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح، شیخ ابوالمعالی قادری رح، حضرت میاں میر رح، ملا شاہ رح وغیرہم کا شمار اس سلسلہ کے مشاہیر میں ہوتا ہے۔ ان بزرگوں نے عہد مغلیہ میں قادریہ سلسلہ کو کافی فروغ دیا۔

شطاری سلسلہ، شاہ عبداللہ شطاری رح (م ۱۴۵۸ء) نے قایم کیا تھا۔ مانڈو میں اُن کا مزار مرجع خلائق ہے۔ اس سلسلہ کے سب سے مشہور بزرگ سید محمد غوث گوالیاری رح تھے۔ مغل سلاطین ان سے عقیدت کا برتاؤ کرتے تھے۔ انھوں نے ہندو مذہبی افکار اور روایات کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور ایک سنسکرت کتاب امرت کنڈ کو فارسی میں بحر الحیات کے نام سے ترجمہ کرکے مسلمان صوفیہ میں ان افکار کی اشاعت کا سامان فراہم کیا تھا۔ اس سلسلہ کے دوسرے اہم بزرگ جو شیخ گوالیاری رح کے دامن تربیت سے وابستہ ہوگئے تھے شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی رح تھے۔ ان کا مدرسہ احمد آباد میں ملک کی مشہور ترین درس گاہوں میں شمار ہوتا تھا۔ انھوں نے روحانی تربیت کے ساتھ علمی جدوجہد بھی جاری رکھی۔ میرٹھ میں اس سلسلہ کے مشہور بزرگ شاہ پیر صاحب رح تھے۔ جہانگیر کو مشایخ شطار سے کافی عقیدت تھی۔ جب نقشبندی سلسلہ کا عروج ہوا تو

---

[1] اخبار الاخیار ص ۱۹۷

Marfat.com

شطاری سلسلہ

- **شاہ عبداللہ رح** (م سنہ ۸۹۰ھ / ۱۴۸۵ء) (مانڈو)
  - **شیخ قاضن رح** (م سنہ ۹۰۱ھ / ۱۴۹۵ء) (ویسالی)
    - **شیخ ظہور حاجی رح** (م سنہ ۹۳۰ھ / ۱۵۲۳ء) (سرن)
      - شیخ بہلول رح (م سنہ ۹۴۵ھ / ۱۵۳۸ء) (بیانہ)
      - **سید محمد غوث رح** (م سنہ ۹۷۰ھ / ۱۵۶۲ء) (گوالیار)
        - شیخ عبداللہ صوفی رح (آگرہ)
          - شیخ محمد رشید (جونپور)
            - شیخ محمد ارشد رح (جونپور)
        - شیخ عارف رح (برہانپور)
          - شیخ عیسیٰ (برہانپور)
            - شیخ برہان رح (برہانپور)
              - میر لطف اللہ (بلگرام)
                - غلام علی آزاد (صاحب مآثر الکرام)
              - عاقل خاں رازی (دہلی)
        - شیخ صدر الدین ذاکر رح (بڑودہ)
          - شیخ داؤد رح (مانڈو)
        - شیخ وجیہ الدین علوی (احمد آباد)
        - شیخ نور الدین ضیاء اللہ رح (آگرہ)
          - شیخ حمزہ رح (دیپالپور)
          - شاہ پیر رح (میرٹھ)
            - شیخ عبدالرحمن صوفی رح (آگرہ)
    - **سید علی قوام رح** (م سنہ ۹۰۵ھ / ۱۴۹۹ء) (جونپور)
      - شیخ مبارک بالادست رح (جھنجانہ)
        - شیخ اللہ بخش رح (گڑھ مکتیسر)
    - **شیخ ہدیۃ اللہ رح** (حاجی پور)
      - شیخ علی رح
        - شیخ علاء الدین رح
          - شیخ قطب الدین رح (حاجی پور)
            - شیخ محی الدین رح (حاجی پور)
      - شاہ دولت رح (م سنہ ۱۰۱۹ھ / ۱۶۱۰ء) (منیر)
      - شیخ رکن الدین رح (حاجی پور)
        - شیخ کمال الدین سلیمان قریشی (مانڈو)
  - **شیخ حافظ رح** (جونپور)
    - شیخ بدھن رح (پانی پت)
      - شیخ رزق اللہ مشتاقی رح (چچا شیخ عبدالحق محدث رح) (م سنہ ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء) (دہلی)

Marfat.com

شطاری افکار کی ترویج و اشاعت کے لئے فضا ناسازگار ہوگئی۔ بایں ہمہ شاہ ولی اللہ دہلوی رح نے جو مختلف روحانی سلاسل میں تطبیق کا کام ضروری سمجھتے تھے، اس سلسلہ سے فیض حاصل کیا اور بیعت بھی کی۔

اکبر کے عہد میں حضرت خواجہ باقی باللہ رح نے نقشبندی سلسلہ ہندوستان میں قایم کیا۔ گو اُن سے پہلے بعض نقشبندی بزرگ ملک میں آچکے تھے، لیکن سلسلہ کو باقاعدہ رائج کرنے کا سہرا اُن ہی کے سر ہے۔ اُن کے حلقۂ مُریدین میں شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رح نے سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت میں زبردست جد و جہد کی اور بقول جہانگیر اُن کے مریدین ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔[۱] مجدد صاحب رح نے تصوف کی تحریک میں ایک جان ڈال دی اور شریعت اور سنت کے اتباع پر زور دے کر غیر اسلامی عناصر کو اسلامی فکر سے علیحدہ کر دیا۔ اُن کے سلسلہ کے مشہور بزرگوں مثلاً خواجہ محمد معصوم رح، خواجہ سیف الدین رح، شاہ ولی اللہ رح، مرزا مظہر جان جاناں رح، شاہ غلام علی رح نے سلسلہ کی ترویج و اشاعت میں بے حد کوشش کی۔ فکری اعتبار سے شاہ ولی اللہ دہلوی رح اور اُن کے مکتب خیال کے علماء و مشایخ کا تعلق مجددی سلسلہ سے زیادہ گہرا تھا۔

اگر مسلمانان ہند کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ مسلمانوں کی روحانی زندگی کی اصلاح و تربیت کا کام بیشتر ان ہی سلسلوں نے انجام دیا ہے۔

---

[۱] تزک جہانگیری ص ۷۳ - ۲۷۲

Marfat.com

نقشبندی سِلسلہ

- خواجہ باقی باللہ رحؒ (م ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء) (دہلی)
  - شیخ تاج الدینؒ
  - خواجہ حسام الدینؒ
  - شیخ الہ دادؒ
  - شیخ احمدؒ (سرہند)
    - خواجہ محمد سعیدؒ
      - شیخ عبدالاحد معروف بہ شاہ گلؒ
        - حاجی محمد افضلؒ (استاد شاہ ولی اللہؒ)
        - شیخ سعد اللہ گلشنؒ
          - خواجہ محمد ناصر عندلیبؒ (م ۱۱۷۲ھ / ۱۷۵۹ء) (دہلی)
            - خواجہ میر دردؒ (دہلی)
    - میر محمد نعمانؒ
    - شیخ محمد یحییٰؒ
    - خواجہ ہاشم کشمی (مصنف زبدۃ المقامات)
    - خواجہ محمد معصومؒ
      - خواجہ سیف الدینؒ
        - سید نور محمد بدایونیؒ
          - مرزا مظہر جانجاناںؒ (دہلی)
            - مولوی ثناء اللہ پانی پتیؒ
            - شاہ غلام علیؒ (م ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء) (دہلی)
              - شاہ ابو سعیدؒ (م ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء)
                - شاہ احمد سعیدؒ (م ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء) (مکہ)
              - شاہ خالد کردیؒ (دمشق)
      - ناصر علی سرہندیؒ
      - خواجہ محمد نقشبندؒ
      - حافظ محمد محسن نقشبندیؒ
    - خواجہ محمد صادقؒ
    - خواجہ آدم بنوریؒ
      - حافظ عبداللہؒ (اکبرآبادی)
        - شاہ عبدالرحیمؒ (م ۱۱۳۱ھ)
          - شاہ ولی اللہؒ (م ۱۱۷۶ھ)
            - شاہ عبدالعزیزؒ (م ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء)
              - سید احمد شہیدؒ
                - شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ
            - شاہ رفیع الدینؒ (م ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۸ء)
            - شاہ عبدالقادرؒ (م ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء)
            - شاہ عبدالغنیؒ (م ۱۲۲۷ھ / ۱۸۱۲ء)
        - شاہ ابوالرضا الہندیؒ
      - شیخ نور محمد پیشاوریؒ (خلف اخوند درویزہ)

حصہ سوم

چشتیہ سلسلہ کا نشو ونما

Marfat.com

Marfat.com

باب اوّل

چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل اور اُس کے متقدمین مشائخ

افغانستان میں ہری رود کے قریب تین شہر آباد تھے۔ فیروزکوہ، چشت اور جام۔ عجیب اتفاق تھا کہ یہ تینوں شہر ایک ہی وقت میں مشہور ہوئے اور یہاں سے ایسی مذہبی، تہذیبی، اور سیاسی تحریکیں ابھریں جن کے اثرات کا سلسلہ دُور دُور پہونچا۔ فیروزکوہ شنسبانی حکومت کا دارالسلطنت بنا اور یہاں سلطان شہاب الدین غوری نے پرورش پائی۔ چشت میں شیخ ابو اسحاقؒ نے ایک روحانی سلسلہ کی داغ بیل ڈالی اور جام نے ایک تمدنی مرکز کی حیثیت سے شہرت پائی۔ حال ہی میں وہاں قطب مینار جیسا ایک مینار دریافت ہوا ہے جس سے اس علاقہ کے تہذیبی اثرات کا پتہ چلتا ہے۔ فیروزکوہ کے بسنے والوں نے ہندوستان میں سلطنت دہلی کی بنیاد ڈالی اور چشت کے بسنے والوں نے اس ملک کی روحانی تسخیر کا کام انجام دیا۔

حضرت خواجہ ابو اسحاق شامیؒ (المتوفی ۳۲۹ھ/۹۴۰ء) پہلے بزرگ ہیں جن کے اسمِ گرامی کے ساتھ تذکروں میں چشتی لکھا ہوا ملتا ہے۔ افسوس ہے کہ اُن کے حالات تفصیل سے کسی تذکرہ میں درج نہیں۔ سیر الاولیاء میں اُن کے متعلق صرف چند

سطریں لکھی گئی ہیں[۱]۔ ظاہر ہے کہ اُن کی مدد سے تو شیخ کی ایک دُھندلی سی تصویر بھی نہیں بن سکتی۔ بعد کے تذکروں مثلاً مرآۃ الاسرار، شجرۃ الانوار، خزینۃ الاصفیار میں جو تفصیل دی گئی ہے وہ کرامت کے چند قصّوں اور سماع کے چند واقعات تک محدود ہے اور کسی طرح شیخ کی پوری شخصیت کو اُجاگر نہیں کرتی۔ ایک زبردست روحانی نظام کا یہ بانی فکر و عمل کی جن صلاحیتوں کا مالک تھا، اس کا کوئی اندازہ ان تذکروں سے نہیں ہوتا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ ابو اسحاقؒ شام کے رہنے والے تھے۔ اپنے وطن سے چل کر بغداد آئے اور حضرت علو دینوریؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے خواجہ دینوریؒ (المتوفی ۲۹۸ھ یا ۲۹۹ھ) اپنے زمانے کے مرتاض بزرگ تھے۔ دُور دُور سے عقیدت مند اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اُن کا حال خواجہ فریدالدین عطارؒ نے تذکرۃ الاولیار[۲] اور مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے نفحات الانس[۳] میں لکھا ہے۔ خواجہ عطارؒ کا بیان ہے کہ وہ اپنی خانقاہ کا دروازہ عموماً بند رکھتے تھے، جب کوئی آتا تو پوچھتے کہ مسافر ہو یا مقیم۔ پھر فرماتے، اگر مقیم ہو تو اس خانقاہ میں آجاؤ۔ اگر مسافر ہو تو یہ خانقاہ تمھاری جگہ نہیں ہے۔ چونکہ جب تم چند روز یہاں رہو گے اور مجھے تم سے اُنس ہو جائے گا اور پھر تم جانا چاہو گے تو مجھے اس کی تکلیف ہوگی اور مجھ میں فراق کی طاقت نہیں[۴]۔

۱۔ سیر الاولیار (فارسی مطبوعہ چرنجی لال دہلی) ص ۴۰ - ۳۹

۲۔ تذکرۃ الاولیار ص ۳۸۳ - ۳۸۲

۳۔ نفحات الانس (مطبوعہ بمبئی ۱۲۸۴ھ) ص ۶۲ - ۶۰ نیز ص ۲۰۶ وغیرہ

۴۔ تذکرۃ الاولیار (اردو ترجمہ عبدالرحمٰن شوق امرتسری) ص ۳۸۳،

Marfat.com

جب خواجہ ابو اسحاقؒ اُن کی خانقاہ میں حاضر ہوئے تو پوچھا: تمھارا کیا نام ہے؟

عرض کیا: ابو اسحاق شامی۔

فرمایا:

"از امروز ترا ابو اسحاق چشتیؒ خوانند کہ خلائق چشت و دیار آں از تو ہدایت یابند۔ و ہر کہ سلسلۂ ارادت تو در آید آنہارا نیز تا قیام قیامت چشتی خوانند[1]"

آج سے (لوگ) تجھے ابو اسحاق چشتی کہہ کر پکاریں گے اور چشت اور اس کے نواح کے لوگ تجھ سے ہدایت پائیں گے اور ہر وہ شخص جو تیرے سلسلۂ ارادت میں داخل ہوگا اس کو قیامت تک چشتی کہہ کر پکاریں گے۔

اس کے بعد خواجہ دینوریؒ نے ان کو تذکیر و ارشادِ حق کے لئے چشت روانہ کر دیا۔ جہاں اُن کی پُر خلوص جد و جہد سے ایک عظیم الشان سلسلہ کی داغ بیل پڑی اور چشت بہت جلد ایک زبردست روحانی نظام کا مرکز بن کر چمک اٹھا۔ ایک بزرگ نے ان کے متعلق یہ اشعار لکھے ہیں ؎

ربما اقتدی من اہل چشت شیوخہم
کل ولی اللہ فی میلاد
منہم ابو اسحٰق اکبر شیخہم
طود سما من اشمخ اطواد
اضحی ہداۃ الدین یتبعو نہا
لا یعدلون النہج فی معتاد[2]

---

[1] ملاحظہ ہو لطائف اشرفی (قلمی نسخہ) مرآۃ الاسرار (قلمی نسخہ) شجرۃ الانوار (قلمی نسخہ) خزینۃ الاصفیاء (جلد اول) ص ۲۴۰ وغیرہ

[2] سیر الاولیاء ص ۴۰

(یعنی اہل چشت کے مشایخ میں سے تمام اولیاء اللہ نے ان کے میلاد میں اقتدار کی۔ ان میں سب سے بڑے اور ذی وجاہت شیخ ابو اسحاق ہیں۔ جو مشایخ میں ایسے ہیں جیسے پہاڑوں میں ایک بلند اور اونچا پہاڑ۔ دین کے رہبر اُن کے پیرو ہیں اور اُن کی راہ سے عدول کرنے کی طاقت نہیں رکھتے) ؎۱

خواجہ ابو اسحاق رح فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے ایک دن اپنے مرید خواجہ ابو احمد چشتی رح سے فرمانے لگے:

"اے ابو احمد درویشی بالاتر ست از بادشاہی عرب و عجم، واللہ اگر ابو اسحاق را ملک سلیمان دہند، ہم قبول نکند" ؎۲	اے ابو احمد! درویشی عرب و عجم کی بادشاہی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر ابو اسحاق کو ملک سلیمان بھی دیں تو خدا کی قسم وہ قبول نہیں کرے گا۔

مشایخ سلسلہ بہت سے دیگر روحانی سلسلوں کی طرح چشتیہ سلسلہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واسطہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ مشہور مشایخ کے اسمائے گرامی شیخ شمس الدین یحییٰ رح کے خلافت نامہ میں جو حضرت محبوب الٰہی رح نے عنایت فرمایا تھا اس طرح درج ہیں: ——

(۱) حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ
(۲) رئیس التابعین امام العالمین الحسن البصری رح
(۳) قطب العالم والشیخ المعظم عبدالواحد بن زید رح
(۴) قطب الولایۃ ابی الفضل والفضائل والدرایۃ الفضیل بن عیاض

؎۱ سیر الاولیا۔ (اردو ترجمہ) ص ۴۶ (مطبوعہ مسلم پریس)

؎۲ رسالہ احوال پیران چشت (قلمی) از نبیرۂ بندگی مخدوم قاضی حمید الدین ناگوری از براجا۔ میرے پاس اس کا قدیم قلمی نسخہ ہے جو شاہان اودھ کے کتب خانہ میں رہ چکا ہے۔ کتابت درج نہیں۔ کسی شاہی کتب خانہ میں تحویل کی تاریخ ۱۱۹۲ھ (۱۷۷۸ء) درج ہے۔

(۵) سلطان السالکین برہان الواصلین تارک المملکۃ والسلطنۃ ابراہیم بن ادھم رح

(۶) تاج الصالحین برہان العاشقین حذیفۃ المرعشی رح

(۷) اکرم اہل الایمان ھبیرۃ البصری رح

(۸) شمس الفقراء علو دینوری رح

(۹) سراج الاتقیاء ابی اسحاق الچشتی رح

(۱۰) عمدۃ الابرار وقدوۃ الاخیار ابی احمد الچشتی رح

(۱۱) ملجاء العباد محمد الچشتی رح

(۱۲) ملک المشائخ اہل التمکین ناصر الملت والدین یوسف الچشتی رح

(۱۳) ظل اللہ فی الخلق مودود الچشتی رح

(۱۴) سدید النطق الحاجی الشریف الزندنی رح

(۱۵) حجۃ الحق علی الخلق عثمان الھارونی رح

(۱۶) بدر العارفین معین الملۃ والدین الحسن السجزی[1] رح

عصامی نے فتوح السلاطین میں ان مشایخ کا ذکر اسی طرح کیا ہے ؎

علی چوں ازیں کارواں رخت برد — یکے خرقہ بر پیر بصری سپرد

حسن چوں سفر کرد ازیں کوچگاہ — شرف یافت از و عبد واحد کلاہ

---

[1] صحیح لفظ "سجزی" ہے، "سنجری" نہیں۔ خواجہ صاحب رح کا وطن سجستان تھا، اسی کی نسبت سے "سجزی" کہے جاتے تھے۔ کاتب کی غلطی سے یہ لفظ "سنجری" مشہور ہو گیا۔ رسالہ احوال پیران چشت غالباً پہلا قدیم مسودہ ہے جس میں یہ لفظ صحیح لکھا ہوا میری نظر سے گذرا ہے۔ فتوح السلاطین (تصنیف ۱۳۵۰ء) کے اشعار "سجزی" ہی سے موزوں ہوتے ہیں۔ ایک شعر ہے ؎

معین الدین آں سجزی دیں پناہ — کہ خفت است بہ اجمیر آں مرد راہ

(ص ۲۶۶)

حضرت شیخ امداد اللہ مہاجر مکی رح کے ایک شجرہ میں جس پر خود ان کے دستخط ثبت ہیں "سجزی" ہی لکھا ہوا ہے۔

رسیدہ از و بر فضیلِ عیاض کہ شد تازہ از بوئے خلقش ریاض
وزو خرقہ بر بو ادہم رسید ملک وار آں حلّہ در بر کشید
ازو یافت آں خواجۂ مرعشی حذیفہ بہ صد فرحت و دل خوشی
پس آں گہ بہ صدقِ ارادت ربود ھبیرہ کہ تعریفش از بصرہ بود
ازاں پس بہ خواجہ علو کش عرب بہ دینور نسبت کنند در نسب
وزو خواجہ اسحٰق چشتی نژاد بہ بر در کشید آں لباس مراد
پس آں خرقہ بو احمد چشت یافت کہ حورش بر شت و ملائک ببافت
محمد کہ او نیز از چشت بود ز سودائے خوش کرد از آں مایہ سود
وزو یوسف آں پیر چشتی گرفت چو روحش ہوائے بہشتی گرفت
وزو یافت آں قطب چشتی سرشت کہ بو دست مودود و مقبول چشت
وزو یافت آں اشرف الدین شریف کہ شد زندنی نسبتِ آں حریف
وزو یافت ہارونی عثماں بہر در آورد آں خلعتِ خوش بہ بر
وزو در بر آں خرقہ عہدے بعید معین الدیں آں پیر سجزی کشید[۱]

فتوح السلاطین، ہندوستان کے مذہبی اور غیر مذہبی لٹریچر میں غالباً پہلی کتاب ہے جس میں مشایخ چشت کا شجرہ نظم کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح نے اپنی کتاب انتباہ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ چشتیہ سلسلہ خواجہ حسن بصری رح کے ذریعے حضرت علی رض تک نہیں پہنچتا۔ اس لئے کہ خواجہ بصری اس وقت خورد سال تھے اور وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے۔ حضرت شاہ فخرالدین دہلوی رح نے جو شاہ ولی اللہ صاحب رح کے معاصر تھے، اس خیال کی تردید میں ایک کتاب فخر الحسن لکھی ہے جس میں حضرت خواجہ حسن بصری رح کا حضرت علی رض سے خلافت پانا ثابت کیا ہے۔ اس کتاب کی شرح مولانا احسن الزماں حیدر آبادی نے قول المستحسن

---

[۱] فتوح السلاطین (بہ تصحیح محمد یوشع۔ مدراس ۱۹۴۸ء) ص ۸۰۷

فی شرح فخر الحسن کے نام سے عربی زبان میں لکھی ہے۔

خواجہ عبدالواحد بن زیدرحؒ، خواجہ حسن بصری رحؒ کی مجلس معارف وحقائق کے رکن رکین تھے۔ حاکم نے مستدرک میں اور امام احمد بن حنبل رحؒ نے اپنی مسند میں اُن سے روایت کی ہے۔ طبقات کبریٰ میں اُن کا قول نقل کیا ہے:

وکان رضی اللہ عنہ	یعنی عبدالواحد بن زید فرماتے ہیں
یقول علیکم بالخبز	اے طالبان خدا صرف روٹی اور
والملح فانہ یذیب	نمک کھایا کرو کہ اس سے گردہ کی چربی
شحم الکلی ویزید	دور ہوتی ہے اور ایمان ویقین
فی الیقین [1]	زیادہ ہوتا ہے۔

اُن کا انتقال ۲۷ صفر ۱۷۶ھ کو ہوا۔

خواجہ فضیل ابن عیاض رحؒ [2] تبع تابعی تھے اور ایک روایت کے مطابق امام اعظم رحؒ کے شاگرد تھے۔ اکابر محدثین میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔ تہذیب التہذیب میں اُن کے شیوخ حدیث اور تلامذہ کی طویل فہرست درج ہے۔ ہارون رشید کہا کرتا تھا: "علماء میں امام مالک رحؒ سے زیادہ باہیبت اور فضیل بن عیاض رحؒ سے زیادہ پرہیزگار میں نے کسی کو نہیں دیکھا"۔ ۳ ربیع الاول ۱۸۷ھ کو مکہ معظمہ میں وفات پائی

حضرت ابراہیم بن ادہم البلخیؒ [3] کے متعلق شیخ ہجویریؒ اور خواجہ فرید الدین عطارؒ نے حضرت جنید بغدادیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "مفاتیح العلوم ابراہیم ادہم" (علوم کے خزانہ کی چابیاں ابراہیم ادہم رحؒ ہیں) وہ امام ابو حنیفہ رحؒ کے معاصر تھے اور بقول شیخ علی ہجویری رحؒ اُن سے پڑھا بھی تھا۔ لکھتے ہیں:

"با امام ابو حنیفہ اختلاط داشتہ وعلم از وے آموختہ"

---

[1] طبقاتِ کبریٰ ص ۳۹

[2] حالات کے لئے: تذکرۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) ص ۸۸ - ۸۰؛ نفحات الانس ص ۳۹ - ۴۸

[3] حالات کے لئے: تذکرۃ الاولیاء ص ۱۰۴ - ۸۹؛ نفحات الانس ص ۴۴ - ۴۲

Marfat.com

خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشیؒ کے متعلق صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ "از کبار مشایخ روزگار و سرور نامدار بود"۔ [1]

خواجہ امین الدین ابی ہبیرۃ البصریؒ کا تفصیلی حال تذکروں میں نہیں ملتا۔ میر خورد نے ان کو "مقتدائے الامۃ" "ناصر الشریعہ" اور "استاد الطریقہ" کے القاب سے یاد کیا ہے۔ [2]

خواجہ عُلو دینوریؒ ۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے خلافت نامہ میں جو مولانا شمس الدین یحییٰؒ کو عطا فرمایا تھا، اُن کو "شمس الفقراء" کہا ہے اور بعد کے تذکروں کی طرح اُن کے نام کے ساتھ "ممشاد" نہیں لکھا۔ [3] سلسلہ سہروردیہ میں حضرت جنید بغدادیؒ کے بعد ایک بزرگ شیخ ممشاد علو دینوریؒ کا ذکر آتا ہے لیکن غالباً یہ دوسرے بزرگ ہیں۔ دارا شکوہ نے لکھا ہے:

"انچہ در تذکرۃ الاصفیاء و بعضے شجرات مشایخ چشت نوشتہ اند ایں است کہ شیخ علو دینوری و شیخ ممشاد دینوری یکیست و شیخ ممشاد علو دینوری می نویسند، اما نفحات الانس و از بعضے کتب چنیں مفہوم می شود کہ شیخ علو دینوری غیر ممشاد دینوری اند"۔ [4]

خواجہ ابی احمد چشتیؒ کا ذکر مولانا جامی نے نفحات الانس میں اجمالاً کیا ہے۔ [5] خواجہ

---

[1] سیر الاولیاء ص ۳۸ ؛ [2] سیر الاولیاء ص ۳۹ ؛

[3] سیر الاولیاء ص ۳۰ ؛ لیکن جہاں میر خورد نے ان بزرگوں کا تذکرہ دیا ہے (ص ۳۹ مطبوعہ) وہاں "ممشاد" کا لفظ شامل ہے۔ میں نے اپنے ذاتی قلمی نسخہ سے جو دیوان اللہ جوایا صاحب کا تصحیح کیا ہوا ہے، مقابلہ کیا تو اس میں لفظ "ممشاد" نہیں ملا۔ یہ اضافہ بعد کو مصحح یا کاتب نے مطبوعہ نسخہ میں کر دیا ہے۔

[4] سفینۃ الاولیاء (قلمی نسخہ)

[5] نفحات الانس ص ۲۹۷ - ۲۹۶

محمد چشتیؒ اُن کے فرزند تھے۔ اور مولانا جامیؒ کے بیان کے مطابق ایک اشارۂ غیبی پر انھوں نے سومنات پہنچ کر محمود غزنوی کی مدد کی تھی[1]۔ سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ انھوں نے نماز معکوس بھی پڑھی تھی[2]۔ خواجہ ناصر الدین یوسف چشتیؒ، خواجہ محمد چشتیؒ کے خواہرزادہ تھے[3]۔ اُن سے ملنے کے لئے خواجہ عبداللہ انصاری ہرویؒ، چشت آئے تھے[4]۔ خواجہ مودود چشتیؒ اُن کے فرزند ارجمند تھے۔ ان کے متعلق میر خورد کا بیان ہے کہ ــــــ

"جملہ مشایخ کبار وقت محکوم و منقاد حکم او بودند و در غایت تعظیم و در نہایت تکریم اومی کوشیدند" [5]

حاجی شریف زندنیؒ نے چالیس سال تک خلقت کے ہجوم سے علیحٰدہ رہ کر مجاہدات کئے تھے۔ اور درختوں کے پتے اور جنگل میں اُگنے والے میووں پر گزر اوقات کی تھی۔ علماء، فضلا اور اہل حقیقت سب اُن سے عقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے خلیفہ خواجہ عثمان ہارونیؒ کے متعلق میر خورد نے لکھا ہے کہ ــــــ

"در علم شریعت و طریقت و حقیقت اعلم وقت بود"

اُن ہی کے دامن تربیت سے وہ شیخ وقت وابستہ ہوا جس کی جد و جہد سے دیارِ ہند میں چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل پڑی اور سلسلہ اس طرح پروان چڑھا کہ کسی دوسرے ملک میں اس کی مقبولیت کا حلقہ اتنا نہ بڑھ سکا تھا۔

---

[1] نفحات الانس ص ۲۹۷

[2] سیر الاولیاء ص ۴۰

[3] نفحات الانس ص ۲۹۸؛ مولانا جامی نے اُن کا نام اس طرح لکھا ہے: خواجہ یوسف بن محمد بن سمعانؒ

[4] نفحات الانس ص ۲۹۹

[5] سیر الاولیاء ص ۴۲؛ نیز ملاحظہ ہو نفحات الانس ص ۳۰۲ - ۲۹۹

باب دوم

ہندوستان میں سلسلہ کا اجراء اور دورِ اوّل کے مشائخ

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کا اجراء

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خواجہ معین الدین چشتی رح سے قبل کچھ چشتی بزرگ ہندوستان تشریف لا چکے تھے[1] لیکن حقیقت یہ ہے کہ چشتیہ سلسلہ کو ہندوستان میں جاری کرنے کا شرف ان ہی کو حاصل ہوا۔ وہ پرتھوی راج کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر کو اپنا مستقر بنا کر تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کر دیا۔ میر خورد نے ان کو "نائب رسول اللہ فی الہند"[2] لکھا ہے۔

ابو الفضل کا بیان ہے:

"عزلت گزیں با جمیر شد، و فراواں چراغ برافروخت، و از دم گیرائے او گروہا گروہا مردم بہرہ برگرفتند"[3]

---

[1] مثلاً خواجہ ابو محمد بن ابی احمد چشتی رح نفحات الانس ص ۲۰۷

[2] سیر الاولیاء ص ۴۵

[3] آئین اکبری (سرسید ایڈیشن) ص ۲۷۰

Marfat.com

اُن دنوں اجمیر راجپوت سامراج کا مضبوط مرکز اور ہندوؤں کا مذہبی گڈھ تھا۔ دور دُور سے ہندو اپنی مذہبی رسوم پوری کرنے کے لئے وہاں جمع ہوتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے اخبار الاخیار میں اجمیر کی مذہبی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ [۱]

ایک ایسے زبردست سیاسی اور مذہبی مرکز میں قیام کا فیصلہ نہ صرف خواجہ صاحب رح کے عزائم کی ترجمانی کرتا ہے، بلکہ اُن کی غیر معمولی خود اعتمادی کا بھی آئینہ دار ہے۔

عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی محمد غوری کے حملوں کے بعد شروع ہوئی۔ یہ خیال غلط ہی نہیں بلکہ گمراہ کُن بھی ہے۔ محمد غوری کے حملہ سے قبل (یعنی ہندو راجاؤں کے عہد حکومت میں) ہندوستان میں متعدد جگہ مسلمانوں کی نوآبادیات موجود تھیں جہاں اُن کے مدرسے، خانقاہیں اور دینی ادارے قائم تھے۔ جو لوگ دینی اداروں کی تشکیل و تعمیر کی حوصلہ شکن مشکلات کا تھوڑا سا بھی تجربہ رکھتے ہیں، وہی اُن مصائب کا بھی اندازہ لگا سکتے ہیں جن سے اِن بزرگوں کو دوچار ہونا پڑا ہوگا۔ حالات کی ناسازگاری اور ماحول کی برہمی قدم قدم پر دامن پکڑ کر کھینچتی تھی، لیکن شوق کی بے پایانی پکار پکار کر کہتی تھی ؎

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں
تو کانٹوں میں اُلجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

اجمیر کے علاوہ جہاں خواجہ معین الدین چشتی رح نے پرتھوی راج کے زمانہ میں اپنی خانقاہ بنائی تھی، بدایوں، بنارس، قنوج، ناگور، اور بہار کے بعض شہروں میں مسلمانوں کی خاصی آبادی تھی۔ حضرت مولانا رضی الدین حسن صغانی رح صاحبِ مشارق الانوار، جن کا نام ہندوستان کے علمائے حدیث میں سرِفہرست آتا ہے، محمد غوری کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہونے سے تقریباً دس سال قبل بدایوں میں پیدا ہوئے تھے۔ [۲]

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۲۴

[۲] فوائد الفواد ص ۱۰۳ (نول کشور ۱۳۰۲ھ) "او از بداؤں بود"

Marfat.com

وہیں انھوں نے دینی تعلیم حاصل کی اور وہیں اپنا ابتدائی زمانہ گذارا۔ جب بدایوں کا یہ عظیم المرتبت فرزند بغداد پہنچا تو بڑے بڑے عالموں کی گردنیں اُس کے آگے جھک گئیں۔

ابن اثیر نے بنارس کے راجہ کی فوج کے متعلق لکھا ہے۔

"ومن جملة عسكره عدة امرأ مسلمين كانوا فی تلک البلاد اباً من جد من ایام السلطان محمود بن سبکتگین یلازمون شریعة الاسلام ویواظبون علی الصلوٰة وافعال الخیر" [1]	اس کے سپاہیوں میں ایک تعداد مسلم امیروں کی بھی تھی جن کے آباد اجداد سلطان محمود بن سبکتگین کے زمانے سے ان حصوں میں رہتے چلے آئے تھے، شریعت اسلامیہ کی پابندی کرتے تھے اور اپنی نمازوں اور دیگر اعمال خیر میں راسخ تھے۔

قنوج میں مسلمانوں کی حکومت کے قائم ہونے سے قبل مسلمان موجود تھے۔ بہار کے متعلق بھی جدید تحقیقات یہ ہی ہے کہ محمد بن بختیار خلجی کی فتح (۱۱۹۹ء) سے قبل وہاں صوفیۂ کرام اور بزرگانِ دین پہنچ چکے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے قرونِ وسطیٰ کی تاریخ کا یہ پہلو اب تک تشنۂ تفسیر و تعبیر ہے۔ ضرورت ہے کہ محمد غوری سے قبل ہندوستان میں مسلمانوں کی نوآبادیوں، اُن کی تاریخی حیثیت، اور عام سماجی نقشے میں اُن کی اہمیت پر تفصیل سے تحقیقات کی جائے۔

بہر حال، اس وقت یہ عرض کرنا مقصود تھا کہ خواجہ معین الدین چشتی رح کا ہندوستان تشریف لانا ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب کا رونما ہونا تھا۔ اس انقلاب کی صحیح نوعیت سمجھنے کے لئے ہندوستان کی سماجی حالت پر ایک طائرانہ نظر ڈالنی ضروری ہے۔

گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی سماجی حالت خددر

---

[1] ابن اثیر حصہ دوازدہم ص ۴۹

تباہ تھی۔ ہر شخص نہ صرف "اسیرِ امتیازِ ما و تو" تھا بلکہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار۔ اتحادِ فکر و عمل کا کہیں دُور دُور نام نہ تھا۔ چھوت چھات نے مدنی زندگی کے سارے سرچشمے مسموم کر دیئے تھے۔ زندگی کی ساری لذتیں اونچی ذات کے لوگوں کے لئے مخصوص تھیں۔ غریب عوام جن مصائب میں مبتلا تھے اُن کی دردناک تصویر ابی الریحان البیرونی نے کتاب الہند میں پیش کی ہے[1]۔ زندگی اُن کے لئے بوجھ تھی۔ اللہ نے انھیں آدمی بنایا تھا، لیکن اس کے بندوں نے انھیں جانوروں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

البیرونی لکھتا ہے "ہندوؤں میں بکثرت ذاتیں ہیں۔ ہم مسلمانوں کا مسلک عام مساوات نیز اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ کے مطابق ان سے بالکل جداگانہ ہے اور یہی وہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیاں حائل ہے۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے چھوت چھات کے اس بھیانک ماحول میں اسلام کا "نظریۂ توحید" عملی حیثیت سے پیش کیا اور بتایا کہ یہ صرف ایک تخیلی چیز نہیں ہے، بلکہ زندگی کا ایک ایسا اُصول ہے جس کو تسلیم کر لینے کے بعد ذات پات کی سب تفریق بے معنی ہو جاتی ہے۔ یہ ایک زبردست دینی اور سماجی انقلاب کا اعلان تھا۔ ہندوستان کے بسنے والے ہزاروں وہ مظلوم انسان جن کی زبوں حالی پکار رہی تھی ع

جینے سے مراد ہے نہ مرنا شاید

اس اعلان کو سُن کر دوبارہ زندگی کا کیف محسوس کرنے لگے۔ صاحب سیر الاولیائے نے لکھا ہے:

---

[1] کتاب الہند کا انگریزی ترجمہ جرمنی کے مشہور مستشرق پروفیسر زخاؤ نے کیا تھا۔ جو بہت مستند مانا جاتا ہے اا اردو ترجمہ انجمن ترقی اردو کی جانب سے شائع ہو چکا ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں ہندوستان کے سماجی حالات کے متعلق البیرونی کے خیالات کا خلاصہ پروفیسر محمد حبیب نے INDIAN CULTURE AND SOCIAL LIFE AT THE TIME OF THE TURKISH INVASIONS (ALIGARH, 1941) میں کر دیا ہے جو مطالعہ کے قابل ہے۔

Marfat.com

"وکرامت دیگر آنکہ مملکت ہندوستان تا حد برآمدن آفتاب ہمہ دیار کفر و کافری و بت پرستی بود و متمردان ہند ہر یکے دعوی انا ربکم الاعلیٰ می کردند، و خدائے را جل و علیٰ شریک می گفتند و سنگ و کلوخ و دار و درخت و ستور گاؤ سرگیں ایشاں را سجدہ می کردند و بہ ظلمت کفر قفل دل ایشاں مظلم و محکم بود۔ بوصول قدم مبارک آں آفتاب اہلِ یقین کہ بحقیقت معین الدین بود ظلمتِ ایں دیار بنورِ اسلام روشن و منور گشت۔" [۱]

خواجہ اجمیری رح کی زندگی بہت سادہ لیکن دلکش تھی۔ ہندوستان کے سب سے بڑے سماجی انقلاب کا یہ بانی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک پھٹی ہوئی دوتہی میں لپٹا ہوا بیٹھا رہتا تھا۔ پانچ مثقال سے زیادہ کی روٹی کبھی افطار میں میسر نہ آتی [۲] لیکن نظر کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جس کی طرف دیکھ لیتے معصیت کے سوت اس کی زندگی میں خشک ہو جاتے۔ رسالہ احوال پیران چشت میں لکھا ہے:

"نظر شیخ معین الدین بر ہر فاسقے کہ افتادے در زماں تائب شدے باز گرد معصیت نگشتے۔"

شیخ معین الدین کی نظر جس فاسق پر پڑ جاتی وہ تائب ہو جاتا اور پھر کبھی گناہ کے پاس تک نہ جاتا۔

ہمارے پاس شیخ اجمیری رح کے مستند حالات مرتب کرنے کے لئے مواد کی بہت کمی ہے۔ بعد کے تذکرے تاریخی اعتبار سے ناقص ہیں۔ اس لئے اجمیر میں اُن کے اثرات کا صحیح اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ سیرالاولیاء کے بیان سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ پرتھوی راج کا ایک مقرب درباری، اُن کے حلقۂ مریدین میں شامل تھا [۳] جس کے معنی یہ ہیں کہ اُن کے اثرات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔

محمد غوری اور قطب الدین ایبک کی فتوحات کے بعد، اجمیر کی سیاسی حیثیت اور

---

[۱] سیرالاولیاء ص ۴۷

[۲] سیرالاولیاء و سیرالعارفین ص ۷

[۳] سیرالاولیاء ص ۴۶

Marfat.com

اہمیت میں کمی آگئی۔ سلطنت کا مرکز پہلے لاہور اور پھر دہلی کو منتقل ہوگیا۔ خواجہ صاحبؒ اس سیاسی تبدیلی سے متاثر ہوئے بغیر اجمیر ہی میں مقیم رہے اور جو شمع بادِ مخالف کے تند و تیز جھونکوں کے درمیان روشن کی تھی اس کو جلائے رہے۔ انھوں نے صرف ایک عزیز مرید اور خلیفہ کو دہلی میں رہ کر سلسلہ کی نشر و اشاعت پر متعین کر دیا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے شمالی ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کو پھیلانے کی کوشش کی اور مدت العمر اپنے پیر و مرشد کے اصولوں پر سختی سے عامل رہے۔

خواجہ اجمیریؒ کے خلفاء میں دو بزرگ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور شیخ حمید الدین صوفی سوالی ناگوریؒ۔ مؤخر الذکر نے ناگور[1] میں قیام کر لیا تھا اور وہاں ایک بیگہ زمین کی کاشت کر کے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ ایک چادر کمر سے بندھی رہتی۔ دوسری جسم پر ڈال لیتے۔ بیوی کا یہ حال تھا کہ سر پر دوپٹہ تک نہ تھا۔ پیراہن کا دامن سر پر ڈال لیا کرتی تھیں۔ لیکن اُن کی اس غریبی میں استغنا کی ایک عجیب شان تھی۔ دنیاوی جاہ و حشم کا ذکر کبھی اُن کی مجلس میں کسی نے نہیں سُنا۔[2] ایک مرتبہ والیِ ناگور نے شاہِ وقت کی جانب سے کچھ زمین اور نقد روپیہ پیش کیا اور قبول کرنے کی درخواست کی۔ فرمایا ع

مرا طریق امارت نہیں محبت ہے

ہمارے خواجگان میں سے کسی نے ایسی چیز قبول نہیں کی۔ ایک بیگہ زمین جو میرے پاس ہے میرے لئے کافی ہے۔[3]

---

[1] ناگور کے متعلق ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کا مضمون

NAGAUR: A FORGOTTEN KINGDOM

مطبوعہ دکن کالج ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بلیٹن (پونہ) نومبر ۱۹۴۰ء (ص ۱۴۳-۱۶۶) مطالعہ کے قابل ہے۔

[2] سیر الاولیاء ص ۱۵۷-۱۵۶

[3] سیر الاولیاء ص ۱۵۷-۱۵۶

Marfat.com

راجپوتانہ کے ایک گاؤں میں کاشت کرنے والا یہ "مردفقیر" ایک جید عالم تھا. علومِ دینی پر اُن کی نظر کا اندازہ صرف وہی لگا سکتے ہیں جنھوں نے سرور الصدور کا غور سے مطالعہ کیا ہے۔ جس کتاب کے متعلق جو رائے ظاہر کر دی ہے وہ اپنی جگہ حرفِ آخر ہے۔ تفسیر کشاف کے متعلق فرماتے ہیں:

"آنچہ در کتابہائے دیگر است ہم ازیں کتاب است۔ ہرچہ دانستہ اندو خوش آمدہ است ازینجا نقل کردہ اند و کتابے علیحدہ بنام خویش کردہ اند"۔ [۱]

مولانا فخر الدین رازیؒ کے متعلق جو خیال ظاہر کیا ہے۔ اس کو پڑھ کر بے اختیار مولانا ابوالکلام آزاد کے ترجمان القرآن کا مقدمہ یاد آجاتا ہے۔

شیخ حمید الدین ناگوریؒ اپنے مریدین و متعلقین کو علم فرائض حاصل کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ سرور الصدور میں لکھا ہے:

"فرمودند اگر فرائض بحث کنند نیکو باشد کہ اول علمے کہ مقصود شود علم فرائض باشد و پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمود است کہ تعلموا الفرائض وعلموھا"۔ [۲]

اپنے مریدین کو کیمیائے سعادت کے مطالعہ کی خاص طور سے ہدایت فرمایا کرتے تھے "بابا پیوستہ ایں را در نظر می باید داشت"۔ [۳] اگر نصاب تعلیم سے مقصد تعلیم کا پتہ لگایا جاسکتا ہے تو سرور الصدور میں شیخ کی مجوزہ کتابوں [۴] کو پیش نظر رکھ کر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ صحیح دینی جذبہ پیدا کرنے کے لئے بے چین رہتے تھے اور چاہتے تھے کہ ہر مسلمان دین کے

---

[۱] سرور الصدور (قلمی نسخہ) ص ۴۴

سرور الصدور کا یہ قلمی نسخہ میں نے حبیب گنج کے کتب خانہ سے نقل کرا کر منگوایا ہے اور ایک دوسرے قدیم نسخے سے مقابلہ کرنے کے بعد اس کو مرتب کیا ہے۔ چودھویں صدی کے ملفوظات میں سرور الصدور کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے کسی خلیفہ کا اس کے علاوہ کوئی ملفوظ نہیں ملتا۔

[۲] سرور الصدور۔ ص ۲۹۔

[۳] سرور الصدور۔ ص ۳۱۔ [۴] (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

بنیادی مسائل اور اوامر و نواہی اور فرائض سے پوری طرح واقف ہو۔

غالباً دینی مسائل میں اُن کی بالغ نظری ہی کا خیال کرتے ہوئے سلطان التتمش نے اِن کو اس جلسہ میں مدعو کیا تھا جو شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے خلاف ایک جھوٹے الزام کی تحقیق کے سلسلے میں طلب کیا گیا تھا[1] اس جلسہ میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ بھی شریک تھے۔ دونوں بزرگوں کے درمیان فقر و غنا پر بہت دل چسپ گفتگو ہوئی تھی۔[2]

شیخ ناگوریؒ صاحبِ تصانیف بزرگ تھے۔ اُن کی تصانیف، مکتوبات اور اشعار سب وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ اُن کی ایک کتاب اصول الطریقہ علماً وصوفیہ میں بہت مقبول تھی۔ عربی، فارسی اور ہندی تینوں زبانوں پر پورا عبور تھا۔ عموماً ہندی میں گفتگو کرتے تھے۔ سرور الصدور میں لکھا ہے:

به زبانِ ہندوی گفتند[3]

شیخ ناگوریؒ نے طویل عمر پائی ۶۷۳ھ / ۱۲۷۴ء میں وصال فرمایا۔ اُن کے فرزند شیخ عزیز کا انتقال اُن کے سامنے ہی ہو گیا تھا۔ اِس لئے اپنے پوتے شیخ فرید الدین کو سجادہ نشین

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

[4] سرور الصدور میں جن کتابوں کے حوالے ہیں، اُن کے نام ملاحظہ ہوں۔
قدوری۔ کتاب فائق (این کتاب را لازم گیر که بزرگ است و هر کسے این کتاب را نداند۔ ص ۴۰) تفسیر مدارک۔ تفسیر کشاف۔ تفسیر مقاتل۔ مقامات شیخ ابو سعید ابو الخیر۔ کیمیائے سعادت تحفۃ الشباب۔ مکتوبات فخر الدین رازیؒ۔ اسناد حلیہ شیخ عبد اللہ تستری۔ مکتوباتِ عین القضاۃ۔ صحاح نعت۔ (مولانا رضی الدین صغانی) مشارق الانوار۔ مصباح الدجےٰ (مولانا رضی الدین صغانیؒ)۔ قوت القلوب۔ تفسیر زاہد۔ تفسیر امام ناصر الدین۔ نہج البلاغت۔ اخبار الآثار۔ سیر الملوک۔

[1،2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیر العارفین، و اخبار الاخیار۔

[3] سرور الصدور۔ ص ۱۰

Marfat.com

مقرر کر دیا۔ شیخ فریدؒ کے خلفاء اور مُریدین میں مولانا ضیاء الدین نخشبیؒ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔[1]

دہلی میں چشتیہ سلسلہ کا مرکز

دہلی میں چشتیہ سلسلہ کا مرکز شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی کوششوں سے قائم ہوا۔ انھوں نے سلطان شمس الدین التتمش کے عہد میں دہلی آکر ارشاد و تلقین کا انقلاب برپا کیا۔ یہ زمانہ وہ تھا جب دہلی کی تعمیر و تشکیل پورے جوش و خروش کے ساتھ کی جارہی تھی۔ وسط ایشیا میں منگولوں کا طوفان کف بر دہاں امنڈ رہا تھا اور ہزاروں کی تعداد میں علماء و مشایخ، شعراء و ادباء دہلی کی طرف رجوع ہو رہے تھے۔[2] اس طرح دہلی کی حیثیت ایک بین الاقوامی شہر کی سی ہو گئی تھی جہاں اسلامی ایشیاء کے گوشہ گوشہ کا آدمی پناہ گزیں تھا۔ عصامی نے لکھا ہے:

غرض چونکہ خرشید روئے زمیں — شہ التتمش آں شمس دنیا و دیں
بہ دہلی چناں تخت گاہے بساخت — سپاہش در اقصائے آں ملک تاخت
در آں شہر یک رونقے شد پدید — بلے لذتے باشد اندر جدید
بسے سیدانِ صحیح النسب — رسیدند در وے ز ملک عرب
بسے کاسبانِ خراسان زمین — بسے نقشبندانِ اقلیم چیں
بسے عالمانِ بخارا نژاد — بسے زاہد و عابد از ہر بلاد
ز ہر ملک و ہر جنس صنعت گراں — ز ہر شہر و ہر اصل سیمیں براں
بسے ناقدانِ جواہر شناس — جواہر فروشاں بروں از قیاس[3]

---

[1] مولانا ضیاء الدین نخشبیؒ کے حالات اور تصنیفات کے لئے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون مطبوعہ "برہان"، نومبر ۱۹۵۱ء۔

[2] ملاحظہ ہو، طبقات ناصری، منہاج السراج۔ ص ۱۶۶

[3] فتوح السلاطین۔ مرتبہ محمد یوشع ص ۱۱۵۔ ۱۱۴۰ء

حکیمانِ یوناں، طبیبانِ روم | بسے اہل دانش زہر مرز و بوم
دراں شہر فرخندہ جمع آمدند | چو پروانہ بر نور شمع آمدند
یکے کعبۂ ہفت اقلیم شد | دیارش ہمہ دار اسلیم شد
شنیدم کہ بنّائے آں تخت گاہ | رسانیدرا بات دیں را بہ ماہ

سلطان کو علمار و مشائخ سے بڑی عقیدت تھی[1] جب کسی بزرگ کی آمد کی خبر سُن پاتا تو میلوں تک استقبال کے لئے نکل جاتا۔ اور محل میں قیام کرنے پر اصرار کرتا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح جب دہلی پہنچے تو سلطان نے اُن کی بھی بہت عزت کی۔ قطب صاحب رح نے دربار سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہیں کیا۔ لیکن سلطان برابر عقیدت کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ اور یہ عقیدت رفتہ رفتہ اتنی بڑھ گئی کہ سلطان نے قطب مینار اُن کی یادگار میں تعمیر کرایا۔ اور حوضِ شمسی بنانے کے سلسلے میں ان کے مشوروں پر خلوص سے عمل کیا۔ قطب صاحب رح سے سلطان کا اتنا گہرا تعلق دیکھ کر بعض جاہ پرست لوگوں کی آتشِ حسد بھڑک اٹھی اور اُنھوں نے شیخ کو دہلی سے ہٹانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ ایک مرتبہ خواجہ معین الدین چشتی رح اپنے مرید سے ملنے کے لئے دہلی تشریف لائے تو انھیں یہ دیکھ کر بڑی تکلیف ہوئی کہ دہلی کا شیخ الاسلام نجم الدین صغری محض اس بنار پر قطب صاحب کا دہلی میں قیام پسند نہیں کرتا کہ لوگ ان سے بے حد عقیدت اور ارادت رکھتے ہیں۔ بالآخر انھوں نے قطب صاحب رح کو اپنے ساتھ اجمیر لے جانے کا فیصلہ کیا۔ جب عوام کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو ان کے غم والم کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ تفصیل میر خورد کی زبانی سنئے:

"پس دراں مرتبہ شیخ قطب الدین | الغرض اس مرتبہ شیخ قطب الدین
ہمراہ شیخ روانہ اجمیر گردید۔ ازیں | اپنے شیخ کے ہمراہ اجمیر روانہ ہوئے

---

[1] ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون ILTUTMISH, THE MYSTIC مطبوعہ ISLAMIC CULTURE اپریل ۱۹۴۶ء

Marfat.com

مقدمہ درتمام شہر دہلی شور اُفتاد ہمہ اہل شہر مع سلطان شمس الدین دنبال برآمدند وبہرجا شیخ قطب الدین قدم می گذاشت خلائق خاک آں زمیں بہ تبرک برمیداشتند و نہایت اضطراب و زاری می نمودند۔ شیخ معین الدین ایں حال را معاینہ کرد۔ فرمود بابا بختیار! ہمدریں مقام باش کہ خلایق از بیرون آمدن تو در اضطراب وخراب است۔ روا ندارم کہ چندیں دلہا خراب وکباب باشند۔ بروایں شہر را در پناہ تو گذاشتیم۔ پس سلطان شمس الدین سعادت قدم بوسی شیخ را دریافتہ ہمراہ شیخ قطب الدین بشادی تمام متوجہ شہر گردید وشیخ معین الدین بطرف اجمیر روانہ گشتند“ ۱؎

اس خبر سے تمام شہر دہلی میں ہر طرف کہرام مچ گیا۔ تمام اہل شہر مع سلطان شمس الدین آپ کے پیچھے نکلے جس جگہ شیخ قطب الدین قدم رکھتے تھے لوگ اس جگہ کی خاک کو تبرکاً اٹھا لیتے تھے اور انتہا درجے کی بے قراری وزاری کرتے تھے۔ شیخ معین الدین نے جب یہ صورت دیکھی تو فرمایا بابا بختیار تم یہیں رہو، کیونکہ خلقت تمھارے جانے سے اضطراب وبیقراری میں ہے میں ہرگز اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ اتنے دل خراب وکباب ہوں، جاؤ میں نے اس شہر کو تمھاری پناہ میں چھوڑا۔ پس سلطان شمس الدین نے شیخ کی سعادت قدم بوسی حاصل کی اور شیخ قطب الدین کے ہمراہ نہایت خوشی کے ساتھ شہر کی طرف متوجہ ہوا ادھر شیخ معین الدین اجمیر کی طرف روانہ ہوگئے۔

قطب صاحبؒ کا دہلی میں قیام کرلینا چشتیہ سلسلہ کے حق میں بہت مفید ثابت ہوا دہلی اب اسلامی ہند کا قلب وجگر بن چکی تھی۔ وہ تمام عناصر جو آیندہ صدی میں مسلمانو

۱؎ سیر الاولیاء ص ۵۴

Marfat.com

کی دینی اور ثقافتی زندگی پر اثر انداز ہونے والے تھے، یہاں موجود تھے۔ ان ہی میں سے چشتیہ سلسلہ کی تحریک کو کامیاب بنانے کا سامان فراہم کرنا تھا۔ قطب صاحبؒ نے دارالسلطنت کے مہلک اثرات سے اپنا دامن بچا لیا، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہاں کے حالات سے پورا فائدہ اُٹھایا اور تصوف کے خیالات ہر طبقہ کے کانوں تک پہنچا دیئے، یہاں تک کہ "جملگی عالم از صدور دائمہ بدعا گوئی روئے نہادند"۔ [1]

قطب صاحبؒ کے خلفاء تذکروں میں قطب صاحبؒ کے مندرجہ ذیل خلفاء و مریدین کے نام ملتے ہیں:

①	شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ	اجودہن
②	شیخ بدرالدین غزنویؒ	دہلی
③	خواجہ عمادالدینؒ [2]	بلگرام
④	خواجہ سید محمد صغریٰؒ [3]	بلگرام
⑤	شیخ محمودؒ	نہروالہ
⑥	شیخ معزالدینؒ	دہلی
⑦	شیخ حامدالدینؒ	نہروالہ
⑧	شیخ سعدؒ	
⑨	قاضی عمادؒ [4]	

لیکن سلسلہ کی نشر و اشاعت کا کام صرف بابا فریدؒ اور شیخ بدرالدین غزنویؒ ہی نے انجام دیا۔

---

[1] اخبارالاخیار ص ۲۶

[2] مآثرالکرام ص ۱۰-۹۔ مراۃ المبتدین میں سید شریف بلگرامی ان کے متعلق لکھتے ہیں: "خواجہ عمادالدین بلگرامی قطب وقت و صاحب ولایت بود۔ ہیچ کس را مرید و خلیفہ نہ گرفت (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

Marfat.com

شیخ بدر الدینؒ، غزنیںؔ کے باشندے تھے۔ وہاں سے لاہور تشریف لائے۔ پھر دہلی کا رخ کیا اور حضرت قطب صاحبؒ کے حلقۂ مریدین میں شامل ہو گئے۔ اور جب تک پیر زندہ رہے اُن کی خدمت سے جدا نہ ہوئے۔ ؎۲

شیخ بدر الدین غزنویؒ وعظ میں کمال رکھتے تھے، اُن کی مجالس تذکیر میں بابا فرید گنج شکرؒ، قاضی حمید الدین ناگوریؒ، قاضی منہاج السراجؒ، سید نور الدین مبارک غزنویؒ، مولانا مجد الدینؒ وغیرہ شریک ہوا کرتے تھے۔ شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی۔ میر خورد نے لکھا ہے کہ ان کا ایک دیوان بھی تھا، جو اب دستیاب نہیں ہوتا۔

شیخ بدر الدینؒ نہایت ذی مرتبہ بزرگ تھے، لیکن قطب صاحبؒ کے وصال کے بعد وہ دار السلطنت کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ان کا زیادہ وقت دعوتوں اور امراء کی صحبتوں میں صرف ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ہاتھوں سلسلہ کا نشوونما نہ ہو سکا بلکہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے سجادۂ مشیخت پر جلوہ افروز ہونے تک، دہلی میں چشتیہ سلسلہ کا چراغ مدھم پڑ گیا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے ایک دن دبے الفاظ میں شیخ بدر الدین غزنویؒ کے متعلق فرمایا:

”شیخ بدر الدین سخت بزرگ بود	شیخ بدر الدین بہت بزرگ تھے لیکن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

وخود را پنہاں می داشت ... چوں مابین بلگرام و قنوج دریائے گنگ است بر لباس طالب علمی از بلگرام بہ قنوج وقت سحر کہ کسے خبردار نہ شود بروئے آب می رفت و سبق می خواند و شام می آمد، و ہیچ کدام ازاں اطلاعے نہ داشت“۔ میرے خیال میں خواجہ صاحب نے اس طرح قنوج میں ہندوؤں کے علوم حاصل کئے ہوں گے۔

؎۱ مآثر الکرام۔ ص ۱۱۔ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے: ”در اعلائے کلمۂ دین و احیائے سنت و اماتت بدعت قدمے راسخ داشت و با سلطان شمس الدین بسر می بُرد“۔

؎۲ آخری پانچ نام گلزار ابرار میں ہیں اور مختصر حالات بھی درج ہیں۔ (اردو ترجمہ ص ۴۳ - ۴۲)

فامّا ہرگاہ کہ در شہر در آمد و بخلق مشغول شد کار او چگونہ پیش رود"؎۱	جب شہر آئے اور لوگوں میں مشغول ہو گئے تو اُن کا کام کیسے آگے بڑھتا؟

التمش کے انتقال کے بعد جب دہلی کے حالات ابتر ہونے لگے تو شیخ بدر الدین غزنویؒ ملک نظام الدین خریطہ دار سے وابستہ ہو گئے۔ اور اس کی بنائی ہوئی خانقاہ میں رہنے لگے جب ملک نظام الدین پر تباہی آئی تو شیخ غزنویؒ بھی نہ بچ سکے۔ پریشانی کی حالت میں انھوں نے بابا فریدؒ سے دعا کی درخواست کی تو انھوں نے جواب میں فرمایا:

"ہر کہ بر سیرت و سنت پیران خود نرود ہم چنیں باشد"؎۲	جو کوئی اپنے پیروں کی سنت اور سیرت کا اتباع نہیں کرتا اس کا یہی (حشر) ہوتا ہے۔

شیخ بدر الدین غزنویؒ کے ذریعہ چشتیہ سلسلہ کا نظام زیادہ ترقی نہیں کرسکا۔ اُن کے خلفاء میں شیخ امام الدین ابدالؒ (م ۶۸۶ھ) کا نام تذکروں میں ملتا ہے؎۳۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے اُن کے تعلقات بہت شگفتہ تھے۔ اور وہ ان کی محفل سماع میں اکثر شریک ہوا کرتے تھے۔ شیخ امام الدینؒ کے بعد اُن کے فرزند شیخ شہاب الدین عاشق خدا؎۴ اُن کے خلیفہ ہوئے۔ اُن کے بعد شیخ عماد الدینؒ؎۵ سجادۂ مشیخت پر بیٹھے۔ اُن کے ایک خاص مُرید اور خلیفہ شیخ تاج الدین امامؒ تھے۔ ان کا ایک رسالہ موسوم بہ "رسالہ حال خانوادۂ چشت" خاکسار کے پاس ہے۔

؎۱ شیخ کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ فوائد الفواد، سیر الاولیاء، روضۂ اقطاب، مرآۃ الاسرار وغیرہ

؎۲ فوائد الفواد ص ۱۶۶

؎۳ شیخ امام الدین ابدالؒ کا مختصر حال مرآۃ الاسرار (قلمی نسخہ مملوکہ خاکسار ص ۶ ۳ ۵) روضۂ اقطاب، محمد بولاق چشتی۔ ص ۸۳، ۸۲، گلزار ابرار (اردو ترجمہ) ص ۲، میں ملتا ہے

؎۴ ملاحظہ ہو، گلزار ابرار (اردو ترجمہ) ص ۲۴، مرآۃ الاسرار (قلمی) ص ۶ ۳ ۵ روضۂ اقطاب ص ۸۴۔۸۳

؎۵ ملاحظہ ہو، گلزار ابرار (اردو ترجمہ) ص ۱۲۴

Marfat.com

اس کا سنہ کتابت ۱۱۹۶ھ ہے اور سرورق پر "امجد علی شاہ" کے کتب خانہ کی مہریں ہیں۔ اس رسالہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شیخ بدرالدین غزنویؒ سے لے کر شیخ عمادالدینؒ تک کے حالات ایک ایسے بزرگ کے مرتب کئے ہوئے ہیں۔ جو خود اس خاص سلسلہ سے تعلق رکھتا تھا۔

شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ اور پنجاب میں چشتیہ سلسلہ کی اشاعت

حضرت قطب صاحبؒ سے جب بابا فریدؒ کی آخری ملاقات ہوئی تو مصلےٰ خاص اور عصا عنایت فرمایا اور کہا:

"من امانت شمارا یعنی سجادہ و خرقہ و دستار و نعلین بقاضی حمیدالدین ناگوری خواہم داد بعد از پنجم روز بشما خواہد رسانید آنرا اگر دارید، مقام ما مقام شما است"۔[۲]

میں تمھاری امانت یعنی سجادہ اور خرقہ اور دستار اور کھڑاویں قاضی حمیدالدین ناگوری کو دے جاؤں گا۔ وہ پانچ روز کے بعد تمھیں پہنچا دیں گے۔ تم انھیں حفاظت سے رکھنا، ہمارا مقام حقیقت میں تمھارا ہی مقام ہے"۔

جس رات کو قطب صاحبؒ نے وصال فرمایا اسی رات کو بابا فریدؒ نے انھیں خواب میں دیکھا کہ اپنے دربار میں بلا رہے ہیں۔ صبح ہوتے ہی اُنھوں نے دہلی کا رُخ کیا۔ ہانسی سے دہلی پہنچنے میں چار دن لگے۔ قاضی حمیدالدین ناگوریؒ نے امانت اُن کے حوالے کردی۔ بابا صاحب نے خرقہ زیب تن فرمایا، اور قطب صاحبؒ کے سجادہ پر بیٹھ گئے۔ ابھی تین ہی دن ہوئے تھے کہ ایک شخص سرہنگا نامی ہانسی سے دہلی آیا۔ دو تین مرتبہ بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کی کوشش کی۔ دربان نے اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ ایک دن بابا فریدؒ گھر سے باہر نکلے تو سرہنگا موقع پا کر پاؤں پر گر پڑا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا:

۱؎ سیرالاولیاء ص ۳،

۲؎ سیرالاولیاء ص ۳،

Marfat.com

شما در ہانسی بودید من شمارا آسان میدیدم، ایں ساعت دیدن شما دشوار شدہ است ۔ [1] | جب آپ ہانسی میں تھے تو میں آسانی سے آپ کو دیکھ لیا کرتا تھا۔ اب آپ کا دیکھنا مشکل ہو گیا ہے ۔

بابا فریدؒ نے سرہنگا کی آواز کو غیب کی تنبیہہ سمجھا اور اُن کی دوربین نظر نے یہ محسوس کر لیا کہ دہلی میں رہ کر عوام سے تعلق نہ صرف کم ہو جائے گا بلکہ دارالسلطنت کا ماحول سلسلہ کی تبلیغ و ترویج میں حائل رہے گا۔ فوراً ہانسی کی طرف روانہ ہو گئے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے پیر و مرشد نے یہی مقام آپ کو دیا ہے، تو فرمایا میرے پیر نے جو نعمت مجھے عطا فرمائی ہے وہ محدود نہیں ہے۔ شہر میں بھی وہی ہے اور جنگل و بیابان میں بھی وہی ہے[2]

بابا فریدؒ کا دہلی قیام نہ کرنا چشتیہ سلسلہ کے حق میں اتنا ہی مفید ہوا، جتنا قطب صاحبؒ کا دہلی میں قیام کرنا۔ التمش کی وفات کے بعد عرصہ تک دہلی کے حالات خراب رہے اور علماء و صوفیہ سب نے مل کر خوب سیاست میں حصہ لیا۔ شیخ بدرالدین غزنویؒ قاضی منہاج السراج، مولانا نور ترک، شیخ الاسلام سید قطب الدینؒ وغیرہ وغیرہ سینکڑوں بزرگوں نے اپنے مخصوص دائرۂ عمل کو چھوڑ کر سیاست کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیا۔ ممکن تھا کہ بابا صاحبؒ بھی ان حالات میں رہ کر سلسلہ کا کام انجام دینے سے قاصر رہتے۔ ہانسی اور بعد کو اجودھن میں رہ کر ان کو سلسلہ کا کام کرنے کا اچھا موقع مل گیا۔ اُن کے اثرات پنجاب تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ شمالی ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچے، اور دُور دُور سے عقیدت مند اُن کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ دہلی میں اُن کے تقدس کی اتنی شہرت ہوئی کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ اُن کے نادیدہ عاشق ہو گئے[3] مولانا وحید الدین نبیسۂ خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے اجمیر سے آکر آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی[4] ناگور سے ایک عورت کے اُن کی خدمت میں تحائف بھیجنے کا ذکر

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۷۳، [2] سیر الاولیاء، ص ۷۳،
[3] فوائد الفواد ص ۱۴۹ (نولکشور ۱۳۰۲ھ) [4] فوائد الفواد ص ۲۳۸

فوائد الفواد میں ہے[1]۔ اوچھ اور ملتان کے لوگ تو بڑی کثرت سے اُن کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے[2]۔ ایک مرتبہ ناصر الدین محمود کا لشکر اجودھن سے گذرا تو لشکریوں نے جس عقیدت کا اظہار کیا وہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی زبانی سننے کے قابل ہے:

"در آنچہ سلطان ناصر الدین جانب اوچہ و ملتان رواں شد درمیان اجودھن رفت۔ جملہ لشکر روئے بزیارت شیخ نہادند تا آں مقام کہ بود از انبوہے حیران شد، آں گاہ آستین شیخ از بامے جانب کوچہ بیا ویختند خلق می آمد و می بوسید و می رفت۔ تا ہم پارہ پارہ شد۔ آن گاہ در مسجد آمدہ و مریداں را گفت شما گرد برگرد من باشید تا خلق درون نیایند۔ ہم از دور سلام کنند و باز گردند، مریداں ہمچناں کردند۔ تا یکے فراشے پیرے بیامد و از مریداں کہ گرد برگرد ایستادہ بودند بگذشت، در پائے شیخ افتاد و پائے مبارک بگرفت و بکشید تا ببوسد، شیخ را دشوار

جن دنوں سلطان ناصر الدین اوچہ اور ملتان کی طرف روانہ ہوا تو اجودھن پہنچ کر سارا لشکر شیخ کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ شیخ اتنا انبوہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ شیخ کی آستین گلی کی طرف لٹکائی گئی۔ لوگ آکر بوسہ دیتے اور چلے جاتے ۔ وہ آستین بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ پھر مسجد میں آکر مریدوں کو حکم دیا کہ میرے گرداگرد حلقہ باندھ لو تاکہ لوگ اندر نہ آسکیں اور دور ہی سے سلام کرکے چلے جائیں۔ مریدوں نے ویسا ہی کیا ایک بوڑھا فراش آکر مریدوں کے حلقہ سے گذر، شیخ کے قدموں پر گر پڑا اور پائے مبارک بوسہ دینے کے لئے کھینچا۔ شیخ کو یہ بات اچھی نہ معلوم ہوئی۔ اس فراش نے کہا۔ شیخ الشیوخ

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۸۹ - ۱۸۸

[2] فوائد الفواد ص ۲۱۵

آمد۔ آں فراش گفت : شیخ المشایخ حضرت شیخ فریدالدین تنگ می آئی۔ شکر نعمت خدائے تعالیٰ بہ ازیں بگذار، چوآں فراش ایں سخن بگفت شیخ نعرہ بزد، آں فراش را بنواخت وبسیار معذرت کرد لے

حضرت شیخ فریدالدین آپ کیوں تنگ آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اس سے بھی اچھا شکر ادا کرو جب فراش نے یہ کہا تو شیخ نے نعرہ مارا، فراش کے حال پر نوازش فرمائی اور اس سے معافی مانگی۔

حضرت باباصاحبؒ کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی تھی کہ ہر وقت عقیدت مند پروانوں کی طرح سے اُن کے گرد جمع رہتے تھے۔ آدھی رات تک اُن کی خانقاہ کا دروازہ کھلا رہتا تھا۔ ہر قسم کے لوگ خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا بیان ہے:

"بخدمت شیخ الاسلام فریدالدینؒ از ہر جنس درویش وغیر آں برسیدے" ٢ھ

ہندو جوگی بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ۳ھ باباصاحبؒ ہر شخص سے اُس کی صلاحیت اور سمجھ کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ امیر و غریب کا اُن کے یہاں کوئی امتیاز نہ تھا۔ ہر نئے آنے والے سے اس طرح ملتے تھے گویا برسوں کا آشنا ہے۔ ظاہر و باطن کی ہم آہنگی حیرت انگیز تھی۔ شیخ بدرالدین اسحاقؒ جو خلوت وجلوت میں اُن کے ساتھ رہے تھے فرمایا کرتے تھے:

من خادم محرم بودم وہرچہ بودے بامن بگفتے وبہر کارے مرا بر راہ کردے، در خلا و ملا، یک سخن بودے

میں اُن کا خاص خادم تھا۔ جو کچھ کام ہوتا وہ مجھ سے کہتے تھے۔ خلوت میں اور جلوت میں ایک ہی بات

لے فوائد الفواد ص ۴۶۔ ۱۴۵

٢ھ فوائد الفواد ص ۵

۳ھ فوائد الفواد ص ۸۴

Marfat.com

ہیچ وقت مرادر خلا سخن نگفت یعنی
ظاہر و باطن یک روش داشت
وایں از عجائب روزگار است[۱]

کبھی اور کرتے۔ مجھ سے کبھی علیحدگی
میں ایسی بات نہیں کہی جو ظاہر
میں نہ کہہ سکتے ہوں یعنی ظاہر و باطن
میں اُن کی روش ایک تھی۔ اور یہ بات
عجائبِ روزگار سے ہے۔

خسرو نے ایک جگہ لکھا ہے ؎

نیک و بد در آدمی پنہاں نمی ماند چناں کہ
نافہ در جیب ملوک و بادہ در جامِ بلور

بابا فریدؒ کے کردار کی یہ خوبیاں عالم میں مشہور ہو گئیں۔ لوگ اُن سے خود بخود محبت کرنے لگے اور اُن کی صحبت میں ایک کشش سی پیدا ہو گئی۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے ان کے وصال کے بعد نہایت حسرت کے ساتھ اُن کے اوصافِ پسندیدہ کو یاد کیا اور فرمانے لگے:

"مرا اوصاف پسندیدہ از اوصاف شیخ و کمال بزرگی و غایت فضل و لطافت ایشاں یاد آمد" [۲]

بابا فریدؒ نے عبادت و ریاضت میں جو کوششیں کی تھیں وہ اُن ہی کا حصہ تھا۔ چلہ معکوس، مسلسل روزوں، اور کریل اور پیلو کی غذا نے اُن کے جسم کو لاغر و ناتواں بنا دیا تھا۔ آخری عمر میں ایک مرتبہ فرمانے لگے:

"چالیس برس تک جو کچھ خدائے تعالیٰ نے فرمایا، بندۂ مسعود نے وہی کیا، اب چند سال سے جو کچھ مسعود کے دل میں خطرہ پیدا ہوتا ہے یا اُسے مانگتا ہے پاتا ہے۔" [۳]

---

[۱] فوائد الفواد ص ۴،
[۲] فوائد الفواد ص ۹۶
[۳] خیر المجالس (اردو ترجمہ) ص ۱۳۰ - ۱۳۷

حقیقت یہ ہے کہ بابا فرید رح نے اپنی روحانی عظمت، کردار کی بلندی اور دردمندیِ خلق سے چشتیہ سلسلہ کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ اُن کے زمانے میں سلسلہ کے اثرات کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ اُس کے نظامِ اصلاح و تربیت نے ایک مستقل شکل اختیار کر لی۔ اور مریدین کا ایک ایسا طبقہ تیار ہو گیا جس نے ملک کے گوشہ گوشہ میں چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم کرا دیں۔

بابا فرید گنج شکر رح کے خلفاء اور اُن کی اولاد

حضرت بابا فرید گنج شکر رح کے خلفاء میں مندرجہ ذیل بزرگ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

(۱) ——— شیخ جمال الدین ہانسوی رح
(۲) ——— شیخ بدرالدین اسحاق رح
(۳) ——— شیخ نظام الدین اولیاء رح
(۴) ——— شیخ علی احمد صابر رح
(۵) ——— شیخ عارف رح

شیخ جمال الدین ہانسوی رح [۱]

بابا فرید رح کے بہت عزیز خلیفہ تھے — اُن کی محبت میں بابا صاحب رح بارہ سال تک ہانسی

---

[۱] شیخ جمال الدین ہانسوی رح کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

سیر الاولیاء ص ۱۷۸ - ۱۸۴ اخبار الاخیار ص ۶۸ - ۶۹
گلزار ابرار (اردو) ص ۵۴ مرآۃ الاسرار (قلمی) ص ۵۸۵ - ۵۸۶
معارج الولایت (قلمی) جلد اول ص ۲۵۰ - ۲۵۲

شیخ جمال الدین ہانسوی رح کا دیوان اپسالہ یونیورسٹی میں ہے۔ مضامین کی فہرست کے لئے ملاحظہ ہو ISLAMIC RESEARCH ASSOCIATION MISCELLANY Vol. I (1948) pp. 167-174 شیخ کی ایک عربی تصنیف ملہمات ہے جو ۱۳۰۸ھ میں الور اور ۱۸۹۱ء میں دہلی سے چھپی تھی۔

Marfat.com

ہیں مقیم رہے۔[۱] اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جمال حقیقت میں ہمارا جمال ہے[۲]۔ شیخ بہاءالدین زکریا ملتانیؒ نے ایک مرتبہ باباصاحبؒ کو لکھا کہ میرے تمام مریدوں اور خلفاء کو لے لو اور جمال الدین کو مجھے دیدو اور مروت کی بات یہ ہے کہ سوداد رہم برہم نہ کیا جاوے۔ باباصاحبؒ نے جواب میں لکھا: "جمال میرا جمال ہے۔ معاوضہ مال میں ہوسکتا ہے نہ کہ جمال میں"[۳]

بابا فریدؒ کا یہ دستور تھا کہ جسے خلافت نامہ دیتے، فرماتے کہ جمال الدین سے اس پر دستخط کرالینا[۴]۔ شیخ جمال الدینؒ کا انتقال باباصاحبؒ کی حیات ہی میں ہوگیا تھا۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے مجذوب تھے۔ چھوٹے جن کا نام مولانا برہان الدین صوفیؒ تھا۔ باپ کے انتقال کے وقت خورد سال تھے۔ شیخ جمال الدینؒ کی ایک خادمہ، جو بڑی عابدہ اور صالحہ ہونے کی وجہ سے ام المومنین کہلاتی تھیں، ان کو بابا فریدؒ کی خدمت میں لے گئیں۔ باباصاحبؒ نے اُن پر بڑا التفات وکرم فرمایا اور خلافت سے نوازا۔۔ ام المومنین نے ہندی زبان میں عرض کیا: خوجا برہان الدین بالا ہے۔ باباصاحبؒ نے فرمایا۔ پونوں کا چاند بھی بالا ہوتا ہے یعنی چودھویں رات کا چاند بھی پہلی شب کو چھوٹا ہی ہوتا ہے۔ تدریجاً کمال کو پہنچتا ہے[۵]۔ بابا فریدؒ کی ہدایت کے مطابق مولانا برہان الدینؒ اکثر شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور اُن سے اتنی عقیدت رکھتے تھے کہ کسی کو مرید نہ کرتے بلکہ کہدیتے کہ شیخ نظام الدینؒ کے ہوتے ہوئے مجھے جائز نہیں کہ کسی کو کُلاہِ ارادت دوں۔ شیخ قطب الدین منورؒ جو شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے خاص خلفاء میں تھے۔ اُن ہی کے صاحبزادے تھے۔ جمالیہ سلسلہ آگے چل کر نظامیہ سلسلہ میں مدغم ہوگیا۔

[۱، ۲] سیرالاولیاء ص ۱۷۸

[۳] گلزار ابرار (اردو) ص ۵۴

[۴] سیرالاولیاء ص ۱۷۹ - ۱۷۸

[۵] سیرالاولیاء ص ۱۸۳

Marfat.com

شیخ بدرُالدین اِسحاق رحؒ[1] باباصاحبؒ کے داماد، خلیفہ اور خادم تھے ابتدائی زمانہ میں علوم ظاہری کی طرف بہت راغب تھے۔ کچھ مشکلات کو حل کرنے کے لئے بخارا تک گئے۔ لیکن تشفی نہ ہوئی۔ پھر باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ے

من کہ در ہیچ مقامے نزدم خیمۂ عشق
پیش تو رخت بیفگندم و سر بنہادم

پھر اُن ہی کے ہوگئے۔ شیخ نے خلافت سے سرفراز کیا۔ شیخ نظام الدین اولیارؒ کو اُن سے بڑی عقیدت تھی۔ جب تک وہ زندہ رہے شیخ نظام الدین اولیارؒ نے اُن کی عزت اور احترام کی وجہ سے کسی شخص سے بیعت نہیں لی۔ باباصاحبؒ کی وفات کے بعد شیخ بدرالدین اسحاق رحؒ کے تعلقات شیخ بدرالدین سلیمانؒ (فرزند و جانشین بابا فریدؒ) سے اچھے نہیں رہے اور اس بنا پر وہ پاک پٹن کی جامع مسجد میں منتقل ہوگئے۔ اور آخر عمر تک اسی مسجد میں رہے۔ وصال کے بعد اس مسجد کے قریب سپرد خاک کئے گئے۔ شیخ بدرالدین اسحاق رحؒ اپنے پیر و مرشد کے تعلیمی اثرات کا بہترین نمونہ تھے۔ بابا فریدؒ کے دامنِ تربیت سے وابستہ ہونے کے بعد اُن کا وہ علمی غرور اور کج کلاہی جو اُنھیں بخارا تک لے گیا تھا، کافور ہوگیا۔ محبت الٰہی کا جذبہ اس شدت سے پیدا ہوگیا تھا کہ کبھی

---

[1] مولانا بدرالدین اسحاق رحؒ کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

سیرالاولیار۔ ص ۱۶۸ - ۱۶۹

اخبارالاخیار۔ ص ۶۷ - ۶۶

معارج الولایت (قلمی) جلد اول۔ ص ۲۵۵ - ۲۵۲

کتاب اسرارالاولیار، جو شیخ بدرالدین اسحاق رحؒ کی طرف منسوب کی جاتی ہے ان کی تصنیف نہیں ہے اور نہ اس میں بابا فریدؒ کے ملفوظات ہیں۔ شیخ بدرالدین اسحاقؒ کی ایک کتاب تصریف بدری کا ذکر سیرالاولیار میں ہے، لیکن وہ اب دستیاب نہیں ہوتی۔

آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے خالی نہ رہتی تھیں[1] چاشت کی نماز میں مشغول ہوتے تو اس قدر روتے کہ سجدہ کی جگہ آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ اس پیہم اشک باری نے بینائی پر اثر ڈالا۔ ایک دن میر خورد کی دادی نے (جو بابا فریدؒ سے بیعت تھیں) اُن سے کہا کہ اے بھائی اگر ایک ساعت آپ اپنے آنسوؤں کو روکے رکھیں تو میں اُن کا علاج سرمہ سے کروں۔ مولانا بدالدینؒ یہ سُن کر رو دئیے اور فرمایا: "اے میری بہن میں کیا کروں کہ آنسو میرے قبضہ میں نہیں ہیں"[2]۔ شیخ بدرالدین اسحاقؒ نے چشتیہ سلسلہ کو پھیلانے کے سلسلہ میں زیادہ کام نہیں کیا، لیکن اپنی جگہ وہ چشتیہ سلسلہ کا ایک عظیم الشان ستون تھے۔ اُنھوں نے اپنے مرشد کی روایات کو پوری طرح جذب کر لیا تھا اور جہاں تک عبادت و ریاضت کا تعلق تھا اُن کو دیکھ کر بابا فریدؒ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

شیخ بدرالدین اسحاقؒ کے دو بیٹے تھے۔ خواجہ محمد امامؒ اور خواجہ محمد موسیٰؒ[3] شیخ بدرالدینؒ کی وفات کے بعد شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اُن کی اہلیہ اور دونوں بیٹوں کو دہلی بلا لیا تھا، اور ان دونوں لڑکوں کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ فرمائی تھی۔ خواجہ محمد امام کو شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے خلافت عطا فرمائی تھی۔ اور وہ شیخ کی زندگی میں خلق خدا سے بیعت لیتے تھے۔[4]

شیخ عارفؒ بابا فریدؒ نے اُن کو خلافت دے کر سیوستان بھیج دیا تھا۔ تفصیلی حالات کسی تذکرہ میں درج نہیں۔ سیر الاولیاء میں مختصراً ان کا ذکر کیا گیا ہے[5]

بابا فرید گنج شکرؒ کا سلسلہ حقیقت میں اُن کے دو مریدوں (۱) شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور (۲) شیخ علی احمد صابرؒ سے چلا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے زمانہ میں

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۷۱ [2] سیر الاولیاء ص ۱۷۱

[3] دونوں کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو سیر الاولیاء ص ۲۲۶ - ۲۲۴

[4] خواجہ محمد امامؒ نے سلطان المشائخؒ کے ملفوظات انوار المجالس کے نام سے جمع کئے۔ افسوس ہے کہ انوار المجالس کا قلمی نسخہ کہیں دستیاب نہیں ہوتا۔ [5] سیر الاولیاء ص ۱۸۵

چشتیہ سلسلہ کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا۔ اُنھوں نے ہندوستان کے دُور دراز علاقوں میں سلسلہ کی خانقاہیں قائم کرائیں اور اصلاح و تربیت کا کام انجام دیا۔ شیخ علی احمد صابرؒ خود سلسلہ کی اشاعت میں منہمک نہیں ہوئے، لیکن اُن کے بعد اُن کے سلسلہ کے لوگوں نے اس کو فروغ دینے میں بڑی جد و جہد کی۔ شیخ علی احمد صابرؒ کے حالات سے معاصر تذکرے اور تاریخیں یک سر خالی ہیں[۱] اس بنا پر اُن کے کام کی نوعیت کا صحیح اندازہ لگانا قطعاً ناممکن ہے۔ چشتیہ سلسلہ کی تاریخ کے دور ثانی میں اُن کے سلسلہ کے مشایخ کافی نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس لئے صابریہ سلسلہ کی تاریخ ہم نے دور ثانی ہی میں بیان کی ہے۔

بابا فریدؒ کے خلفاء کا ذکر کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اُن کی اولاد کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔ حضرت بابا فریدؒ کے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ شیخ نصیر الدین نصر اللہ، شیخ شہاب الدین، شیخ بدر الدین سلیمان، خواجہ نظام الدین شیخ یعقوب، بی بی مستورہ، بی بی شریفہ، بی بی فاطمہ۔

شیخ نصر الدین نصر اللہؒ۔ بابا فریدؒ کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ زمانۂ دراز تک زراعت کا پیشہ کرتے رہے تھے[۲]۔ اُن کے ایک لڑکے تھے، شیخ بایزید۔ وہ بھی درویش صفت تھے۔ مالوہ کے مشہور بزرگ اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے عزیز خلیفہ شیخ کمال الدینؒ ان ہی کے فرزند تھے۔ مالوہ میں چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت اُن کے ذریعے سے ہوئی۔

شیخ شہاب الدینؒ۔ اُن کا نام بابا فریدؒ کی صاحب عوارف المعارف

---

[۱] سیر الاولیاء۔ (ص ۱۸۵) میں صرف چند سطریں لکھی ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ بقول شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ

"ذکر او خالی از غرابت نیست" (اخبار الاخیار ص ۶۹)

[۲] سیر الاولیاء ص ۱۸۶۔

Marfat.com

سلسلہ مشائخ چشت

- خواجہ معین الدین حسن سجزیؒ (اجمیر)
  - شیخ حمید الدین صوفی سوالیؒ (ناگور)
  - شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ (دہلی)
    - شیخ فخر الدین زاہدیؒ
      - شیخ شہاب الدین حق گوؒ
        - شیخ فخر الدین ثانیؒ (دہلی)
          - شیخ بہاء الدین گنج رواںؒ (کالپی)
    - شیخ محمودؒ (نہروالہ)
    - شیخ بدر الدین غزنویؒ (دہلی)
      - مولانا امام الدین ابدالؒ (دہلی)
        - مولانا شہاب الدین عاشقؒ (دہلی)
          - شیخ عماد الدینؒ
            - شیخ تاج الدین امامؒ (مصنف رسالہ حال خانوادۂ چشت)
    - شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ (پاک پٹن)
      - شیخ بدر الدین سلیمانؒ
        - شیخ علاء الدینؒ
          - شیخ معز الدینؒ
            - شیخ فضلؒ
              - شیخ منورؒ
                - شیخ عبد الصمدؒ
                  - شیخ تاج الدینؒ
                    - شیخ علاء الدینؒ (دہلی)
                      - شاہ ابن بدر چشتیؒ (امروہہ)
          - شیخ علم الحقؒ
            - شیخ رکن الدین مودود کان شکر
              - عزیز اللہ المتوکل علی اللہ
                - شہر اللہؒ
                  - شیخ احمد عطاء اللہ
                    - نور اللہؒ
                      - نعمت اللہؒ
      - شیخ علاء الدین صابرؒ (کلیر)
        - شیخ نجیب الدین متوکلؒ (م ۶۷۰ھ ۱۲۷۱ء)
      - شیخ جمال الدینؒ (ہانسی)
      - شیخ نظام الدین اولیاءؒ (دہلی)
        - مولانا شہاب الدین امامؒ
          - شیخ رکن الدینؒ (دہلی)
            - مسعود بکؒ (دہلی)

سے عقیدت کا آئینہ دار ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ میں اور ان میں بڑی محبت تھی[1]۔ اُن کے چھ لڑکے تھے۔ شیخ حسام الدین، شیخ عبدالحمید، شیخ مسعود، شیخ علی شیر، شیخ محمد اور شیخ جمشید۔ مزید تفصیل جواہر فریدی[2] میں دیکھنی چاہیئے۔

شیخ بدرُالدین سلیمانؒ بابا فریدؒ کے تیسرے بیٹے تھے۔ باپ کے بعد سجادہ پر بیٹھے تھے۔ اُن کے فرزند و سجادہ نشین شیخ علاء الدین اجودھنیؒ اپنے تقدس اور اتقار کی بنا پر مشہور تھے۔ سلطان محمد بن تغلق اُن کے حلقۂ مریدین میں شامل ہوگیا تھا۔[3] برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں اُن کے متعلق لکھا ہے:

"درتفسیر نوشتہ اند کہ بعضے ملائکہ مقدس بہ محض عبادت خدائے جل و علا مجبول اندو از آفرینش جز تعبد ہیچ مشغولی ندارند۔ شیخ علاء الدین نیز ہم ازاں قبیل آفریدہ شدہ بود"[4]

شیخ علاء الدینؒ کے دو بیٹے تھے۔ شیخ معزالدینؒ اور شیخ علم الدینؒ۔ شیخ معزالدینؒ کو محمد بن تغلق نے گجرات بھیج دیا تھا اور وہیں انھوں نے وصال فرمایا۔[5] شیخ علم الدینؒ کو محمد بن تغلق نے شیخ الاسلام بنادیا تھا۔ اور بقول میر خورد

"جمیع مشایخ روزگار منقاد و محکوم او گشتند"[6]

شیخ معزالدینؒ کے ایک صاحبزادے افضل الدین فضیل تھے۔ شیخ علم الدین کے صاحبزادے

---

[1] سیرالاولیاء ص ۱۸۶

[2] جواہر فریدی (قلمی نسخہ) باب ۲ فصل پنجم

[3] سیرالاولیاء ص ۱۹۶ نیز عجائب الاسفار - ابن بطوطہ ص ۳۴ - ابن بطوطہ نے ان کا نام غلطی سے فریدالدین لکھ دیا ہے۔

[4] تاریخ فیروز شاہی - ص ۳۴۷

[5] سیرالاولیاء (ص ۱۹۶) میں لکھا ہے: "از دست ظالمان و باغیان بدرجہ شہادت رسید"

[6] سیرالاولیاء ص ۱۹۶

کا نام مظہر الدین تھا۔ موخر الذکر کو اُن کے والد کے بعد شیخ الاسلامی کے عہدے پر مامور کیا گیا تھا۔ [1]

خواجہ نظام الدینؒ۔ بابا فریدؒ اپنے سب فرزندوں میں انھیں سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے [2] بلبن کی فوج میں ملازم تھے۔ اُن کے ایک فرزند تھے جن کا نام خواجہ ابراہیم تھا۔ اُن کے فرزند خواجہ عزیز الدین، شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ [3]

شیخ یعقوبؒ۔ بابا فریدؒ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ امروہہ کے نواح میں قیام فرما لیا تھا [4]۔ اُن کے دو بیٹے تھے۔ خواجہ معز الدین اور خواجہ قاضی، اول الذکر نے دیوگیر کو اپنا مستقر بنایا۔ مؤخر الذکر نے دہلی میں رحلت فرمائی۔

بی بی مستورہ کے فرزند خواجہ عزیز صوفیؒ، حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرید تھے۔ اُنھوں نے اپنے شیخ کے مناقب میں ایک کتاب تحفۃ الابرار فی کرامت الاخیار مرتب کی تھی جو اب دستیاب نہیں ہوتی۔ اُن کے فرزند خواجہ قطب الدین حسن، شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے خلیفہ تھے۔ [5]

بی بی فاطمہ کے دو فرزند خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے حلقۂ مریدین میں شامل تھے۔

بابا فریدؒ کے خلفاء اور اُن کی اولاد کے مندرجہ بالا حالات پر انفرادی یا مجموعی کسی حیثیت سے غور کیا جائے، ایک حقیقت ضرور واضح ہو جائے گی۔ اور وہ یہ کہ کسی

---

[1] سیر الاولیاء۔ ص ۱۹۰   [2] سیر الاولیاء۔ ص ۱۸۹

[3] گلزار ابرار (اردو ترجمہ) ص ۵۱

[4] سیر الاولیاء (ص ۱۹۱) میں لکھا ہے "در اثنائے راہ قصبہ انبروہہ آں بزرگ نادہ را مردان غیب بربودند و غایب کردند"۔

[5] گلزار ابرار (اردو)۔ ص ۵۲

نہ کسی منزل پر پہنچ کر یہ سب شاخیں نظامیہ سلسلہ میں مدغم ہوگئیں۔ بابا فریدؒ کے خلفاء میں حضرت محبوب الٰہیؒ کے علاوہ کوئی بزرگ اپنے سلسلے کے مرکزی نظام کو قائم رکھنے اور چلانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو محبوب الٰہیؒ کے دامنِ بیعت سے وابستہ کرلیا۔ جو باقی بچے اُنھوں نے حکومت وقت کی ملازمت اختیار کرلی۔ شیخ جمال الدین ہانسویؒ شیخ بدرالدین اسحاقؒ، شیخ نصرالدینؒ اور خواجہ نظام الدینؒ کی اولاد نے حضرت محبوب الٰہیؒ کو اپنا روحانی رہبر تسلیم کرلیا۔ شیخ بدرالدین سلیمانؒ کے فرزند شیخ علاؤالدینؒ نے تو اپنے مشایخ اور اپنے سلسلہ کی روایات کو زندہ رکھا۔ لیکن اُن کے بیٹوں نے محمد بن تغلق کی ملازمت اختیار کرلی اور سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت کا کام مدھم پڑ گیا۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور چشتیہ سلسلہ کا دورِ عروج

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے ہاتھوں پڑی۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے اسے منظم کیا اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اسے معراجِ کمال تک پہنچا دیا۔ نصف صدی سے زیادہ دہلی میں ان کی خانقاہ، ارشاد و تلقین کا مرکز اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ بنی رہی۔ ملک کے گوشہ گوشہ سے لوگ پروانوں کی طرح وہاں جمع ہوتے تھے اور عشقِ الٰہی کی تپش اور خدمتِ خلق کا جذبہ لے کر واپس جاتے تھے۔ امیر خسروؒ نے ایک قصیدہ کا عنوان لکھا ہے:

> "مدح شیخ الطریقۃ نظام الحق و الحقیقہ محمدیؐ کہ عیسیٰؑ آخرالزمانش فرستادند تادم جان بخش او اسلام محمدیؐ را از سرزندہ گردانید و عمر جاوید بخشید" [۲]

ابتدائی زمانہ میں حضرت محبوب الٰہیؒ لوگوں کے ہجوم سے بہت گھبراتے تھے۔

---

[۱] یہاں صابریہ سلسلہ زیرِ غور نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس دور میں یہ سلسلہ پوری طرح منظم ہی نہیں ہوا تھا۔

[۲] مجنوں لیلیٰ۔ ص ۱۳ (علی گڑھ ۱۹۱۲)

Marfat.com

جب غیاث پور میں آکر مقیم ہوئے اور وہاں کیقباد کے زمانے میں خلقت کی کثرت ہوئی تو چاہا کہ کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائیں۔ ایک دن ایک شخص نے آکر کہا ؎

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی	کانگشت نمائے عالمے خواہی شد
امروز کہ زلفت دل خلقے بر بود	در گوشہ نشستنت نمی دارد سود[1]

آپ نے غیاث پور ہی میں قیام کا فیصلہ کرلیا۔ یہ زمانہ نہایت عسرت اور تنگی میں بسر ہوا۔ بعض مرتبہ تین تین دن کے فاقے کرنے پڑے[2] لیکن استغنا کا یہ عالم رہا کہ سُلطان جلال الدین خلجی نے گاؤں پیش کرنے کی اجازت چاہی تو فرمادیا "مجھے اور میرے خدمت گاروں کو تمھارے گاؤں کی چنداں ضرورت نہیں، میرا اور ان کا خدا کارساز اور میرسامان ہے"۔[3] بعد کو جب فتوح کا دروازہ کھل گیا[4] اور ہزاروں آدمی اُن کے لنگر سے کھانے لگے، اس وقت ان کا یہ حال تھا کہ مسلسل روزے رکھتے تھے اور سحری کے وقت اس لئے کھانا نہ کھاتے تھے کہ شہر میں کچھ لوگ بھوکے سو رہے ہوں گے۔[5] خلق کی اس دردمندی نے انھیں اقلیم دل کا حکمراں بنادیا۔ کوئی شخص اپنی لڑکیوں کے رشتہ کی وجہ سے پریشان ہوتا تو اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ کوئی سلطان کی بے التفاتی سے رنجیدہ خاطر ہوتا تو اُن سے عرض حال کرتا۔ دل میں کوئی خلش ہوتی بے اختیار غیاث پور کی طرف قدم اُٹھنے لگتے، حضرت محبوب الٰہیؒ ہر ایک کا درد و غم سنتے اس کے زخموں پر مرہم لگاتے اور پھر بارگاہِ خداوندی میں ایک ایک تکلیف اپنے اوپر طاری کرکے دعا فرماتے۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

---

[1] سیرالاولیاء ص ۱۱۱ [2] سیرالاولیاء ص ۱۳۰-۱۱۲ ابتدائی زمانہ کا حال مفصل درج ہے

[3] سیرالاولیاء ص ۱۲۲ (اُردو ترجمہ)

[4] خیرالمجالس (مجلس ۸۰) میں لکھا ہے کہ فتوح کا ایسا سلسلہ تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ جمنا کا رُخ ان کی خانقاہ کی طرف کردیا گیا ہے۔

[5] سیرالاولیاء ص ۱۲۸

Marfat.com

چیست انسانی تپیدن درغمِ ہمسائیگاں
از سمومِ نجد در باغِ عدن پژماں شدن
خوار دیدن خویش را از خواری ابنائے جنس
در شبستانِ تنگ دل از محنتِ زنداں شدن
آتش قحطے کہ در کنعاں بسوزد باغ و کشت
بر فرازِ تختِ مصر از تابِ آں بریاں شدن

بابا فرید گنج شکرؒ نے اُن کے لئے دُعا کی تھی کہ ایک ایسا درخت ہو جس کے سایہ میں ایک خلقِ کثیر آسائش و راحت سے رہے[1]۔ تقریباً ۵۰ سال تک انسانی دلوں نے اس طرح ان کی خانقاہ میں راحت و سکون حاصل کیا جیسے کوئی تھکا ہارا مسافر، تمازتِ آفتاب سے خستہ جان، ٹھنڈے اور سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ کر فرحت و اطمینان کا سانس لیتا ہے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ امیر و غریب، عارف و عامی، شہری اور دیہاتی، بوڑھے اور بچّے سب ہی اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے[2]۔ امیر خسرو فرماتے ہیں ؎

در نظر او زِ گدا و ملوک — دُر شدہ بے جادہ بسلکِ سلوک
بر در او ہر کہ ارادت نمود — زندہ جاوید شد ار مردہ بود

جو شخص جس وقت آپ سے ملنے کے لئے حاضر ہوتا، اسی وقت باریابی کی اجازت دی جاتی۔ ضیاء الدین برنی مصنف تاریخ فیروز شاہی، حضرت محبوب الٰہیؒ کے حلقۂ مریدین میں شامل تھے، شیخ کے اثرات کے متعلق لکھتے ہیں:

---

[1] سیر الاولیاء۔ ص ۱۱۷

[2] تاریخ فیروز شاہی برنی۔ ص ۳۴۳

"اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت عام کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ وہ گناہگاروں کو خرقہ پہناتے تھے اور اُن سے توبہ کراتے تھے اور خود اپنے ارادے سے قبول کرتے تھے۔ ہر شخص کو خواہ خاص ہو یا عام، مالدار ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا متعلم، جاہل ہو یا شریف، بازاری ہو یا شہری، آزاد ہو یا غلام، ہر ایک کو طاقیہ عطا فرماتے، مسواک دیتے اور توبہ کراتے تھے اور سب لوگ چونکہ اپنے آپ کو حضرت کا مُرید اور خدمت گار سمجھتے تھے اس لئے بہت سی ناکردنی باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ اور اگر حضرت کے یہاں آنے والوں میں سے کسی سے لغزش ہوجاتی تھی تو وہ بیعت کی تجدید کرکے خرقہ لیتا تھا اور حضرت سے مرید ہونے کی شرم بہت سے لوگوں کو کُھلّم کھلّا یا چُھپے چوری بہت سے منکرات کے ارتکاب سے بچاتی تھی۔ اور خلقِ خدا عام طور پر تقلیداً اور اعتقاداً اطاعت اور عبادت کی طرف رغبت رکھتی تھی۔ خواص اور عوام کے دلوں میں نیکی اور نکوکاری نے جگہ پکڑلی تھی۔ مرد، عورت، بوڑھے، جوان، بازاری عامی، غلام اور نوکر سب نماز ادا کرتے تھے۔ زیادہ تر مرید چاشت اور اشراق کے پابند ہوگئے تھے۔ شہر سے غیاث پور تک مختلف مقامات پر چبوترے بنائے گئے تھے، چھپر ڈال دیئے گئے تھے۔ کنوائیں کھدوائے گئے تھے پانی سے بھرے ہوئے مٹکے اور مٹی کے لوٹے رکھے رہتے تھے۔ چٹائیاں بچھی رہتی تھیں۔ ہر چبوترہ اور ہر چھپر میں ایک حافظ اور ایک خادم مقرر کردیا گیا تھا۔ تاکہ مریدوں، توبہ کرنے والوں اور نیک لوگوں کو شیخ کے آستانہ تک آنے جانے میں نماز کے وقت وضو کرنے میں کوئی تردد نہ ہو۔" [۱]

برنی نے کئی صفحات میں اس کی تفصیل دی ہے اور پھر لکھا ہے:

"حاصل کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدینؒ کو پچھلی صدیوں میں شیخ

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۴۴ - ۳۴۳

جنیدؒ اور شیخ بایزیدؒ کے مثل پیدا کیا تھا "

پروفیسر محمد حبیب نے غالباً حضرت محبوب الٰہیؒ کے ان ہی عظیم الشان اور دُور رس اثرات کے پیش نظر ان کو ہندوستان کا سب سے بڑا مسلمان بزرگ بتایا ہے[1]
علامہ اقبالؒ نے اُن کو خضر و مسیحا سے بھی اونچا مقام دیا ہے[2]۔ فرماتے ہیں :

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے خلفاء

حضرت محبوب الٰہیؒ کی کوششوں سے چشتیہ سلسلہ کے اثرات ہندوستان کے ہر ہر حصہ میں پہنچ گئے۔ صاحب گلزار ابرار نے لکھا ہے :

"ان ایام میں زمین ہند کو عجیب زمانہ حاصل تھا۔ کیونکہ آپ کی بارگاہِ خلافت سے وقتاً فوقتاً جو نئے نئے خلیفہ روانہ ہوتے تھے، اُن کی فیض پاشی سے ہند کا ہر مکان اور ہر قطعہ زمین ہدایت آباد تھا۔ ایک روایت ہے کہ آپ نے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مرتبے اور بڑی کرامتوں والے سات سو خلیفہ ایسے روانہ کئے تھے کہ ہر شخص کے سینے سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع کرتا تھا"[3]

ضیاء الدین برنی اور سید محمد کرمانی المدعو بہ میر خورد نے شیخ کے اثرات کا

---

[1] ملاحظہ ہو (ص ۱۲۹) ISLAMIC CULTURE, APRIL 1946

[2] امیر خسرو نے جگہ جگہ اپنے شیخ کو خضر و مسیح سے تشبیہہ دی ہے، ایک جگہ فرماتے ہیں :

وجودِ خواجہ نہ از آب و گل گشتہ مرتب
کہ جان خضر و مسیحا بہم شد مرکب (سیر الاولیاء)

دولرانی خضر خاں میں کہتے ہیں (ص ۱۵) ع بصدر خضر و عیسیٰ مسند آرائے "

[3] گلزار ابرار (اردو) ص ۸۵۔ ۸۴

Marfat.com

جو نقشہ پیش کیا ہے، اس کے پیش نظر، سات سو کی تعداد، ناقابل اعتبار نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ شیخ کے بہت کم خلفاء کے حالات معاصر تذکروں میں ملتے ہیں۔ فوائد الفواد، سیر الاولیاء، خیر المجالس اور احسن الاقوال کی بنیاد پر شیخ کے مندرجہ ذیل خلفاء کی فہرست پیش کی جاتی ہے:

(۱) — مولانا شمس الدین یحییٰ رح
(۲) — شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رح
(۳) — شیخ قطب الدین منور رح
(۴) — مولانا حسام الدین ملتانی رح
(۵) — مولانا فخر الدین زرادی رح
(۶) — مولانا علاء الدین نیلی رح
(۷) — مولانا وجیہہ الدین یوسف رح
(۸) — مولانا سراج الدین عثمان رح
(۹) — مولانا شہاب الدین امام رح
(۱۰) — شیخ برہان الدین غریب رح
(۱۱) — قاضی محی الدین کاشانی رح
(۱۲) خواجہ محمد امام رح

جن بزرگوں نے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں رہ کر کام کیا اور وہاں چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں قایم کیں ان کا ذکر ہم آیندہ صفحات میں کریں گے۔ یہاں صرف اُن خلفاء کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے جنھوں نے چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام سے وابستہ رہ کر دہلی میں کام کیا۔

مولانا شمس الدین یحییٰ رح ۔ جید عالم تھے۔ میر خورد کا بیان ہے:

"جملہ اہل عصر از علماء و مشایخ منقاد و معتقد او بودند" [1]

---

[1] سیر الاولیاء ۔ ص ۲۲۵

Marfat.com

مولانا آزاد بلگرامی، جب علماء ہند کے مخصوص زمرہ میں اُن کے کمالات کا جائزہ لیتے ہیں تو بے اختیار زبانِ قلم سے نکل جاتا ہے:

آفتابے است مفیض انوار دانش و عالی جناب است مفید انواع بینش [۱]

شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رح کو اُن سے تلمذ تھا، ایک قصیدے میں فرماتے ہیں [۲]

سالت العلم من احیاک حقا

فقال العلم شمس الدین یحیٰ [۲]

مولانا نے مشارق الانوار کی ایک شرح بھی لکھی تھی [۳] جو اب دستیاب نہیں ہوتی۔ لوگوں کو مُرید کرنے سے حتی الامکان گریز کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر خلافت نامہ پر حضرت شیخ کے دستخط نہ ہوتے تو اس کو اپنے پاس تک نہ رکھتا۔ [۴] گو چشتیہ سلسلہ کی اشاعت کا کام شیخ یحییٰ رح کے ذریعہ بہت کم ہوا لیکن ان کی وجہ سے سلسلہ کا علمی رعب اور وقار قائم رہا۔ اور یہ ایک ایسی بڑی خدمت تھی جس کی بنا پر ان کو سلسلہ کی تاریخ میں ایک امتیازی جگہ ملنی چاہیئے۔ محمد بن تغلق نے اُن کو جبراً کشمیر بھیجنا چاہا تھا [۵] اور اس سلسلہ میں اُن پر سختی بھی کی تھی۔ لیکن جب روانگی کا وقت آیا تو ان کے سینے پر پھوڑا نکل آیا اور اسی تکلیف میں انھوں نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

شیخ حسام الدین ملتانی رح علم، زہد اور تقویٰ کی وجہ سے مشہور تھے علم فقہ میں خاص دلچسپی تھی۔ ہدایہ نوکِ زبان پر تھی۔ تصوف میں قوت القلوب اور احیاء العلوم ازبر تھیں [۶] محبوب الٰہی رح نے جب خلافت سے نوازا تو عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو شہر میں نہ

---

[۱] مآثر الکرام۔ ص ۲۲۵

[۲] اخبار الاخیار۔ ص ۹۰۔ مآثر الکرام۔ ص ۱۸۲

[۳] اخبار الاخیار۔ ص ۹۶

[۴] سیر الاولیاء۔ ص ۲۲۵

[۵] سیر الاولیاء۔ ص ۲۲۸

[۶] سیر الاولیاء۔ ص ۲۵۶ میں لکھا ہے: ”در فقہ ہر دو جلد ہدایہ یاد داشت، و در علم سلوک قوت القلوب و احیاء العلوم تحت اللسان بود“۔

Marfat.com

رہوں بلکہ جاری پانی کے کنارے سکونت اختیار کرلوں۔ فرمایا نہیں۔ شہر میں ہی رہو۔ کن کاحد من الناس[1] اور اس طرح رہو جیسے اور لوگ رہتے ہیں۔ شیخ حسام الدین رح چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام سے تعلق رکھتے تھے۔ اور حضرت محبوب الٰہی رح نے اُن کے متعلق فرمایا تھا ——— "شہر دہلی در حمایت اوست"[2] (دہلی اس کی حمایت میں ہے) لیکن جب محمد بن تغلق نے علمار و مشایخ کو دہلی سے نکال کر ملک کے دور دراز حصوں میں بھیجنا شروع کیا، تو شیخ حسام الدین رح گجرات چلے گئے اور وہیں وصال فرمایا۔[3]

مولانا فخر الدین زرادی رح۔ جید عالم تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح فرماتے ہیں:

"درامر دین صلابتِ تمام داشت وعظمتے وافر"[4]

سماع کی اباحت میں دو رسالے تصنیف کئے تھے۔[5] محبوب الٰہی رح سے عشق تھا۔ اُن کے وصال کے بعد دائمی روزہ رکھنے لگے تھے۔[6] محمد بن تغلق کی تحریک دکن کے سلسلے میں ان کو دہلی چھوڑ کر دیوگیر جانا پڑا تھا۔ وہاں سے وہ حج کے لئے چلے گئے۔ واپسی میں جہاز ڈوب گیا اور مولانا بھی غرق ہوگئے۔[7]

مولانا علاء الدین نیلی رح۔ اودھ کے مشاہیر علمار میں تھے۔ کشاف و مفتاح کے غوامض بیان کرنے میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔[8] محبوب الٰہی نے اُنھیں خلافت عطا

---

[1] سیر الاولیار۔ ص ۲۶۱
[2] سیر الاولیار ص ۲۵۰
[3] سیر الاولیار ص ۲۶۲
[4] اخبار الاخیار ص ۹۱ - ۹۰
[5] ایک رسالہ اصول السماع، ۱۳۱۱ھ میں مولانا غلام احمد خار بریاں نے مسلم پریس جھجر سے شائع کیا تھا۔
[6] سیر الاولیار۔ ص ۲۶۶
[7] سیر الاولیار ص ۲۷۵
[8] سیر الاولیار ص ۲۷۵ میں لکھا ہے: "درکشف غوامض کشاف و مفتاح مثل نداشت"

Marfat.com

فرمائی تھی لیکن انھوں نے ایک شخص کو بھی مرید نہیں کیا[1]۔ اپنے مرشد سے اُنھیں عشق تھا۔ اُن کے ملفوظات فوائد الفواد (مرتبہ حسن سجزی رح) اپنے قلم سے لکھ کر رکھ لئے تھے اور اکثر انھیں کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا آپ کے پاس ہر فن کی معتبر کتابیں موجود ہیں، ان ملفوظات کے علاوہ کسی اور کتاب کو کیوں نہیں پڑھتے! جواب دیا، میری نجات اسی سے متعلق ہے[2]۔ ؎

مرا نسیم تو با ید صبا کجا است کہ نیست
کجاست زلف تو مشک خطا کجا است کہ نیست

مولانا شہابُ الدین امام رح

محبوب الٰہی رح کے امام تھے آواز ایسی دلکش پائی تھی کہ:

پرند در ہوا و جنبندہ برزمین بالحان	پرندے ہوا میں اور چلنے والے زمین پر
خوش او مست و مدہوش می گشتند[3]	مست و مدہوش ہو جاتے تھے۔

امیر خسرو رح نے اُن کے متعلق لکھا ہے ؎

او چو ابر کرم بفرق جہاں	زیر کان چوں صدف کشادہ دہاں
شمع من یافتہ ضیا از وے	مس من گشتہ کیمیا از وے

دیگر مشایخ وقت کی طرح آپ بھی دکن چلے گئے تھے۔ غالباً محمد بن تغلق کے اصرار پر ہی آپ نے دہلی کو چھوڑا۔ پھر کچھ دنوں بعد جب سلطان نے لوگوں کو واپسی کی اجازت دیدی تو آپ بھی دہلی واپس آگئے۔[4]

قاضی محی الدین کاشانی رح

اودھ کے ایک ذی اثر قاضی خاندان سے

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۷۶۔ اخبار الاخیار۔ ص ۹۳

[2] سیر الاولیاء ص ۲۷۸۔ اخبار الاخیار۔ ص ۹۳

[3] سیر الاولیاء ص ۲۹۲۔ ۲۹۰

[4] سیر الاولیاء ص ۲۹۲

Marfat.com

سلسلہ مشایخ چشت
نظامیہ

- **شیخ نظام الدین اولیاءؒ**
  - شیخ سراج الدین اخی سراج رح (م ۷۵۹ھ / ۱۳۵۷ء) (گوڑ)
    - شیخ علاء الدین بن اسعد لاہوریؒ (م ۸۰۰ھ / ۱۳۹۸ء) (پنڈوہ)
      - سید اشرف جہانگیر رح (م ۸۰۸ھ / ۱۴۰۵ء) (کچھوچھہ)
      - شیخ نور قطب عالم رح (م ۸۱۳ھ / ۱۴۱۰ء) (پنڈوہ)
        - سید شمس الدین طاہرؒ
        - شیخ حسام الدینؒ (م ۸۲۲ھ / ۱۴۱۹ء) (مانکپور)
          - شیخ سیدو رح (مانک پور)
          - شیخ راجی حامد شاہؒ (م ۹۰۱ھ / ۱۴۹۵ء) (مانکپور)
            - شیخ الہداد (جونپور)
              - شیخ معروف رح
                - شیخ نظام الدین انبیٹھی والؒ
            - شیخ دانیال رح
            - شیخ حسن طاہر جونپوریؒ (م ۹۰۱ھ / ۱۴۹۵ء) (دہلی)
  - شاہ بارک اللہؒ (گجرات)
  - شیخ کمال الدینؒ (مالوہ)
  - شیخ مغیث الدین (اجین)
  - شیخ وجیہ الدین یوسفؒ (چندیری)
  - شیخ نصیر الدین چراغ رح (م ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) (دہلی)
  - مولانا برہان الدین غریبؒ (دولت آباد)
    - شیخ قطب الدین منور رح (م تقریباً ۷۶۰ھ / ۱۳۵۸ء) (ہانسی)
      - شیخ نورالدین رح
        - شیخ تاج الدین شیرسوار رح (م تقریباً ۷۸۴ھ / ۱۳۸۲ء) (نارنول)
  - مولانا سید حسینؒ (نہروالا)
  - شیخ حسام الدین ملتانی رح (نہروالہ)

Marfat.com

تعلق رکھتے تھے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وظیفے کے فرمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور فقر و مجاہدہ کی زندگی اختیار کر لی[۱] پیر و مرشد کی حیات ہی میں وفات پائی۔

ان بزرگوں کے علاوہ (جنھوں نے حضرت محبوب الٰہیؒ سے باضابطہ خلافت پائی تھی) کچھ مریدین ایسے بھی تھے جن کو خلافت تو عطا نہیں کی گئی تھی لیکن انھوں نے دہلی میں رہ کر سلسلہ کی اخلاقی اور علمی بنیادوں کو استوار کیا۔ **مولانا وجیہہ الدین پائلیؒ** جید عالم تھے۔ میر خورد نے لکھا ہے "بوقت سبق گفتن فحول علماء بزانوئے ادب بخدمت او می نشستند"[۲]۔ **مولانا فخر الدین مروزیؒ** ہمیشہ کتابتِ کلام پاک میں مصروف رہتے تھے اور بقول صاحب سیر الاولیاء "بجمالِ ورع و کمالِ تقویٰ آراستہ بود"[۳]۔ **امیر خسروؒ** جن کے متعلق خود شیخؒ نے فرمایا تھا ؎

خسرو کہ بنظم و نثر مثلش کم خاست ملکیت ملک سخن آں خسرو راست
آں خسرو ماست ناصر خسرو نیست زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست[۴]

امیر حسن سجزیؒ[۵]۔ مرتب فوائد الفواد، **مولانا ضیاء الدین برنیؒ** صاحب تاریخ فیروز شاہی، فتاویٰ جہاں داری، حسرت نامہ وغیرہ۔ یہ اور چند اور بزرگ جن کا تذکرہ سیر الاولیاء میں ہے چشتیہ سلسلہ کے علمی ستون تھے۔ انھوں نے سلسلہ کا علمی

۱۔ سیر الاولیاء ص ۲۹۵ ۲۔ سیر الاولیاء ص ۲۹۶
۳۔ سیر الاولیاء ص ۲۹۸ ۴۔ سیر الاولیاء ص ۳۰۴

امیر خسروؒ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو:

امیر خسروؒ دہلوی، از پروفیسر محمد حبیب۔ (علی گڈھ ۱۹۲۷ء)
امیر خسروؒ کے حالات و تصانیف ڈاکٹر وحید مرزا (کلکتہ ۱۹۳۵ء)
"حیات خسروؒ" مولانا سعید مارہروی (لاہور ۱۹۰۵ء)

۵۔ امیر حسنؒ کا انتقال دیوگیر میں ہوا۔ حالات کے لئے مقدمہ (دیوان حسن دہلوی۔ مرتبہ مولوی مسعود علی) نیز اخبار الاخیار، سیر الاولیاء، تاریخ فیروز شاہی وغیرہ۔

Marfat.com

وقار دو بالا کر دیا اور اپنی تصانیف اور درس کے ذریعہ اس کے اثرات دُور دُور تک پھیلا دیئے۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ

حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے بعد چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام کو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے سنبھالا۔ ان میں اپنے پیر و مرشد کی بہت سی خوبیاں تھیں مصنف سیر الاولیاء کا بیان ہے:

"بوئے کہ از مجلس سلطان المشائخ می آمد، آں بوئے از مجلس شیخ نصیر الدین محمودؒ بمشام جاں کاتب حروف رسیدہ است"۔ ؎	جو خوشبو سلطان المشائخ کی مجلس میں آتی تھی، ویسی ہی خوشبو شیخ نصیر الدین محمودؒ کی مجلس سے کاتب حروف کے مشام جان تک پہنچی ہے۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے ابتدائے حال میں امیر خسروؒ کے ذریعہ پیر سے درخواست کی تھی کہ ان کو کسی تنہائی کے مقام پر رہ کر عبادت کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے جواب دیا:

"اورا بگو ترا در میان خلق می باید بود و جفا و قفائے خلق می باید کشید و مکافات آں ببذل و ایثار و عطا می باید کرد" ؎	شیخ نصیر الدین سے کہہ دو کہ تمھیں خلق میں رہنا اور لوگوں کے جور و ظلم کے مصائب جھیلنے چاہئیں اور ان کے عوض میں بذل و ایثار اور سخاوت و بخشش کرنا چاہیئے۔

پیر و مرشد کے اس فرمان پر وہ آخری دم تک عامل رہے۔ کوئی 'جفا' اور 'قفا' ایسی نہ تھی جس سے انھیں دوچار ہونا نہ پڑا ہو۔ لیکن ان کی زبان پر کبھی حرفِ شکایت نہ آ

؎ سیر الاولیاء۔ ص ۲۴۱

؎ سیر الاولیاء۔ ص ۲۳۷، اخبار الاخیار۔ ص ۸۰۔

Marfat.com

اور اُن کے پائے ثبات میں کبھی لغزش پیدا نہ ہوئی۔

حضرت چراغ دہلیؒ کو اپنے سلسلہ کا کام انتہائی نامساعد حالات میں کرنا پڑا۔ اب دہلی، علاءالدین خلجی کی دہلی نہ تھی۔ جب بقول ان کے خوش حالی اور فارغ البالی کا یہ عالم تھا کہ ہر فقیر کے پاس، ایک چھوڑ کئی کئی لحاف ہوتے تھے۔[1] اب یہ بدقسمت شہر ایک مطلق العنان بادشاہ کے بدلتے ہوئے افکار و تصورات کا بازیچہ بنا ہوا تھا۔ ایسے بحرانی دور میں ایک کل ہند روحانی نظام کو چلانے کے لئے بڑی فکری اور عملی صلاحیتیں درکار تھیں۔ حضرت چراغ دہلیؒ ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے اور ہمت و استقلال کے ساتھ کام کرتے رہے۔ بادِ مخالف کے بہت سے تیز و تند جھونکے آئے اور سلطان وقت محمد بن تغلق نے انھیں طرح طرح سے پریشان بھی کیا۔[2] لیکن اُنھوں نے اپنے پیر کے حکم سے سرمو انحراف نہیں کیا۔ اقبالؔ نے سچ کہا ہے ؎

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

ان کی خانقاہ میں عقیدت مندوں کے ہجوم کا یہ حال رہتا تھا کہ ان کو سونے کا وقت تک نہ ملتا تھا۔ ایک دن خود فرمانے لگے۔

"اکنوں من بارے فرصت مشغولی و خلوت ندارم، ہمہ روز باخلق می باید بود، بلکہ قیلولہ نیز میسر نمی شود۔ بارہا قیلولہ می خواہم کہ بحکم برمی کنند کہ آیندہ آمدہ است برخیزند"[3]	اب تو مجھ کو فرصت مشغولی اور خلوت کی بھی نہیں ہے۔ دن بھر مخلوق کے ساتھ رہنا ہوتا ہے۔ بلکہ قیلولہ بھی اکثر میسّر نہیں آتا۔ بارہا قیلولہ کرنا چاہتا ہوں، جگا دیتے ہیں کہ فلاں آیا ہے اُٹھیے۔

[1] خیر المجالس ص ۲۴۰ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، خاکسار کا مضمون "محمد بن تغلق کے مذہبی رجحانات" مطبوعہ "برہان"، مارچ ۱۹۴۶ء (ص ۱۸۰ - ۱۵۴)

[3] خیر المجالس ص ۶۰؛ ص ۳۷ - اردو ترجمہ ص ۱۴۱

Marfat.com

پروفیسر محمد حبیب نے لکھا ہے کہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے ملفوظات خیر المجالس کو پڑھتے وقت بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں[1]۔ اس میں شک نہیں کہ شیخ کے ایک ایک حرف میں درد کی کیفیت پنہاں ہے۔ جہاں بظاہر شیخ کی آنکھوں میں آنسو نہیں معلوم ہوتے وہاں بھی اُن کے الفاظ ایسے غم اور تاثیر میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں کہ پڑھنے والے کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو ڈبڈبا آتے ہیں۔ غم کی یہ کیفیت کچھ اُن کے حالات نے بھی پیدا کر دی تھی۔ اور یہ حالات بڑی حد تک محمد بن تغلق کی پالیسی کا نتیجہ تھے۔

حضرت چراغ دہلیؒ مہر و محبت کا مجسمہ تھے۔ اُن کے اخلاق کی بلندی کا اندازہ لگانے کے لئے صرف ایک واقعہ بیان کر دینا کافی ہے۔ تکملہ خیر المجالس میں لکھا ہے:

"روزے بعد ادائے نماز ظہر از	ایک دن ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد
جماعت خانہ توجہ بحجرۂ خاص	آپ جماعت خانہ سے حجرۂ خاص میں
فرمودند۔ حضرت ایشاں را دربان	تشریف لے گئے۔ حضرت کوئی دربان
نبودے۔ خادم خاص ایشاں	نہیں رکھا کرتے تھے۔ ان کے خادم
خواہرزادہ شیخ زین الدین علی بود،	خاص ان کے بھانجے شیخ زین الدین
او نیز در خلوت گاہے حاضر بودے	علی تھے۔ وہ بھی کبھی خلوت میں موجود ہوتے
گاہے نبودے۔ درعین مشغولی	تھے کبھی نہ ہوتے تھے۔ شیخ مشغولی کی
قلندرے۔ بے باک تراب نام	حالت میں تھے کہ ایک بیباک قلندر تراب نام

---

[1] ملاحظہ ہو پروفیسر محمد حبیب کا مضمون

"SHAIKH NASIR-UD-DIN CHIRAGH-I-DELHI AS A GREAT HISTORICAL PERSONALITY"

مطبوعہ اسلامک کلچر، اپریل ۱۹۴۶ء ص ۱۴۵

اس مضمون میں پروفیسر محمد حبیب نے حضرت چراغ دہلیؒ کی تصویر اپنے مخصوص انداز میں کھینچی ہے

Marfat.com

در خلوتِ ایشاں در آمد کاردے
درمیاں داشت و بر ایشاں کارد
زدن گرفت۔ یازدہ زخم بر وجود
پاک ایشاں بزد۔ حضرت ایشاں
در استغراق بودند، ایشاں تجاوز
نفرمودند، در آں حجرہ ناودانے بود،
خون مبارک ایشاں از ناودانے
بیروں آمد۔ بعضے مریداں آں
حال را دیدہ اندروں آمدند، چہ
ببینند کہ آں قلندر بے باک زخم
ہائے کارد می زند و حضرت ایشاں
دم نمی زنند۔ مریداں خواستند کہ
آں بدبخت را ایذائے عظیم رسانند
حضرت شیخ نگذاشتند کہ ہیچ کس
بہ ہیچ وجہ مزاحم او گردد۔ خدمت
عبدالمقتدر تھانیسری را کہ از مریدان
خاص ایشاں بود و خدمت شیخ
صدرالدین طبیب را و خدمت شیخ
زین الدین علی را بحضور خود سوگند
دادند کہ مبادا کسے بضرر قلندر
ملتفت گردد، و بیست تنکہ سفید
اورا انعام فرمودند کہ شاید در وقت
کارد زدن آزارے بدست وے

خلوت میں آ پہنچا۔ اُس کے پاس ایک
چاقو تھا۔ شیخ پر چاقو سے وار کرنے
شروع کئے اور ان کے جسم مبارک پر
گیارہ زخم لگائے۔ حضرت استغراق کی حالت
میں تھے مطلقاً بچاؤ نہیں کیا۔ وہاں
حجرہ میں ایک نالی تھی۔ خون مبارک اس
نالی سے باہر نکلنا شروع ہو گیا۔ کچھ
مریدوں نے دیکھا تو اندر آئے۔ کیا
دیکھتے ہیں کہ وہ بے باک قلندر چاقو کے
وار کر رہا ہے اور حضرت جنبش تک نہیں
کرتے۔ مریدوں نے چاہا کہ اس بدبخت
کو سخت ایذا پہنچائیں۔ حضرت نے گوارا
نہ کیا۔ اور اُسے نہ چھوڑا۔ مبادا کوئی
کسی طرح اُسے کوئی تکلیف پہنچائے
عبدالمقتدر تھانیسری کو کہ مریدانِ
خاص میں تھے اور شیخ صدرالدین
طبیب اور شیخ زین الدین علی کو
اپنے پاس بلایا اور قسم دی کہ کوئی قلندر
کو ضرر نہ پہنچائے اور بیس تنکہ اس کو
انعام دیا اور فرمایا کہ شاید چاقو مارنے
میں ہاتھ میں کچھ تکلیف پہنچی ہو۔ سبحان اللہ
اہل بصیرت کو اُن کی حسنِ سیرت معلوم
ہو کہ زندگی میں تسلیم و رضا کا کیا

سلسلہ مشایخ چشت

نظامیہ

شیخ نصیر الدین چراغ رح
(م ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) (دہلی)

شیخ یوسف گدا رح
صاحب تحفۃ النصائح

قاضی محمد سادی رح
(دہلی)

خواجہ اختیار الدین عمر رح
(ایرج)

شیخ سالار سرمست رح

شیخ حسن سرمست رح

شیخ اسمٰعیل رح

شیخ خانون رح
(گوالیار)

شیخ نظام نارنولی رح

قاضی عبد المقتدر رح
(دہلی)

شیخ ابو الفتح
(جونپور)

مولانا خواجگی
(کالپی)

شیخ کمال الدین علامہ رح

شیخ سراج الدین رح
(احمد آباد)

شیخ علم الحق رح

شیخ محمود المعروف بہ راجن رح

شیخ جمال الحق المعروف بہ جمن رح

شیخ حسن محمد رح

شیخ محمد صاحب رح

شیخ یحیٰی مدنی رح

شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی رح

دہلی

سید محمد گیسو دراز رح
(گلبرگہ)
(م ۸۲۶ھ / ۱۴۲۲ء)

سید ید اللہ رح
(م ۸۴۹ھ / ۱۴۴۵ء)

شیخ پیارہ رح
(م ۸۶۵ھ / ۱۴۶۰ء)

شاہ جلال گجراتی رح

شیخ محمد رح
ملادہ
(م ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء)

شیخ سعد اللہ رح

جد امجد شیخ عبد الحق رح

Marfat.com

رسیدہ باشد سبحان اللہ، اہل بصیر
راحسن سیرت ایشاں معلوم گردد
کہ در صدر حیات در تسلیم و رضا چہ
رتبہ داشتند[1]"

درجہ رکھتے تھے۔

اس حادثہ کے تین سال بعد ۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ مطابق ۱۳۵۶ء کو حضرت چراغ دہلیؒ نے وصال فرمایا۔ ان کا وصال حقیقت میں چشتیہ سلسلہ کے دورِ اول کا خاتمہ تھا۔ مطہر نے اُن کے مرثیہ میں صحیح لکھا تھا ؎

جہاں بماتم خواجہ نصیر دین محمود   ہزار گونہ کردنوحہ وزاری
بقیہ سلف و یادگارِ اہلِ کرم   کہ کرد ختم خلافت بملک دین داری[2]

چشتیہ سلسلہ کے دَورِ اول کا خاتمہ اوراس کے اسباب

چشتیہ سلسلہ کی تاریخ کا وہ دور جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے شروع ہوا تھا، شیخ نصیرالدین چراغ دہلیؒ پر ختم ہوگیا۔ اس دور کی خصوصیات یہ تھیں:

(۱) چشتیہ سلسلہ کا ایک مرکزی نظام تھا۔ اسی مرکز سے تمام متعلقین سلسلہ کی روحانی اور اخلاقی زندگی کی اصلاح وتربیت ہوئی تھی۔ خواجہ صاحبؒ، قطب صاحبؒ، بابا فریدؒ اور حضرت محبوب الٰہیؒ کے خلفاء اور مریدین ملک کے دور دراز علاقوں میں کام کرتے تھے، لیکن ان کی نگاہیں ہمیشہ اجمیر، دہلی یا اجودھن کی طرف لگی رہتی تھیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک مرکزی نظام کے ماتحت تصور کرتے تھے۔

(۲) امراء وسلاطین سے کسی قسم کا تعلق رکھنا روحانی سعادت کے منافی سمجھا جاتا تھا۔ "درویش دیہہ دار" ہونا اخلاق اور مذہب دونوں کی توہین تھی۔ گذرا وقات کے لئے یا تو افتادہ زمین کا کوئی حصہ کاشت کرنے لگتے، یا بغیر مانگے جو کوئی چیز مل جاتی تھی

---

[1] خیرالمجالس۔ ص ۲۸۷ - ۲۸۶

[2] اخبار الاخیار۔ ص ۸۵

Marfat.com

قناعت کر لیتے۔ حکومت کی ملازمت کی طرف اگر کسی خلیفہ کا ذرا بھی رجحان پاتے تو فوراً خلافت نامہ واپس لے لیتے۔

حضرت چراغ دہلیؒ کے بعد سلسلہ کے یہ دو بنیادی اصول، ماضی کی داستان بن کر رہ گئے۔ مرکزی نظام تباہ و برباد ہو گیا۔ مرکز سے علیحدہ صوبوں میں خانقاہیں قائم ہو گئیں۔

سلسلہ کے بہت سے نوعمر افراد نے حکومت وقت سے تعلق پیدا کر لیا اور اپنا بیشتر وقت اسی میں صرف کرنے لگے۔ بابا فریدؒ نے برسوں پہلے تنبیہ کی تھی:

لو اردتم بلوغ درجة الکبار فعلیکم بعدم الالتفات الی ابناء الملوک[۱]	اگر تم اپنے روحانی مراتب میں بلندی چاہو تو سلاطین کی اولاد کی طرف توجہ نہ کرنا۔

ان نصیحتوں کو فراموش کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلسلہ کے ستون ہل گئے اور اس کے نظام میں ابتری پیدا ہو گئی۔

حضرت چراغ دہلیؒ کی دوربین نگاہ نے مستقبل کے حالات کا مکمل طور پر جائزہ لے لیا تھا اور غالباً اسی بنا پر انھوں نے کسی کو اپنا جانشین بنانا مناسب نہیں سمجھا[۲]۔ شیخ زین الدینؒ نے ایک دن عرض کیا:

---

[۱] سیر الاولیاء۔ ص ۵۷

[۲] جہاں تک مریدین کا تعلق ہے۔ حضرت چراغ دہلیؒ کے حلقۂ ارادت میں بعض جید عالم اور فاضل شامل تھے۔ سید محمد بن جعفر مکی حسینیؒ جن کی کتاب بحر المعانی اسرار معرفت کا خزانہ ہے، مولانا خواجگیؒ استاد قاضی شہاب الدین دولت آبادی۔ قاضی عبد المقتدر، مولانا احمد تھانیسریؒ شیخ صدر الدین حکیمؒ وغیرہم اپنے اپنے فن میں وحید عصر و یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے۔ ملاحظہ ہو اخبار الاخیار، مآثر الکلام و تذکرہ علمائے ہند۔

Marfat.com

"مخدوم بیشترے مریدان شما صاحب حال واہل کمال اند۔ ازیں جملہ یکے را اشارت شود کہ بجائے شما نشستہ باشد کہ ایں سلسلہ بکلی گسستہ نگردد" ؎1

مخدوم، آپ کے بہت سے مرید صاحب حال اور اہل کمال ہیں، ان میں سے کسی ایک کے لئے اشارہ ہو جائے تو آپ کی جگہ پر بیٹھ جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ سلسلہ بالکل ہی ختم ہو جائے

تو فرمایا: جن درویشوں کو تم اہل سمجھتے ہو اُن کے نام لکھ لاؤ۔ مولانا زین الدینؒ نے تین فہرستیں تیار کیں، اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ۔ شیخؒ نے مطالعہ کے بعد فرمایا:

"شیخ زین الدین ایشاں را بگو کہ غم ایماں خود بخورند چہ جائے آنکہ بار دیگری بردارند" ؎2

"شیخ زین الدین! ان لوگوں سے کہدو کہ اپنے ہی ایمان کا فکر کریں، دوسروں کا بوجھ سر پر لینے سے کیا حاصل۔

حضرت چراغ دہلیؒ نے محسوس کر لیا تھا کہ ان حالاتِ گردوپیش میں کوئی شخص ایک کل ہند نظام کا بارگراں نہ سنبھال سکے گا۔ چنانچہ انھوں نے وصیت فرمائی کہ مشایخ سلسلہ کے تبرکات ان کے ساتھ دفن کر دیئے جائیں۔ جب زمین نے اس آفتاب علم و ارشاد کو آغوش میں لیا تو چشتیہ سلسلہ کا ایک تابناک دور ہمیشہ کے لئے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

اسلامی ہند کی تاریخ کا یہ ایک عجیب واقعہ ہے کہ جس وقت چشتیہ سلسلہ کا دور اول ختم ہوا، اسی وقت 'سلطنت دہلی' نے بھی دم توڑا۔ اگر ایک طرف حضرت چراغ دہلیؒ کے وصال کے بعد چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام ختم ہو گیا، تو دوسری طرف فیروز شاہ کے انتقال (۱۳۸۸ء) کے بعد سلطنتِ دہلی کی مرکزی حیثیت بھی فنا ہو گئی۔ صوبوں میں

؎1 خیر المجالس ص ۲۸۷

؎2 تکملہ خیر المجالس ص ۲۸۷ نیز سیر العارفین (مطبع رضوی، دہلی) ص ۹۷

Marfat.com

خود مختار حکومتیں قائم ہوگئیں اور دہلی کی امتیازی شان جاتی رہی۔ جس طرح فیروزشاہ کے بعد ہماری سیاسی توجہ کا مرکز: جون پور، گجرات، دکن، بنگال، مالوہ کی حکومتیں بن جاتی ہیں اسی طرح ہماری مذہبی تاریخ کی دلچسپیاں دہلی سے ہٹ کر صوبوں کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں۔ کچھ عجیب توارد ہے کہ جس وقت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر میں اسلام کا روحانی مرکز قائم کرنے میں مصروف تھے اسی زمانے میں قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کی قشونِ قاہرہ دہلی میں سلطنت کی تعمیر و تشکیل کا کام انجام دے رہی تھیں۔ ایک طرف روحانی تسخیر ہو رہی تھی، دوسری طرف سیاسی فتوحات کا ہنگامہ برپا تھا۔ مسلمانوں کے یہ دونوں نظام تقریباً دو صدی تک متوازی چلتے رہے۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں سلطنت دہلی اپنے انتہائی عروج پر پہنچ گئی۔ اور اسی زمانے میں حضرت محبوب الٰہیؒ نے چشتیہ سلسلہ کو معراجِ کمال پر پہنچا دیا۔ معاصر مورخ ضیاء الدین برنی اس توارد کو محسوس کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"سبحان اللہ! عجیب دن اور عجیب زمانہ تھا جو علاء الدین خلجی کی حکومت کے آخری دس سال میں نظر آیا۔ یعنی ایک طرف سلطان نے اپنے ملک کی فلاح اور بہبودی و اصلاح کے لئے تمام نشہ آور چیزیں، ممنوعات اور فسق و فجور کے تمام اسباب ان سب کو جبر و قہر اور تشدد اور سخت گیری کے ذریعہ روک دیا تھا اور دوسری طرف انھیں دنوں میں شیخ الاسلام نظام الدینؒ نے عام بیعت کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ گنہگاروں کو خرقہ و توبہ عطا فرماتے تھے اور خود اپنے ارادے سے قبول کرتے تھے"۔ [1]

پھر کچھ عرصہ کے بعد اگر سیاسی دنیا میں محمد بن تغلق یہ اعلان کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

ملک ما مریض گشت [2] میرا ملک بیمار ہو گیا

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۴۳

[2] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۵۲۱

تو روحانی حلقوں میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے یہ حسرت ناک الفاظ کانوں میں پڑتے ہیں۔

امروز خود ایں کار (شیخی) بازی بچگاں شد[1]

پھر اگر ایک طرف آنکھوں کے سامنے وہ سماں پھرتا ہے جب حضرت چراغ دہلیؒ کی وصیت کے مطابق مشائخ چشت کے تبرکات ان کی قبر میں رکھے جارہے ہیں[2] اور سلسلہ کی تاریخ کا ایک باب ختم کیا جارہا ہے، تو دوسری طرف وہ نظارہ بھی تصور سے محو نہیں ہوتا کہ فیروز شاہ کا آخری زمانہ ہے۔ ایک بزرگ فجر کی نماز کے لئے وضو کر رہے ہیں کہ یک لخت کوشک سلطان کی طرف نظر اٹھتی ہے اور بے اختیار پکار اٹھتے ہیں:

"بلاہائے جملہ عالم زیر پائے اوست	دنیا کی تمام بلائیں اس کے پیر کے نیچے
آں روز کہ او ازیں جہاں برود	ہیں۔ جب وہ دنیا سے چلا جائے گا دنیا
معلوم جہانیاں شود"[3]	والوں کو معلوم ہو جائے گا۔

پھر یہ بات بھی اس وقت کیوں نظر انداز کر دی جائے کہ شہاب الدین محمد غوری کی فتح کی بشارت حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے دی تھی[4] اور فیروز شاہ کو تخت پر بٹھانے والوں میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ بھی شامل تھے۔[5]

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۸۲

[2] سیر العارفین۔ ص ۹۷ [3] تاریخ فیروز شاہی (شمس سراج عفیف ص ۲۲ - ۲۱

[4] سیر الاولیاء۔ ص ۴۷ [5] تاریخ فیروز شاہی (عفیف) ص ۲۹ نیز تاریخ فیروز شاہی (برنی)

خواجہ اجمیری نے جن حالات میں یہ بشارت دی تھی اور حضرت چراغ دہلیؒ نے جن حالات میں فیروز شاہ تغلق کو تخت دہلی پر بٹھایا تھا وہ غیر معمولی تھے۔ انھیں مجبوراً ایسا کرنا پڑا تھا۔ ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "EARLY INDO-MUSLIM MYSTICS AND THEIR ATTITUDE TOWARDS THE STATE"

مطبوعہ اسلامک کلچر ۵۰-۱۹۴۹ء

Marfat.com

اگر کوئی شخص ان واقعات سے یہ نتیجہ نکالے کہ مشائخ چشت، سلاطینِ دہلی کے ہم نوا اور شریکِ کار تھے اور اسی بنا پر اُن کے عروج و زوال کی داستانیں اس قدر پہلو بہ پہلو چلتی ہیں تو یہ تاریخی حقائق کے خلاف ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ مشائخ چشت بالخصوص دورِ اول کے بزرگ ہمیشہ سلاطین اور سیاست سے علیحدہ رہے، اور انھوں نے درباداری کو ہمیشہ اخلاق اور مذہب دونوں کی توہین سمجھا۔

جس توارد کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی نظام (یعنی سلطنت دہلی) کی مضبوطی کا انحصار مسلم سوسائٹی کے ضبط و نظم پر تھا۔ اور مسلم سوسائٹی کی شیرازہ بندی کا دارومدار مشائخ کی کوششوں پر۔ وہ قوم کا اخلاقی مزاج درست رکھنے اور صحت مند عناصر کو اُبھارنے اور ترقی دینے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ جب حضرت محبوب الٰہیؒ کے زمانے میں تصوف کی تحریک عوامی تحریک بن گئی اور جاہل اور عالم، شہری اور دیہاتی، امیر اور غریب، عورت اور مرد، بوڑھے اور جوان آزاد اور غلام سب ہی اُن کے دامن تربیت سے وابستہ ہونے لگے تو ایک مضبوط، ہم رنگ اور صحت مند معاشرہ خود بخود اُبھر آیا۔ ناممکن تھا کہ یہ معاشرہ، سیاسی نظام کو تقویت نہ پہنچائے۔ ایک مضبوط معاشرہ ہی ایک مضبوط سیاسی نظام کی تشکیل کا سامان مہیا کر سکتا ہے۔ علاءالدین خلجی کو خوش نصیبی سے یہ مضبوط معاشرہ ملا اور اس نے اس کی مدد سے ایک زبردست سیاسی نظام ترتیب دے دیا —— پھر کچھ عرصہ بعد جب چشتیہ سلسلہ کا نظام بگڑنا شروع ہوا تو سماج کا اخلاقی توازن بھی صحیح نہ رہ سکا۔ جو طبقہ خیر کی طرف بلاتا اور شر سے روکتا تھا جب وہی منتشر ہوگیا تو پھر سوسائٹی کے اجزاء میں انتشار پیدا ہوجانا ناگزیر تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ سیاسی

۱؎ ہکسلے (Huxley) کا کہنا ہے کہ متفکرین کی ایک اقلیت کا سوسائٹی میں موجود ہونا اس سماج کی صحت کے لئے ضروری ہے۔

"... the existence of at least a minority of contemplatives is necessary for the well-being of the society."

(باقی اگلے صفحہ پر)

نظام کا متاثر ہونا بھی یقینی تھا ــــ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چشتیہ سلسلہ کا مضبوط مرکزی نظام کیوں بگڑا؟ ــــ اس کی ذمہ داری ایک حد تک سلطان محمد بن تغلق پر عاید ہوتی ہے۔

سلطان محمد بن تغلق اپنے زمانے کا جید عالم تھا۔ شاید ہی علم و ہنر کا کوئی ایسا گوشہ ہو جس پر اس کو کامل عبور نہ ہو۔ اس کا تابناک تخیل نئی نئی اسکیمیں تیار کرتا تھا۔ ایسی اسکیمیں جن کی افادیت سے انکار کرنا ناانصافی ہوگی، لیکن ان کو عملی جامہ پہنانے میں وہ اتنی جلدی کرتا تھا کہ سوسائٹی کے مختلف طبقے ان کو سمجھنے سے قاصر رہتے تھے اور اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اس کی ہر معقول اسکیم، عوام کی ناراضگی کا باعث بن جاتی تھی۔

محمد بن تغلق نے جب ہندوستان کے نقشے پر نظر ڈالی تو اُسے محسوس ہوا کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی کم ہے وہاں سیاسی نظام کی بنیادیں بھی کمزور رہیں۔ دکن کے حالات کا تجزیہ کیا تو یہی بنیادی سبب نظر آیا۔ اس کے پیشرو باوجود بے پناہ طاقت اور قوت رکھنے کے دکن پر محض اس وجہ سے براہ راست حکومت نہ کر سکے تھے کہ وہاں مسلمانوں کی آبادی نہ تھی۔ ان حالات میں اس نے فیصلہ کیا کہ دکن میں اسلامی تہذیب و تمدن پھیلا کر مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ کیا جائے، تاکہ جنوبی ہندوستان میں ایک مضبوط سیاسی نظام تیار ہو سکے۔ تبلیغ و اشاعت کے کام کے لئے اس کی نظر مشایخ پر گئی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے چشتیہ سلسلہ کا نظام دُور دُور تک پھیلا دیا تھا، لیکن پھر بھی دہلی میں بعض ایسے مشایخ موجود تھے جن کو ملک کے دوسرے علاقوں میں بھیجکر دعوت و اصلاح کا کام لیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ سلطان نے ایک دربارِ عام کیا جس میں مولانا فخر الدین زرادیؒ، مولانا شمس الدین یحییٰؒ اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ وغیرہم کو بلایا۔ اور ان لوگوں کو تلقین

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

لاحظہ ہو مہندر ناتھ سرکار کا خطبہ صدارت ص ۵۴ (فلسفہ کانگریس بائیسواں اجلاس)

جہاں یہ "اقلیت" دعوت و اصلاح کا کام بھی انجام دیتی ہو، سماج کے لئے اس کی ضرورت اور اہمیت بدرجہا بڑھ جاتی ہے۔

کی کہ دکن جاکر تبلیغ اسلام کا کام کریں[1]۔

سلطان محمد بن تغلق کی نیت درست لیکن مطالبہ غلط تھا۔ وہ الدین والملک توامان[2] کا قائل تھا اور اس بنا پر چاہتا تھا کہ صوفیہ اس کے احکام کا احترام کرتے ہوئے ملک کے مختلف گوشوں میں چلے جائیں۔ یہ چیز مشایخ کے بنیادی مسلک سے ٹکراتی تھی۔ وہ سلطان کے مطالبہ کو جن وجوہات کی بنا پر پورا کرنے سے قاصر تھے، یہ تھے:

(۱) اُن کے نزدیک حکومتِ وقت سے تعلق رکھنا، روحانی موت کے مترادف تھا۔

(۲) اُن کا دائرۂ عمل اور جائے قیام شیخ کا طے کیا ہوا تھا۔ وہ قطعاً اس مقام کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے جہاں ان کے شیخ نے انھیں بٹھادیا تھا۔

(۳) مشایخِ چشت نے اپنے طور پر یہ طے کرلیا تھا کہ وہ خود سیاسی معاملات میں قطعاً دخل نہیں دیں گے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی عہد کرلیا تھا کہ وہ اپنی خانقاہوں کا پُرسکون ماحول، شاہانِ وقت کو خراب نہ کرنے دیں گے۔ چنانچہ حضرت نظام الدین اولیارؒ کی خانقاہ دہلی کے اندر ہوتے ہوئے بھی سلطنت دہلی کا حصہ نہ تھی۔ ان کے خلفاء و مریدین وہی صورت قائم رکھنا چاہتے تھے۔

(۴) ان بنیادی اصولوں کے پیشِ نظر کام کی نوعیت کا خیال ان کے لئے بے معنی تھا۔ اچھا یا بُرا کوئی کام ہو سلطانِ وقت سے تعلق کسی طرح جائز نہ تھا۔ شیخ کمال الدین زاہدؒ (اُستاد شیخ نظام الدین اولیاءؒ) کا واقعہ اس اصول کا بہترین آئینہ دار ہے۔ جب بلبن نے اُن سے شاہی امامت قبول کرنے کی درخواست کی تو انھوں نے جواب دیا "ہمارے پاس سوائے نماز کے اور کیا ہے۔ کیا بادشاہ یہ چاہتا ہے کہ وہ بھی جاتی رہے"[3]

---

[1] تفصیل کے لئے سیر الاولیار کا مطالعہ ضروری ہے۔

[2] سیر الاولیار۔ ص ۱۹۶

[3] سیر الاولیار۔ ص ۱۰۶

سلطان نے جب ان بزرگوں کے دائرہ عمل میں دخل دیا تو انھوں نے پوری قوت کے ساتھ حکومت کی اس کوشش کی مخالفت کی۔ یہ مخالفت حقیقت میں ایک اصول کی محافظت تھی۔ محمد بن تغلق نے اس کو ذاتی مخالفت سے تعبیر کیا اور مشایخ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ شیخ شمس الدین یحییٰؒ کو (جن کے تبحر علمی کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے) اس نے مجبور کیا کہ وہ کشمیر جا کر تبلیغ دین کا کام کریں۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے:

(سلطان محمد) پیش خود طلبید	سلطان محمد نے مولانا کو طلب کیا اور
چوں خدمت مولانا پیش او رفت	کہا تجھ جیسا دانش مند یہاں رہ کر کیا
سلطان گفت ہمچو تو دانش مندے	کر رہا ہے، تو کشمیر جا اور وہاں کے
ایں جا چہ کند تو در کشمیر برو در بتخانہ	بت خانوں میں بیٹھ کر خلق خدا کو اسلام
ہائے آں دیار بنشیں و خلق خدائے	کی دعوت دے۔ اس فرمان کے بعد
را با سلام دعوت کن چوں ایں چنیں	چند آدمی مقرر کئے گئے کہ اس بزرگ
فرمانے شد کساں تعین شدند کہ	کو کشمیر روانہ کر دیں۔
ایں بزرگ را رواں کنند۔	

اتفاقاً مولانا کے سینے پر پھوڑا نکل آیا اور جانے سے قاصر رہے تو سلطان کو ان کی بیماری کا یقین تک نہ آیا اور سمجھا کہ انھوں نے بہانہ بنالیا ہے چنانچہ ان کو تکلیف کی شدت میں محل شاہی میں بلا کر دیکھا گیا اور جب ان کی بیماری کا یقین ہوگیا تو ان کو دہلی میں آخری سانس لینے کی اجازت دی گئی۔

مولانا فخر الدین زرادیؒ۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ۔ شیخ قطب الدین منورؒ اور دیگر بزرگانِ سلسلہ چشتیہ سے سلطان کے سخت برتاؤ کی تفصیل کے لئے سیر الاولیاء کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

سلطان محمد بن تغلق سے مشایخ کی اس کش مکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگوں کا وہ قیمتی وقت جو سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت میں صرف ہونا چاہئے تھا، اپنی مدافعت میں ضائع ہوگیا۔ ان کا ذہنی سکون جاتا رہا۔ رات دن دربارِ شاہی کے سفیر خانقاہوں میں نئے نئے

Marfat.com

احکام لئے کھڑے رہتے تھے۔ ان احکام کی تعمیل مشکل تھی، خلاف ورزی اس سے زیادہ مشکل۔ ایک طرف مشایخ متقدمین کی وہ روایات تھیں جو انھوں نے خونِ جگر سے تعمیر کی تھیں، دوسری طرف سلطان کا جبروتشدد تھا۔ ابھی یہ کشمکش چل ہی رہی تھی کہ سلطان نے حکم دیا کہ دہلی کی ساری مسلمان آبادی دیوگیر چلی جائے۔ اس حکم کے بعد مشایخ بھی بے بس ہوگئے۔ اور انھیں مجبوراً دہلی کو خیرباد کہنا پڑا —— دہلی، حضرت محبوب الٰہیؒ کی کوششوں سے چشتیہ سلسلہ کا قلب وجگر بن چکی تھی۔ اس کی تباہی کیا ہوئی کہ سلسلہ کا سارا نظام درہم برہم ہوگیا۔ وہ دہلی جو کبھی "رشک بغداد، غیرت مصر، ہمسر قسطنطنیہ، موازی بیت المقدس" تھی[۱] جہاں چپہ چپہ پر خانقاہیں اور قدم قدم پر مدرسے تھے[۲] ایسی تباہ وبرباد ہوئی کہ دُور دُور خاک اُڑنے لگی، علمی ومذہبی محفلیں سرد پڑ گئیں، گھر کے گھر بے نور وبے چراغ ہوگئے ؎

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامانِ باغبان وکفِ گل فروش ہے
یا صبح دم جو دیکھیے آ کر تو بزم میں — نے وہ سرور وشور نہ جوش وخروش ہے

چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام بھی اسی تباہی کی نذر ہوگیا۔ کچھ مشایخ سلسلہ جن کا دہلی میں قیام، مرکزی قیام کی مضبوطی کے لئے ضروری تھا، منتشر ہوگئے۔ کچھ نوعمر افرادِ سلسلہ نے حکومتِ وقت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور شاہی ملازمتیں قبول کرلیں۔ اجودھن میں بابا فریدؒ کے پوتوں نے سب سے پہلے اپنے دادا کے اصولوں کو خیرباد کہا اور شیخ الاسلامی کے چکر میں پڑ گئے۔ دہلی میں بھی کرمانی خاندان کے کچھ نوعمر افراد نے حکومت وقت سے تعلق پیدا کرلیا۔

۱؎ تاریخ فیروز شاہی (ضیاء الدین برنی) ص ۲۴۱

۲؎ شہاب الدین العمری (مصنف مسالک الابصار) کا بیان ہے کہ صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے، دو ہزار خانقاہیں اور شفاخانے تھے۔ (انگریزی ترجمہ ص ۲۴۰) نیز ملاحظہ ہو صبح الاعشیٰ (قلقشندی) انگریزی ترجمہ ص ۲۹۔

اگر حالاتِ گرد و پیش کا تجزیہ بے تعصبی کے ساتھ کیا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ محمد بن تغلق بڑی حد تک چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام کی تباہی کا ذمہ دار تھا۔ دہلی کی تباہی کے بعد چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں تو بہت جگہ قائم ہوئیں لیکن اس کا کُل ہند مرکزی نظام کسی جگہ قائم نہ ہو سکا۔ سلسلہ کے جو مشایخ اس طوفان سے بچ رہے تھے اُنھوں نے صوبوں میں خانقاہیں قائم کریں اور سلسلہ کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ صوبائی علاقوں میں کام کرنے والے یہ بزرگ سیاست سے نہ بچ سکے۔ اس طرح دورِ اول کی دونوں خصوصیات (مرکزی نظام اور سیاست سے علیحدگی) ختم ہو گئیں۔

Marfat.com

باب سوم

چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں

چشتیہ سلسلہ کے دورِ ثانی کا مطالعہ کرنے کے لئے ہمیں ہندوستان کے مختلف صوبوں کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ جب سلطنت دہلی کا مرکزی نظام تباہ ہوا تو بنگال، دکن، مالوہ، جونپور اور گجرات میں خود مختار سلطنتیں قائم ہوگئیں۔ اسی طرح جب چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام درہم برہم ہوا تو ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مرکز سے غیر متعلق خانقاہیں قائم ہوئیں۔ اس لامرکزیت سے بعض شدید نقصانات ضرور ہوئے لیکن ایک ایسا زبردست فائدہ بھی ہوا جس نے ان سب نقصانات کی تلافی کردی۔ اور وہ یہ کہ اِن علاقوں میں اسلامی تہذیب وتمدّن کی سرگرمیاں بڑھ گئیں اور اس سے قبل جو تمدّنی عظمت صرف دہلی کو حاصل تھی وہ اب پنڈوہ، لکھنوتی، دولت آباد، گلبرگہ، برہان پور، زین آباد، مانڈو، احمد آباد کو بھی حاصل ہوگئی، اور اسلامی ہند کا بہت سا بہترین لٹریچر ان ہی علاقوں میں پیدا ہوا۔

ان آزاد صوبائی حکومتوں کے کارناموں سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے لیکن یہ حقیقت بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ان حکومتوں کے وجود میں آنے سے قبل

Marfat.com

چشتیہ سلسلہ کے مشایخ نے ان علاقوں میں ایک زبردست تمدنی انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ شاید یہ حکومتیں کبھی وجود میں نہ آسکتیں اگر اولیاء کرام ان علاقوں میں بس کر مختلف تمدنی عناصر کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ بنگال، گجرات، مالوہ، دکن وغیرہ میں جو آزاد سلطنتیں قائم ہوئیں اُن کے پیچھے ایک مضبوط معاشرہ نظر آتا ہے۔ یہ معاشرہ کس طرح وجود میں آیا؟ اگر تاریخ کے اشاروں پر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سماجی نظام مشایخِ چشت کی کوششوں کا مرہونِ منت تھا۔ انھوں نے ان علاقوں میں بسنے والے مختلف الخیال اور مختلف المذاہب لوگوں میں اتحادِ عمل اور اتحادِ فکر پیدا کیا۔ اور ان منتشر طبقوں کو ایک ایسے سماجی رنگ میں رنگ دیا جس نے ایک مضبوط معاشرہ کی شکل اختیار کر لی۔

اِن بزرگوں کی خانقاہوں میں ہندو اور مسلمان سب ہی جمع ہوتے تھے۔ اِن مشایخ نے اختلافات کے پردوں کو ہٹا کر ان میں ہم دلی اور ہم زبانی پیدا کی۔ اور ایسا خوشگوار سماجی ماحول پیدا کیا کہ ہر صوبے کا یہ سماجی نظام اپنے مضبوط معاشرہ کو ایک مضبوط سیاسی نظام کی شکل میں ظاہر کر سکا۔

۱۔ بنگال

بنگال کو مسلمانوں نے فتح تو ۵۹۶ھ–۱۱۹۷ء میں کر لیا تھا لیکن عرصہ تک اس کی حالت بقول ابن بطوطہ "جہنم پُر از نعمت" کی سی رہی۔ پھر ایک زمانہ آیا کہ وہی بنگال علم و فن کا ایک زبردست مرکز بن گیا۔ اس کے گوشہ گوشہ میں مدرسے اور خانقاہیں قائم ہو گئیں۔ بنگال کا بحری سلسلہ عرب کے سواحل اور عجم کی بندرگاہوں سے متصل ہو گیا۔ اور شیراز تک یہ آواز بلند ہونے لگی؎

حافظ زشوق مجلس سلطان غیاث الدین
خامش مشو کہ کارِ تو از نالہ می رود

اس تبدیلی کو سمجھنے کے لئے بنگال کے تمدنی انقلاب پر غور کرنا چاہیئے۔

لہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ریاض السلاطین، غلام حسین سلیم، (۱۸۹۸ء)

Marfat.com

تیرھویں صدی کے آخری یا چودھویں صدی عیسوی کے ابتدائی سال تھے کہ لکھنوتی سے ایک عقیدت مند سراج الدین نامی حضرت محبوب الٰہی رح کی خدمت میں حاضر ہوا. علم سے تہی دست لیکن یقین کی دولت سے مالامال. عرصہ تک اس طرح شیخ کی خدمت میں رہا کہ جب سال تمام ہوجاتا تو اپنی والدہ سے ملنے کے لئے لکھنوتی کا سفر کرتا. پھر واپس آجاتا اور شیخ کی ملازمت کو اپنے لئے سعادتِ دارین سمجھتا. جب حضرت محبوب الٰہی رح اپنے مریدین کو خلافت سے سرفراز فرمانے لگے تو لوگوں نے اس کا نام بھی پیش کیا. شیخ نے فرمایا: "اس کام میں سب سے پہلا درجہ علم کا ہے"۔[1] اس شخص کے خلوص لیکن محرومی کو دیکھ کر مولانا فخرالدین زرادی رح کو رحم آگیا. اور انھوں نے چھ مہینے کے اندر اس کو عالم متبحر بنانے کا دعویٰ کیا اور ایسا کر دکھایا، تحصیلِ علم کے بعد جب اُنھیں شیخ کی خدمت میں پیش کیا گیا، تو اُنھوں نے "آئینۂ ہند" کا خطاب دے کر خلافت سے سرفراز فرمایا. صاحب روضۂ اقطاب نے صحیح لکھا ہے:

"الحق کہ وے آئینۂ ہند بود کہ تمام ہند از وے رونقِ ارشاد و ہدایت بیفزود و طریقِ معرفت و ولایت روئے نمود، اگرچہ جمیع خلفاء سلطان المشایخ صاحب مقامات عالی بودند، امّاں ازاں ہا شیخ نصیرالدین محمود کہ چراغ دہلی و شیخ سراج الدین کہ آئینۂ ہند است چاشنی دیگر داشتند، وازیں دو بزرگ بسے مردماں صاحبِ

سچ تو یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے لئے آئینہ کی مانند تھے. تمام ہندوستان میں اُن سے رشد و ہدایت کی رونق بڑھ گئی اور معرفت و ولایت کے طریقوں کا انکشاف ہوا. اگرچہ سلطان المشایخ کے سب خلفاء اعلیٰ مقامات کے حامل تھے، لیکن شیخ نصیرالدین محمود رح جن کو چراغ دہلی کہا جاتا ہے اور شیخ سراج الدین جو آئینۂ ہند ہیں، کچھ اور ہی چاشنی رکھتے تھے. ان دونوں بزرگوں کے

---

[1] سیر الاولیاء. ص ۲۲۸

Marfat.com

تکمیل وارشاد پیدا آمدند" لہ — دامن تربیت اسے بہت سے صاحب ارشاد پیدا ہوئے۔

شیخ سراج الدین المعروف بہ اخی سراج، اپنے شیخ کے وصال کے بعد کچھ عرصہ تک دہلی ہی میں مقیم رہے۔ جب محمد بن تغلق نے مشایخ کو جبراً دیوگیر بھیجنا شروع کیا، تو وہ اپنے وطن لکھنوتی کو چلے گئے اور کچھ کتابیں محبوب الٰہیؒ کے کتب خانے سے "بجہت مطالعہ وبحث" ساتھ لے گئے۔ ؎ شیخ اخی سراجؒ پہلے بزرگ تھے جنھوں نے سرزمین بنگال پر چشتیہ سلسلہ کی تنظیم کی اور یہ چھوٹا سا کتب خانہ بنگال میں چشتیہ سلسلہ کا پہلا کتب خانہ تھا۔

بنگال میں چشتیہ سلسلہ کی نشر واشاعت اور اسلامی تہذیب وتمدن کی ترویج و تبلیغ حضرت اخی سراجؒ اور اُن کے مریدین کے ذریعے سے ہوئی۔ میر خورد کا بیان ہے:۔

"وآں دیار را بجمالِ ولایت خود بیاراست وخلقِ خدائے را دست بیعت دادن گرفت، چناں کہ بادشاہاں آں ملک داخل مریدان او آمدند۔۔۔۔ روضۂ او قبلۂ ہندوستان است، وخلفائے او تا ایں غایت درآں دیار خلق خدا را دست می دہند"؛ ؎	اور اس مقام کو اپنے جمالِ ولایت سے سجا دیا۔ اور خلقِ خدا اُن سے بیعت ہونے لگی۔ یہاں تک کہ اس ملک کے فرمانروا بھی اُن کے حلقۂ مریدین میں شامل ہوگئے، اُن کا روضہ قبلۂ ہندوستان ہے۔ اور اُن کے خلفاء اب تک اس علاقہ میں خلقِ خدا کی رہنمائی کرتے ہیں

حضرت اخی سراجؒ کے سب سے زیادہ مشہور خلیفہ شیخ علاء الحق والدین بن اسعد بنگالیؒ ؎

لہ روضۂ اقطاب ص ۴۹۔۴۸ (مطبع محب ہند، دہلی)

؎ سیر الاولیاء ص ۲۸۹ ؎ سیر الاولیاء۔ ص ۹۰۔۲۸۹

؎ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو، (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

تھے وہ ایک متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت اخی سراج[ع] کی صحبت سے ایسے متاثر ہوئے کہ فقر کی زندگی اختیار کرلی اور پنڈوہ میں ایسی عظیم الشان خانقاہ قائم کی کہ دُور دُور سے لوگ کھنچ کر وہاں جمع ہونے لگے۔ شیخ علاء الحق رح کے بعد ان کے خلفاء حضرت نور قطب عالم رح[لے] اور میر سید اشرف جہانگیر سمنانی رح[۲ے] نے سلسلہ کو مقبول عام بنانے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔ حضرت نور قطب عالم رح شیخ علاء الحق رح کے فرزند رشید تھے جس زمانے میں وہ مسند ارشاد پر جلوہ افروز تھے، بنگال کی سیاست بڑے نازک دور سے گزر رہی تھی۔ راجہ گنس (جو بھتوریہ، ضلع راج شاہی، کا جاگیردار تھا) بنگال کے تخت پر قابض ہوگیا تھا۔ حضرت نور قطب عالم رح نے براہِ راست اور سید اشرف جہانگیر سمنانی رح کی وساطت سے سلطان ابراہیم شرقی کو بنگال پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ سید اشرف جہانگیر کے مجموعہ مکتوبات[۳ے] میں وہ دلچسپ خطوط خاص طور سے مطالعہ کے قابل ہیں جن میں اس

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

اخبار الاخیار ص ۱۴۱، ۱۴۰	گلزار ابرار ص ۱۰۴
معارج الولایت (قلمی نسخہ)	مرآۃ الاسرار (قلمی)
روضۂ اقطاب ص ۴۸	

لے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو:-

اخبار الاخیار ص ۱۶۳، ۱۶۱	گلزار ابرار ص ۱۰۵ - ۱۰۴
مرآۃ الاسرار (قلمی)	روضۂ اقطاب ص ۴۸

۲ے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو:-

اخبار الاخیار ص ۱۶۳ - ۱۶۱	گلزار ابرار ص ۱۴۶ - ۱۴۵
مرآۃ الاسرار (قلمی)	

نیز لطائف اشرفی مرتبہ مولانا نظام الدین یمنی المعروف بہ نظام حاجی غریب الیمنی (نصرت المطابع دہلی ۱۲۹۵ھ)

۳ے مکتوبات سید اشرف جہانگیر کا ایک مکمل اور صاف نسخہ، (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

سیاسی کش مکش کی تفصیل درج ہے۔[۱] سید اشرف جہانگیر رح نے جو خط حضرت نور قطب عالم رح کے مکتوب کے جواب میں لکھا تھا، وہ بنگال میں صوفیۂ کرام کے کارناموں پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ یہاں ان مباحث کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔ انشاء اللہ تاریخ مشائخ چشت کی جلد سوم میں پیش کئے جائیں گے۔

ان سیاسی کارناموں سے قطع نظر حضرت نور قطب عالم رح نے بعض اہم علمی خدمات بھی انجام دی تھیں۔ اُن کے مکتوبات کا مجموعہ بڑا اہم ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح ان مکتوبات کے متعلق فرماتے ہیں "بغایت شیریں ولطیف بزبان اہل درد ومحبت"۔ اگر ان مکتوبات میں سے شیخ نور قطب عالم رح کے مذہبی فکر کے بنیادی اصول نکال کر ان کا چیتنیا[۲] روپا، سناتن، جیواگوسوامی[۳] کی تعلیمات سے مقابلہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ مشائخ چشت نے بھگتی کی تحریک کو کس درجہ متاثر کیا تھا اور وہ کس حد تک بنگال کی ان اصلاحی

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

سبحان اللہ اورینٹیل لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔ (فہرست صفحہ ۱۹ ۲۹۷/۷۱/۱۲)
اس کا سن کتابت ۱۲۳۳ھ ہے۔

۱ مکتوب ۴۶ (ص ۹۸-۹۷) سلطان ابراہیم شرقی کے نام ہے۔ نیز ملاحظہ ہو، مکتوب ۴۵ (ص ۹۷، ۹۸) (قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی لائبریری)

۲ چیتنیا (پیدائش ۱۴۸۵ء) نے ذات پات کی مخالفت کی اور اخوت انسانی کا درس دیا۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔

J. N. Sarkar : Chaitanya's Life and Teachings (Calcutta 1912)
J. N. Sarkar : Chaitanya's Pilgrimages and Teachings (Calcutta)

۳ روپا، سناتن اور جیواگوسوامی، چیتنیا سے متاثر تھے اور انھوں نے اس تحریک کو جاری رکھا۔ اور بنگال میں اپنے خیالات کی ترویج کی۔

Marfat.com

تحریکوں کے ذمہ دار تھے۔

حضرت نور قطب عالمؒ کے ایک مشہور مرید اور خلیفہ مولانا حسام الدین مانک پوری[1] تھے۔ شیخ محدثؒ اُن کے متعلق فرماتے ہیں:

"از اعیانِ مشایخ وقت خود بود، عالم بود بعلمِ شریعت و طریقت"[2]

ان کے ملفوظات رفیق العارفین کے نام سے جمع کئے گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اُن کے ایک سو بیس خلفار تھے[3] جن میں (۱) سید حامد شاہ ابن سید راجہ شاہ مانک پوری (۲) سید مسعود ابن سید ظہیر الدین فتح پوری (۳) سید محمد امیر بدہا (۴) مولانا کمال الدین عز اللہ (۵) مولانا شہر اللہ ابوالقاسم ملتانی (۶) شیخ نصیر الدین ملتانی ابن شہر اللہ، (۷) مولانا فرید الدین سالار عراقی (۸) شیخ احمد قنوجی (۹) معین الاسلام اودہی (۱۰) مولانا منہاج الدین بہاری (۱۱) مولانا جمال الدین حسن (۱۲) شیخ ضیار الدین یوسف داؤد کروی (۱۳) مولانا سوندھو کروی (۱۴) مولانا محمد علار الدین کروی (۱۵) شیخ شہاب مانک پوری المعروف بہ ارزانی شاہ، خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت نور قطب عالمؒ کی کوششوں سے چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں بنگال، بہار، جونپور وغیرہ میں قائم ہوگئیں۔

۲۔ دکن بہمنی سلطنت جس نے دکن کو سیاسی، تمدنی اور سماجی ترقی کی راہیں دکھائی تھیں ۷۴۷ھ میں علار الدین بہمن شاہ کی کوششوں سے وجود میں آئی تھی۔ اس کی بنیاد پڑنے سے تقریباً بیس سال قبل، سُلطان محمد بن تغلق نے دہلی کے علمار و مشایخ کو جبراً اِن علاقوں میں تبلیغ و اشاعت کے لئے بھیج دیا تھا۔ اِن مشایخ میں کثیر تعداد چشتیہ سلسلہ

---

[1] ان کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔

اخبار الاخیار۔ ص ۱۷۳-۱۷۱ — گلزار ابرار۔ ص ۱۰۷-۱۰۶

مرآۃ الاسرار (قلمی) — روضۂ اقطاب۔ ص ۴۸-۴۷

[2] اخبار الاخیار ص ۱۷۱ — [3] گلزار ابرار۔ ص ۱۰۶

کے بزرگوں کی تھی۔ ان بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ علاقہ جہاں کبھی سلطنت دہلی کا کامیاب تسلط نہ ہو سکا تھا، ایک ایسی سلطنت کا گہوارہ بن گیا، جس نے جنوبی ہندوستان میں عرصہ تک اسلامی علوم وفنون کی شمع روشن رکھی۔

کہا جاتا ہے کہ علاء الدین حسن بہمنی، صاحبِ اقتدار ہونے سے قبل ایک دن حضرت محبوب الٰہی رح کی خانقاہ میں حاضر ہوا۔ اس سے پہلے محمد بن تغلق جو اِن دِنوں شہزادہ تھا شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس ہوا تھا۔ علاء الدین حسن ابھی دروازے ہی پر تھا کہ شیخ نے ایک ملازم کو اُسے اندر لانے کے لئے بھیجا اور فرمایا:

"سلطانے رفت وسلطانے آمد"

پھر علاء الدین پر خاص التفات وکرم فرمایا اور ایک روٹی جو اپنے افطار کے لئے رکھی تھی، انگلی پر رکھ کر اس کو اس بشارت کے ساتھ دی:

"ایں چترشاہی ست کہ پس ازمدتے دراز ومحنت در دکن روزے نصیب تو خواہد شد"۔ [1]

مورخوں کا بیان ہے کہ جب علاء الدین حسن بہمنی تخت پر بیٹھا تو سب سے پہلا حکم اس نے یہ دیا کہ پانچ من سونا اور دس من چاندی، شیخ نظام الدین اولیاء رح کی رُوح کو ایصال ثواب کے طور پر، شیخ برہان الدین غریب رح کے ذریعے فقراء ومساکین میں تقسیم

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم۔ ص ۲۷۴ (نول کشور)

دکن کی تاریخ کے لئے فرشتہ سے زیادہ مستند کوئی مورخ نہیں ہے خافی خاں نے لکھا ہے:

"اکثر در ذکر سلاطین دکن کلام او (نظام الدین صاحب طبقات اکبری) محل اعتماد را نشاید وسوائے قول محمد قاسم فرشتہ ہیچ مورخے بذکر سلاطین دکن نپرداختہ کہ درصحت اعتبار داشتہ باشد"۔

منتخب اللباب۔ ج ۱ ص ۲۳۷

Marfat.com

کرادی جائے[1]۔ اس طرح گویا بہمنی سلطنت خود مشایخ چشت کی دعاؤں کا نتیجہ تھی۔

پہلے چشتی بزرگ جنھوں نے سرزمین دکن پر قدم رکھا شیخ برہان الدین غریبؒ تھے۔[2] حضرت محبوب الٰہیؒ کے وصال کے بعد وہ دیوگیر چلے گئے، اور وہاں ارشاد و تلقین کا کام شروع کر دیا۔ دکن میں آپ کی خانقاہ مرجعِ خاص و عام بن گئی اور عقیدت مندوں کا ہجوم رہنے لگا۔ اُن کی صحبت میں بڑی کشش اور الفاظ میں بڑی تاثیر تھی۔ سیر الاولیار میں لکھا ہے:

"ہر کہ یک ساعت بخدمت ایں بزرگ بودے از ذوقِ کلام عشق آمیز و صفائی محاورۂ دلفریب او عاشقِ جمال گشتے، و بندگان خدائے را در اعتقاد و محبت پیر راہ نمونے بہتر از وکسے نبود"۔[3]

شیخ برہان الدین غریبؒ کے ملفوظات حماد بن عماد کاشانی نے احسن الاقوال[4] کے نام سے جمع کئے ہیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف خاص توجہ فرمایا کرتے تھے۔

شیخ برہان الدین غریبؒ کے ایک مشہور خلیفہ شیخ زین الدینؒ تھے۔ علاءالدین حسین شاہ نے اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی تھی۔ عصامی نے لکھا ہے ؎

---

[1] فرشتہ۔ ج ۲۔ ص ۲۷۷

[2] تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو:۔
سیر الاولیار۔ مرآۃ الاسرار (قلمی نسخہ)۔ معارج الولایت (قلمی) اور اخبار الاخیار

[3] سیر الاولیار۔ ص ۲۷۹

[4] احسن الاقوال، ۲۹، اقوال پر مشتمل ہے۔ اس میں مختلف عنوانات کے ماتحت شیخ کے ملفوظات کو جمع کیا گیا ہے۔ مثلاً آداب مجلس، آداب مرید بخدمت پیر، حسنِ معاملہ، مذمت طمع وغیرہ مولانا حماد کے دو اور بھائیوں نے شیخ کے ملفوظات نفائس الانفاس، شمائل الانقیاد دلائل اتقیار، غرائب الکرامات، بقیۃ الغرائب ترتیب دیئے تھے جو ان کی تعلیم اور خانقاہی نظام کے سمجھنے میں مدد دے سکتے ہیں۔

Marfat.com

ازاں خرقہ دارد نصیبے تمام
شہ شیر دل خسرو نیک نام

شیخ زین الدین رح کے ذریعے چشتیہ سلسلہ کی کافی اشاعت ہوئی۔ اسی زمانے میں چشتیہ سلسلہ کے ایک اور بزرگ حضرت سید محمد گیسو دراز رح دکن پہنچے[1]۔ سلطان فیروز شاہ بہمنی نے علماء و مشایخ اور لشکرِ شاہی کے ساتھ اُن کا خیر مقدم کیا[2]۔ حضرت گیسو دراز رح نے گلبرگہ میں چشتیہ سلسلہ کی ایک عظیم الشان خانقاہ قائم کی۔ شیخ محدث لکھتے ہیں:

"بعد از رحلتِ شیخ بدیار دکن رفت وقبولی عظیم یافت، اہل ایں دیار ہمہ منقاد ومطیع او گشتند"۔[3]

اُن کے خلفاء کی تعداد بہت کثیر تھی جن میں شاہ یداللہ رح، شیخ علاء الدین گوالیاری رح، شیخ ابوالفتح قریشی رح، سید صدر الدین اودھی رح، شیخ فخر الدین بغدادی رح، شیخ محمد اکبر حسینی رح، سید یوسف حسینی رح، شیخ زادہ شہاب الدین رح، قاضی محمد سلیمان رح وغیرہم خاص طور سے مشہور رہیں ان خلفاء نے سلسلہ کی اشاعت میں بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ خود حضرت گیسو دراز رح نے اپنی تصانیف[4] کے ذریعے تصوف کے خیالات کو عوام وخواص تک پہنچا دیا۔

---

[1] سید محمد گیسو دراز رح کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:
اخبار الاخیار ص ۱۳۴ - ۱۲۹ - گلزار ابرار ص ۱۳۹
سیر محمدی مصنفہ مولانا شاہ محمد علی مرید حضرت سید محمد گیسو دراز (مطبوعہ یونانی دواخانہ پریس الہ آباد)
نیز جوامع الکلم ملفوظات حضرت گیسو دراز۔ مرتبہ سید محمد اکبر حسینی (مطبوعہ انتظامی پریس عثمان گنج)

[2] برہان المآثر، مولفہ سید علی طباطبا (مطبوعہ حیدر آباد) ص ۴۴ ، ۴۳ - نیز ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ (جلد دوم)

[3] اخبار الاخیار ص ۱۳۰

[4] سید محمد گیسو دراز رح کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ تصوف کی اعلیٰ کتابوں مثلاً عوارف المعارف، رسالہ قشیریہ، تمہیدات عین القضاۃ، قوت القلوب پر حاشیے لکھے تھے اور بعض کو (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

دکن میں چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت کا کام شیخ برہان الدین غریبؒ اور حضرت سید محمد گیسو درازؒ اور اُن کے خلفاء نے انجام دیا۔ اُن کی خانقاہیں جنوبی ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی اصلاح و تربیت کا مرکز تھیں۔ اور شاہ و گدا سب وہاں جمع ہوتے تھے۔

۳۔ گجرات سرزمین گجرات سے چشتیہ سلسلہ کے مرکزی نظام کا تعلق حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے زمانے میں قائم ہوا۔ قطب صاحبؒ کے دو مرید شیخ محمودؒ اور شیخ حامد الدین احمدؒ، نہروالہ کے باشندے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے تفصیلی حالات تذکروں میں نہیں ملتے۔ گلزار ابرار میں صرف چند سطریں ان کے متعلق لکھی گئی ہیں[1]

گجرات میں چشتیہ سلسلہ کو پوری طرح روشناس کرنے کا کام حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مندرجہ ذیل خلفاء نے انجام دیا:

(۱) شیخ سید حسین رح

(۲) شیخ حسام الدین ملتانیؒ

(۳) شاہ بارک اللہؒ

شیخ سید حسینؒ صاحبِ علم وفضل بزرگ تھے۔ ہدایہ پر حاشیہ لکھا تھا[2]۔ ایک روحانی اشارہ پر حضرت محبوب الٰہیؒ سے بیعت ہو گئے۔ شیخ نے خرقۂ خلافت عطا فرما کر گجراتیوں کی ہدایت کے لئے روانہ فرما دیا۔ نہروالہ میں ایک تالاب کے کنارے اُن کا مزار ہے۔[3] شیخ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

فارسی زبان میں منتقل کیا تھا۔ قرآن پاک کی تفسیر صوفیانہ رنگ میں لکھی تھی۔ مشارق الانوار کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، اور اس کی شرح لکھی تھی، کچھ کتابیں (شرح آداب المریدین، اسرار الاسرار وغیرہ) حیدر آباد سے شایع بھی ہو گئی ہیں۔ بعض کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اُن ہی کی تصنیف ہیں یا غلط طور پر منسوب کر دی گئی ہیں۔

[1] گلزار ابرار (اردو ترجمہ) ص ۴۴ - ۴۳

[2] گلزار ابرار۔ ص ۱۱۷

[3] گلزار ابرار۔ ص ۱۱۶

Marfat.com

حسام الدین ملتانیؒ کو پیر نے دہلی سپرد کیا تھا۔ محمد بن تغلق کے عہد میں وہ مجبوراً نہروالہ چلے گئے۔ وہیں ان کا مزار ہے[۱]۔ شاہ بارک اللہؒ کے متعلق مراۃ احمدی میں لکھا ہے:

مرید و خلیفہ حضرت سلطان المشایخ سلطان الاولیاء اند، مقبرۂ ایشاں بیرون دروازۂ ابدر نزدیک بارہ حاجی پور واقعست۔ [۲]

گجرات میں چشتیہ سلسلہ کی باقاعدہ تنظیم اور نشر و اشاعت کا کام علامہ کمال الدینؒ شیخ یعقوبؒ، شیخ کبیر الدین ناگوریؒ اور سید کمال الدین قزوینیؒ نے انجام دیا۔

علامہ کمال الدینؒ (المتوفی ۷۵۶ھ) حضرت چراغ دہلیؒ کے خلیفہ اور بھانجے تھے۔ علم و فضل میں ممتاز تھے۔ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے:

"تا ابتدائے جوانی از فنونِ علمی بہرہ یاب گشتہ و علم را مرور ایام تمام و کمال ساختہ، ہیچ علمے ازو باقی نماندہ بود کہ درو کمالے بہم نرسانیدہ، و در علم تفسیر و فقہ و حدیث حظے وافر داشت۔ درمیان علماء مفسران و فقہاء و محدثان وغیرہ کہ دراں زماں علم علمی افراشتہ بودند بعلامہ شہرت یافتہ۔" [۳]

اُن کی اولاد میں برابر ایسے بزرگ پیدا ہوتے رہے جنھوں نے چشتیہ سلسلہ کو گجرات میں قایم رکھا۔ علامہ کمال الدینؒ کے بعد اُن کے فرزند ارجمند شیخ سراج الدینؒ سجادہ مشیخت پر بیٹھے۔ اُنھوں نے مولانا احمد تھانیسریؒ، مولانا عالم پانی پتیؒ اور مولانا عالم سنگریزہؒ سے علوم ظاہری حاصل کئے تھے[۴]۔ فیروز شاہ بہمنیؒ نے انھیں دکن بلایا تو

---

[۱] سیر الاولیاء، ص ۲۶۲

[۲] خاتمہ مراۃ احمدی مصنفہ مرزا محمد حسن (کلکتہ ۱۹۳۰ء) ص ۷۳

[۳] شجرۃ الانوار (قلمی) حالات کے لئے ملاحظہ ہو، حدائق الحنفیہ۔ ص ۲۸۸

[۴] تکملہ سیر الاولیاء ص ۲۶

Marfat.com

انکار کر دیا اور فرمایا "حق تعالیٰ مراد رگجرات ہرچہ ضرورت است عطامی فرماید" [1]
۸۱۴ھ میں وصال ہوا۔ ایک شاگرد، مولانا ہمزہ ناگوریؒ نے مرثیہ لکھا:

امروز رفت علم ازیں شہر چوں عیاں
امروز نیست آنکہ کند بزدوی بیاں
مفتاح وہم مطالع وتوضیح وہم بدیع
آں کیست کو بگوید در درس می تواں

شیخ سراج الدینؒ کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ علم الحقؒ سجادہ نشین ہوئے۔ شجرۃ الانوار کے مصنف نے ان کی ایک کرامت کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"حضرت شیخ را کرامتے بود ہر کہ از کافراں وفاسقاں ومنکراں یک بار درصحبت او نشستے واز و کلام شنیدے وباہم کلام گشتے از افعالِ مذموم خود متنبہ گشتہ وتوبہ نمودہ مرید او شدے"۔ [2]

حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑی کوئی کرامت ہی نہیں کہ ایک مرتبہ جو ہم کلام ہو جائے وہ اتنا بدل جائے کہ اس میں طاقتِ گناہ ہی نہ رہے!

شیخ علم الحقؒ کے بعد اُن کے صاحبزادے شیخ محمود المعروف بہ شیخ راجنؒ سجادہ پر بیٹھے پھر علی الترتیب شیخ جمال الدین جمنؒ، شیخ حسن محمدؒ، شیخ محمدؒ اور حضرت یحییٰ مدنیؒ سجادہ مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی سب سے زیادہ اہم اور مرکزی کڑی وہی ہے جو حضرت کمال الدین علامہؒ کے ذریعے شیخ یحییٰ مدنیؒ تک پہنچتی ہے۔ حضرت یحییٰ مدنیؒ کے خلیفہ شاہ کلیم اللہؒ نے گجرات سے سلسلہ کا پودا لے جاکر دہلی میں نصب کیا اور اپنی مسلسل جدوجہد سے اسے ایسا پروان چڑھایا کہ پھر ایک بار دَورِ اوّل کی رونق آنکھوں کے سامنے آگئی۔

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۲۶

[2] شجرۃ الانوار (قلمی)

Marfat.com

شیخ یعقوب[1] رح (المتوفی ۷۹۸ھ/۱۳۹۵ء) مولانا خواجگی[2] رح کے فرزند رشید اور شیخ زین الدین دولت آبادی رح کے خلیفہ تھے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رح کی تصانیف پر بڑا عبور تھا فصوص الحکم کا درس بڑی کیفیت کے ساتھ دیتے تھے۔ انتقال بھی درس ہی کی حالت میں ہوا۔ آپ کی خانقاہ نہروالہ میں رشد و ہدایت کا سرچشمہ تھی۔

شیخ کبیر الدین ناگوری[3] رح (المتوفی ۸۵۸ھ/۱۴۵۴ء) شیخ حمید الدین صوفی سوالی رح کے پوتے تھے۔ ناگور کے حالات نامساعد پائے تو احمد آباد آکر اقامت گزین ہوگئے۔[4] ان کے ذریعے سلسلہ کی تعلیم عوام و خواص تک پہنچی۔ علم و فضل کی وجہ سے بھی مشہور تھے مصباح النحو کی شرح لکھی تھی۔

سید کمال الدین قزوینی رح (المتوفی ۸۸۱ھ/۱۴۷۶ء) حضرت گیسو دراز رح کے سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بھروچ میں خانقاہ تھی۔ جہاں ہزاروں گمراہانِ بادیۂ ضلالت روشنی حاصل کرتے تھے۔

ان بزرگوں کے علاوہ جو چشتیہ سلسلہ کی اُس شاخ سے تعلق رکھتے تھے جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کے ذریعے ہندوستان پہنچی تھی، گجرات میں ایک بزرگ ایسے بھی تھے جنھوں نے براہِ راست مشائخ چشت سے خلافت حاصل کی تھی۔ شیخ رکن الدین مودود بابا فرید رح کی اولاد میں تھے۔[5] چشتیہ سلسلہ میں شیخ محمد زاہد رح سے بیعت تھے۔ تجرید و تفرید میں

---

1. گلزار ابرار ص ۱۲۲ - ۱۲۱
2. مولانا خواجگی رح، چراغ دہلی رح کے خلیفہ اور اپنے عہد کے مشہور فاضل تھے۔ حالات کے لئے ملاحظہ ہو اخبار الاخیار ص ۱۴۲-۱۴۱- گلزار ابرار ص ۲۶۰- ۲۵۹، مآثر الکرام ص ۱۸۶ - ۱۸۵
3. اخبار الاخیار ص ۱۷۷
4. "بجہت تفرقہ کہ درناگور از دست کفار آں دیار واقع شدہ بود بجانب گجرات رفتہ"۔
اخبار الاخیار ص ۱۷۷
5. رکن الدین بن علم الدین بن علاء الدین بن بدر الدین سلیمان بن فرید الدین مسعود گنج شکر گلزار ابرار ص ۱۳۸۔

(باقی صفحہ آئندہ پر)

Marfat.com

لاثانی تھے۔ ان کے ایک عزیز مرید اور خلیفہ شیخ عزیز اللہ المتوکل علی اللہ رح تھے۔ جن کا حال شیخ محدث رح نے اخبار الاخیار، محمد غوثی نے گلزار ابرار اور مرزا محمد حسن نے خاتمہ مرآۃ احمدی میں لکھا ہے۔ اُن کے فرزند شیخ رحمت اللہ رح سے سلطان محمود بیگڑہ بیعت تھا۔

ان بزرگوں نے گجرات میں چشتیہ سلسلہ کو اس قدر شہرت بخشی کہ عارف وعامی سب ہی اس سے وابستہ ہو گئے۔ شیخ علی متقی رح[1] جن کے علم وفضل کا سکہ عرب وعجم میں ہر جگہ تسلیم کیا گیا تھا، چشتیہ سلسلہ ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام تباہ ہو جانے کے بعد صوبوں میں جو خانقاہیں قائم ہوئیں اُن میں گجرات کی خانقاہوں کو ایک امتیازی شان حاصل ہے۔ وہاں کے خانقہی نظام میں مرکز کی کچھ خوبیاں باقی رہیں اور غالباً یہ ہی وجہ تھی کہ شاہان مغلیہ کے آخری دور میں دہلی کے ایک نوعمر عالم اور درویش نے وہاں جا کر سلسلہ کی روایات کو اخذ کیا اور پھر دہلی میں آکر رواج دیا۔

۴۔ مالوہ

مالوہ اور اس کے نواح میں چشتیہ سلسلہ کی اشاعت شیخ نظام الدین اولیا رح کے مندرجہ ذیل خلفاء کے ذریعے ہوئی:

(۱) شیخ وجیہہ الدین یوسف رح

(۲) شیخ کمال الدین رح

(۳) مولانا مغیث الدین رح

شیخ وجیہہ الدین یوسف رح حضرت محبوب الٰہی رح کے نہایت ہی مقرب اور مقبول خلفاء میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۵ شیخ محمد زاہد بن شیخ یوسف بن شیخ احمد بن شیخ محمد بن خواجہ علی بن خواجہ احمد بن خواجہ مودود چشتی۔ گلزار ابرار ص ۱۳۸

[1] حالات کے لئے، اخبار الاخیار۔ ص ۲۶۱ - ۲۴۹

تذکرہ علمائے ہند ص ۱۴۷ - ۱۴۶

گلزار ابرار۔ ص ۴۰۳ - ۴۰۲

مآثر الکرام۔ ص ۱۹۴ - ۱۹۲

تھے۔ شیخ نے ایک بار اُن کے متعلق فرمایا تھا:

"درروش درویشی کسے ہمتائے	درویشی کی روش میں کوئی شخص مولانا
مولانا یوسف نباشد، دریں راہ	یوسف کی نظیر نہیں ہے۔ وہ اس راہ
چوں سالکان ثابت قدم می رود"[1]	میں سالکانِ ثابت قدم کی طرح چلتے ہیں

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ عہد علائی میں ایک شخص چندیری کی فتح کے لئے سلطان کی طرف سے متعین کیا گیا۔ وہ حضرت محبوب الٰہیؒ کا معتقد تھا۔ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا

"مرا بادشاہے برائے مقامے قلب نامزد کردہ است اگر یارے از حضرت سلطان المشائخ نیز برما نامزد شود ما در پناہ او برویم و اُمید فتح آں مقام واثق باشد"[2]

حضرت محبوب الٰہیؒ نے شیخ وجیہہ الدینؒ کو چندیری روانہ کر دیا۔ انھوں نے وہاں سلسلہ کی ایک بڑی خانقاہ قائم کی، حضرت محبوب الٰہیؒ کا یہ قاعدہ تھا کہ چندیری کا کوئی شخص بیعت کے لئے آتا تو شیخ وجیہہ الدینؒ کے پاس بھیج دیتے اور فرماتے "ہم چنیں تصور کنید گوئے بریں فقیر بیوستید"[3]

شیخ کمال الدینؒ[4]، شیخ نصر اللہ بن بابا فریدؒ کے پوتے تھے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کے دامنِ تربیت سے وابستہ ہو گئے تھے۔ شیخ نے انھیں ایک چنبیلی کا پھول دیا اور کہا تم مالوہ میں جا کر رہو، پیر کے فرمان کے بموجب اُنھوں نے مالوہ کا رُخ کیا اور وہاں ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے۔ سلاطین مالوہ کو اُن کے سلسلہ کے لوگوں سے بڑی عقیدت تھی۔ سلطان محمود خلجی (م ۱۵۳۰ء) نے شیخ کی قبر پر گنبد اور متعلقین سلسلہ کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرائی تھی۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۸۶ — [2] سیر الاولیاء ص ۲۸۷

[3] سیر الاولیاء ص ۲۸۷

[4] حالات کے لئے ملاحظہ ہو، سیر الاولیاء ص ۱۹۸-۱۹۷۔ گلزار ابرار ص ۵۸۲ - ۵۸۱

Marfat.com

مولانا مغیث الدین رح[1] ۷۲۰ھ/۱۳۲۰ء میں پیر و مرشد کی اجازت سے مالوہ آئے اور اُجین میں دریا کے کنارے اقامت اختیار کرلی۔ وصال کے بعد وہیں مزار بنا دیا گیا۔ ان تین بزرگوں نے چودھویں صدی عیسوی میں چشتیہ سلسلہ کو مالوہ میں روشناس کرایا۔ بعد کو چشتیہ سلسلہ کے کچھ اور بزرگ مثلاً قاضی اسحٰق رح[2] جو جید عالم تھے اور سلطان علاء الدین محمود (م ۱۴۷۵ء) کے پیر تھے وہاں جاکر تبلیغ و اشاعت کے کام میں مصروف ہوگئے۔

۱؎ گلزار ابرار ص ۱۱۱

۲؎ گلزار ابرار ص ۱۲۷

Marfat.com

باب چہارم

صابریہ سلسلہ اور اُس کے مشایخ

صابریہ سلسلہ کے ابتدائی حالات لکھنے وقت تاریخ کے ایک طالب علم کو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اول تو بانیٔ سلسلہ کے حالات کسی مرید یا عقیدتمند کے لکھے ہوئے نہیں ملتے، دوسرے تمام معاصر تذکرے اور تاریخیں ان کے معاملے میں بالکل خاموش ہیں۔ سیر الاولیاء[1] میں جو چند سطریں ایک بزرگ علی صابرؒ کے حال میں درج ہیں۔ ان کے متعلق بقول شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ ان ہی کے متعلق کے ہیں یا کسی اور کے[2]۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدی کے مذہبی تذکروں میں ان کے حالات بڑی تفصیل سے درج ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تذکروں[3] نے کہاں

---

[1] سیر الاولیاء۔ ص ۱۸۵

[2] اخبار الاخیار۔ ص ۶۹

[3] مثلاً سیر الاقطاب۔ شیخ اللہ دیا چشتی، تالیف ۱۰۳۶ھ
مراۃ الاسرار۔ شیخ عبدالرحمن چشتی، تالیف ۱۰۶۵ھ
معارج الولایت۔ مؤلفہ غلام معین الدین عبداللہ ملقب بالخلیفہ خویشگی چشتی (باقی اگلے صفحہ پر)

سے یہ حالات فراہم کئے ہیں، ان کے مآخذ کیا ہیں اور ان کی تاریخی افادیت کس حد تک ہے ، غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اُن کے تذکروں کی بنیاد یا تو 'کشف' پر ہے یا محض سُنی سُنائی روایات پر۔ دونوں صورتوں میں ان پر اعتماد کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ ہم نے ان تذکروں کے استعمال میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔

شیخ علاء الدین احمد صابرؒ کے خلیفہ اور سجادہ نشین، شیخ شمس الدین ترکؒ خواجہ احمد یسوی رحؒ کی اولاد میں تھے مُرشد کامل کی تلاش میں ترکستان چھوڑ کر ہندوستان آئے اور یہاں صابر صاحبؒ کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ کچھ عرصے تک سلطان غیاث الدین بلبن کی فوج میں بھی رہے تھے۔ مرشد نے پانی پت میں قیام کی ہدایت فرمائی۔ مدت العمر وہاں تلقین وارشاد میں مصروف رہے ۷۱۸ھ/۱۳۱۸ء میں وصال فرمایا۔ [1]

شیخ شمس الدین ترکؒ کے بعد جمال الدین پانی پتیؒ مسند ارشاد پر بیٹھے [2]۔ ان کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ معارج الولایت میں لکھا ہے۔

"مردماں از ہر جانب روئے باومی آوردند و نذر و فتوح بے شمار آوردند"۔ [3]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

تالیف ۹۴۷ھ۔ زمانہ حال کی کتابوں میں زمزمۂ صابری (مؤلفہ تسلیم احمد امروہی مطبوعہ مطبع حقانی، امروہہ ۱۹۰۷ء) خاص طور سے توجہ کی مستحق ہے۔ اس میں اصل مآخذ کی بنا پر حالات ترتیب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

[1] گلزار ابرار (ص ۵۸۶) میں لکھا ہے کہ اُن کے حالات کا تذکرہ مولانا علی کابلی گل بہاری میں مطالعہ کرنے چاہئیں۔ یہ تذکرہ راقم السطور کی نظر سے نہیں گذرا۔

[2] حالات کے لئے ملاحظہ ہو مرآۃ الاسرار، (قلمی) سیر الاقطاب (قلمی)، نیز مطبوعہ نول کشور لکھنؤ) گلزار ابرار ص ۵۳۸

[3] معارج الولایت (قلمی)

اُن کے چالیس خلفاء تھے، جن میں شیخ احمد عبدالحق رح خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اُن کے زمانے میں صابریہ سلسلہ کو کافی شہرت حاصل ہوئی۔ شیخ محدث رح نے اُن کے متعلق لکھا ہے،

"جذبے قوی داشت ونظرے موثر وتصرفے غالب"

چشتیہ صابریہ سلسلہ کا سب سے پہلا مرکز جس کو ہم تاریخ کی روشنی میں دیکھ سکتے ہیں وہ ردولی (ضلع بارہ بنکی) ہے۔ شیخ احمد عبدالحق رح نے ایسے زمانے میں وہاں اپنی خانقاہ قائم کی تھی جب چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام ختم ہوچکا تھا۔ نظامیہ سلسلہ کے بزرگ گجرات، دکن، مالوہ، بنگال وغیرہ میں اپنی خانقاہیں قائم کر رہے تھے۔ دہلی اور اس کے ارد گرد کا تمام علاقہ چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں سے تقریباً خالی تھا۔ شیخ احمد عبدالحق رح نے سیاحت کے دوران میں نظامیہ سلسلہ کی بعض خانقاہوں کو دیکھا تھا[1] اور حالات کا جائزہ لیا تھا۔ ردولی میں اُن کی خانقاہ رشد و ہدایت کا بڑا اہم مرکز بن گئی اور شمالی ہندوستان کے لوگ کثرت سے حاضر ہونے لگے۔ شیخ کے ملفوظات وحالات انوارالعیون[2] کے نام سے شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح نے مرتب کئے تھے۔

شیخ احمد عبدالحق رح نے ۸۳۷ھ ۱۴۳۳ء میں وصال فرمایا۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے شیخ عارف رح سجادہ نشین ہوئے۔ اُن کے اخلاق سے ہر ملنے والا متاثر ہوتا تھا[3] شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح، انوارالعیون میں فرماتے ہیں کہ اس فقیر نے مدت العمر کسی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سُنا کہ شیخ عارف رح سے مجھے محبت نہیں یا میرے اوپر وہ شفقت نہیں فرماتے۔

---

[1] مثلاً پنڈوہ میں اُن کی ملاقات حضرت نور قطب عالم رح سے ہوئی تھی۔ انوارالعیون۔ ص ۱۳

اخبارالاخیار ص ۱۸۳

[2] انوارالعیون ۱۹۰۸ء میں احسن المطابع علی گڈھ سے شایع ہوئی۔

انوارالعیون کا اُردو ترجمہ درمکنون کے نام سے دہلی سے شایع ہوا تھا۔

[3] شیخ محدث رح اُن کے متعلق لکھتے ہیں "باہر طائفہ سرے داشت وہمہ کس ازو راضی بودند"۔

اخبارالاخیار ص ۱۸۶

Marfat.com

شیخ عارف کے بعد اُن کے صاحبزادے شیخ محمد سجادۂ مشیخت پر بیٹھے[1]۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا مرید اور خلیفہ عطا فرمایا جس نے صابریہ سلسلہ کو شمالی ہندوستان میں بڑی ترقی دی اور اس کے اثرات دور دور تک پہنچائے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح شیخ محمد ردولوی رح کے عزیز ترین مرید اور خلیفہ تھے۔ وہ صابریہ سلسلہ کے پہلے بزرگ ہیں جن کے حالات معاصر تذکروں اور تاریخوں میں ملتے ہیں۔ جو شہرت اور عظمت ان کو حاصل ہوئی وہ اس سے پہلے صابریہ سلسلہ کے کسی بزرگ کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔

شیخ عبدالقدوس رح ابتدائے حال میں ردولی میں مقیم رہے۔ ۱۴۹۰-۹۱ء میں ردولی کے حالات خراب ہوئے اور وہ ترکِ وطن کر کے شاہ آباد آ گئے[2]۔ جہاں ۳۸ سال تک انھوں ارشاد و تلقین کا ہنگامہ برپا رکھا۔ آخر عمر میں گنگوہ (ضلع سہارنپور) تشریف لے آئے اور وہیں ۱۵۳۷ء میں وفات پائی۔

جن حالات گرد و پیش میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح کو سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت کا کام کرنا پڑا وہ بڑے ہوش ربا تھے۔ ہندوستان کی سیاسی فضا غیر یقینی تھی مستحکم مرکزی نظام ختم ہو چکا تھا سلطنت دہلی دم توڑ رہی تھی۔ اس کا سیاسی اور سماجی ڈھانچہ بے جان ہو چکا تھا۔ صوبوں میں خود مختار حکومتیں تھیں۔ اور دارالسلطنت کے چاروں طرف ہنگامہ آرائی اور فتنہ و فساد۔ ہندوستان کی ان تمام سیاسی طاقتوں میں جو اس وقت اپنا تسلط

---

[1] مختصر حالات کے لئے ملاحظہ ہو گلزار ابرار ص ۵۸۳ - ۵۸۲، نیز سیر الاقطاب وغیرہ۔ گلزار ابرار میں ان کے ایک مکتوب کا اقتباس نقل کیا گیا ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں ان کے مکتوبات بھی دستیاب ہوتے تھے۔

[2] لطائف قدوسی میں لکھا ہے: "طرف ہندوستان غلبۂ کافراں بود، در پرگنۂ ردولی عمل کافراں شد شعائر اسلام مندرس شدند، در بازار گوشت خوک فروختہ می شد حضرت قطبی دل گیر شدہ بیروں آمدند"۔ ص ۳۱ (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ)

قائم کرنے کے لئے کوشاں تھیں، راجپوت سب سے زیادہ منظم اور سیاسی بصیرت رکھنے والے تھے۔ پروفیسر رشبورک ولیمس نے لکھا ہے کہ اگر بابر ہندوستان نہ آتا تو راجپوت یقیناً اپنا اقتدار قائم کر لیتے۔[1] چندیری، ناگور، اجمیر، ردولی وغیرہ مقامات پر حالات ایسے نازک ہو گئے تھے کہ مسلمان ان علاقوں کو خیر باد کہہ کر دوسری جگہ بسنے لگے تھے۔ ان حالات گرد و پیش میں سانس لینے والے بزرگ کا سیاست سے علیحدہ رہنا ممکن نہ تھا۔ سیاست اور سلاطین سے علیحدہ بھی اس وقت رہا جا سکتا ہے جب کم از کم سیاسی توازن تو درست ہو۔ سماجی انتشار کی صورت میں سیاست سے بچنا تقریباً ناممکن تھا۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، ابتدائے حال میں مشایخ چشت کے قدیم اصول کے مطابق سیاست و سلطان سے علیحدہ رہتے تھے۔ چنانچہ لطائف قدوسی میں ایک واقعہ لکھا ہے:

"قاضی محمد دتھانیسری داروغہ ردولی بود، چوں بجہت ملاقات می آید حضرت قطبی گریختہ در ویرانے می رفتند کہ نبرّی از اہل دنیا برکمال بود، اختلاط بایشاں زہر قاتل می دانستند و می فرمودند کہ از اہل دنیا بوئے کریہہ می آید لاچار می گریزم"[2]

لیکن بعد کو انھیں سیاست میں حصہ لینا پڑا اور سلاطین سے ربط ضروری ہو گیا۔[3] ایک طویل

---

[1] R. Williams, An Empire Builder of India in the Sixteenth Century (Chapter I)

[2] لطائف قدوسی۔ ص ۱۹-۱۸

[3] آئین اکبری (ص ۲۱۴ مرتبہ سرسید احمد خاں) میں لکھا ہے: "دانش صوری و معنوی اندوخت و در ایزدی شناس والا پایہ شد، فراواں حقائق از وبر گویند، جنت آشیانی بابرخی کارآگہاں بزاویہ او ورشدے و انجمن آگہی گرمے پذیرفتے"۔

نیز ملاحظہ ہو گلزار ابرار ص ۲۴۳

Marfat.com

مکتوب[1] میں انھوں نے سکندر لودی کو غم خواریِ خلق بالخصوص ائمہ اور علمار کی تیمار داری پر خاص طور سے توجہ دلائی ہے، اور بتایا ہے کہ حالات کی بہت کچھ درستگی اُن کے ذریعہ ممکن ہے، کچھ عرصہ بعد جب بابر کا تسلط ہوگیا تو انھوں نے مغل شہنشاہ کو بھی خط لکھا اور ہدایت کی :-

"باید وسزد کہ برائے شکر نعمت منعم سایہ عدل بر عالمیان چناں کشند ہیچ کس بر ہیچ ظلم نکند وہمہ خلق وہمہ سپاہ باوامر ونواہی شرع مستقیم ومستدیم بوند نماز بجماعت بگذارند وعلم علمار را دوست ودر بازار ہر شہرے محتسباں بگردند تا شہر و بازار را بجمال عدل شرع محمدی بیارانید و روشن ومنور گردانند۔ چنانکہ در عہدِ سلف وخلفار راشدین باجمیع شرائط بے شبہ بود۔" [2]

افغانوں اور مغلوں سے اُن کے تعلقات پر تفصیلی بحث کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے تفصیل کے لئے معاصر تذکروں، ملفوظات اور تاریخوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ [3]

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ صاحب علم وفضل بزرگ تھے۔ اُن کی تصانیف سے اُن کے مطالعہ کی وسعت اور نظر کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ انھوں نے عوارف کی شرح لکھی تھی[4]۔ اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی مشہور تصنیف فصوص الحکم پر حاشیہ تیار

---

[1] مکتوباتِ قدوسی (مطبوعہ، مطبع احمدی، دہلی) مکتوب ۳۴ ص ۴۶ - ۴۴

[2] مکتوبات قدوسی ص ۳۳،

[3] اس سلسلہ میں لطائف قدوسی کا مطالعہ خاص طور پر مفید ثابت ہوگا۔

[4] لطائف قدوسی میں لکھا ہے : "اما بعلم لدنی وفیض الٰہی چنداں استعداد بود کہ در ہر علمے بجتہار غریب کردند وتصانیف بسیار کردند ومی فرمودند کہ در ابتدار حال نسخہ عوارف بجہت برکت در حجرہ ما می بود، دراں نسخہ چنداں دخل نبود عاقبت الامر کار تا بحدے رسید کہ نسخہ عوارف را شرح عربی کردند ونکات واسرار غریب نبشتند چنانچہ مشہور ومعروف است" ص ۸

Marfat.com

کیا تھا[۱]۔ ان کی دیگر تصانیف کے نام یہ ہیں:

رسالہ قدسیہ، غریب الفوائد[۲]، رشد نامہ[۳]، مظہر العجائب، مکتوبات قدوسیہ،

انھوں نے اپنی تصانیف میں وحدت الوجود پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ رشد نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندی پر اچھا عبور رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف میں ہندی دوہے بہت کثرت سے ملتے ہیں۔

اتباعِ شریعت و سنت کا ان کو خاص خیال رہتا تھا۔ شیخ رکن الدین رح نے رشد نامہ[۳] کے حاشیہ میں لکھا ہے:

"حضرت ایشاں چناں در شرع محمدی و در عقیدہ اہل سنت وجماعت راسخ القدم بودند کہ ذرّہ از شرع تجاوز نبود"۔

اُن کے مکتوبات میں بھی اس جذبہ کا جگہ جگہ اظہار ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے زمانے کے بعض امراء کو خاص طور سے اتباع شریعت کی تلقین کی ہے۔ خواص خاں، ہیبت شیروانی، ابراہیم خاں شیروانی، تردی بیگ، وغیرہ کے نام ان کے مکتوبات بہت اہم ہیں[۴] اور اس زمانے کے حالات پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔

جہاں تک صابریہ سلسلہ کا تعلق ہے اس کے نظام کو ترتیب دینا اور پھیلانا شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح کا کام تھا۔ مریدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف اُن کی خاص توجہ

---

۱ گلزار ابرار۔ ص ۲۲۹

۲ مختصر رسالہ ہے مولوی غلام احمد خاں بریاں نے مسلم پریس جھجر سے شایع کیا تھا۔

۳ رشد نامہ، شیخ عبدالقدوس رح کے ابتدائی زمانہ کی تصنیف ہے۔ شیخ رکن الدین پسر شیخ نے اس پر ایک حاشیہ لکھا تھا، اس میں لکھتے ہیں: "در ابتدا حال تصنیف کردہ بودند"۔ خاکسار کے پیش نظر رشد نامہ کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے جس پر شیخ رکن الدین کا حاشیہ بھی موجود ہے۔

۴ شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح اور دیگر مشایخ ہند کے مکتوبات کو میں نے ایک علیحدہ کتاب "مشایخ کے خطوط اُمراء و سلاطین کے نام" میں مع حواشی کے ترتیب دیا ہے۔

Marfat.com

تھی۔ مریدوں کے نام اُن کے خطوط یہ بتاتے ہیں کہ وہ اُن کی روحانی تعلیم کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ کسی حال میں اُن کی طرف سے غفلت نہ برتی جائے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے سات فرزند تھے۔ زبدۃ المقامات میں لکھا ہے:

"شیخ راہفت پسر بودہ کہ ہریک درحال وقال بے مثل بودہ" [۱]

شیخ کے سات فرزند تھے جن میں ہر ایک حال اور قال میں بے مثل تھا۔

شیخ عبدالقدوسؒ کو اپنے لڑکوں کی تعلیم و تربیت کا بہت خیال تھا ــــــ ایک خط میں ہدایت کرتے ہیں:

"اے فرزند! فرصت عزیز است، روز و شب در تحصیل علوم بجد و جہد کوشش بلیغ نمایند کہ وقت تحصیلِ علوم ہمیں است" [۲]

اے بیٹے! فرصت کو غنیمت جانو، دن اور رات تحصیل علوم میں پوری جادوجہد کرتے رہو۔ تحصیلِ علوم کا (اصلی) وقت یہی ہے۔

پھر حصولِ علم کے اصل مقصود کی طرف اس طرح متوجہ کرتے ہیں:

"وبدانکہ مقصود از علم، عمل ست کہ فردا از عمل خواہند پرسید نہ از بسیاری علم، و مقصود از عمل اخلاص و محبت حق تعالیٰ است" [۳]

اور یہ (اچھی) طرح سمجھو کہ علم سے مقصود عمل ہے کہ قیامت کے دن عمل (ہی) کے متعلق پوچھا جائے گا نہ کہ علم کی کثرت کی بابت۔ عمل سے مقصود نیت کی سچائی اور حق تعالیٰ کی محبت ہے۔

اُن کے بڑے صاحبزادے شیخ حمیدالدینؒ پر جذب کی کیفیت طاری رہتی تھی[۴]۔ دوسرے بیٹے شیخ رکن الدینؒ کے متعلق شیخ عبدالحق محدثؒ کا بیان ہے:

---

[۱] زبدۃ المقامات۔ ص ۹۹

[۲] و [۳] مکتوبات قدوسی ص ۳۳۔ ۳۲؛

[۴] اخبارالاخیار ص ۲۱۶؛

Marfat.com

سلسلہ مشائخ چشت

صابریہ

شیخ علاء الدین علی صابرؒ
(کلیر)
|
شیخ شمس الدین ترکؒ
(پانی پت)
|
شیخ جلال الدین محمودؒ
(پانی پت)
|
شیخ احمد عبدالحقؒ ۱
(م ۸۳۶ھ/۱۴۳۳ء) (ردولی)
|
شیخ عارفؒ
(ردولی)
|
شیخ محمدؒ

- شیخ بدھ
  - شیخ منصور
  - شیخ پیرؒ
    - شیخ قطب الدینؒ
    - شیخ حامدؒ (م ۱۰۳۳ھ/۱۶۲۳ء)
    - شیخ عبدالرحمٰنؒ (مصنف مرآۃ الاسرار)
- شیخ عبدالقدوسؒ (م ۹۴۴ھ/۱۵۳۷ء) (گنگوہ)
  - شیخ عبدالغفورؒ (اعظم پور)
  - شیخ جلال الدین فاروقیؒ (م ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء) (تھانیسر)
    - شیخ نظام الدین فاروقیؒ (م تقریباً ۱۰۳۶ھ/۱۶۲۶ء) (بلخ)
    - شیخ ابوسعیدؒ (گنگوہ)
  - شیخ رکن الدینؒ
    - شیخ عبدالاحدؒ (والد شیخ احمد سرہندیؒ)

۱ شاہ ولی اللہؒ نے انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں یہ سلسلہ اس طرح دیا ہے: الشیخ عبدالقدوس عن الشیخ محمد بن عارف عن ابیہ الشیخ عارف عن ابیہ الشیخ احمد عبدالحق (ص ۸۶) لیکن حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، شیخ محمد ردولویؒ، شیخ احمد ردولویؒ اور عبدالحق ردولویؒ کے نام دئے ہیں۔ زبدۃ المقامات میں شیخ عبدالاحدؒ کا خلافت نامہ (ے)

(ے) جو شیخ رکن الدین نے دیا تھا نقل کیا گیا ہے، وہ اس طرح ہے: شیخ الاسلام شیخ الاقطاب الشیخ عبدالقدوس ... شیخ الاسلام الشیخ محمد عارف شیخ الاسلام الشیخ احمد عبدالحق (ص ۱۹۴)

"مردے متبرک بود، و بمشرب فقرو محبت موصوف برقدم والد خود قدم می نہاد" ¹ — نہایت متبرک بزرگ تھے اور فقر و محبت کی راہ میں اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی رح کے والد ماجد شیخ عبدالاحد رح نے اُن سے فیض حاصل کیا تھا² ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ وہ گوشۂ عزلت میں وقت گذارتے تھے اور اہل دول واقتدار کے پاس بہت کم جاتے تھے³ اُن کی تصانیف میں لطائف قدوسی کے علاوہ بعض مختصر رسائل بھی شامل ہیں

شیخ رکن الدین رح کے خلفاء میں شیخ عبدالاحد رح کے علاوہ شیخ عبدالباقی سہارنپوری رح، شیخ عبدالکریم سہارنپوری رح، اور شیخ مصطفےٰ سہارنپوری رح کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔

شیخ عبدالقدوس رح کے ایک بیٹے شیخ احمد رح تھے، انھوں نے کلام پاک حفظ کیا تھا۔ چند رسائل بھی تصنیف کئے تھے۔ اکبر کے صدرالصدور شیخ عبدالنبی اُن ہی کے صاحبزادے تھے۔ شیخ عبدالنبی اپنے خیالات میں اس قدر متشدد تھے کہ انھوں نے اپنے والد کے رسائل کی تردید میں بھی ایک رسالہ لکھ دیا تھا۔ خیالات کی یہ سختی ایک دن رنگ لائی اور اُن کو اکبر کے دربار سے نہایت ہی افسوسناک حالات میں علیحدہ ہونا پڑا۔ اکبر نے اُن کو قیدخانہ میں ڈال دیا۔ جہاں انھوں نے جان، جان آفریں کے سپرد کی⁴ قیدخانہ میں جو دعائیں وہ پڑھا کرتے تھے اس پر ایک رسالہ تصنیف کیا تھا، اس کا ایک

---

۱ اخبار الاخیار ص ۲۱۶؛

۲ زبدۃ المقامات ص ۹۲؛

۳ منتخب التواریخ ج ۳ ص ۵۰؛

۴ اکبری دور میں جس نوع کے اختلافات پیدا ہو گئے تھے اور علماء جس طرح آپس میں دست وگریباں تھے اس کے باعث شیخ عبدالنبی کی شخصیت کا صحیح جائزہ نہ لیا جا سکا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے نہایت محتاط انداز میں ان کی بعض کمزوریوں کی نشان دہی کی ہے۔ لکھتے ہیں "زیادہ از انچہ استحقاق داشت منصب عزت و صدارت یافت و دراین امر کوس استقلال واستبداد زد وانواع مال وجاہ واعتبار زیادہ از انچہ گفتہ شود نصیب او شد .... (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نسخہ راقم الحروف کے کتب خانہ میں ہے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے ایک اور صاحبزادے جن کا نام تذکروں میں ملتا ہے شیخ علیؒ تھے۔ شیخ ابوسعید گنگوہیؒ جن کو چشتیہ صابریہ سلسلہ میں خاص اہمیت اور عظمت حاصل ہے، ان ہی کے پوتے تھے۔

شیخ گنگوہیؒ کے خلفاء کثیر تعداد میں تھے۔ چند بزرگوں نے سلسلہ کی نشر و اشاعت میں نہایت انہماک سے کام کیا اور سلسلہ کے اثر و نفوذ کا دائرہ وسیع کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ بالخصوص شیخ جلال الدین تھانیسریؒ (م ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء) اور شیخ عبدالغفور اعظم پوریؒ (م ۹۸۵ھ / ۱۵۷۷ء) نے ارشاد و تلقین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ شیخ تھانیسریؒ تو آخری زمانہ میں بقول بدایونی ''تودۂ نور'' بن کر رہ گئے تھے۔ ان کا نحیف جسم چند ہڈیوں کا مجموعہ ہو گیا تھا جس کو دیکھ کر بدایونی کی زبان پر بے اختیار یہ شعر آ گیا تھا ؎

پیر را از نامرادی رگ چو پیدا شد ز پوست
بہر تعلیم مریدان راستی را مسطر است

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مردم بسبب آں در نظر اعتبارش بحقارت در آمدند باشراف و افاضل کمتر از مراتب ایشان سلوک می نمود و ہر کہ بمزاج او راست نشد و معیار قبول او تمام نیامد محروم ماند'' (اخبار الاخیار ص ۲۱۶) بہر حال یہ حقیقت ہے کہ انھوں نے درباری زندگی میں الجھ کر اپنی روحانی میراث کھو دی تھی۔

Marfat.com

باب پنجم

چشتیہ سلسلہ سولھویں اور سترہویں صدی میں

سولھویں اور سترہویں صدی عیسوی میں چشتیہ سلسلہ کی تاریخ ایک نظام کی تاریخ نہیں رہتی بلکہ ممتاز شخصیتوں کی سوانح بن کر رہ جاتی ہے۔ وہ نظم وضبط اور باقاعدگی جو دورِ اول کے مرکزی نظام کی خصوصیت تھی، اب بالکل ختم ہو گئی۔ جہاں جس کو موقع ملا اس نے اپنی حیثیت، صلاحیت اور حالات کے مطابق کام کر لیا۔ اس دور میں چشتیہ سلسلہ کی عام حالت کا اندازہ لگانے کے لئے چند بزرگوں کا مختصر حال پیش کر دینا کافی ہے۔

شیخ جلال الدین تھانیسریؒ (المتوفی ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء) حضرت شیخ عبد القدوسؒ کے خلیفہ تھے۔ شیخ محدثؒ اُن کے متعلق فرماتے ہیں:

"از مشاہیر مشایخ وقت بود، عالم بود و عامل و مستقیم و شیخے کامل از اوّل عمر تا آخر بطاعت و عبادت و درس و وعظ و ذکر و سماع و ذوق و حالت گزرانید سن طویل یافتہ بود۔ بر حفظ آداب و نوافل و رعایت اوراد و اوقات تا آخرِ حیات مستقیم بود"۔ [1]

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۷۷

Marfat.com

درس وتدریس کا خاص شوق تھا۔ اکثر کتب متداولہ پر حاشیے لکھے تھے۔ ان کی ایک مشہور تصنیف ارشاد الطالبین ہے، جس میں، ۱۳ ابواب میں تصوف کے مختلف عنوانات پر گفتگو کی گئی ہے۔ اکبر کے زمانے میں زمینوں کے متعلق کچھ احکام جاری ہوئے۔ لوگوں نے ان کو آگرہ چلنے کی تکلیف دی تاکہ بادشاہ سے اُن کے معاملات پر گفتگو کریں۔ بدایونی نے لکھا ہے:

"بہ مہم سازی وشفاعت ائمہ تھانیسر تشریف بردہ بود۔" [۱]

اس مسئلہ پر اُنھوں نے ایک رسالہ تحقق آراضی الہند[۲] بھی لکھا تھا۔ بادشاہ کی نظر میں اُن کی عزت تھی، لیکن اُنھوں نے درس وتدریس اور ارشاد وتلقین سے کنارہ کش ہوکر دربار داری کی زندگی کو اختیار کرنا پسند نہیں کیا۔

شیخ جلال الدین تھانیسریؒ کے خلفاء میں خواجہ نظام الدین تھانیسریؒ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اُن کے خلفاء کثیر تعداد میں تھے۔ شیخ ابوسعید گنگوہیؒ، شیخ حسن بہوریؒ، شیخ عبدالکریم لاہوریؒ، شیخ عبدالرحمٰن کشمیریؒ، شیخ محمد صادق برہان پوریؒ نے خاص شہرت حاصل کی۔

شیخ ابوسعید گنگوہیؒ (المتوفی ۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹ء) نے صابریہ سلسلہ کی اشاعت میں کافی سرگرمی کا ثبوت دیا۔ ان کے سب سے زیادہ مشہور خلیفہ شاہ محب اللہ الہ آبادیؒ (المتوفی ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء) تھے۔ شیخ اکبرؒ کی تصانیف پر بڑا عبور تھا۔ فصوص الحکم کی کئی شرحیں لکھی تھیں۔ شاہجہاں نے ایک مرتبہ خط لکھا:

عرفان آگاہ معارف جلوہ گاہ شیخ محب اللہ سلمہٗ فرمان اَطِیعُوا اللّٰہَ وَاَطِیعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ نیک تصور نمودہ بیایند کو شوق فوق الحد است والدعا فوق المدعا"

---

[۱] منتخب التواریخ جلد سوم۔ ص ۴

[۲] اس کا ایک قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے کتب خانہ میں بھی ہے۔

Marfat.com

سلسلہ مشائخ چشت

صابریہ

- شیخ ابو سعیدؒ (گنگوہ)
  - شیخ محب اللہ صدر پوریؒ (م ۱۰۵۸ھ / ۱۶۴۸ء) (الہ آباد)
    - شاہ محمدی فیاض رح (م ۱۱۰۷ھ / ۱۶۹۵ء) (آگرہ)
      - شاہ محمد مکی رح
        - شاہ عضد الدین رح (م ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۸ء)
          - شاہ عبد الہادی رح (م ۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۶ء) (امروہہ)
            - شاہ عبد الباری رح (م ۱۲۲۶ھ / ۱۸۱۱ء)
              - سید عبد الرحیم فاطمیؒ (م ۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۱ء) (بالاکوٹ)
                - میاں جی نور محمد رح (م ۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء) (جھنجانہ)
                  - حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح (م ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء) (مکہ)
                  - شیخ محمد محدث رح (تھانہ بھون)
                    - قاضی محمد اسمٰعیل منگلوریؒ
                      - قاضی عبد الغنی
                  - حافظ محمد ضامن شہیدؒ
                    - محمد عبد الحق انبیٹھوی رح
                      - حکیم شیخ احمد انبیٹھوی رح
  - شیخ محمد صادق رح
    - شیخ عبد الہادی شاہ آبادیؒ
    - شیخ محمد داؤد رح
      - شیخ سوندھاؒ (م ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء)
        - محمد اکرمؒ (مصنف اقتباس الانوار)
      - شاہ ابو المعالی رح (م ۱۱۱۲ھ / ۱۷۰۰ء)
        - شیخ محمد سعید رح
          - سید محمد سالم رح (روپڑ)
            - سید محمد اعظم رح (م ۱۲۲۷ھ / ۱۸۱۲ء) (روپڑ)
              - حافظ موسیٰ مانکپوریؒ (م ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء)
                - سید امانت علی امروہویؒ (م ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء)
                  - حافظ محمد حسین (مصنف انوار العارفین) (مراد آباد)

جواب میں فرمایا:

"امر اولی الامر رسید، اثر محبت مفہوم گردید، لیکن شخصے کہ از مرتبہ اولی وثانی نبر آمدہ باشد بمرتبہ ثالث چگونہ رسد" [1]

داراشکوہ نے الہ آباد قیام کے دوران میں اُن سے استفادہ کیا تھا[2]۔ اورنگ زیب کی اُن کے متعلق رائے اچھی نہیں تھی۔ اُس نے اُن کے رسالہ تسویہ کو جلا دینے کا حکم دیا تھا۔

شیخ عبدالعزیز چشتی دہلویؒ۔ شیخ حسن طاہرؒ کے فرزند ارجمند تھے، ۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء میں جونپور میں پیدا ہوئے۔ ڈیڑھ برس کی عمر میں باپ کے ساتھ دہلی آگئے، پھر وفات تک (۹۷۵ھ/۱۵۶۷ء) یہیں رہے۔ شیخ محدثؒ نے اُن کے متعلق لکھا ہے:

"درزمان خود یادگار مشایخ چشت بود، در دہلی بوجودِ او سلسلہ ارشاد و مشیخت برپا بود" [3]

شیخ محدث ہی کا قطعہ ہے ؎

شیخ کامل عارف دوران خود عبدالعزیز
آنکہ می داد اہل دل را مجلس یاد از بہشت

---

[1] یہ مکتوبات بچھراؤں (ضلع مرادآباد) کے ایک قلمی کتب خانہ میں نظر سے گذرے تھے۔

[2] شہزادہ داراشکوہ نے شیخ کو متعدد مکتوبات بھی لکھے تھے جن کا انھوں نے مفصل جواب دیا تھا ایک خط میں داراشکوہ لکھتا ہے:

"از گرفتن صوبہ الہ آباد بیشتر خوش حالی از وجود شریف است"

ایک خط میں شاہ صاحبؒ داراشکوہ کو نصیحت فرماتے ہیں:

"فقیر کجا و نصیحت کجا، حق آنست کہ اندیشہ رفاہیت خلق خدا دامن گیر خاطر حکام باشد، چہ مومن وچہ کافر کہ خلق خدا پیدائشِ خدا است"

[3] اخبار الاخیار۔ ص ۲۷۵

Marfat.com

ہر چہ از اوصاف اہل اللہ در عالم بود
حق تعالیٰ زاوّل فطرت بذاتِ او سرشت
یادگارِ اہلِ چشت او بود در دورانِ خود
گشت ازاں تاریخ فوتش یادگارِ اہلِ چشت

اُن کے تقدس، حلم اور تواضع نے ان کو ہر دل عزیز بنا دیا تھا۔ چشتیہ سلسلہ کی دیرینہ روایات اس تاریک دور میں پھر ایک بار ان کے ذریعے زندہ ہونے لگی تھیں۔ عوام و خواص سب ہی ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ بیرم خاں خانخاناں خاص طور پر اُن کا معتقد تھا۔

شیخ عبدالعزیزؒ کے فرزند رشید شیخ قطب عالمؒ بھی بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ شیخ محدثؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے:

"عالم و فاضل و صاحبِ اخلاقِ حمیدہ و صفاتِ پسندیدہ، قدمِ صدق و استقامت بر سجادہ پدر نہادہ"۔ [1]

شیخ عبدالعزیزؒ کے خلفاء میں شیخ چائیلدہؒ اور شیخ عبدالغنی بدائونیؒ کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔

شیخ سلیم چشتیؒ۔ بابا فرید گنج شکرؒ کی اولاد میں تھے ۸۹۷ھ / ۱۴۹۲ء میں پیدا ہوئے۔ عرصہ تک ممالک اسلامی حجاز، روم، بغداد، شام و نجف[2] میں سرگرمِ سیاحت رہے۔ پھر سیکری میں آکر اقامت اختیار کرلی۔ جہانگیر کا بیان ہے:

"مردم آں نواحی بہ شیخ اعتقاد تمام داشتند"۔ [3]

ابتدائی زمانے میں شیخ نے ریاضاتِ شاقہ کی تھیں اور عسرت میں زندگی گزاری تھی

---

[1] اخبار الاخیار۔ ص ۲۷۵
[2] منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی جلد سوم ص ۱۱
[3] تزک جہاں گیری (مرتبہ سرسید احمد خاں) ص ۱

Marfat.com

جب شہنشاہ اکبر ان کا معتقد ہو گیا تو حالات بدل گئے۔ اور انھوں نے فراغت کی زندگی اختیار کر لی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بیان ہے:

"بمرور ایام جمعیتے بظاہر احوال ایشاں نیز راہ یافت و عمارتہا و باغہا و چاہا ساخت و در مقام مشیخت متمکن گشت .... و بعضے عادات مخالف شریعت کہ متعارف عوام باشد تغیر رو داد۔"[1]	زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ اُن کے مزاج میں بھی جمعیت پیدا ہو گئی تھی انھوں نے عمارتیں، باغ اور کنوئیں بنائے اور سجادۂ مشیخت پر بیٹھے .... اور بعضی عادتیں جو شریعت کے منافی ہیں اور عوام میں متعارف ہیں ان میں پیدا ہو گئیں۔

ان حالات میں سلسلہ کی نشر و اشاعت کا کام مدھم پڑ گیا۔ اُن کے خلفاء شیخ کمال الوری، شیخ پیارہ بنگالی، شیخ فتح اللہ ترین سنبلی، شیخ رکن الدین اجودھنی اور حاجی حسین نے اپنی صلاحیتوں اور حالات کے مطابق سلسلہ کا کچھ کام ضرور انجام دیا۔ لیکن اُن کی اولاد میں اس مرتبہ کا کوئی شخص پیدا نہ ہوا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی اولاد مشایخ سے زیادہ امراء کے زمرہ میں شامل کرنے کے قابل ہے۔ شیخ علاؤالدین نبیرۂ شیخ سلیم کو جہانگیر نے اسلام خاں کا خطاب اور دو ہزاری منصب عطا فرمایا تھا[3]۔ شیخ کی

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۷۶

اس کے برخلاف بدایونی نے لکھا ہے:

"سنین عمر شریفش بہ نود و پنج سال رسیدہ قدم بر جادۂ شریعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہادہ، ریاضات شاقہ و مجاہدات صعب طریق معمول او بود۔" ج ۳ ص ۱۱

[2] منتخب التواریخ۔ ج ۳ ص ۱۲

[3] تزک جہانگیری۔ ص ۱۳

Marfat.com

اولاد میں سے کئی افراد میوات اور بنگال میں سرکاری عہدوں پر کام کرتے رہے تھے۔[۱]

اس زمانہ میں چشتیہ سلسلہ کی بعض نہایت ہی اہم خانقاہیں، گوالیار، دہلی، مانک پور، جون پور، رجب پور اور امروہہ میں قایم ہوئیں اور ان کے زیر اثر گرد و نواح کے سارے علاقے ذکر و ارشاد کے ہنگاموں سے پرشور ہو گئے۔ گوالیار میں شیخ خانون رح (۸۵۰-۹۴۰ھ / ۱۴۴۶-۱۵۳۳ء) نے اپنا مرکز بنایا اور تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کی جدوجہد شروع کر دی وہ شیخ اسمٰعیل ناگوری رح کے خلیفہ تھے، چند واسطوں سے ان کا سلسلہ حضرت چراغ دہلی رح تک پہونچ جاتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث رح نے ان کو مشاہیر وقت میں شمار کیا ہے۔ اُن کے والد شیخ سیف الدین رح بھی اُن کی روحانی کیفیات سے متاثر تھے اور اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔[۲] ان کے خلفار میں شیخ نظام نارنولی رح روحانی حلقوں میں بہت مشہور ہوئے۔

دہلی میں شیخ علار الدین بن شیخ نور الدین رح (م ۹۴۸ھ / ۱۵۴۱ء) نے مسندِ ارشاد بچھائی تھی۔ اُن کے اخلاق، حلم و کرم، سخاوت و عفو، کی بڑی شہرت تھی۔ شیخ محدث رح لکھتے ہیں:

"فرید دہر و وحید عصر بود، صاحب اخلاق حمیدہ، صفات ملکیہ وے از بدو فطرت مہذب و مودب آمدہ بود"[۳]

وہ بابا فرید گنج شکر رح کی اولاد میں تھے اور اس نسبت کی بنا پر فرید ثانی کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔[۴] اُن کے دامن تربیت سے شاہ ابن چشتی رح وابستہ ہوئے، اور امروہہ پہونچ کر چشتیہ سلسلہ کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ شیخ محدث رح نے اُن کو "مردے عزیز و مسن و

۱۔ ملاحظہ ہو ڈاکٹر بینی پرشاد کی تاریخ جہانگیر (انگریزی) ص ۱۳۵، ۲۰۹

۲۔ اخبار الاخیار ص ۲۲۳-۲۴؛ نیز گلزار ابرار (اردو ترجمہ) ص ۲۳۳-۲۳۴؛ سفینۃ الاولیا ص ۱۹۳؛ سیر الاقطاب ص ۲۳۳؛ محمد غوثی نے لکھا ہے کہ ان کو خرقۂ خلافت شیخ حسین ناگوری سے بھی ملا تھا جو تین واسطہ سے شیخ حمید الدین سوالی ناگوری رح سے تعلق رکھتے تھے۔

۳۔ اخبار الاخیار ص ۲۲۴؛

۴۔ اخبار الاخیار ص ۲۲۴؛

Marfat.com

متبرک و مجذوب شکل[1] بتایا ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی امروہہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ان کی روحانی کیفیات سے متاثر ہوئے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ گو ان پر جذبہ کی کیفیت طاری رہتی تھی لیکن اتباع شریعت کا یہ عالم تھا کہ

"دقیقہ از دقائق شریعت مطہرہ باوجود آں حالت از و فوت نشدے"[2]

اُن کے مریدین و خلفاء میں شاہ عالم کرمانی رح[3] خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے سنبھل میں سلسلہ کی ترویج و اشاعت کا کام بہت محنت اور خلوص سے انجام دیا۔

امروہہ ابتدا ہی سے بابا فرید گنج شکر رح کی اولاد کا مسکن تھا۔ بابا صاحب رح کے ایک فرزند شیخ محمد یعقوب رح نواح امروہہ ہی میں غائب ہو گئے تھے[4]۔ بابا فرید رح کے ایک پوتے شیخ سالار رح (بن خواجہ علی رح بن شیخ نظام الدین رح بن بابا فرید رح) کو فیروز شاہ تغلق نے امروہہ میں کچھ دیہات دیئے تھے۔ شیخ سالار کے پوتے شیخ بہاء الدین المعروف بہ بابا فریدی رح نے رجب پور میں رشد و ہدایت کا مرکز قایم کیا۔ اُن کی روحانی تربیت سے اُس نواح کے صدہا تشنگان معرفت مستفیض ہوئے۔ اُن کی اولاد میں شیخ ضیاء الدین رح اور شیخ موسیٰ حاجی رح نے اس کام کو مزید ترقی دی[5]۔

مانک پور میں چشتیہ سلسلہ کا مرکز شیخ حسام الدین مانک پوری رح نے قایم کیا تھا۔ ان کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ اُن کے دو خلفاء، شیخ سید رح[6] اور شیخ راجی حامد شاہ[7]

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۲۵؛

[2] منتخب التواریخ ج ۳ ص ۳۹؛

[3] اُن کے حالات تاریخ اسراریہ، سید کمال بن سید اول (قلمی نسخہ یونیورسٹی لائبریری علی گڈھ) میں ملتے ہیں۔

[4] سیر الاولیاء ص ۱۹۱؛

[5] آج کل درگاہ بابا فریدی رح کے سجادہ نشین خواجہ معین الدین صاحب فریدی ہیں۔

[6] اخبار الاخیار ص ۱۸۹؛ اُن کا مزار مانک پور کے قریب فتح پور ہسوہ میں ہے۔ شیخ محدث رح نے اُن کا ایک شعر نقل کیا ہے۔ [7] اخبار الاخیار ص ۱۸۹؛

نے مانک پور میں سلسلہ کا کام نہایت اعلیٰ پیمانہ پر اور نہایت پرجوش طریقہ پر جاری رکھا۔ شیخ سیدؒ شعر بھی کہتے تھے، اُن کے دیوان کا ایک نادر نسخہ نظر سے گذرا ہے۔ شیخ راجی حامد شاہؒ کے دو خلفاء، شیخ دانیال چشتیؒ اور مولانا الہدادؒ نے علم اور معرفت دونوں کے چراغ روشن رکھے۔

شیخ دانیال چشتیؒ کا تذکرہ غلام معین الدین عبداللہ نے معارج الولایت میں کیا ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ سید محمد مہدی جونپوریؒ اُن کے مرید تھے۔ حالتِ سُکر میں مہدی ہونے کا اعلان کردیا تھا۔ شیخ دانیالؒ سے ملک محمد جائسی کو بھی عقیدت تھی اور انھوں نے اکھراوٹ میں جو اشعار اُن کی تعریف میں لکھے ہیں وہ صاحب معارج الولایت نے نقل کئے ہیں[1]۔ پدماوت میں بھی اُن کا ذکر ملتا ہے۔ لکھا ہے:

دانیال گُرپنتھ لکھائے	مرشد حضرت دانیال نے (سید محمد) کو راہ راست بتلائی
حضرت خواج خضر تیہ پائے	اور دانیال کو حضرت خواجہ خضر ملے اُن حضرت خواجہ
بھے پرسن اوہ حضرت خواجے	خضر پر سید حامد شاہ راجے خوش ہوئے اور اپنی شخصیت
لئے مِرے جہنہ سیّد راجے	میں خواجہ خضر کو بلالیا۔ ان کی خدمت کرتے ہوئے مجھے
اوہ سیوت میں پائی کرنی	آج یہ موقع ملا کہ میری زبان کھل گئی اور شاعر بن کر
اُگھری جیبھ پریم کب برنی [2]	محبت کی تشریح کرسکا۔"

مولانا الہدادؒ، جونپور کے علماء و مشائخ میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے ارشد تلامذہ میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔ اُن کے ایک مرید شیخ معروفؒ تھے[3]، جو بقول شیخ محدثؒ "بڑے عالم، عامل، متوکل، متورع، اور متبرک" تھے[4]۔ اُن کے مریدین میں

---

[1] معارج الولایتہ (قلمی) ج ۲ ص ۲۹-۲۸

[2] پدماوت بھاکھا مترجم، ملک محمد جائسی، مترجمہ پنڈت بھگوتی پرشاد پانڈے (نول کشور پریس) ص ۱۰؛

[3] اخبار الاخیار ص ۱۹۲-۱۹۱؛

[4] اخبار الاخیار ص ۱۹۲؛

Marfat.com

ایک بزرگ شیخ نظام الدین انبیٹھی والؒ (م ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء) تھے۔ زہد و ورع میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کے اثر سے انبیٹھی، خیرآباد، گوپامئو وغیرہ میں چشتیہ سلسلہ کا کام اور نام بڑی تیزی سے پھیلا۔ وہ جمعہ کے خطبہ میں بادشاہوں کے نام نہیں پڑھتے تھے[۱]۔ بدایونی نے ان کا ذکر انتہائی عزت اور احترام سے کیا ہے اور ان کے انداز اصلاح و تربیت پر بھی کافی روشنی ڈالی ہے۔ شیخ محدثؒ لکھتے ہیں:

"وے سالک مجذوب است، حال	یہ سالک مجذوب تھے۔ حال صحیح رکھتے
صحیح داشت و سکر و تلوین بر حال او	تھے اور سکر و تلوین کا ان پر غلبہ تھا۔
غالب بود، در اوان سلوک ریاضات	سلوک کے زمانہ میں بڑی شاقہ
شاقہ کشیدہ بود" [۲]	ریاضتیں کی تھیں۔

محمد غوثی نے اُن کے تفصیلی حالات جمع کرنے چاہے تھے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔[۳]

اس زمانہ کے چشتی مشایخ کی یہ کوششیں اپنی جگہ یقیناً بے حد اہم تھیں، لیکن یہ کسی مرکزی نظام میں مربوط نہ ہو سکیں اور ہر بزرگ کا دائرہ اثر قرب و جوار کے علاقوں تک محدود ہو کر رہ گیا۔

---

۱ منتخب التواریخ ج ۳ ص ۱۶

۲ اخبار الاخیار ص ۲۷۷؛

۳ گلزار ابرار (اردو ترجمہ) ص ۷۹-۵۷۷؛

باب ششم

چشتیہ سلسلہ کی نشاۃ ثانیہ

(اٹھارہویں صدی)

اٹھارہویں صدی میں جب کہ مسلمانانِ ہند کا سیاسی نظام نہایت تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہو رہا تھا اور ہر طرف اخلاقی ابتری اور زبوں حالی پھیلی ہوئی تھی، چشتیہ سلسلے کا دور تجدید و احیاء شروع ہوا۔ اس نشاۃ ثانیہ کا سہرا تمام تر حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رح کے سر ہے۔

تقریباً دو سو سال سے چشتیہ سلسلے کے مرکزی نظام پر جمود کا عالم طاری تھا۔ روحانی اصلاح و تربیت کا کام سست پڑ گیا تھا۔ اور مشائخِ متقدمین کی روایات بالکل بھلائی جا چکی تھیں۔ شاہ صاحب رح نے اپنی پر خلوص جد و جہد سے سلسلے کے عروقِ مردہ میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی۔ اور اصلاح و تربیت کا ایسا نظام قائم کیا کہ دورِ اول کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ خود شاہ صاحب رح دہلی میں رہتے تھے، لیکن اُن کا اصلاحی ہاتھ دکن تک کام کرتا تھا۔ وہ اپنے مریدوں کی زندگی کے ہر ہر گوشے پر نظر رکھتے تھے اور بات بات پر ان کو ہدایتیں دیتے تھے۔ ان کے خلیفہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی رح نے دکن میں سلسلے کی نشر و اشاعت میں بے پناہ جد و جہد کی۔ ان کی خانقاہ میں ہزاروں گم گشتگانِ ر

Marfat.com

سلسلہ مشایخ چشت

نظامیہ

شاہ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادیؒ
(م ۱۱۴۲ھ / ۱۷۲۹ء) (دہلی)

شاہ نظام الدینؒ
(اورنگ آباد)
(م ۱۱۴۲ھ / ۱۷۲۹ء)

شاہ فخر الدینؒ
(م ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء) (دہلی)

- شاہ نیاز احمدؒ
  (م ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء) (بریلی)
  - سید نظام الدینؒ
    (بریلی)
    - شاہ محی الدینؒ
      (بریلی)
- شاہ نور محمدؒ
  (م ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء) (مہاران)
  - شاہ محمد سلیمانؒ
    (تونسہ)
    (م ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء)
    - حاجی نجم الدینؒ
      (فتح پور نزد جھنجون)
      (م ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء)
      - حکیم محمد حسنؒ
        (م ۱۹۰۴ء) (امروہہ)
    - حافظ محمد علیؒ
      (م ۱۲۶۶ھ / ۱۸۴۹ء) (خیر آباد)
      - حافظ محمد مسلمؒ
      - احسن الزمانؒ
        حیدر آباد
    - شمس الدینؒ
      (م ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء) (سیال)
      - غلام حیدر علی شاہؒ
        (م ۱۹۰۸ء) (جلالپور)
      - مہر علی شاہؒ
        (گولڑہ)
    - خواجہ اللہ بخشؒ
      (م ۱۹۰۱ء) (تونسہ)
      - حافظ موسیٰؒ
        (م ۱۹۰۶ء) (تونسہ)
  - حافظ جمالؒ
    (م ۱۲۲۶ھ / ۱۸۱۱ء) (ملتان)
    - خدا بخشؒ
      (ملتان)
  - شیخ محمد عاقلؒ
    (م ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء) (چاچڑاں)
    - گل محمد احمد پوریؒ
      (مصنف تکملہ سیر الاولیاء)
      (م ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء)

Marfat.com

طریقت جمع ہوتے تھے اور اپنی روحانی پیاس بجھا کر نکلتے تھے۔ شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے مرید اور فرزند شاہ فخر الدینؒ نے دکن کو خیر باد کہا اور دہلی آکر اپنی خانقاہ قائم کی۔ اُن کے زمانے میں چشتیہ سلسلہ کو بے حد عروج حاصل ہوا اور دور دور تک اس کی خانقاہیں قائم ہوگئیں۔ اُن کے ایک عزیز مرید اور خلیفہ شاہ نور محمد مہارویؒ نے پنجاب میں جگہ جگہ چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم کرادیں۔ تونسہ، چاچڑاں، کوٹ مٹھن، احمد پور، ملتان وغیرہ روحانی اصلاح و تربیت کے مشہور مرکز بن گئے۔ شاہ فخر الدینؒ کے ایک اور خلیفہ شاہ نیاز احمد بریلویؒ نے روہیل کھنڈ میں اپنی خانقاہ بنائی اور دور دور سے لوگ اُن سے مستفیض ہونے کے لئے وہاں جمع ہونے لگے۔ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ اور اُن کے خلفاء و مریدین کی اشاعت سلسلہ کے لئے جد و جہد اور اُن کے کارنامے آئندہ جلدوں میں تفصیل سے نظر سے گذریں گے۔ یہاں ضروری ہے کہ اُن کے معاصر مشائخ سلسلہ صابریہ کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔

صابریہ سلسلہ کا مرکز اس دور میں امروہہ بنا۔ وہاں حضرت شاہ عضد الدین رحؒ[1] (المتوفی ۱۱۷۲ھ/۱۷۵۸ء)، حضرت شاہ عبد الہادی رحؒ (المتوفی ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء)[2] اور حضرت شاہ عبد الباریؒ (المتوفی ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء)[3] نے تزکیۂ نفس اور تجلیۂ باطن کی وہ محفلیں گرم کیں کہ فضائیں تک جگمگا

---

[1] شاہ عضد الدین صاحب رحؒ، شیخ محب اللہ الہ آبادی رحؒ کے خلیفہ سید شاہ محمدی رحؒ کے مرید تھے۔ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضری اور بیعت ہونے کا حال مقاصد العارفین میں لکھا ہے۔ تذکرہ حاجی رفیع الدین مراد آبادی میں لکھا ہے کہ وہ علوم شریعت کے جامع تھے۔ زہد و ورع میں یکتا تھے۔ حکام نے وظیفہ مقرر کرنا چاہا تو قبول نہ کیا۔

[2] شاہ عبد الہادی صاحب رحؒ، شاہ عضد الدینؒ کے خلیفہ تھے۔ حالات کے لئے مفتاح الخزائن (شیخ نزہت علی) انوار العارفین (حافظ محمد حسین) اور انوار العاشقین (مولانا مشتاق احمد) ملاحظہ کیجئے۔

[3] شاہ عبد الہادیؒ کے پوتے اور خلیفہ تھے۔

اُٹھیں۔ شاہ عبدالباری رحؒ کے خلیفہ حاجی سید عبدالرحیم فاطمی رحؒ (۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) شیخ کی مجلس سے دین کا ایسا درد لے کر اُٹھے کہ جب تک زندہ رہے احیاءِ سنت کے لئے کوشاں رہے۔ جب حضرت سید احمد شہید رحؒ نے جہاد کی تیاری کی تو اُن کے ساتھ ہو گئے اور بالاکوٹ کے میدان میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے[۱] ان کے خلیفہ میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحؒ (المتوفی ۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء) کے دامنِ تربیت سے ایک ایسا شخص اُٹھا جس نے صابریہ سلسلہ کو عروج کی انتہائی منزل پر پہنچا دیا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحؒ کے فیوض ہندوستان تک ہی محدود نہیں ہے، دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی اُن کے اثرات پہنچے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحؒ ۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۶ء میں تھانہ بھون میں پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد حجاز چلے گئے، وہاں سے واپس آئے تو ارشاد و تلقین کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں دل و دماغ کی بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ انیسویں صدی کی تین عظیم الشان تحریکوں کا منبع و مخرج تھے۔

(۱) مسلمانوں کی دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے جو تحریک انیسویں صدی میں شروع ہوئی جس نے بالآخر دیوبند کی شکل اختیار کر لی۔ اُن ہی کے خلفاء و مریدین کی پُرخلوص جد و جہد کا نتیجہ تھی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء)۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحؒ (المتوفی ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء)۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحؒ اور حاجی محمد عابد صاحب رحؒ اُن کے خلفاء تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن رحؒ، مولانا محمد قاسم رحؒ کے جانشین تھے۔ ان ہی بزرگوں کی کوششوں سے دینی تعلیم کا چرچا ہوا۔

(۲) باطنی اصلاح و تربیت کے لئے انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں دو بزرگوں کی کوششیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحؒ، حاجی صاحب رحؒ کے خلیفہ تھے۔ نصف صدی سے زیادہ انھوں نے ایک پُرانے قصبہ کی ایک کہنہ مسجد کے گوشہ میں بیٹھ کر مسلمانوں کی زندگی کے مختلف گوشوں

---

[۱] ملاحظہ ہو سوانح احمدی مصنفہ مولوی محمد جعفر تھانیسری ص ۱۴۱ - ۱۴۰

سلسلہ مشائخ چشت

صابریہ

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح
(م ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء) (مکہ)

حاجی محمد عابد رح

مولانا احمد حسن محدث رح
(م ۱۹۱۱ء) (امروہہ)

مولانا محمد یعقوب
نانوتوی
(پسر مولانا مملوک علی)

مولانا رشید احمد رح
(م ۱۹۰۵ء)
(گنگوہ)

مولانا اشرف علی رح
(م ۱۹۴۳ء)
(تھانہ بھون)

عزیز الحسن مجذوب

مولانا سید سلیمان ندوی
(م ۱۹۵۳ء) (کراچی)

مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند
(م ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء) (دیوبند)

مولانا فیض الحسن رح
(سہارنپور)

مولانا عبدالرحمن محدث رح
(م ۱۹۴۵ء) (امروہہ)

مولانا صدیق احمد انبیٹھوی رح

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح
(مدینہ)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا
کاندھلوی

مولانا محمد الیاس کاندھلوی رح
(م ۱۹۴۴ء) (دہلی)

مولانا حسین احمد مدنی رح
(م ۱۹۵۷ء) (دیوبند)

مولانا محمود حسن شیخ الہند رح
(م ۱۹۲۰ء) (دیوبند)

مولانا عبدالرحیم
رائے پوری رح

مولانا عبدالقادر
رائے پوری رح

Marfat.com

میں اصلاح کا کام کیا۔ دوسرے بزرگ جن کی تحریک کو بہت وسعت اور گیرائی حاصل ہوئی مولانا محمد الیاسؒ تھے۔ وہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مرید تھے۔ جو دینی بصیرت اور جذبہ اللہ نے انھیں عنایت فرمایا تھا، اس کی مثال اس عہد میں مشکل سے ملے گی چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو انھوں نے جس طرح جذب کیا تھا وہ اس دور کے بہت کم بزرگوں کو میسر آیا۔

(۳) انیسویں صدی کی تیسری اہم تحریک، آزادیٔ وطن کی تھی۔ اس سلسلہ میں خود حاجی صاحبؒ اور اُن کے منسلکین نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ ہندوستان کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ غدر کے زمانے میں تھانہ بھون کا انتظام حاجی صاحبؒ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور خود دیوانی اور فوجداری کے مقدمات فیصل فرماتے تھے۔ آزادیٔ وطن کے جس جذبے نے حاجی صاحبؒ کے قلب و جگر کو گرمایا تھا وہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے پہلو میں ایک شعلہ بن گیا تھا۔ خود انھوں نے اور اُن کے رفقا اور تلامذہ نے ہندوستان سے انگریزی حکومت کا اقتدار ختم کرنے کے لئے جن مصائب کا سامنا کیا، تاریخ ہند کا کوئی دیانت دار مؤرخ ان کو بھلا نہ سکے گا۔

ان صفحات میں ہمارا مقصد ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کے نشو و نما پر ایک سرسری نظر ڈالنا تھا۔ بہت سے ایسے عنوانات اور مباحث جن کو تفصیل سے بیان کرنے کو جی چاہتا تھا قلم انداز کرنے پڑے۔ انشاء اللہ اس اجمال کی تفصیل اس سلسلہ کی دوسری جلدوں میں بیان کی جائے گی۔ اس باب کو ختم کرتے وقت ہماری زبان پر بے اختیار چودھری خوشی محمد ناظر کے یہ اشعار آجاتے ہیں ؎

ہیں خاکِ ہند میں کچھ نقشِ پا اُن رہ نوردوں کے ادب سے چومتے جن کو ہیں دشت و کوہسار اب تک
کوئی تھا گنج بخش ان میں کوئی گنج شکر ان میں خزانے معرفت کے ہیں نہاں زیرِ مزار اب تک

ہوا ہندوستاں جنت نشاں جن کی فضاؤں سے،
نہ آئی جا کے ان باغوں میں پھر فصلِ بہار اب تک

Marfat.com

Marfat.com

حصہ چہارم

مشایخ چشت کا نظامِ اصلاح و تربیت

Marfat.com

Marfat.com

اِصلاحی جدوجہد کی نوعیت اور اہمیت

مشایخ چشت کے کارناموں کا سب سے اہم پہلو ان کے نظامِ اصلاح و تربیت سے وابستہ ہے۔ سماج کے فاسد عناصر کی اصلاح اور انسانیت کی اخلاقی سطح کو بلند کرنے کے لئے انھوں نے جو موثر طریقہ کار اختیار کیا تھا، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ دَورِ حاضر کو علومِ عقلیہ اور سائنس کی ترقیات پر بہت بڑا فخر و ناز ہے۔ اور یہ فخر و ناز بڑی حد تک حق بجانب ہے۔ انسان نے ایک طرف اگر قوائے فطرت کی تسخیر میں حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کی ہیں تو دوسری طرف فطرتِ انسانی کے بہت سے اسرار کو بھی بے نقاب کر دیا ہے۔ لیکن ان ترقیات کے باوجود عصرِ حاضر کے ماہرین نفسیات، انسانی دل اور دماغ کے ان گوشوں تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوئے جہاں صوفیہ اشاروں ہی اشاروں میں انقلاب پیدا کر دیتے تھے۔ اسباب کی تلاش ہو تو غور سے سُنئے، آج بھی اُن کی پاک روحیں یہ کہتی ہوئی سُنائی دیں گی ؎

عصرِ حاضر را خرد زنجیر پاست
جان بے تابے کہ من دارم کجاست
بچشم عشق نگر تا سُراغ خود گیری
جہان بچشم خرد سیمیا و نیرنگ است

اُن کی نفسیاتی بصیرت کا چشمہ ایمان و عمل کی قوت سے اُبلتا تھا۔ اور اُن کی نگاہ میں ایسی تاثیر پیدا کر دیتا تھا کہ جس کی طرف دیکھ لیتے، اس کی زندگی میں معصیت کے

Marfat.com

سوت خشک ہو جاتے۔ افسوس کی بات ہے کہ ان بزرگوں کے حالات میں اب تک ہندوستان میں جو لٹریچر شائع ہوا ہے اس میں ان کی زندگی کے اس پہلو کو نظر انداز کر کے، کرامات اور خرق عادات کی داستانوں کو مرکزی حیثیت دے دی گئی ہے حالانکہ ان مشایخ نے اظہار کرامت کی جگہ جگہ مذمت کی ہے۔ اور راہ سلوک میں اس کو "حجاب"[1] سے تعبیر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی پاک اور بے لوث زندگیوں کی کشش ان کے اخلاقی نصب العین اور اصلاحی اور دینی جدوجہد میں مضمر ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اُن کے نظام اصلاح و تربیت اور انداز تبلیغ و اشاعت کا جائزہ ذرا تفصیل سے لیا جائے

---

[1] فوائد الفواد ص ۳۳

شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ سلوک کے سو مراتب ہیں جن میں سترہواں کشف و کرامات کا ہے۔ جو اس درجہ میں رہ جائے گا وہ باقی تراسی مراتب حاصل نہیں کر سکے گا۔ فوائد الفواد ص ۱۱۷

باب اول

بیعت کا مقصد

بیعت کے معنی ہیں :

"دست بر دست یک دیگر نہادن و عہد بستن" [1]

کسی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر عہد کرنا

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝	جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے اے محمدؐ! وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے سو جو عہد شکنی کرتا ہے تو اپنی ذات کی مضرت پر عہد توڑتا ہے اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اللہ سے کیا تھا : اُن کو عنقریب اجر عظیم ملے گا ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے مختلف مقاصد کے لئے بیعت لی تھی ۔ کسی سے

---

[1] سبع سنابل ، میر عبد الواحد بلگرامی (مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۹ھ) ص ۳۶

Marfat.com

جہاد کے لئے، کسی سے ہجرت کے لئے، کسی سے ارکانِ اسلام کی پابندی کے لئے، اور کسی سے سنتِ نبوی کے تمسک پر۔ بعض احادیث میں ہے کہ حضور نے انصار عورتوں سے نوحہ نہ کرنے پر بیعت لی تھی۔ ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ محتاج مہاجرین سے اس پر بیعت لی کہ وہ کسی کے آگے دستِ سوال نہ پھیلائیں گے۔ بعد کو ان لوگوں کا حال یہ ہو گیا تھا کہ اگر کسی کا کوڑا بھی ہاتھ سے گر جاتا تو خود گھوڑے سے اُتر کر اٹھاتا تھا، اور کسی سے کوڑا اٹھانے تک کا سوال نہ کرتا تھا ——— بہرحال احادیثِ نبوی سے ثابت ہے کہ بیعت کسی بھی مقصد کے لئے لی جاسکتی ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ، بیعت کی حکمت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فاعلم انّ اللہ تعالیٰ اجریٰ سُنّتہٗ ان یضبط الامور الخفیّۃ المضمرۃ فی النُّفُوسِ بافعال واقوال ظاھرۃ و ینصبہا مقامہا کما انّ التصدیق باللہِ ورسولہٖ والیوم الاٰخر خفیٌ فاقیم الاقرارُ مقامہٗ وکما انّ رضی المتعاقدین یُبذل الثمن والمبیع امرٌ خفیٌ مُضمرٌ فاقیمَ الایجابُ والقبولُ مقامہٗ فکذالک التوبۃُ والعزیمۃُ علیٰ ترک المعاصی والتمسک بحبل التقویٰ خفیٌ مُضمرٌ فاقیمت البیعۃُ مقامہا

معلوم کر کہ سنت اللہ یوں جاری ہے کہ امور خفیہ جو نفوس میں پوشیدہ ہیں اُن کا ضبط افعال اور اقوالِ ظاہری سے ہو اور افعال واقوال قائم مقام ہوں امور قلبیہ کے چنانچہ تصدیق اللہ اور اس کے رسول و قیامت کی امر مخفی ہے تو اقرار ایمان کا بجائے تصدیق قلبی کے قائم کیا گیا۔ اور جیسے کہ رضامندی بائع اور مشتری کی قیمت اور مبیع کے دینے میں امر مخفی پوشیدہ ہے تو ایجاب ور قبول کو قائم مقام رضائے مخفی کے کر دیا۔ سو اسی طرح توبہ اور عزم کرنا ترک معاصی کا اور تقویٰ کی رسی کو مضبوط پکڑنا امر مخفی اور پوشیدہ ہے

Marfat.com

توبیعت کو اُس کے قائم مقام کر دیا۔ [1]

حقیقت یہ ہے کہ بیعت میں ایک نفسیاتی مصلحت پوشیدہ ہے۔ جب انسان اپنے ماضی کا تنقیدی جائزہ لیتا ہے تو بہت سی باتیں اس کو اخلاق و مذہب کے خلاف نظر آتی ہیں۔ اس کا ضمیر ملامت کرنے لگتا ہے۔ وہ دل ہی دل میں اپنی معصیتوں سے توبہ کرتا ہے۔ لیکن اسے اطمینان نہیں ہوتا۔ اس سے قلب میں ایک بے چینی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ ماضی کا تصور اُس کے لئے سوہانِ روح بن جاتا ہے۔ اس کی توبہ اس کے تصور پر غالب نہیں آتی ——— اب وہ ایک پاک باطن، نیک نفس انسان کے ہاتھ پر ترک معاصی اور تقویٰ کا عہد کرتا ہے۔ شیخ یقین دلاتا ہے کہ "تائب با متقی برابر است" [2]۔ اس کے دل کے زخموں پر ایک پھایہ سا لگ جاتا ہے۔ تکلیف دہ ماضی

---

[1] قول الجمیل، شاہ ولی اللہ دہلویؒ (معہ حواشی شاہ عبد العزیزؒ) (اردو ترجمہ مولوی خرم علی، مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۱ھ)۔ ص ۱۳۔

[2] فوائد الفواد۔ ص ۳۰۲، شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے یہ حدیث سند کے طور پر نقل کی ہے "التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ" جو ابن ماجہ (باب ذکر التوبہ) میں ہے۔
تائب اور متقی پر شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے ایک بار اور تفصیلی گفتگو کی (ص ۲۱۰) اور غالباً کسی تائب کا دل رکھنے کے لئے یہ قصہ بیان کیا: ایک دفعہ دو شخصوں میں اس پر بحث ہوئی۔ ایک کہتا تھا کہ تائب اچھا ہے۔ دوسرا کہتا تھا کہ نہیں متقی اچھا ہے۔ جب بحث نے طول کھینچا تو دونوں اُس زمانہ کے پیغمبر کے پاس گئے۔ پیغمبر نے کہا میں خود اس کا فیصلہ نہیں کروں گا، وحی کا منتظر رہوں گا وحی نازل ہوئی کہ ان دونوں سے کہہ دو کہ واپس چلے جائیں اور صبح سویرے اٹھ کر جس شخص سے پہلے ملیں اس سے پوچھیں ..... صبح جب پہلے ملنے والے شخص سے سوال کیا تو اس نے کہا۔ بھائی میں عالم نہیں جولاہہ ہوں۔ اس مشکل کو کس طرح حل کروں۔ لیکن اتنا میں جانتا ہوں کہ جب میں کپڑا بنا کرتا ہوں تو جو تار ٹوٹتا ہے میں اُسے جوڑ دیتا ہوں اور یہ تار نہ ٹوٹے ہوئے تار کی نسبت زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔

Marfat.com

سے اس کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے مستقبل کو نئی امیدوں، محکم یقین اور بیدار احساس کے ساتھ سنوارنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ مشایخ چشت جس مقصد کے لئے بیعت لیتے تھے، اس کا اندازہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے فرماتے ہیں:

چوں کسے بخدمت شیخ شیوخ العالم
فرید الحق والدین قدس اللہ سرہٗ
العزیز بیامدے بہ نیت ارادت،
اول فرمودے فاتحہ واخلاص بخوانید
بعدہٗ اٰمن الرسول بخواندے،
بعدہٗ شہد اللّٰہ تا ان الدین
عند اللّٰہ الاسلام خواندے،
بعدہٗ فرمودے کہ بیعت کردی
بریں ضعیف وخواجہ ایں ضعیف
وخواجگان ما وبر پیغمبر صلی اللّٰہ
علیہ وسلم وباحضرت عزت عہد
کردی کہ دست وپائے وچشم نگاہ[1]

جب کوئی شخص شیخ شیوخ العالم فرید
الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کی
خدمت میں ارادت کی نیت سے آتا
تو اول آپ فاتحہ اور سورۂ اخلاص
پڑھنے کا حکم فرماتے، بعدہٗ اٰمن الرسول
پڑھتے۔ اس کے بعد شہد اللّٰہ
سے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام
تک پڑھتے۔ پھر فرماتے کہ (کہو) تونے
اس ضعیف اور اس کے خواجہ خواجگان
اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک
پر بیعت کی اور خدائے تعالیٰ سے اس
بات پر عہد کیا کہ ہاتھ پاؤں اور آنکھ

۱؎ "وچشم نگاہ داری" میں جو مصلحت پوشیدہ ہے، اس پر حافظ ابن القیمؒ کی یہ تشریح بہت اہم ہے، فرماتے ہیں "نگاہ شہوت کی قاصد اور پیامبر ہوتی ہے اور نگاہ کی حفاظت دراصل شرم گاہ اور شہوت کی جگہ کی حفاظت ہے جس نے نظر کو آزاد کر دیا، اس نے اس کو ہلاکت میں ڈال دیا اور نظر ہی ان تمام آفتوں کی بنیاد ہے۔ جن میں انسان مبتلا ہوتا ہے کیونکہ نظر کھٹک پیدا کرتی ہے پھر کھٹک فکر کو وجود بخشتی ہے اور فکر شہوت کو ابھارتی ہے، شہوت ارادہ کو جنم دیتی ہے۔ ارادہ قوی ہو کر عزیمت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور عزیمت میں مزید پختگی ہو کر فعل واقع ہوتا ہے۔

الجواب الکافی ص ۲۰۴

داری و برنہج شرع باشی. لہ	پر نگاہ رکھے گا اور شرع کے طریقے پر چلے گا۔

انسان کو اخلاقی عیوب سے بچانا اور اس کو راہِ شریعت دکھانا، مشایخ چشت کی کوششوں کا مرکز و محور تھا۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر مریدین کو خلافت دی جاتی تھی۔ خوش قسمتی سے حضرت محبوب الٰہیؒ کا وہ خلافت نامہ جو انھوں نے اپنے ایک عزیز مرید شیخ شمس الدین یحییٰؒ کو عنایت فرمایا تھا، سیر الاولیاء میں درج ہے۔ مشایخ چشت کے مقاصد کے تعین اور اُن کے لائحہ عمل کی وضاحت کے لئے اس سے زیادہ اہم کوئی دستاویز ہمارے پاس نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کر دیا جائے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ الذی سمت ھمم	”تمام حمد و ثنا اس خدا کو ثابت ہے
اولیائہ عن الرکوان الی الاکوان	جس نے اپنے دوستوں کے ارادوں
عاراً و اعتلقت ھمومھم بالواحد	کو عالم اور اہلِ عالم کی طرف میل کرنے
الحنان بارا فذرت علیھم برکۃ و	کی طرف کر دیئے اور اُن کے دلی قصدوں
عشیاً کاس المحبۃ من کوثر	کو خدائے واحد و حنان کے ساتھ نیکوکاری

لہ سیر الاولیاء ص ۲۲۳، چشتیہ سلسلہ میں بیعت کا یہی طریقہ جاری رہا۔ حضرت سید محمد گیسو درازؒ جب بیعت کرتے تو فرماتے ـــــــ

”عہدے کردی بایں ضعیف و باخواجہ ایں ضعیف و باخواجہ خواجۂ من و بامشایخ طبقات رضوان اللہ علیہم اجمعین چشم نگاہ داری و زبان نگاہ داری۔ برجادۂ شرع باشی...“

جوامع الکلم ص ۳۰، ۳۶؛

بیعت کے بعد پہلی ہدایت یہ ہوتی تھی کہ پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کی جائے۔ غسل جمعہ بلا عذرِ شرعی نہ چھوڑا جائے۔ حضرت چراغ دہلیؒ ایام بیض کے روزوں کی بھی ہدایت فرماتے تھے۔ خیر المجالس ص ۲۴۳؛ جوامع الکلم ص ۳۰

Marfat.com

مَحبوبهم دَاراً كلما جن عليهم
الليل تشتغل قلوبهم من الشوق
ناراً وتفيض اعينهم من الدمع
مدراراً ويتمتعون بمناجاة
الحبيب اسحاراً ويطوفون
بسرادقات العز افكاراً الازال
منهم في كل زمان من هم على
مكنونة نضارة العرفان فيظهر
في الاقطار اثاره ويزهر في الآفاق
انواره لسانه ناطق بالحق وهو
داعي الله في الخلق يخرجهم من
الظلمات الى النور ويقربهم
الى الرب الغفور ثم الصلوة على
صاحب الشريعة الغراء والطريقة
الزهراء رسول الرحمة المخصوص
بخلافة ربه في مقام البيعة
وعلى خلفائه الراشدين الذين
فازوا بكل مقام علي وعلى الٰه الذين
يدعون ربهم بالغدوة والعشي
اما بعد فان الدعوة الى الواحد
العلام من ارفع دعائم الاسلام
واوثق عروة في الايمان على ما
ورد في الخبر عنه عليه السلام

کی رُو سے وابستہ کیا۔ پس صبح و شام خدا
کے دوستوں پر محبوب کے دریائے محبت
کی شراب کا پیالہ ہمیشہ اور بلا زوال
دور کرتا رہتا ہے۔ جب ان پر رات
کا اندھیرا چھا جاتا ہے تو ذوق و شوق
سے ان کے دل مشتغل ہو جاتے اور
آنکھیں بارش کی طرح آنسو بہاتی
ہیں وہ دوست کے ساتھ راز کہنے
کی وجہ سے برخورداری حاصل کرتے اور
وہ سرا پردۂ حق کے گرد فکر سے گھومتے
ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے
ہوتے ہیں جو ہر زمانے میں عرفان کی
تازگی کے لباس سے آراستہ رہتے ہیں
پھر اطراف عالم میں اُن کی نشانیاں
ظاہر ہوتی اور عالم میں اُن کے انوار
روشن واضح ہوتے ہیں۔ ولی کی زبان
حق کے ساتھ گویا ہوتی ہے۔ اور وہ
خلق میں خدا کا داعی ہوتا ہے تاکہ خلق
کو گمراہی کی تاریکی سے ہدایت کی روشنی
کی طرف نکالے اور انھیں ربِّ غفور
کی طرف نزدیک کرے۔ حمد و ثنا کے بعد
روشن شریعت اور تابان طریقت کے
صاحب یعنی رسول رحمت ان پر خدا

Marfat.com

والذی نفس محمد بیدہ لئن
شئتم لاقسمن لکم ان احب
عباد اللہ الی اللہ الذین یحببون
اللہ الی عباد اللہ ویحببون عباد
اللہ الی اللہ ویمشون فی الارض
بالنصیحۃ والمرء ماصح اللہ
عبادہ الذین یقولون ربنا
ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا
قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما
وقد اوجبھا اللہ تعالی علی وفقہ
لاتباع سید المرسلین وقائد
الغر المحجلین بقولہ عز وجل
قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ
علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی و
اتباعہ انما یکون برعایۃ اقوالہ
والاقتداء بہ فی اعمالہ وتنزیہ
السر عن کل ماسوی اللہ فی الوجود
والانقطاع الی المعبود ثم ان
الولد الاعز التقی والعالم المرضی
المتوجہ الی رب العالمین شمس
الملۃ والدین محمد بن یحیی وفقہ
اللہ الواحد انوارہ علی اھل
الیقین والتقوی لما صح تصدیہ

کی کامل نازل ہو جو مقام بیعت میں
اپنے پروردگار کے خلیفہ ہونے کے
ساتھ مخصوص ہیں اور جناب پیغمبر
صلعم کے اُن خلفاء پر بھی خدا کی
رحمتِ کاملہ نازل ہو جو راہِ راست
دکھانے والے اور رہبر برتر مقام پر پہنچنے
والے ہیں۔ اور پیغمبر کی آل پاک پر بھی
خدا کی رحمت نازل ہو جو اپنے رب کو
ہر صبح و شام یاد کرتے ہیں۔ حمد و صلوۃ
کے بعد واضح ہو کہ خدائے واحد علام
کی طرف پکارنا ارکان اسلام کا ایک
اعلیٰ و ارفع رکن اور ایمان کا نہایت
مضبوط کڑا ہے جیسا کہ پیغمبر علیہ السلام
کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مجھے
اس پاک ذات کی قسم ہے جس کے
قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے
اے مسلمانو! اگر تم چاہو تو میں تمہارے
وثوق و تیقن کے لئے قسم کھا کر کہتا
ہوں کہ بندگانِ خدا میں سب سے
زیادہ خدا کے دوست وہ لوگ ہیں
جو خدا کو دوست رکھتے ہیں اس کے
بندوں کی طرف اور بندگانِ خدا کو
دوست رکھتے ہیں خدا کی طرف یعنی

Marfat.com

الينا ولبس خرقة الارادة منا
واستوفى الحظ من صحبتنا اجزت
له اذا استقام على اتباع سيد
الكائنات واستغرق الاوقات
بالطاعات وراقب القلب عن
هواجس النفس والخطرات و
اعرض عن الدنيا واسبابها و
لم يركن الى ابنائها واربابها وانقطع
الى الله بالكلية واشرقت فى
قلبه الانوار القدسية والاسرار
الملكوتية وانفتح باب الفهم لتعريفات
الالهية ان يلبس الخرقة
للمريدين ويرشدهم الى مقامات
الموقنين كما اجازنى بعد ما لا
حظنى بنظره الخاص والبسنى
خرقة ....."[1]

خدا کی محبت اور عشق کا طریقہ سیکھے
ہیں نیز بُری باتوں سے باز رکھنے اور
اچھی باتوں کا حکم کرنے کے لئے زمین پر
چلتے ہیں اسی بنا پر خدا تعالےٰ نے
اپنے بندوں کی مدح سرائی ان الفاظ
میں کی ہے کہ

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ الخ

یعنی رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو کہتے
ہیں الٰہی! ہماری بی بیوں اور اولاد
میں سے آنکھوں کی خنکی عطا فرما اور
ہمیں پرہیزگاروں کا امام قرار دے۔
اور تحقیق خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں
پر اس حدیث کی استواری اور موافقت
کے لحاظ سے اس بہترین پیغمبر کی پیروی
لازم و واجب کی ہے جو اپنی امت کے
لوگوں کو بہشت کی طرف کھینچ لے جانے
والا ہے جن کے اعضاء وضو روشن
و درخشاں ہوں گے جیسا کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ محمدؐ آپ فرما دیجئے کہ یہ میری راہ
اور میرا دین ہے اور اے میری اُمت میں تمھیں خدا کی طرف اس بینائی کی رو سے
بلاتا ہوں جس پر میں ہوں اور جو لوگ میری پیروی کرتے ہیں اور پیغمبر کی پیروی

---

[1] سیر الاولیاء ص۔ ۲۲۳۔ ۲۲۹ (فارسی) اس خلافت نامہ کا اردو ترجمہ مولوی غلام احمد بریاں
کے ترجمہ سیر الاولیاء سے لیا گیا ہے۔ ص ۲۳۶۔ ۲۳۴

بجز آپ کے اقوال کی رعایت ونگاہ داشت کرنے اور اعمال میں آپ کی اقتدا کرنے اور ان تمام چیزوں سے سر کو پاک کرنے کے جو وجود و پیدائش میں خدا کے سوا ہیں اور تمام خلائق سے قطع تعلق کرکے معبود کی طرف ملنے کے ہرگز حاصل نہیں ہوتی، پھر جاننا چاہیئے کہ فرزند عزیز پرہیز گار اور خدا کی صفات و وحدانیت کا عالم اور خدا کا پسندیدہ اور رب العالمین کی طرف توجہ کرنے والا یعنی شمس الملّت والدین محمد بن یحییٰ نے (خدائے واحد اس کے انوار کو اہل یقین اور صاحب تقویٰ پر فائز کرے) جب اپنا قصد و ارادہ ہماری طرف درست کیا اور ارادت کا خرقہ ہماری طرف سے زیب جسم کیا اور ہماری صحبت کا کافی ووافی حصہ حاصل کیا تو میں نے اُسے اجازت و رخصت دی جبکہ میں نے تجربہ کرلیا کہ وہ جناب سید کائنات کی پیروی و اتباع پر ثابت قدم مستقیم ہے اور اس نے تمام اوقات، طاعات الٰہی میں مستغرق کر دیئے ہیں اور غلبات نفس اور خطرات کے ہجوم سے اپنے دل کو محفوظ رکھتا ہے۔ دنیا اور اسباب دنیا سے رُوگرداں ہے اور ابنائے دنیا اور ارباب دنیا کی طرف میل کرنے سے بَری ہے۔ اس نے تمام علائق کو قطع کر دیا ہے اور ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہے۔ اس کے دل میں عالم قدس کے انوار تاباں و درخشاں ہیں اور عالم ملکوت کے اسرار چمک رہے ہیں، اس کے لئے خدائے تعالےٰ کی معرفت کے دریافت کرنے کا دروازہ کھُل گیا ہے اور محبت کا ذوق وشوق دل میں بھرا ہوا ہے میں نے اسے اس بات کی اجازت دی کہ مُریدین کو خرقہ پہنائے اور انھیں اعلیٰ مقامات کی طرف راہ دکھائے میں نے شمس الدین یحییٰ کو ویسی ہی اجازت دی جیسے مجھے میرے شیخ نے اپنی نظر خاص سے ملاحظہ کرنے اور خرقۂ اختصاص کے پہنانے کے بعد اجازت دی تھی"۔

اس خلافت نامے کے مطالعے کے بعد اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیئے کہ مشائخ چشت کی نظر میں بعیت کا حقیقی مقصد، اخلاقی احساس وشعور کو بیدار کرکے اصلاح وتربیت کا سامان فراہم کرنا تھا۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص بعیت کرتا ہے وہ حقیقت میں

Marfat.com

خداوند تعالیٰ سے عہد کرتا ہے۔ اس کو اپنے عہد پر قائم رہنا چاہیئے۔ استقامت بیعت، استقرار توبہ پر منحصر ہے۔ [1]

بیعت کے سلسلہ میں مشایخ چشت کے بعض اہم اصول یہ تھے ——

(۱) کسی شیخ کے مزار پر جا کر اس سے بیعت کرنا درست نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بابا صاحبؒ کے ایک فرزند دہلی جا کر قطب صاحبؒ کے مزار کے پائیں محلوق ہو گئے۔ بابا صاحبؒ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا:

"شیخ قطب الدین طیب اللہ ثراہ خواجہ و مخدوم ما است۔ اما این بیعت درست نباشد۔ ارادت و بیعت آنست کہ دست شیخے گیرند"۔ [2]	شیخ قطب الدین طیب اللہ ثراہ ہمارے خواجہ اور مخدوم ہیں لیکن یہ بیعت درست نہیں۔ ارادت و بیعت کے معنی یہ ہیں کہ کسی شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیں۔

اس طرح جو شخص خواجہ خضر سے تعلق ارادت کا اظہار کرتا، اس کے عمل کو بھی مشائخ ناپسند کرتے تھے۔ [3]

(۲) ایک سے زیادہ شیخ سے بیعت ارادت یا مختلف سلسلوں سے وابستگی کو مناسب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ "یک در گیر و محکم گیر" اس راہ کا محکم اصول تھا۔ ہر چند کہ سلسلوں کے مقاصد ایک تھے، لیکن طریقے بہر حال مختلف تھے۔ اس لئے کسی شخص کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ مختلف سلسلوں کے اصولوں پر بیک وقت کاربند ہو سکے۔ جمعیت خاطر کے لئے صرف ایک شخص سے تعلق ہونا ضروری تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے ایک بار فرمایا ——

---

[1] فوائد الفواد ص ۲۰۵؛

[2] فوائد الفواد ص ۸۷؛ سیر الاولیاء ص ۳۲۶؛

[3] سیر الاولیاء ص ۳۲۶؛

Marfat.com

"بعضے درویشان باپیرے بیعت کردہ باشند برآن بسندہ نمی کنند تا بر پیرے دیگر می روند و بیعت و خرقہ او ہم ستانند ۔ نزدیک من ایں چیزے نیست زیرا کہ مرید را محبت حق تعالیٰ و جل و علا ۔ بر اندازۂ محبت پیر خود حاصل می شود، چوں با دو پیر بیعت کند و خرقہ دو پیر ستاند چگونہ راست آید بیعت ہماں است کہ اول باکسے کردہ باشد اگرچہ آں پیر یکے از احاد باشد۔۔۔ شیخ شیوخ العالم شہاب الدین سہروردی بارہا گفتے ہر درے ہر سرے نباشید، یک در گیرید محکم گیرید" ؎

بعض درویش پہلے ایک پیر سے بیعت کر لیتے ہیں لیکن اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ دوسرے پیر کے پاس جاتے اور اس سے بیعت کرتے اور خرقہ بھی پہنتے ہیں میرے نزدیک تو یہ کوئی بات نہ ہوئی کیونکہ مرید کو خدا تعالیٰ کی محبت اپنے پیر کی محبت کے اندازہ پر ہوتی ہے اور جب یہ ہے تو جو شخص دو پیروں سے بیعت کرے گا اور دو پیروں کے خرقے لے گا تو پھر یہ بات کیوں کر حاصل ہوگی۔ بیعت وہی معتبر ہے جو اول مرتبہ کسی شخص سے کی ہے اگرچہ وہ پیر مشائخ میں ادنیٰ مرتبہ رکھتا ہو۔۔۔۔ شیخ شیوخ العالم شہاب الدین سہروردی بارہا فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کو ہر بابی اور ہر سری نہ ہونا چاہئے بلکہ ایک دروازہ کو پکڑنا اور نہایت مضبوطی سے پکڑنا واجب ہے۔"

پھر اس اصول کی مزید وضاحت ایک جگہ اس طرح کرتے ہیں:

"ارادت کا علاقہ ایک ایسا علاقہ ہے جس میں اس کا غیر شریک نہیں ہو سکتا۔ ہاں تربیت و پرورش کا ایسا علاقہ ہے جس میں اس کا غیر شریک

؎ سیر الاولیاء ص ٣٢٧؛ ترجمہ ص ٣٢٦؛

ہوسکتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک بچہ کی پرورش اس کے ماں باپ کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ پایۂ تکمیل کے مرتبہ کو پہنچ جائے۔ مثلاً اسے دایہ پال لے۔ لیکن ہاں جب پہلا شیخ انتقال کر جائے تو مرید کو دوسرے پیر کی طرف رجوع کرنا جائز ہے جیسے شیخ ابوالنجیب سہروردی اپنے شیخ احمد غزالی کے انتقال کے بعد ان کے اشارہ سے شیخ حماد دباس سے مستفید ہوئے۔" لہ

(۳) تجدید بیعت میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کا مقصد کسی عہد کو دہرانا بھی ہوسکتا ہے اور بعض صورتوں میں کسی لغزش کے بعد خود شیخ مرید کی روحانی اصلاح وتربیت کے لئے ضروری سمجھ کر اس کو تجویز بھی کرسکتا ہے۔ بیعت رضوان کے موقع پر ابن اکوع رضؓ نے تجدید بیعت کی تھی۔ لہ

حضرت محبوب الٰہیؒ ایک بار شیخ برہان الدین غریبؒ سے کچھ ناراض ہوگئے تھے۔ جب اُن کو معاف کیا تو تجدید بیعت سے نوازا۔ لہ میر خورد نے تجدید بیعت کے چند واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں

"وقتے جوانے بخدمت سلطان المشایخ تجدید بیعت کرد مگر اورا از طرفے ایذائے رسیدہ بود" لہ

ایک موقع پر ایک جوان نے شیخ المشایخ کی خدمت میں تجدید بیعت کی بشاید اسے کسی کی طرف سے ایذا پہنچی تھی۔

لیکن یہ تفصیل نہیں بتاتے کہ اس "ایذا" کی نوعیت کیا تھی اور تجدید بیعت کیوں کی گئی

لہ سیر الاولیاء (فارسی) ص ۲۸-۲۷؛ ترجمہ ص ۳۲۷؛

لہ فوائد الفواد ص ۵۸؛

لہ سیر الاولیاء ص ۲۸۱؛

لہ سیر الاولیاء ص ۳۳۴؛

Marfat.com

(۴) اگر شیخ موجود نہ ہو تو اس کے جامے سے تجدید بیعت کی جا سکتی ہے [1] حضرت محبوب الٰہیؒ نے بارہا بابا صاحبؒ کے جامے سے بیعت کی تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ عجب نہیں بابا صاحبؒ نے بھی اس طرح تجدید بیعت کی ہو۔ [2]

(۵) عورتوں کو بیعت کرنے کی اجازت تھی [3] لیکن اس ضمن میں دو پابندیاں عاید کی گئی تھیں ـــ عورتوں کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کے بجائے کوئی کپڑا اُن کے ہاتھ میں دے کر بیعت لی جائے اور خلوت میں گفتگو سے پرہیز کیا جائے [4] حضرت چراغ دہلیؒ کے پاس کسی عورت نے ایک مرد کو بھیج کر بیعت کی درخواست کی۔ شیخ نے ایک کوزۂ آب منگایا اور انگشت شہادت اس میں ڈبو کر کچھ پڑھا۔ پھر کوزہ اس شخص کو دیکر فرمایا کہ وہ عورت اس پانی میں انگشت شہادت ڈال کر کہے کہ میں فلاں کی مرید ہوتی ہوں۔ اس کے بعد شیخ کی جانب سے اس کو ہدایت کی جائے کہ

> "اس کے بعد نماز نہ چھوڑنا۔ ایام بیض کے روزے رکھنا سوائے اس حالت کے کہ عذر شرعی ہو۔ غلام اور کنیز کو آزار نہ دینا اور انھیں زدوکوب نہ کرنا۔ اہل (خانہ) اور سب خلق کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا۔" [5]

---

[1] سیرالاولیاء (ص ۳۳۴) میر خورد نے لکھا ہے "کاتب حروف در کتابے نوشتہ دیدہ است کہ تجدید بیعت پیش جامہ پیر از آنجملہ است کہ بخدمت مخدوم تجدید بیعت کردہ شد"۔

[2] فوائدالفواد ص ۵۸؛ سیرالاولیاء ص ۳۳۴؛

[3] فوائدالفواد ص ۲۲؛

[4] مکتوبات کلیمی م ۳۵ ص ۳۷؛ م ۲۱ ص ۲۵؛

[5] خیرالمجالس ص ۱۳۴؛

باب دوم

مُعلّمِ اخلاق کا کِردار اور ذِمّہ داریاں

ہدایت و اصلاح کی کامیابی کا انحصار ہادی یا مصلح کی ذہنی اور عملی صلاحیتوں پر موقوف ہے۔ کسی شخص سے نصیحت کے چند جملے کہہ دینا کوئی مشکل کام نہیں، لیکن اس نصیحت کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی کا سانچہ بدل دینا، جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ اس کے لئے کردار کی بہت سی خوبیاں درکار ہیں۔

(۱) ایک معلّمِ اخلاق کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود اُن اخلاقی اقدار کا حامل ہو، جن کی تبلیغ وہ دوسروں کو کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

اَتَامُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ

(بقرہ ۵)

کیا تم دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو۔

بے عمل انسان کے الفاظ، کسی کی لوحِ دل پر نقش نہیں بنا سکتے۔ وہ زبان سے نکل کر کانوں پر ٹکراتے اور فضاؤں میں گم ہو جاتے ہیں۔ دل تک تو صرف اس شخص کی آواز پہنچتی ہے جس کے الفاظ کے پیچھے عمل کی بے پناہ قوت ہوتی ہے، کسی نے کہا ہے ؎

واعظ کا ہر ایک ارشاد بجا، تقریر بہت دلچسپ مگر
آنکھوں میں سُرورِ عشق نہیں، چہرے پہ یقیں کا نور نہیں

Marfat.com

یہ سُرورِ عشق، اور نورِ یقین، عمل کی پیداوار ہیں۔ ان میں ایک ایسی قوت کارفرما ہوتی ہے جو انسانی قلوب کے ساتھ وہی عمل کرتی ہے جو مقناطیس لوہے کے ساتھ۔ مولانا بدرالدین اسحاق رح کے علمی غرور کا یہ عالم تھا کہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے، لیکن جب حضرت بابا فرید رح کی خدمت میں حاضر ہوئے تو

"شاہے دید کہ سینۂ مصفٰے و تقریر دلکشائے آواز ضمیر آئینہ حکایت می کند و دِل از دست می برد"[۱]	دیکھا کہ ایک بادشاہ ہے جو اپنے سینہ صافی اور دل کشا تقریر سے آنے والوں کے دلی بھید بیان کرتا اور اُن کے دلوں کو اُچک لیتا ہے۔

مناقب فخریہ کا مصنف جب پہلی بار شاہ فخرالدین دہلوی رح کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایسا محسوس کرنے لگا:

"گویا شرابے بود کہ در جامِ دلِ من ریختند و آتشے بود کہ در سینۂ من انداختند"	گویا ایک شراب تھی جو جام دل میں ڈال دی گئی، یا ایک آگ تھی جو میرے سینے میں بھر دی گئی۔

نظر کی یہ تاثیر عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ مشائخِ چشت نے معلمِ اخلاق کی کامیابی کا یہ راز پیغمبر اسلام کی پاک سیرت سے سیکھا تھا، سیرالاولیاء میں لکھا ہے:

"سلطان المشایخ فرمود، بنگرید کمال نبوت پیغمبر علیہ السلام والصلوٰۃ کارے بغیر خواست فرمود اوّل خود کرد تا دیگراں کنند و دراں انقیاد نمایند، از دیگرے ایں معنی چگونہ	سلطان المشایخ نے فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام والصلوٰۃ کا کمال دیکھو کہ جس کام کی اوروں سے درخواست کی پہلے خود عمل میں لائے تاکہ دوسرے لوگ عملی طور پر اس کا اظہار کریں اور

---

[۱] سیرالاولیاء، ص ۱۷۰

تصور تواں کرد کہ خود نکند وبغیرے فرماید وآں معمول شود، امیر خسرو خوش گوید[۱]

آں گفت مذکر نکند خلق کہ او را
گفتار بسے یابی و کردار نیابی"
[۲]

اس میں آپ کی فرماں برداری کریں ایسے شخص سے یہ بات کیوں کر متصور ہو سکتی ہے کہ خود نہ کرے اور غیر کو کرنے کا حکم دے۔ امیر خسرو نے کیا خوب کہا ہے کہ جو واعظ اور نصیحت گو ایسی بات کی لوگوں کو نصیحت کرے کہ خود اس پر عامل نہ ہو تو خلق اسے شمار میں نہیں لاتی۔

اسی بنا پر شیخ حمید الدین صوفی سوالیؒ نے وصیت کی تھی ــــــــــ

"می باید کہ آنچہ بالائے منبر بگوئی اول خود برآں کار کنی"۔ [۳]

یہ چاہیئے کہ منبر پر چڑھ کر جو کچھ کہو پہلے خود اس پر عمل کرو۔"

(۲) ایک معلمِ اخلاق کو پورے طور پر قوم کی اجتماعی اور انفرادی نفسیات سے واقف ہونا چاہیئے۔ کسی انسان کے فکر و عمل میں اس وقت تک تبدیلی پیدا نہیں کی جا سکتی جب تک اس کے ذہنی محرکات، قلبی کیفیات اور طبعی رجحانات کا صحیح اندازہ نہ ہو جس صلاحیت کو حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے "نفس گیرا" سے تعبیر کیا ہے وہ حقیقت میں یہ ہی چیز ہے کہ شیخ کی نظر، وجدان یا احساس اتنا تیز ہو کہ وہ آنے والے کی دل کی گہرائی کا پتہ لگالے۔

---

[۱] مناقب فخریہ (قلمی نسخہ)

[۲] سیر الاولیاء ص ۳۲۳۔ حضرت عائشہؓ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ آں حضرتؐ کے اخلاق کیا تھے؟ فرمایا "کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا: کان خلقہ القرآن جو قرآن میں الفاظ کی صورت میں ہے۔ وہی حاملِ قرآن کی سیرت میں بصورت عمل تھا۔

[۳] سرور الصدور (قلمی نسخہ) ص ۴۵

Marfat.com

اگر ایک مرتبہ انسان کے ان افکار و جذبات کا علم ہو جائے، جو وہ سماج یا قانون کسی اور ڈر سے اپنے دل میں چھپائے رکھتا ہے تو اس کی اصلاح و تربیت کا کام بہت سانی سے انجام پا سکتا ہے۔ انسانی فطرت سے ناواقفیت، اصلاحی کام میں سب سے ڑی رکاوٹ ہے۔ اس میں انسان کے تجربے کو بھی بڑا دخل ہے۔ عوام سے جتنا گہرا تعلق وگا اتنا ہی نفسیاتی تجربہ وسیع ہوگا۔ غالباً اسی مصلحت کے پیش نظر مشایخ چشت اپنے ملفاء کو خلق میں رہ کر لوگوں کی جفا و تفا برداشت کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ اُن کا قین تھا کہ جو نفسیاتی بصیرت تجربے کی راہ سے آئے گی وہ زیادہ صحیح اور موثر ہوگی۔

موجودہ زمانے میں ماہرینِ نفسیات نے تجزیاتِ ذہنی Psycho-analysis ں بڑی ترقی کی ہے۔ لیکن عملی طور پر وہ صوفیہ سے بہتر نتائج پیدا نہیں کر سکے۔ اس کی ایک ی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے تجربات محدود ہیں۔ انھوں نے اس سطح اور اس وسیع پیمانے فطرتِ انسانی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جس پر ان مشایخ نے کی تھی۔ بھوکے آدمی کی نسیات پر وہ شخص کیا کام کر سکتا ہے جس نے عمر میں ایک وقت بھی فاقہ کی زحمت نہ ٹھائی ہو! صحیح نفسیاتی علم حاصل کرنے کے لئے بڑا خونِ جگر پینا پڑتا ہے۔ اور یہ وہی شخص ر سکتا ہے جو عام لوگوں سے اُن کی زندگی کے ہر شعبہ میں ربط ضبط رکھتا ہو۔ فرائڈ (FREU کا شمار بہترین ماہرینِ نفسیات میں ہوتا ہے۔ اس کے تجربات کی نوعیت یہ ی کہ وہ چند مقررشدہ گھنٹوں کے علاوہ لوگوں سے نہیں ملتا تھا اور کہتا تھا کہ اُس کا ریقۂ علاج صرف امراء اور رؤسا پر کامیاب ہوتا ہے! ——— مشایخ چشت خانقاہیں ہر وقت کھلی رہتی تھیں اور زبانِ حال سے حافظ کا یہ شعر پڑھتی تھیں ؎

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو
گیر و دار و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست

تم کے آدمی ان مشایخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور وہ ہر ایک کے دل کو سکون و اطمینان ہانے کی کوشش کرتے تھے۔

(۳) ایک معلمِ اخلاق کو مہر و محبت کا مجسمہ ہونا چاہیئے۔ درشت خو آدمی کی بات

سننے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ حد یہ ہے کہ مریض کڑوی دوا کو یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ یہ ازالۂ مرض کرے گی پینے سے گریز کرتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران ۷)	اور (محمدؐ) اگر تم درشت خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ تمہارے پاس سے چل دیتے۔

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ	تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان نہیں لاتا جب تک میں اس کے باپ اور بچوں سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہو جاؤں۔

جو معلّمِ اخلاق، اپنی محبت سے قلوبِ انسانی پر قبضہ کر لیتا ہے، اس کو اپنا پیغام دل کے کانوں تک پہنچانے میں بڑی آسانی ہو جاتی ہے۔

چنانچہ مشائخ چشت کی خانقاہیں محبت اور دلنوازی کا ایسا مرکز بن گئی تھیں جہاں پہنچ کر ہر شخص خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اپنی تکلیف بھول جاتا تھا اور اس کا دل فضا کے اثرات قبول کرنے پر خود بخود آمادہ ہو جاتا تھا۔ خانقاہ کے جو اصول ماحول کو زیادہ سے زیادہ موثر بنا دیتے تھے یہ تھے:

(۱) ہر نئے اور پرانے آنے والے کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جاتا تھا۔ ایسی صورت میں کسی نئے آنے والے کو قطعی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ بابا فرید کی مجلس کا یہ حال تھا کہ

"اگر کسے بخدمت بیامدے کہ ہرگز نیامدہ بودے و دیگرے نیز حاضر بودے کہ او استثنائے	نیا آیا ہوا اور سالوں کی خدمت کرنے والا آپ کی نظروں میں یکساں تھا اور

Marfat.com

چندیں سال بودے در محاورہ	مہربانی اور توجہ کے وقت
باہر دو برابر بودی و در تلطف	دونوں مساوی ہوتے۔
و توجہ با ہر دو متساوی" [1]	

(ب) آنے والوں میں نیک اور بد کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی تھی[2]۔ دونوں کو یکساں توجہ کا مستحق سمجھا جاتا تھا اور یکساں دلداری کی جاتی تھی۔

(ت) ہر آنے والے کو کھانے کی کوئی چیز دی جاتی تھی۔ اگر کچھ بھی موجود نہ ہوتا تو پانی ہی پیش کر دیا جاتا[3]۔ کھانا کھلانے میں نیک و بد، بڑے چھوٹے، مسلم غیر مسلم کی کوئی تفریق پسند نہ کی جاتی تھی۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اس اصول کی وضاحت میں ایک بار یہ حکایت بیان کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ کھانا مہمان کے ساتھ کھاتے تھے۔ ایک دن ایک مشرک آپ کا مہمان بنا۔ آپ نے اسے بیگانہ سمجھ کر کھانا نہ دیا۔ وحی الٰہی نازل ہوئی کہ اے ابراہیم! ہم اسے جان دے سکتے ہیں اور تو روٹی نہیں دے سکتا[4]۔ اس حکایت میں انسانی ہمدردی کا ایک بحر بے کراں موجیں مارتا نظر آتا ہے۔

(ث) کھانا پیش کرنے میں مہمان کے جذبات کی نزاکت پیش نظر رکھی جاتی تھی۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی ہدایت تھی:

"جب عزیز آئیں تو انھیں کھانا لا دینا چاہیے اور کسی سے یہ نہیں پوچھنا چاہیے کہ تو روزے سے ہے یا نہیں" [5]

---

[1] فوائد الفواد ص ۴۷؛

[2] فوائد الفواد ص ۸۰؛

[3] فوائد الفواد ص ۱۳۰؛

[4] فوائد الفواد ص ۲۰۰؛

[5] فوائد الفواد ص ۱۲؛

Marfat.com

مہمان کی خاطر اس درجہ عزیز تھی کہ گو عام تلقین یہ تھی کہ جب ایک دفعہ پیٹ بھر جائے تو پھر نہیں کھانا چاہیئے، لیکن اگر مہمان آجائیں تو اُن کی خاطر دوبارہ کھانے میں مضائقہ نہیں تھا۔ [1] آنے والوں کی دلداری اس قدر ملحوظ رکھی جاتی تھی کہ ایک بار شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رح نے ایک عورت کی خاطر جو ایک خوان میں کھانا لائی تھی، افطار کر لیا۔ [2]

(ج) ہر آنے والے کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا ضروری تھا۔ بعض اوقات کوئی آنے والا بد اخلاقی سے پیش آتا لیکن اس کے ساتھ بھی اخلاق کا برتاؤ کیا جاتا۔ مریدوں کو بار بار ہدایت ہوتی تھی "تخلقوا باخلاق اللہ"! [3]

جس طرح اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر بندہ پر عطا و کرم کا دروازہ کھلا رکھتا ہے، اسی طرح اس کے بندوں کو بھی کرنا چاہیئے۔ اُن میں بقول خواجہ معین الدین چشتی رح دریا جیسی سخاوت، آفتاب جیسی شفقت، زمین جیسی تواضع ہونی چاہیئے [4] کہ ان تینوں کی فیض رسانیاں ہر نیک و بد کے لئے عام ہیں۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل واقعات مشایخ کے مسلک کی وضاحت کرتے ہیں ______

- ایک جوالق حضرت محبوب الٰہی رح کی مجلس میں داخل ہوتا ہے اور بے محابا برا بھلا کہنا شروع کر دیتا ہے۔ شیخ اس سے کچھ نہیں کہتے بلکہ اس کی خواہش کو پورا کر دیتے ہیں اور پھر حاضرین سے مخاطب ہوتے ہیں ______

"این معنی ہم می باید بسیار کسان می آیند و سر در قدم ایشاں می نہند و چیزے می آرند، پس این چنیں کساں نیز می باید تا بیایند و بے محابا

---

[1] فوائد الفواد ص ۲۹

[2] خیر المجالس ص ۲۳۳؛ شیخ نصیر الدین چراغ رح اکثر و بیشتر روزہ رکھتے تھے؛ یہ روزہ رمضان کا نہیں تھا۔

[3] خیر المجالس ص ۱۰۷؛ [4] سیر الاولیا ص ۴۶؛

ہر چہ باید بگویند۔ ازیں چیزہا مکفر می شود" ؎۱

گویا ایسے لوگوں کا آنا نفس کا غرور توڑنے کے لئے ضروری ہے۔

● ایک بوڑھا اپنے لڑکے کے ساتھ بابا صاحبؒ کی مجلس میں داخل ہوتا ہے۔ لڑکا انتہائی گستاخانہ گفتگو کرتا ہے اور شیخ کے فرزند مولانا شہاب الدین پر حملہ کرتا ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ اس کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں۔ بابا صاحبؒ اس سے ناراض نہیں ہوتے بلکہ مولانا شہاب الدینؒ اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو حکم دیتے ہیں کہ ان دونوں سے صفائی کر لو۔ مولانا شہاب الدینؒ دونوں کو کچھ نقدی دیتے ہیں اور وہ خوش ہو کر جماعت خانہ سے چلے جاتے ہیں۔ ؎۲

● ایک شخص شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے ایک مسئلہ پر نہایت سخت گفتگو کرتا ہے۔ شیخ اس کا مدلل جواب دیتے ہیں اور وہ لاجواب ہو کر چلا جاتا ہے۔ شیخ کو پشیمانی ہوتی ہے کہ انھوں نے ایسا جواب کیوں دیا جس سے وہ کھسیانا ہو کر چلا گیا۔ "مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ میں دو وجہ سے پشیمان ہوا۔ ایک اس واسطے کہ کیوں اس سے یہ بات کہی جس سے وہ ملزم بنا۔ دوسرے چونکہ وہ مسافر تھا مجھے چاہیئے تھا کہ اسے کپڑا یا روپیہ پیسہ دینا۔ ان باتوں سے مجھے پشیمانی ہوئی" ؎۳

● ایک قلندر حضرت چراغ دہلیؒ کے حجرہ میں گھس آتا ہے اور چھری سے گیارہ وار کرتا ہے۔ خون بہہ کر باہر نکل آتا ہے۔ مرید قلندر کو زدوکوب کرنا چاہتے ہیں شیخ انھیں قسم دیتے ہیں کہ اس کو کوئی ضرر نہ پہنچائیں۔ اور اس کو ۲۰ تنکہ سفید دے کر کہ "شاید در وقت کارد زدن آزارے بہ دست وے رسیدہ باشد" رخصت کر دیتے ہیں۔ ؎۴

؎۱ فوائد الفواد ص ۴۸؛

؎۲ فوائد الفواد ص ۱۶۰؛

؎۳ فوائد الفواد ص ۱۵۹؛

؎۴ خیر المجالس ص ۲۸۷؛

Marfat.com

——— معلم اخلاق کا یہ کردار اس کے اصلاحی کام میں مددگار ثابت ہوتا تھا اور اس کے اثر و نفوذ کا حلقہ وسیع کر دیتا تھا۔

(د) خانقاہوں میں آنے والے لوگ اکثر کوئی نہ کوئی تحفہ لے کر حاضر ہوتے تھے۔ شیخ غریب لوگوں کے تحائف ایسی خوشی اور خندہ پیشانی سے قبول کرتے تھے کہ وہ اپنی غربت اور بے مائگی کو بھول جاتے تھے اور جب خانقاہ سے واپس جاتے تو ان کے دل شیخ کی محبت سے لبریز ہوتے تھے۔ ایک شخص نے ۳ جنتیل شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں بھیجے۔ انھوں نے بڑی محبت سے یہ ہدیہ قبول کیا اور خود اپنے ہاتھ سے اٹھا کر پاس رکھ لیا اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک بڑھیا نے اپنی چادر سے ایک درم کھول کر شیخ کے سامنے رکھا تھا۔ انھوں نے وہ درم اٹھا کر تمام اور تحفوں اور ہدیوں کے اوپر رکھ دیا۔ اور جب وہ یہ ہدایہ حاضرین کو تقسیم کرنے لگے تو شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے بڑھ کر وہ درم اٹھا لیا۔ شیخ سہروردیؒ نے دیکھا تو فرمایا: "این ہمہ تو بُردی" یعنی تو تو سب کچھ لے گیا۔ غریبوں کے ساتھ دلنوازی کا یہ برتاؤ معلم اخلاق کو اُن کی آنکھ کا تارا بنا دیتا تھا۔

(ہ) معلم اخلاق میں اگر خود بینی کا ذرا بھی شائبہ ہوگا تو اس سے دوسروں کی اصلاح و تربیت کا کام انجام نہ پا سکے گا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے ایک دن اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ انسان کب بُرا ہوتا ہے؟ جواب دیا: "جب اپنے تیئں نیک خیال کرے"۔ ؎٢

خواجہ حسن بصریؒ کہا کرتے تھے کہ میں نے جس کسی کو دیکھا اپنے سے بہتر خیال کیا لیکن ایک دن معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ ایک حبشی دریا کے کنارے ایک عورت کے ساتھ بیٹھا صراحی سے کچھ پی رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ میں کیسا ہی ہوں اس سے

؎١ فوائد الفواد ص ۱۸۰؛

؎٢ فوائد الفواد ص ۲۱۶؛

تو بہتر ہوں۔ اسی اثنا میں دیکھا کہ ایک کشتی جس میں سات آدمی سوار ہیں دریا میں ڈوب رہی ہے۔ وہ حبشی فوراً دریا میں کود پڑا اور چھ آدمیوں کو بچا لایا۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر بولا : حَسَن! اس ایک کو تو بچا لا۔ میں حیران رہ گیا۔ پھر وہ بولا۔ اس صراحی میں پانی ہے اور یہ عورت میری ماں ہے۔ تیری آزمائش کے لئے میں یہاں بیٹھا تھا۔ ابھی تجھ میں ظاہر بینی (خود بینی) باقی ہے۔ [1]

مشایخ کا خیال تھا کہ جو شخص "خود بینی" اور "بدبینی" میں مبتلا رہتا ہے وہ دوسروں کی اصلاح کا کام قطعاً انجام نہیں دے سکتا۔

(۵) خدمت خلق کا جذبہ معلم اخلاق کے فکر و عمل کا جزو لاینفک بن جانا چاہیئے۔ اس کے کسی عمل میں ظاہر داری، تصنع یا آورد کی آمیزش نہیں ہونی چاہیئے۔ اس کو خلق اللہ کی خدمت کے ذریعہ رضاء الٰہی تلاش کرنی چاہیئے اس لیئے کہ دین کا اعلیٰ ترین مقصد خدمت خلق، اور شکستہ دلوں کی دل داری ہے۔ شیخ عبداللہ ہرویؒ کا یہ قول مشایخ چشت اکثر نقل کرتے تھے ——

"نماز گزاردن کار بیوہ زنان است، و روزہ داشتن صرفہ نان ست
حج کردن کار بے کاران است۔ دلے دریاب کہ کار آنست" [2]

شیخ بایزید بسطامیؒ کے پاس ایک شخص نے آکر سوال کیا کہ مجھے معرفت کا سبق دیجئے۔ شیخ نے کھانا منگا کر اس کو کھلایا۔ وہ شرمندہ ہو کر چلا گیا۔ اگلے دن پھر آیا اور وہی سوال کیا۔ شیخ نے پھر کھانا کھلا کر رخصت کر دیا۔ تیسرے دن وہ پھر آیا اور وہی سوال کیا۔ شیخ نے پھر کھانا منگایا۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ سے معرفت کا سوال کرتا ہوں اور آپ مجھ کو کھانا کھلاتے ہیں۔ میرے سوال کا جواب تو دیجئے فرمایا ——

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۷؛

[2] سرور الصدور (قلمی نسخہ)

Marfat.com

"اے برادر معرفت ہمیں است کہ چیزی پیش بندگان خدای تعالیٰ بیاری... و دلہائی شکستگان را دریابی"[1]

(۶) پردہ پوشی معلّم اخلاق کا مسلک ہونا چاہیئے۔ اس کو نہ صرف برملا نصیحت کرنے سے گریز کرنا چاہیئے بلکہ لوگوں کے عیوب اور ان کی کوتاہیوں اور کمزوریوں کو چھپانا چاہیئے۔ جس نے دوسروں کی برائیوں کو شہرت دی اس نے اپنے اصلاحی کام کو بے اثر بنالیا۔ اس ضمن میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی مندرجہ ذیل گفتگو صوفیہ کے مسلک کی بہترین ترجمانی کرتی ہے:

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات فقر کا خرقہ عطا ہوا تھا آپ نے صحابہ کو بلا کر فرمایا: مجھے ایک خرقہ ملا ہے یہ ایسے شخص کو دیا جائے گا جو میرے سوال کا صحیح جواب دے گا۔ پھر ابو بکرؓ کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ اگر یہ خرقہ تمہیں ملے تو کیا کروگے؟ عرض کی: صدق اختیار کروں گا اور طاعت اور عطا کروں گا۔ پھر عمرؓ سے پوچھا، تو عرض کی: میں عدل و انصاف کروں گا۔ پھر عثمانؓ سے پوچھا۔ عرض کی: انفاق (عطا و کرم) اختیار کروں گا اور سخاوت کروں گا۔ پھر علیؓ سے پوچھا۔ عرض کی: میں پردہ پوشی کروں گا اور بندگان خدا کے عیب چھپاؤں گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ خرقہ لے لو۔ مجھے یہی حکم تھا کہ جو صحابی یہ جواب دے اُسے دے دیا جائے۔[2]

(۷) معلّم اخلاق کے لئے ضروری تھا کہ سیاست اور سلطان دونوں سے دور رہے کیونکہ درباداری کی زندگی اور رشد و ہدایت کے تقاضے ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ فرمایا کرتے تھے:

۱؎ دُرر نظامیہ (قلمی نسخہ)

۲؎ فوائد الفواد ص ۱۹۶؛

Marfat.com

"درمیان درویشان دو دشنام است، یکے آنست کہ مقلد گویند و دوم آنست کہ جرت گویند... مقلد کسے را گویند کہ او را پیر نباشد و جرت کسے بود کہ او از خلق سوال کند، خرقہ مکلف پوشد و کلاہ صوفیانہ بر سر نہد، و بر امراء و سلاطین برود... زیرا کہ ایں دین فروختن است" [1]	درویشوں میں دو قسم کی، گالیاں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کو مقلد کہیں، دوسرے یہ کہ کسی کو جرت کہیں، مقلد اسے کہتے ہیں جس کا کوئی پیر نہ ہو، اور جرت وہ ہے جو لوگوں سے سوال کرے، اچھا خرقہ پہنے اور کلاہ صوفیانہ سر پر رکھے اور امراء و سلاطین کے پاس جائے ... حقیقت میں یہ دین فروشی (کے مترادف) ہے۔

اقبالؔ نے اس نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے ؎

قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطاں کی درگاہ!

(۸) معلمِ اخلاق کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آنی چاہیئے کہ سارا عالم فتنہ اور گمراہی میں مبتلا ہے اور وہ اس کی اصلاح پر مامور۔ نہ ایسا کبھی ہوتا ہے اور نہ کبھی ایسا خیال اصلاح و تربیت کے کام میں مددگار ہوسکتا ہے۔ اس تصور میں 'خود بینی' اور 'بدبینی' دونوں کی کارفرمائی ہے۔ شیخ حمید الدین صوفی سوالیؒ نے ایک دن فرمایا:

"در حدیث پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم آمدہ کہ ہر کہ گوید کہ ہمہ عالم فاسد شدہ او فاسد شدہ است کہ ہم چنیں می گوید دیگرے نہ" [2]	حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے کہ جو کوئی کہتا ہے کہ سارا عالم فاسد ہوگیا وہ (خود) فاسد ہوگیا کہ ایسی بات کہتا ہے کوئی دوسرا نہیں ہوا۔

---

[1] خیر المجالس ص ۸۰؛
[2] سرور الصدور (قلمی نسخہ)

Marfat.com

شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ فرمایا کرتے تھے کہ شکایتِ روزگار ہمارے خانوادہ کی رسم نہیں ہے۔ اقبال نے سچ کہا ہے ؎

جو فقر ہوا تلخیٔ دوراں کا گلہ مند
اُس فقر میں باقی ہے ابھی بوئے گدائی

شکایت روزگار سے انسانی ذہن پر قنوطیت اور پست ہمتی کی پرچھائیاں پڑنے لگتی ہیں اور جہاں ایسی صورت پیش آجاتی ہے وہاں ارشاد و تلقین کا کام مشکل سے مشکل تر ہو جاتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اگر گریۂ نیم شبی سے معلم اخلاق کے دل میں گداز پیدا ہو جائے اور وہ موعظت سے زیادہ مثال سے کام لینے لگے، خودنگری کو چھوڑ کر خودشکنی کو رہبر بنالے، تنقید کے بجائے دلنوازی اختیار کرے، نفرت کا جواب محبت سے دے، گنہگار سے ہمدردی اور گناہ سے بیزاری پیدا کرے، حاضر و موجود سے بے نیاز ہو کر خالق کائنات سے مدد کا طالب ہو اور خدمتِ خلق کے ذریعہ معرفت الٰہی کی راہیں تلاش کرے تو اس کی ذات بھٹکے ہوؤں کے لئے قندیل رہبانی بن سکتی ہے۔ ورنہ ؎

وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے

لے خیر المجالس ص ۸۷؛

باب سوم

اصلاح و تربیت کے طریقے

(۱) علمِ نفسیات میں انسان کی تین کیفیات سے بحث کی جاتی ہے — ادراک۔ احساس اور عمل۔ Knowing, Feeling, Willing ہر انسانی فعل، ادراک و احساس کی منزل سے گزرتا ہے ———— سماج اور حکومت عمل پر مواخذہ کرتے ہیں۔ قانون تعزیرات کی کوئی دفعہ، ادراک و احساس کی منزل پر جرائم کا احتساب نہیں کرسکتی۔ مشایخ کی اصلاح کا بنیادی طریقہ اور اصول یہ تھا کہ انسان کا عمل درست کرنے کے لئے ادراک و احساس کو درست کیا جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ بُرا فعل بُرا ہے۔ لیکن بُرا خیال اُس سے بھی بُرا ہے۔ جسم کی جنابت پانی سے دُور ہو جاتی ہے، لیکن دل کی جنابت دور کرنے کے لئے یہ پانی کافی نہیں۔ وہ آنکھوں کے پانی سے دُھلتی ہے اور نالہ ہائے نیم شبی سے اس کے اثرات محو ہوتے ہیں۔ انسان کی صحیح تربیت وہ ہے جو اس کے ادراک، احساس اور عمل کو درست کرے۔ وہ صرف بُرے عمل ہی سے پرہیز نہ کرے، بلکہ بُرے خیالات اور بُرے احساسات سے بھی بچے۔ صرف اس کی گردن

ﻟﮧ متقدمین صوفیہ ان کیفیات کو خطرہ، عزیمت، فعل سے تعبیر کرتے تھے۔
فوائد الفواد ص ۱۸ ؛

سے زنّار ہی نہ دور کر دیا جائے بلکہ اس کی پیشانی میں چھپے ہوئے سجدہ ہائے صنم بھی نکال دیئے جائیں۔ ایک دن حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا:

"اوّل خطرہ است یعنی اوّل چیزے در دل بگذرد، بعد ازاں عزیمت است یعنی برآں اندیشہ دل می بندد، وبعد ازاں فعل است یعنی آں عزیمت را بفعل رساند بعد ازاں فرمود کہ عوام را تا فعل نکنند نگیرند اما خواص راہم در خطرہ مواخذہ باشد"[۱]	اوّل خطرہ ہے یعنی وہ چیز جو دل میں گذرے اور بعد ازاں عزیمت ہے، یعنی اسی اندیشے پر دل لگے۔ اور پھر فعل ہے یعنی وہ ارادہ فعل میں بدلتا ہے۔ بعد ازاں فرمایا کہ عوام سے جب تک فعل سرزد نہ ہو مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ لیکن خواص سے خطرہ کی صورت ہی میں مواخذہ کرلیتے ہیں۔

پھر اس کی مزید توضیح کے لئے انھوں نے اپنے مخصوص انداز میں ایک حکایت بیان کی کہ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو خیال میرے دل میں گزرا اُس کے فعل کی مجھ پر تہمت لگی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک درویش آپ کی خانقاہ میں آیا۔ شیخ نے اس کا خاص احترام کیا اور اپنی لڑکی سے کہا کہ پانی لاکر اس کے سامنے پیش کرے۔ لڑکی نے نہایت ادب وعزت سے پانی پیش کیا۔ شیخ ابوسعیدؒ کو لڑکی کا ادب پسند آیا۔ دل میں خیال کیا کہ وہ کیسا نیک بخت ہوگا جس کی منکوحہ یہ لڑکی بنے گی۔ تھوڑی ہی دیر بعد حسن موذن نے آکر شیخ کو بتایا کہ بازار میں لوگ یہ کہہ رہے تھے:

"شیخ ابوسعید می خواہد کہ دختر خود را در حبالۂ خود آرد"۔

شیخ ابوسعید یہ سُن کر ہنس پڑے اور کہا:

"ہم آں خطرہ مرا بر من مواخذہ کردند"۔[۲]

---

۱ فوائد الفواد۔ ص ۱۸

۲ فوائد الفواد۔ ص ۱۹

Marfat.com

(٢) یہ اصول تسلیم کر لینے کے بعد کہ انسانی اعمال کی درستگی کے لئے ادراک و احساس کی اصلاح ضروری ہے۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے لئے کیا ذرائع استعمال کرنے چاہئیں۔

انسان کی جن دو قوتوں کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہیمی اور ملکوتی کا لقب دیا ہے[١] ان کو حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نفس اور قلب سے تعبیر کرتے ہیں۔ نفس میں دشمنی، غوغا اور فتنہ ہے۔ قلب میں سکوت، رضا اور نرمی[٢]۔ ایک کا رجحان برائی کی طرف ہے، دوسرے کا بھلائی کی جانب۔ برائی کا سدِّ باب نفس کو کچلنے سے نہیں، بلکہ قلب کو بیدار کرنے سے ہو سکتا ہے۔

ماہرینِ نفسیات کا کہنا ہے کہ انسان کی کسی فکری یا ذہنی کیفیت کو زبردستی دور نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کا جسم زنجیروں سے جکڑا جا سکتا ہے لیکن اس کے ذہن پر پہرے نہیں بٹھائے جا سکتے۔ بعض صورتوں میں ایسا محسوس ضرور ہوتا ہے کہ زبردستی جو کیفیت دور کرنے کی کوشش کی گئی تھی وہ کامیاب ہو گئی لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ جس ذہنی کیفیت کو ایک جگہ دبا دیا جاتا ہے وہ دوسری جگہ ایک ضغطۂ دماغی (Complex) کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ اور اس طرح خود بہت سی ذہنی کشیدگیوں کا سبب بن جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صحیح فکری مزاج قائم نہیں رہتا۔ اس میں قنوطیت، بے عملی، پست ہمتی اور خوف کی مختلف کیفیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

برائی کو دور کرنے کا سب سے مؤثر طریقہ قلب کو بیدار کرنا ہے۔ جب قلب قوت حاصل کر لیتا ہے تو نفس کے تقاضے خود بخود خاموش ہو جاتے ہیں۔ انسان کی بہیمی قوت کمزور پڑ جاتی ہے اور وہ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی اس نصیحت پر کہ —— "از سر شہوات باید گذشت"[٣] —— عمل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

---

١ ملاحظہ ہو، وصیت نامہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حجۃ اللہ البالغہ ٢ فوائد الفواد۔ ص ١٢٤

٣ فوائد الفواد ص ١١ —— حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں نفسانی خواہشات کو کچلنے کی نہیں بلکہ اُن پر سے گزر جانے کی نصیحت کی ہے۔

Marfat.com

قلب، صوفیہ کے نزدیک کیا چیز ہے[1]؟ اور کس طرح بیدار کیا جا سکتا ہے؟ اجمالاً اس ضمن میں صوفیہ کے خیالات یہ تھے —

(ا) دل انوارِ ربّانی کا محل ہے۔ معرفتِ حق اسی کے ذریعے ممکن ہے۔ انسان کے جسدِ خاکی میں یہی وہ حصہ ہے جو اس کو مبدءِ فیاض سے ملاتا، معرفتِ الٰہی کی راہیں دکھاتا اور مضرابِ حیات کو نظامِ ربوبیت سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنا دار الملک بنایا ہے اور کہا ہے قلوب احبائی دار ملکی۔

روح الارواح میں رسول پاکؐ کی ایک حدیث درج ہے کہ القلب بیت اللہ۔

(ب) لیکن ہر انسان کا دل انوارِ ربّانی کا محل نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دل کی مثال آئینہ کی سی ہے۔ جب اس پر حجابات پڑ جاتے ہیں تو وہ نظارۂ جمال کے قابل نہیں رہتا۔

پیکرِ انسانی میں دو قوتیں کام کر رہی ہیں: بہیمی اور ملکوتی۔ ایک انسان کو نیچے کی طرف کھینچتی ہے، دوسری اوپر کی طرف، جو قوت زور پکڑ جاتی ہے اسی سے قلب متاثر ہو جاتا ہے۔ مصباح الہدایت میں

---

[1] یہ ایک ایسا عنوان ہے جس پر صوفیہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔ روح الارواح، احیاء العلوم، عوارف المعارف وغیرہ میں اس موضوع پر کافی تفصیلات ملتی ہیں۔ قرونِ وسطیٰ کی دو مشہور کتابیں دل کے فائدے، (فوائد الفواد) اور دل کی غذا (قوت القلوب) کے نام سے مرتب کی گئی تھیں۔ اس موضوع پر ایک دلچسپ تصنیف رسالہ مطلوب فی عشق المحبوب ہے جو فیروز شاہ تغلق کے عہد میں محمد امیر نے لکھا تھا۔ یہ رسالہ ۱۳۰ صفحات پر مشتمل ہے اور غالباً اب تک شائع نہیں ہوا اس کا ایک قلمی نسخہ خاکسار کے پاس ہے۔ اس میں چار باب ہیں جن کے عنوانات یہ ہیں در بیان عشق۔ در بیان دل۔ در بیان حجاب ہائے دل۔ در بیان وصول اللہ۔

اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے :

"دل نتیجۂ روح و نفس است، ومیان نفس و روح تجاذب و تطارد واقع. روح خواہد کہ نفس را بعالمِ خود کشد و نفس خواہد کہ روح را بعالمِ خود کشد، و ہمیشہ دریں تنازع و تجاذب باشند. گاہ روح غالب می شود و نفس را از مرکزِ سفلی بمقام علوی می کشد. و گاہ نفس غالب می گردد و روح را از اوجِ کمال بحضیض نقصان می کشد و دل پیوستہ تابع آں طرف بود کہ غالب گردد"۔ ؎۱

مختصر یہ ہے کہ جب نفس یا بہیمی قوت غالب آجاتی ہے تو آئینۂ دل غبار آلود ہو جاتا ہے۔ اس میں انوارِ ربانی کو کھینچنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ حضرت چراغ دہلی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث :

الا ان فی الجسد لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب	معلوم ہونا چاہیئے کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے جس پر انسان کی اچھائی بُرائی کا مدار ہے وہ جب ٹھیک ہوتا ہے تو انسان ٹھیک رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو انسان میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس کا دل ہے۔

پڑھ کر دل کی بیماریوں کا حال بیان فرمایا کرتے تھے۔

جب بہیمیت کا پورا تسلط اور غلبہ ہو جاتا ہے تو انسان کے کان کسی بھلائی کی بات سننے اور اس کا دل کسی ہدایت کو سمجھنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ

؎۱ مصباح الہدایت (مطبع نولکشور) ص ۳، ۲۰۔

Marfat.com

(۳) انسان میں بہیمی یا ملکوتی قوت کے غالب آنے کے کیا اسباب ہوتے ہیں؟

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں ایک پورا باب

"فی اسباب الخواطر الباعثۃ علی الاعمال" [1]

(ان ارادوں کے اسباب میں جو کاموں کے باعث ہوتے ہیں)

قائم کیا ہے اور اس پر بحث کی ہے۔ مجموعی طور پر اگر حجۃ اللہ البالغہ کی روشنی میں ان اسباب کو متعین کرنے کی کوشش کی جائے جو اعمال انسانی کے اصل محرک ہوتے ہیں تو ہم مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچیں گے۔

(ا) انسان کا پیدائشی مزاج۔

(ب) معاشی حالات

(س) ماحول

(ش) غذا

اپنے خیالات کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

"انھیں اسباب میں سے آدمی کا پیدائشی مزاج ہے جو خور و نوش وغیرہ کی محیط تدابیر سے متغیر رہتا ہے۔ مثلاً گرسنہ کھانے کو طلب کرتا ہے، اور تشنہ پانی کو اور خواہش نفسانی والا عورتوں کی جانب مائل ہوتا ہے۔ اکثر لوگ مقوی باہ غذاؤں کا استعمال کرتے ہیں تو اُن کا عورتوں کی طرف میلان ہو جاتا ہے۔ ان کے دلوں میں ایسے ہی خیالات اور وسوسے گذرتے ہیں۔ جن کو عورتوں سے تعلق ہوتا ہے اکثر لوگ سخت غذاؤں کا استعمال کرتے ہیں، اُن سے وہ سنگ دل ہو جاتے ہیں قتل کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ ایسے ایسے موقعوں پر غصّہ ظاہر کرتے ہیں جہاں اوروں کو غصّہ نہیں آتا۔" [2]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ (حمایت الاسلام پریس لاہور) جلد اول ص ۴۸۔۴۷

[2] حجۃ اللہ البالغہ ص ۴۸۔۴۷

(۴) قلب کی صحیح کیفیت قائم رکھنے اور ملکوتی قوتوں کو ابھارنے کے لئے سچی اور پرخلوص عبادت کی ضرورت ہے۔ ارکانِ دین کے علاوہ تصوف کے اعمال و اشغال کا مقصد بھی یہی ہے کہ قلب کو اس طرح بیدار کر دیا جائے کہ اس پر ملکوتی رنگ غالب آجائے۔

نماز اگر صحیح اور مکمل طور پر ادا کی جائے تو یہ اچھے اخلاق پیدا کرتی ہے۔ اور برائی سے بچاتی ہے۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ "جس شخص کی نماز اس کو برائی اور بدی سے نہ روکے تو ایسی نماز اس کو خدا سے اور دور کر دیتی ہے" جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ نماز کا مقصد اچھے اخلاق پیدا کرنا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں "میں کہتا ہوں نماز میں دونوں باتیں موجود ہیں۔ تزکیۂ نفس اور اخبات اور اس کی وجہ سے نفس کو پاک ہو کر عالمِ ملکوت تک رسائی ہو جاتی ہے[1]"۔ تلاوتِ کلامِ پاک کے فوائد بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس سے نفس آسمانی اثرات قبول کرنے کے قابل ہو جاتا ہے[2]

حدیث شریف میں آیا ہے:

لکل شیءٍ مصقلۃ ومصقلۃ القلب تلاوۃ

(ہر چیز کے لئے ایک خاص صیقل ہوا کرتی ہے اور
دل کی صیقل قرآن کی تلاوت کرنا ہے)

شاہ صاحبؒ نے ارکانِ دین کے اسرار بیان کرنے میں جن نفسیاتی حقیقتوں کو بے نقاب کیا ہے، ان سے ہمارے اس خیال کی پوری تائید ہوتی ہے کہ ارکانِ دین کو صحیح جذبہ کے ساتھ ادا کیا جائے تو قلب کی ملکوتی کیفیت اُجاگر ہو جاتی ہے اور خود بخود اچھے اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں۔ عبادت کے اس اہم پہلو کے مطالعہ کے لئے حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۷۹ ۳

[2] حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۱۴۳

Marfat.com

ازبس ضروری ہے۔

مشائخ کے اشغال واعمال کا سب سے اہم پہلو یہی ہے کہ اُن کے ذریعے انسانی قلوب کی صفائی ہو جاتی ہے اور بہیمی قوت کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ صرف مشائخ سلسلہ چشتیہ کے اشغال پر ہی غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان میں کیا کیا مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ ذکر خفی وجلی کا جو طریقہ چشتیہ سلسلہ میں رائج ہے اس سے ایک رگ جس کا نام کیماس ہے خاص طور پر متاثر ہوتی ہے۔ اس سے دل میں ایسی گرمی پیدا ہوتی ہے جس سے وسوسے خود بخود دفع ہو جاتے ہیں اور جمعیتِ خاطر پیدا ہو جاتی ہے۔ ذکر کا یہ فائدہ شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نے اپنے بیٹے شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے بیان کیا تھا[1]۔ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے کشکول کلیمی میں ذکر پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ذکر، نفسیاتی خطرے اور شیطانی وسوسے سے دل کی صفائی کرتا ہے اور باطن کو اس طرح بھرتا ہے کہ اگر کوئی خطرہ دل میں آنے کا ارادہ کرے تو ہرگز نہ آسکے۔[2]

مراقبہ کے متعلق شاہ کلیم اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ دل کا نگراں ہوتا ہے۔ تین چیزوں سے دل میں مرض پیدا ہوتا ہے" اول حدیث نفس ہے۔ جو خلا وملا میں قصداً اختیار سے دل میں آتی ہے۔ دوسرا خطرہ ہے جو دل میں بلا قصد وارادہ کے آتا جاتا ہے، تیسرا غیر کی طرف نظر ڈالنا ہے یعنی علم اشیا ومتکثرہ[3]۔ اِن امراض کا علاج مراقبہ سے ہو جاتا ہے۔ شیخ عزیزالدینؒ نے حضرت محبوب الٰہیؒ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: عزیزالدین تم روزے رکھا کرو۔ اور دل کے روزے رکھا کرو شیخ عزیزالدینؒ نے حضرت چراغ دہلیؒ سے یہ خواب بیان کیا تو فرمایا کہ حضرت نے اس طرح تمھیں مراقبہ کا حکم دیا ہے[4]

(۵) انسان میں اچھائیاں بھی ہوتی ہیں اور برائیاں بھی ہوتی ہیں۔ برائیوں

---

[1] قول الجمیل ص ۴۸۔ ۴۷ (مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۷ھ)

[2]، [3] کشکول کلیمی (قلمی نسخہ)

[4] سیرالاولیاء۔ ص ۴۰۱

کو دور کرنے کے لئے، انسان کی اچھائیوں کو اُچھالنا چاہئے۔ اس کا ایک نفسیاتی اثر انسان کی طبیعت پر مرتب ہوتا ہے اور وہ خود بخود برائیوں سے گریز کرنے لگتا ہے۔ موجودہ زمانے میں حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی رح نے مشائخ چشت کے اس اصلاحی اصول کو خوب اچھی طرح سمجھا تھا اور وہ اس پر عامل بھی تھے۔ آخری علالت کے زمانے میں انھوں نے ہدایت فرمائی تھی:

"یاد رکھو کہ مسلمانوں کی برائیوں کا انسداد اُن کی برائیوں کی بُرائی بیان کرنے سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ چاہیئے کہ اُن میں جو ایک آدھ بھی اچھائی موجود ہے اس کی تکثیر کی جائے، برائیاں خود بخود دور ہو جائیں گی"۔ [۱]

(۶/) جس انسان کی اصلاح و تربیت مقصود ہو، اس کو ہمدردانہ طور پر سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ مصلح کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس انسان کی اصلاح کرنا چاہتا ہو، پہلے اس کی اندرونی کشمکش اور خلش کا پتہ لگائے۔ پھر ایسے دبے پاؤں جا کر اس کے دل کی دنیا کا جائزہ لے کہ وہ افشائے راز پر گھبرا نہ جائے۔ اس کا پردہ فاش نہ ہو، لیکن اس کی اصلاح کا سامان مہیا ہو جائے۔ شیخ نظام الدین اولیاء رح کی مجلس کا ایک واقعہ اس اصول کی بہترین وضاحت کرتا ہے:

شعبان (۷۱۰ھ) کی ۱۲ تاریخ تھی اور ہفتہ کا دن۔ ایک عالم نے آ کر حضرت محبوب الٰہی رح کے قدموں پر سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ مرید ہونے کے ارادے سے آیا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ایک دفعہ افغان پور میں دریا کے کنارے شام کی نماز میں مشغول تھا کہ جناب کی صورتِ پاک دیکھی۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کیونکہ پہلے اس صورت سے آشنا نہ تھا۔ الغرض جب جناب کا دیدار ہوا تو نماز ہی میں درہم برہم ہونا چاہا۔ آخر جب نماز سے فارغ ہوا تو دل میں کہا کہ مجھے مخدوم عالمیان کی خدمت میں جا کر مرید ہونا چاہئے۔ اب میں اسی مقصد سے آیا ہوں۔ جوں ہی اس عالم نے حکایت ختم کی،

---

[۱] حضرت مولانا محمد الیاس رح اور ان کی دینی دعوت، مولانا ابوالحسن علی ندوی ص ۱۵۵

محبوب الٰہیؒ نے فرمایا: ایک مرتبہ کوئی شخص دہلی سے اس نیت سے روانہ ہوا کہ بابا فریدؒ کی خدمت میں پہنچکر توبہ کرے۔ اثنا راہ میں ایک مطربہ اس کے ساتھ ہوگئی اور اس کوشش میں رہی کہ کسی نہ کسی طرح اس شخص سے تعلق پیدا کرلے۔ اس کی نیت صاف تھی۔ اس عورت کی طرف راغب نہ ہوا۔ آخرکار ایک منزل میں وہ دونوں اتنے قریب آگئے، کہ ان میں کوئی حجاب نہ رہا۔ ایسی حالت میں اُس کا دل بھی عورت کی طرف راغب ہوگیا۔ اُس سے بات کی یا ہاتھ بڑھایا۔ اسی وقت ایک آدمی کو دیکھا جس نے آکر اس مرد کے چہرے پر تھپیڑ مارا اور کہا تو تو فلاں شخص کی خدمت میں توبہ کی نیت کرکے جارہا ہے اور ایسی حرکتیں کرتا ہے۔ اسی وقت متنبہ ہوا۔ اور پھر اس عورت کی طرف نہ دیکھا۔ جب وہ شخص بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے سب سے پہلے یہی فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے تجھے اس روز بہت بچایا۔ ؎

بظاہر شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا بیان کیا ہوا یہ قصہ بالکل بے ربط معلوم ہوتا ہے آنے والے نے کچھ بات کہی اور انھوں نے کچھ اور لیکن حقیقت میں یہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے انداز اصلاح و تربیت کا بہترین آئینہ دار ہے۔ حضرت میں "نفس گیرا" بدرجہ اتم تھ انھوں نے اس عالم کی ذہنی کش مکش اور تکلیف کا پتہ لگالیا تھا۔ وہ بھی غالباً کسی جنسی پیچی اور خلش میں مبتلا تھا جس سے نجات حاصل کرنے کے لئے وہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تھ شیخؒ نے اس کی حالت کا جائزہ لے لیا اور پھر مناسب حال بابا فریدؒ کا ایک واقعہ بیا کردیا۔ جس کو دوسرے حاضرین مجلس نے غالباً بابا صاحبؒ کی کرامت کی حیثیت سے سُن لیکن آنے والے نے اس میں اپنے درد کا علاج پایا۔

(۷) اگر کوئی انسان کسی بُرائی کا شکار ہے تو اس سے یہ کہنا کہ تم اُسے چھوڑ د سود مند نہیں ہوسکتا۔ اس مطالبہ کے بعد اس میں ایک ایسی کش مکش پیدا ہوجائے گ

؎ فوائد الفواد ص ۲۲۰ - ۲۱۹

Marfat.com

اس کی خواہشات کو تحت الشعور میں اتار کر بہت سی ذہنی الجھنوں کو اُبھار دے گی۔ اس کے برخلاف اگر کسی خیال کو چھوڑ دینے کا تقاضا کرنے کے بجائے کوئی اور دلچسپی counter attraction پیدا کر دی جائے تو غیر محسوس طریقے پر وہ خیال اس کے ذہن سے نکل جائے گا۔ مثلاً ایک ایسے شخص سے جس پر جنسی جذبات کا غلبہ ہے، یہ کہنے کے بجائے کہ تم ان جذبات سے باز آجاؤ، یہ کہا جائے کہ تم ہر اس موقع پر جب کسی غیر مناسب جذبے کا شکار رہو اپنے شیخ کا تصور کر لیا کرو، تو اس پر بہت اچھا اثر پڑے گا، اور وہ اپنے جذبات پر قابو پانے کے قابل ہو جائے گا۔

قرآن کریم کے اس ارشاد میں کہ

اِنَّ الحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ

(بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں)

ایک زبردست نفسیاتی حقیقت پوشیدہ ہے۔ مشایخ چشت نے اس حقیقت کو خوب سمجھا تھا اسی بنا پر وہ کسی برائی کو دور کرنے کے لئے کسی بظاہر غیر متعلق لیکن حقیقت میں نہایت موثر نیکی کو ابھارنے کی کوشش کرتے تھے۔

(۸) انسان کی اصلاح و تربیت میں تبدیلیِ ماحول سے زیادہ موثر کوئی چیز نہیں ہے۔ مشایخ چشت کا خیال تھا کہ انسان کے بہت سے رجحانات، افکار اور احساسات ماحول ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اگر ماحول میں مناسب رد و بدل کر دیا جائے تو انسان کی بہت سی خرابیوں کی اصلاح ہو جائے۔ فوائد الفواد میں ہے کہ ایک دن صحبت پر گفتگو ہو رہی تھی تو حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا:

"صحبت را اثرِ قویست[1]"

حضرت محبوب الٰہیؒ کا صحبتِ صالح پر بڑا زور تھا۔ وہ اپنے مریدوں سے اکثر اُن کی صحبت کے متعلق دریافت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن امیر حسن سجزیؒ سے پوچھا "مصاحبت بیشتر

---

[1] فوائد الفواد۔ ص ۱۲

باکہ میکنی" پھر ہدایت فرمائی:

با عاشقاں نشیں وغم عاشقی گزیں ۔۔۔ با ہر کہ نیست عاشق کم کن از و قرین[1]

سلطان قطب الدین مبارک خلجی کی عیش پرستی کی تفصیل برنی کی تاریخ فیروز شاہی میں درج ہے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ سے اس کے تعلقات بہت خراب تھے۔ ایک مرتبہ شیخ سے اس کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے یہ حدیثِ نبوی اس کو پڑھ کر سنائی:

ما من صاحب یصحب صاحبۃ ولو ساعۃ من لیل او نہار ا لّا

یسئال اللہ عن صحبتہ ھل ادیت فیھا حق اللہ ام لا

(جو شخص کسی صالح آدمی کی صحبت میں بیٹھے گا اگر ایک ساعت ہی بیٹھا ہو تو خدا تعالےٰ اس صالح سے سوال کرے گا کہ تو نے اپنی صحبت کا حق ادا کیا یا نہیں)

"از من و تو برائے ایں صحبت ۔۔۔ (قیامت کے دن) تجھ سے اور مجھ سے

خواہند پرسید کہ بچہ نیت بود و ۔۔۔ اس صحبت کی بابت پوچھا جائے گا کہ

حقوق صحبت چگونہ رعایت یافت"۔[2] ۔۔۔ کس نیت سے تھی اور حقوق صحبت

کو کس طرح ادا کیا گیا۔

شاہ کلیم اللہ دہلویؒ اور شاہ محمد سلیمان تونسویؒ نے اپنے اصلاحی پروگرام میں ماحول کی تبدیلی پر بڑا زور دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ماحول تبدیل نہ ہونے کی صورت میں اصلاح باطن کی ساری کوششیں "کوہ کندن وکاہ برآوردن" کی مصداق رہتی ہیں۔ شاہ کلیم اللہؒ اپنے مریدین کو برابر خطوط لکھتے رہتے تھے اور ان سے ان کے ماحول کے متعلق دریافت فرمایا کرتے تھے۔ اُن کی ہدایت تھی کہ کوئی ایسا شخص جس کو تمھاری دینی جدوجہد میں دلچسپی نہ ہو تمھارا مصاحب نہیں بننا چاہیئے۔ شاہ سلیمان تونسویؒ بری صحبت کے اثرات کے سلسلے میں عوارف المعارف کی ایک عبارت نقل کیا کرتے تھے کہ ایک سانپ ایسا ہوتا ہے کہ جس پر اس کی نظر پڑ جاتی ہے وہ جل جاتا ہے۔ جب حیوانات کے یہ اثرات ہیں تو پھر برُے

---

[1] فوائد الفواد۔ ص ۲۲ ۔۔۔ [2] سیر الاولیاء۔ ص ۵۵۸

Marfat.com

انسانوں کی صحبت کے اثرات کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ [1]

(۹) مصباح الہدایت میں لکھا ہے:

"سبب خلاص نفس از مہالک ذنوب توبہ است" [2]

مشایخ کے اصلاحی طریقۂ کار میں توبہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ترکِ معصیت میں کوئی چیز اتنی ممد و معاون نہیں ہوتی جتنی توبہ۔ توبہ کے بعد انسان دوبارہ جنم لیتا ہے ماضی سے اس کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔ توبہ انسان کی زندگی میں ایک ایسا موڑ ہے جہاں سے وہ ایک نئی دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ یہ موڑ انسان کی زندگی میں جتنی جلد آجائے اچھا ہے۔ ورنہ بڑھاپے میں تو اس کے علاوہ چارہ کار ہی نہیں ہوتا۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کا قول ہے:

"توبہ و انابت در حال جوانی نیکو	"توبہ اور انابت جوانی میں ہی ٹھیک
می آید، در پیری چہ کند کہ تائب	ہے ورنہ بڑھاپے میں تائب نہ ہوگا
نہ شود" [3]	تو اور کرے گا ہی کیا؟"

مشایخ چشت نے توبہ کی تین قسمیں کی ہیں:

توبہ حال — توبہ ماضی — توبہ مستقبل

توبہ حال یہ ہے کہ انسان کئے ہوئے گناہ پر پشیمان ہو۔ توبہ ماضی یہ ہے کہ جن لوگوں کے حقوق ہیں اُن کو پورا کرے۔ اگر کسی کو بُرا بھلا کہا ہے تو اس سے معافی مانگے، کسی سے قرض لیا ہے تو وہ قرض ادا کرے۔ اگر کسی کی منکوحہ یا لونڈی سے زنا کیا تھا تو معافی نہ مانگے بلکہ اللہ کی پناہ تلاش کرے۔ اگر شراب پیتا تھا تو توبہ کرکے لوگوں کو میٹھا شربت اور ٹھنڈا پانی پلائے۔ توبہ مستقبل یہ ہے کہ نیت کرے کہ آیندہ ارتکابِ گناہ نہیں کرے گا۔

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۵۲

[2] (مطبوعہ ایران) ص ۳۶۶

[3] فوائد الفواد۔ ص ۲۱۹

Marfat.com

باب چہارم

نظامِ اصلاح وتربیت میں خانقاہ کی اہمیت

مشایخ چشت کی اصلاحی جدوجہد کا مرکز ان کی خانقاہیں تھیں۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ ان کی نوعیت اور افادیت پر یہاں غور کرلیا جائے۔

خانقاہ کے لفظی معنی پر اختلاف ہے۔ مصباح الہدایت کے ایرانی مصحح کا خیال ہے، کہ یہ لفظ خوان گاہ کا معرب ہے جس کے معنی ہیں کھانے کی جگہ۔[1] مولانا علی جاندار نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی ایک گفتگو نقل کی ہے

"می فرمودند کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ می فرمود برائے طاعت وعبادت مسجد خوب است وبرائے مشغولی ظاہر و باطن خانقاہ و در خانقاہ نشستن برائے دریافت دلہا باشد ومعنی خانقاہ بیت العبادۃ است۔ مراد از لفظ قاہ	فرمایا کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ فرماتے تھے کہ طاعت وعبادت کے لئے مسجد خوب ہے اور ظاہر و باطن کی مشغولی کے لئے خانقاہ۔ خانقاہ میں بیٹھنا ہمدردی اور دل داری کے لئے ہے خانقاہ کے معنی عبادت کے گھر کے ہیں قاہ سے مراد عبادت ہے۔ جیسا کہ کہتے

---

[1] مصباح الہدایت۔ ص ۱۵۴

Marfat.com

عبادت باشد چنانکہ گویند مردے بخدمت حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم آمد وگفت یارسول اللہ انا من اہل القاہ"۔ [۱]

ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا: "یارسول اللہ! میں اہل عبادت سے ہوں"

یہی رائے شیخ نصیر الدین چراغ رح کی بھی تھی۔ [۲]

تاسیسِ خانقاہ کے مقاصد اور فوائد یہ تھے:

(۱) شیخ کو ایک علیحدہ مخصوص مقام پر اپنے مزاج اور اصولوں کے مطابق لوگوں کی اصلاح و تربیت کا موقع مل جاتا تھا۔

(۲) مصباح الہدایت کے مصنف نے لکھا ہے:

"بنار خانقاہ بر صنعتے کہ اصل وضع او ست زینتے ست از زینتہائے ملت اسلام"۔ [۳]

اور یہ لفظ بہ لفظ صحیح ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں خانقاہیں اسلامی تہذیب و تمدن کا بہترین مرکز تھیں۔

(۳) جن دین دار لوگوں کا کوئی مسکن و ماویٰ نہ ہوتا تھا، وہ خانقاہوں میں قیام کر لیتے اور اپنے آپ کو دینی جد و جہد کے لئے وقف کر دیتے۔

(۴) مختلف طبائع اور مختلف مقامات کے افراد ایک جگہ مل جل کر رہتے اور اس طرح بہت کچھ ایک دوسرے سے حاصل کرتے۔ ان میں رابطۂ محبت قائم ہوجاتا اور اس طرح "قلوب و نفوس و ارواح و اشباح شان از پرتوِ انوار یک دیگر متعاکس و مقتبس شوند"۔ [۴]

(۵) یہ خانقاہ ایک ایسی تربیت گاہ ہوتی تھی، جہاں پہنچکر بڑے سے بڑے

---

۱ دُرر نظامیہ (قلمی) ۵۲ ب ؛ سیر الاولیاء ص ۴۵۴

۲ خیر المجالس ۔ص ۲۳۸ ؛

۳ مصباح الہدایت (مطبوعہ ایران) ص ۱۵۳

۴ مصباح الہدایت (نولکشور) ص ۱۱۸

Marfat.com

گنہگار کی ذہنی آب و ہوا بدل جاتی تھی۔ تقویٰ، دین داری، خلوص اور توکل کا یہ ماحول انسانی قلوب پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ بہت سے ناواقف لوگ مشایخ سے بحث کرنے کی نیت سے خانقاہ میں آتے، لیکن وہاں کی دینی فضا دیکھ کر ایسے مرعوب ہو جاتے کہ پھر اس در کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوتے۔

(۶) مشایخ چشت کی خانقاہیں صرف تزکیۂ باطن اور تہذیبِ نفس ہی کے لئے مخصوص نہ تھیں، بلکہ وہاں دینی تعلیم کا بھی بندوبست ہوتا تھا۔

خانقاہ سے متعلق اس گفتگو کے ضمن میں چند وضاحتیں ضروری ہیں ــــــ

(۱) صوفیہ نے اپنی عبادت کے لئے جو مخصوص جگہیں بنائی تھیں وہ رباط، خانقاہ، جماعت خانہ، زاویہ، دائرہ وغیرہ مختلف ناموں سے یاد کی جاتی تھیں۔ ان کی تنظیم اور ماحول میں کچھ فرق ہوتا تھا۔ مثلاً خانقاہوں میں رہنے والوں کے لئے علیحدہ علیحدہ حجرے ہوتے تھے۔ جماعت خانہ میں سب لوگ ایک بڑے کمرے میں ایک جگہ رہتے اور عبادت کرتے تھے۔ چشتیہ سلسلہ میں جماعت خانوں کا رواج تھا اور سہروردیہ سلسلہ میں خانقاہوں کا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ فرق نظر انداز کر دیا گیا اور صوفیوں کے مسکن عام طور پر خانقاہ ہی کہلانے لگے۔

(۲) قرونِ وسطیٰ میں بعض خانقاہیں امراء اور سلاطین کی جانب سے قائم کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس نوع کی خانقاہوں سے تعلق پیدا کرنا مشایخ چشت اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ شیخ بدرالدین غزنویؒ کا واقعہ اس سلسلہ میں اُن کے اصول کی ترجمانی کرتا ہے۔

"نظام الدین خریطہ دار نے شیخ بدرالدین غزنویؒ کے لئے ایک خانقاہ بنوائی۔ جب شیخ خانقاہ میں بیٹھے تو انہیں دنوں نظام الدین خریطہ دار حساب کی گڑبڑ میں ماخوذ ہوا اور اس کے کام میں خلل واقع ہو گیا۔ شیخ بدرالدینؒ نے شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں سارا حال لکھ بھیجا کہ ایک شخص نے میرے لئے خانقاہ تیار کی تھی

Marfat.com

اب وہ پریشاں حال ہے اور اس سبب سے میں بھی پریشاں خاطر ہوں شیخ نے جواب میں لکھا کہ جو اپنے پیروں کی سیرت اور روش پر نہیں چلتا اس کی یہی حالت ہوتی ہے۔

یعنی چوں پیران ما رارسم خانقاہ	یعنی چونکہ ہمارے پیروں کی روش
نبود او علیحدہ خانقاہی کند بنشیند	خانقاہ (قایم کرنے کی) نہ تھی، جو بھی
ازینہا بیند"۔ ؎	علیحدہ خانقاہ قایم کرکے بیٹھے گا یہی
	(انجام) دیکھے گا۔

(۳) بعض علما نے، جن میں امام ابن تیمیہؒ بھی شامل ہیں، خانقاہوں کی تعمیر پر اعتراض کیا ہے اور مسجدوں کے ہوتے ہوئے عبادت کے لئے علیحدہ جگہ بنانے کو بدعت قرار دیا ہے۔ صوفیہ نے اس خیال کی پرزور تردید کی ہے اور خانقاہوں کو دینی زندگی کی تشکیل اور تربیت میں اس لئے ضروری سمجھا ہے کہ وہاں لوگوں کے لئے شب و روز ایک مخصوص ماحول میں رہ کر اپنے افکار و اعمال کو درست کرنے اور روحانی زندگی کو جِلا دینے کا موقع ملتا تھا۔ مسجدوں کو اس طرح جماعتی یا انفرادی زندگی کی تربیت کے لئے استعمال کرنا ممکن نہ تھا۔ علاوہ ازیں جب مقصد عبادت اور ذکر الٰہی ہو تو تعمیر خانقاہ کو کسی طرح بدعت نہیں کہا جا سکتا۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے عوارف المعارف میں خانقاہ سے متعلق باب ؎ کی ابتدا اس ارشاد باری تعالیٰ سے کی ہے:

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع	وہ ایسے گھروں میں عبادت کرتے
و یذکر فیھا اسمہ یسبح لہ	ہیں جن کی نسبت اللہ نے حکم دیا ہے
فیھا بالغدو و الآصال رجال	کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں
لا تلھیھم تجارۃ و لا بیع	اللہ کا نام لیا جائے۔ ان میں ایسے

؎ فوائد الفواد ص ۹۷؛

؎ عوارف المعارف (بیروت ۱۹۶۶ء) الباب الثالث عشر؛ فی فضیلۃ سکان الرباط ص ۱۰۳

Marfat.com

عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وإیتاء الزکوٰۃ یخافون یوماً تتقلب فیہ القلوب والابصار
سورۃ النور، ۳۷-۳۶

لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جن کو اللہ کی یاد سے نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت، ایسے دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں اُلٹ جاویں گی۔

اور خانقاہ والوں کو اہل صفہ کے مشابہ بتایا ہے۔ [1]

(۵) خانقاہ کے نظام اور رہنے والوں کی ذمہ داریوں کے متعلق نہایت مفصل اصول اور قواعد وضع کئے گئے تھے۔ ہر شخص سے خواہ وہ مستقل وہاں رہتا ہو یا مسافر کی حیثیت سے آیا ہو، ان قواعد کی پابندی کی توقع کی جاتی تھی۔ عوارف المعارف میں یہ اصول نہایت تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ متقدمین صوفیائے سلسلہ چشت اپنے خاص خلفاء کو عوارف کا درس اس لئے دیتے تھے تاکہ وہ خانقہی نظام کے مقصد ومنہاج سے پوری طرح واقف ہو جائیں۔

---

[1] عوارف المعارف ص ۱۱۰-۱۰۷

باب پنجم

اخلاقی شخصیت کی تعمیر

اخلاقی شخصیت کی تعمیر کا کام سب سے زیادہ اہم لیکن سب سے زیادہ مشکل کام تھا جو مشایخ نے ''سنتِ نبوی'' اور ''کارِ نبوت'' سمجھ کر اپنے ذمہ لیا تھا۔ خالق کائنات نے جن حقائق کی قسم کھا کر انسان کو ان تاریخی شواہد کی طرف متوجہ کیا ہے جن کا نقش ''زمانہ'' پر ثبت ہے، اُس کی سچائی پر ان کا ایمان تھا اور وہی اُن کی اصلاحی جدوجہد کا بنیادی تصور تھا۔ یعنی

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

چنانچہ اخلاقی شخصیت کی تعمیر کا کام ان ہی چار بنیادوں پر ترتیب دیا جاتا تھا ——

(۱) —— ایمان

(۲) —— نیک عمل

(۳) —— حق پر استقامت کی تلقین

(۴) —— صبر پر قایم رہنے کی ہدایت

ایمان ایمان کے لئے دینی تربیت کی ضرورت تھی۔ چنانچہ مشایخ چشت کا عقیدہ تھا کہ ایمان کی پختگی ارکان اسلام کی پابندی پر منحصر

Marfat.com

ہے۔ اس پابندی میں جتنا خلوص اور جتنی استقامت ہو گی اسی قدر اخلاقی شخصیت مضبوط اور محکم ہو گی۔ اور انسان میں "محکم چو کوہساراں" جینے کی صلاحیت پیدا ہو جائیگی۔

(۱) نماز: مشائخ چشت نہ صرف خود نماز باجماعت کی پابندی کرتے تھے بلکہ تمام متعلقین اور منسلکین سلسلہ پر اس معاملہ میں سختی برتتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیارؒ کے متعلق لکھا ہے کہ "درآں باب (نماز باجماعت) نیکو غلو فرمود"[۱] کہتے تھے کہ اگر دو آدمی بھی ہوں تو جماعت قایم کرلینی چاہیئے۔[۲]

"گذشتہ انبیار کے زمانہ میں مسجد کے علاوہ کہیں نماز درست نہ تھی۔ ہمارے آقا کے مبارک زمانہ میں یہ آسانی ہوئی کہ جہاں چاہیں نماز پڑھ لیں۔ تمام روئے زمین مسجد کے حکم میں ہے"[۳]

حضرت چراغ دہلیؒ اپنی مجلسوں میں نماز باجماعت کی بار بار تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ملفوظات مشائخ میں بہت سے ایسے واقعات بیان کئے گئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت کی نماز کا قضا یا فوت ہو جانا برسوں کے مجاہدے پر پانی پھیر دیتا ہے۔ اور کسی انسان کی اخلاقی شخصیت اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک وہ نماز باجماعت کا اہتمام پورے طور پر نہ کرے۔ نماز کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل واقعات بہت سبق آموز ہیں:

(ا) کیسا ہی سکر کا غلبہ ہو لیکن نماز کی پابندی ملحوظ رکھی جاتی تھی۔ قطب صاحبؒ کئی دن تک سماع میں وجد کی کیفیت میں رہے لیکن نماز کی پابندی میں فرق نہ آیا۔ بابا فریدؒ نزع کی حالت میں بار بار نماز پڑھتے تھے اس خیال سے کہ کہیں نماز چھوٹ تو نہیں گئی۔

(ب) شیخ نظام الدین اولیارؒ کہتے تھے: "اگلے لوگ آدمی کا امتحان نماز سے کیا کرتے تھے، جو شخص نماز اچھی پڑھتا تھا اور اس کے ارکان تمام وکمال ادا کرتا تھا اس میں

---

[۱] و [۲] فوائد الفواد ص ۱۰۶

[۳] سیر الاولیار ترجمہ ۳۸۶؛

[۴] خیر المجالس ص ۳۳؛

وعظ و نصیحت قبول کرنے کی اہلیت دیکھتے تھے۔" [1]

(ج) نماز بغیر حضور قلب ممکن نہیں[2] (لا صلوٰۃ الا بحضور القلب) ___ شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے ایک باکمال مرید حسن افغان نے ملتان کی ایک مسجد میں نماز پڑھی جب سب نمازی چلے گئے تو وہ امام کے پاس آہستہ آہستہ چل کر آئے اور فرمایا: اے خواجہ! تو نے جب نماز شروع کی تو میں نے جماعت میں شریک ہو کر تیری اقتدا کی مگر افسوس! تو نماز کو چھوڑ کر یہاں سے دہلی گیا اور چند غلام اور لونڈیاں خرید کر واپس آیا۔ پھر ان لونڈی غلاموں کو خراسان لے گیا اور وہاں سے ملتان آیا۔ میں بھی تیرے پیچھے پیچھے نہایت حیرانی اور پریشانی کی حالت میں پھرتا رہا۔ آخر بتا تو یہ کس قسم کی نماز ہے؟ ___ یہ واقعہ جو مشایخ چشت اکثر اپنی مجلسوں میں بیان کرتے تھے[3] بہت سے ایسے لوگوں پر صادق آتا ہے جو نماز میں حضور قلب سے محروم رہتے ہیں اور جن کا دل افکار دنیاوی میں پھنسا رہتا ہے۔

(د) بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ سالک جب معرفت کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے تو نماز کی تکلیف اس سے ساقط ہو جاتی ہے اس لئے کہ وہ ہر وقت روحانی طور پر نماز میں مصروف رہتا ہے۔ یہ خیال سراسر گمراہی ہے۔ "جس طرح انسان کے لئے جسم اور روح ہوتی ہے اسی طرح نماز کے لئے بھی جسم و روح ہے۔ اس کا قالب ارکان اور روح حضور ہے[4]"۔ جس طرح بغیر قالب کا انسان نہیں ہو سکتا ویسے ہی بغیر ارکان نماز نہیں ہو سکتی۔ اس نوعیت کے تصورات فریب نفس سے زیادہ نہیں۔ مشایخ چشت نے نہایت سختی سے ان خیالات کی مذمت کی ہے۔

(۲) روزہ۔ سلطان المشایخ رح کا قول ہے کہ روزہ بدکار کے لئے ڈھال اور

---

[1] سیر الاولیاء (ترجمہ) ص ۳۸۸

[2] سیر الاولیاء ص ۳۹۶

[3] فوائد الفواد ص ۱۰ ؛ سیر الاولیاء ص ۳۹۳ ؛ خیر المجالس ص ۲۵۶ ؛

[4] سیر الاولیاء (ترجمہ) ص ۳۹۰ ؛

Marfat.com

نیکو کار کے لئے جنت ہے[۱]۔ شاہ سلیمان تونسوی فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ رمضان کے روزے اِس عذر سے چھوڑتے ہیں کہ ان سے خشکی ہوتی ہے وہ گمراہی نفس کا شکار ہیں[۲]۔ شیخ نظام الدین اولیاء احیاء العلوم کے اس جملے کو اپنی مجلس میں پڑھا کرتے تھے:

"الصوم نصف الصبر والصبر نصف الایمان"

یعنی روزہ نصف صبر ہے اور صبر نصف ایمان ہے۔[۳]

روزہ سے صبر کی عادت پختہ ہوتی ہے اور صبر ایمان کو پختہ کرتا ہے۔

(۳) زکوٰۃ۔ حضرت محبوب الٰہی فرمایا کرتے تھے کہ نماز اور زکوٰۃ توام ہیں[۴] جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اس کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ میر خورد نے محبوبِ الٰہی کے قلم سے لکھی ہوئی یہ عبارت دیکھی تھی:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما منع قوم من الزکوٰۃ الا حبس اللہ عنہم المطر ولولا البہائم لم تمطر[۵]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قوم زکوٰۃ ادا کرنے سے باز رہتی ہے خدا تعالےٰ اُن سے بارش روک لیتا ہے اور اگر بہائم نہ ہوتے تو کبھی مینھ نہ برسایا جاتا۔

(۴) حج۔ صاحبِ استطاعت پر فرض ہے۔ بعض لوگ یا تو سیر و تفریح یا نمود کی خاطر حج کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ اس چیز کو مشائخ چشت نے اچھا نہیں سمجھا۔ وہ کہتے

---

[۱] سیر الاولیاء میں روزہ کی فضیلت پر تفصیلی بحث ہے۔ ص ۴۰۲ - ۳۹۹ -

[۲] نافع السالکین۔ ص ۱۰۹

[۳] فوائد الفواد۔ ص ۵،

[۴،۵] سیر الاولیاء۔ ص ۴۰۰ - ۴۰۲

تھے کہ مکان کے بجائے مکین کو تلاش کیا جائے تو بہتر ہے ع

آں رہ بسوئے کعبہ بر د وایں بسوئے دوست

حج کے سلسلے میں مشایخ چشت کے رویے کی وضاحت کے لئے سیر الاولیاء اور مکتوبات شیخ الاسلام میں مولانا حسین احمد مدنیؒ کا وہ خط جو انھوں نے ایک مرید کے نام حج کے سلسلے میں لکھا ہے، مطالعہ کرنا چاہیئے۔

(۵) اتباعِ شریعت۔ مشایخ چشت، خود زندگی کے ہر شعبہ میں اتباعِ شریعت وسنت کا اہتمام کرتے تھے اور مریدین کو بار بار ہدایت کرتے تھے کہ فکر وعمل کے ہر گوشہ میں سنتِ نبوی اور شریعت کو اپنا رہبر بنائیں جس نے اس کو نظر انداز کیا وہ راہِ سلوک میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ عمل کی بات تو پھر بھی واضح تھی، حکم یہ تھا کہ کوئی خطرہ بھی دل میں گزرے تو قبول نہ کیا جائے جب تک دو گواہ — کتاب اللہ اور سنت رسول — اس کے لئے نہ مل جائیں[۱]۔ شاہ کلیم اللہؒ اپنے خلفاء کو لکھتے ہیں:

"ہمہ داخلان طریقت را تاکید	سب داخلان طریقت کو تاکید کریں
نمایند کہ ظاہر شریعت آراستہ	کہ اپنا ظاہر شریعت سے آراستہ
دارند و باطن بعشق مولیٰ پیراستہ	رکھیں اور باطن کو عشق مولیٰ سے
سازند"[۲]	سجائیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تصنیف السنۃ الجلیہ فی الچشتیہ العلیہ[۳] میں متعدد ملفوظات و تذکروں کی مدد سے مشایخ چشت کا اتباع سنت و شریعت میں انہماک ثابت کیا ہے۔

عمل — مشایخ چشت ایمان کی صحیح کیفیت پیدا کرنے کے بعد، عملی زندگی کو اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی چاکری میں لگانے کی کوشش کرتے تھے۔ رات دن ان کی کوشش

---

[۱] سیر الاولیاء ۴۰۵ ترجمہ ص ۳۹۰؛

[۲] مکتوبات کلیمی م ۱۲۹، ص ۹۵ [۳] یہ کتاب بڑی محنت سے مرتب کی گئی ہے لیکن بعض موضوع ملفوظات کو شہرت عام کی بنا پر قبول کرلیا گیا ہے جس سے کتاب کی تحقیقی حیثیت پر اثر پڑ گیا ہے۔ لیکن بنیادی طور پر جو بات کہی گئی ہے اس کی صداقت مسلم ہے۔

Marfat.com

یہ ہوتی کہ انسان کے اخلاق ذمیمہ کو دور کر کے اس کی شخصیت کو جلا دی جائے۔

بابا فریدؒ فرمایا کرتے تھے کہ پیر مشاطہ کی مانند ہوتا ہے یعنی جس طرح مشاطہ، دلہن کو بناتی اور سنوارتی ہے، اسی طرح پیر اپنے مرید کے اخلاق و عادات کو سنوارتا ہے۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے حسنِ اخلاق کا کمال حضرت علیؓ کی بیان کی ہوئی ان تین چیزوں میں پایا تھا ———

(۱) —— لوگوں سے خندہ پیشانی کا برتاؤ۔

(۲) —— کسبِ حلال۔

(۳) —— بندگانِ خدا پر توسع۔ [۱]

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تین چیزیں زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہیں۔ اُن کا خیال رکھنے سے زندگی کا ہر شعبہ سنور سکتا ہے۔ شیخ ابراہیم ادہمؒ سے کسی نے اسم اعظم پوچھا۔ جواب دیا "پیٹ کو حرام لقمہ سے پاک رکھو اور دل سے دنیا کی محبت کو دور کر دو۔ پھر جو اسم الٰہی پڑھو گے وہی اسم اعظم ہوگا۔" [۲]

تعلیمِ اخلاق کے سلسلہ میں مشایخ چشت کا اصرار جن چیزوں پر خصوصیت کے ساتھ تھا وہ یہ ہیں:

(۱) اصلاحِ نیت۔ نیت کی درستگی، مشایخ کی نظر میں، سب سے زیادہ اہم تھی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ فرمایا کرتے تھے:

"اصل نیت صالح می باید، زیرا نچہ نظر خلق بر عمل است اما خدائے تعالیٰ را نظر بر نیت است۔" [۳]

(۲) استقامت۔ مشایخ کا کہنا تھا کہ بغیر استقامت انسان کچھ حاصل نہیں کر سکتا

---

[۱] سیر الاولیاء۔ ص ۵۶۰

[۲] فوائد الفواد۔ ص ۹۰؛

[۳] فوائد الفواد۔ ص ۲۷، نیز ملاحظہ ہو سیر الاولیاء

Marfat.com

"یک در گیر و محکم گیر"[۱] انسانی زندگی کا اصول ہونا چاہیئے۔ ابتدا میں ہر کام مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن جب صدق دل سے جاری رکھا جاتا ہے تو آسان ہو جاتا ہے۔[۲]

(۳) جو بات اپنے لئے پسند نہیں وہ دوسرے کے لئے بھی پسند نہیں کرنی چاہیئے۔ ایک شخص خواجہ اجل شیرازیؒ کا مرید ہوا اور اوراد و وظائف کی خواہش کی۔ فرمایا "جو بات اپنے لئے پسند نہیں کرتا وہ اوروں کے لئے پسند نہ کر اور اپنے لئے اسی بات کی خواہش کر جس کی اوروں سے خواہش کرتا ہے۔"[۳]

(۴) توکل۔ فوائد الفواد،[۴] تحفۃ النصائح،[۵] سیر الاولیاء،[۶] اور مشائخ چشت کی دیگر کتابوں میں توکل کی اہمیت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے۔

"اعتماد بر حق باید کرد و نظر بر ہیچ کس نباید داشت"[۷]

توکل کے معنی مشائخ کی نظر میں یہ نہ تھے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے۔ چراغ دہلیؒ فرماتے ہیں:

"کسب کرنا مانع توکل کا نہیں ہے۔ اگر کوئی عیال دار کچھ کسب کرے اور نظر اُس کے دل کی اس کسب پر نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو وہ متوکل ہے۔"[۸]

(۵) عفو۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ "غصہ کے پی جانے سے معاف کر دینا بہت بہتر ہے، کیونکہ جو شخص غصہ پی جاوے اور معاف

---

۱ فوائد الفواد۔ ص ۲۹

۲ فوائد الفواد۔ ص ۲۸ - ۲۷

۳ فوائد الفواد۔ ص ۴۸ ۴ فوائد الفواد ص ۱۰۱

۵ تحفۃ النصائح شیخ یوسف گدا (مطبع نور، لاہور) ص ۴۷

۶ باب دہم ص ۲-۵۵۱ ۷ فوائد الفواد ص ۱۰۱

۸ خیر المجالس ص ۵۶

نہ کرے تو ممکن ہے کہ اس کے دل میں کینہ جڑ پکڑ جائے"۔ [۱]

عفو درگزر کا معاملہ مخالف کی زندگی ہی میں نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی کیا جاتا تھا۔ چھجو نامی ایک شخص حضرت محبوب الٰہیؒ کو ہمیشہ بُرا کہتا اور درپئے آزار رہتا تھا۔ اس کے انتقال کے تیسرے دن شیخ اس کی قبر پہ گئے اور دعا کی ——

"الٰہی! او ہر چہ در حق من بد گفت	الٰہی! اس نے مجھے جو برا کہا اور میرے
و بد اندیشید من از و عفو کردم تو	لئے جو برا سوچا میں نے اس کو معاف
از جہت من او را عقوبت نکنی"۔ [۲]	کیا۔ تو میری وجہ سے اسے سزا نہ دینا"۔

(۶) ایثار۔ حضرت چراغ دہلیؒ قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ کر
وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط
(پسند کرتے ہیں غیروں کو اپنی جانوں پر، اگرچہ خود حاجت مند ہوں)
ایثار کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ [۳] اس سلسلے میں اُن کی بیان کی ہوئی بعض حکایتیں [۴] پڑھ کر بے اختیار آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔

(۷) دیانت داری۔ خیر المجالس، فوائد الفواد، سرور الصدور، نافع السالکین میں متعدد جگہ حاضرین مجلس کے ذہنوں پر یہ بات بٹھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ معاملات میں دیانت داری، فارغ البالی اور مسرت کی ضمانت ہے۔ فوائد الفواد میں بتایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ لاہور صرف اس وجہ سے تباہ ہوا تھا کہ وہاں کے تجار نے گجرات میں اپنے مال کی زیادہ قیمت وصول کی تھی۔ [۵] سرور الصدور میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو اس نیت

---

[۱] حلم وعفو پر سیر الاولیاء (ص ۵۵۶ - ۵۵۲) کے صفحات مطالعہ کے قابل ہیں۔

[۲] فوائد الفواد ص ۹۵؛

[۳] خیر المجالس۔ ص ۹۱؛

[۴] خیر المجالس۔ ص ۱۶۹ - ۱۶۶؛

[۵] فوائد الفواد۔ ص ۱۱۶

سے غلہ کو جمع کرتے ہیں کہ جب قیمت بڑھ جائے تب فروخت کریں[1] محتکر اس لیے برا ہے کہ وہ دوسروں کی پریشانی سے فائدہ اٹھاتا ہے ۔

(۸) عیب جوئی سے پرہیز[2] ملفوظات میں جگہ جگہ اس مذموم عادت کو چھوڑنے کی تلقین کی گئی ہے ۔عیب جوئی کی عادت انسان کو بےکار کر دیتی ہے ۔اس کی تعمیری اور عملی صلاحیتیں، تخریبی اور تنقیدی کاموں میں الجھنے سے فنا ہو جاتی ہیں ۔

(۹) تحمل ۔ تحمل کو "کار صدیقان"[3] بتا کر اس کی تلقین کی گئی ہے ۔

علاوہ ازیں مشایخ چشت نے اپنے مریدین و متعلقین کو اسلامی آداب سکھانے کی بڑی کوشش کی، اور اس سلسلہ میں انھوں نے صدہا سنن نبوی کو زندہ کیا ۔ تفصیل کی تلاش ہو تو سیر الاولیار کے باب ہفتم[4] کا مطالعہ کرنا چاہیئے ۔

حق اور صبر پر استقامت کی تلقین ایمان اور عمل صالح کے بعد جو چیز انسانی سماج کے لئے فوز و کامرانی کی ضمانت ہو سکتی ہے وہ دوسروں کو حق اور صبر پر قایم رہنے کی تلقین ہے ۔ جو حق پر قایم رہ کر صبر سے کام لیتا ہے، اللہ اس کے پیکر خاکی میں ایسی قوت بیدار کر دیتا ہے کہ وہ حالات گرد و پیش کی نامساعدت کے باوجود اطمینان اور استغنا کی زندگی بسر کر سکتا ہے ۔جو شخص اللہ کے بندوں کو اس راز سے آگاہ کرتا ہے وہ نہ صرف اخلاقی شخصیت کی تعمیر بلکہ سماج کا صحیح مزاج برقرار رکھنے میں مددگار رہتا ہے ۔شاہ عبدالعزیز دہلوی رح نے وتواصوا بالحق اور وتواصوا بالصبر کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تعمیر شخصیت میں اس کی اہمیت کو اس طرح واضح کیا ہے:

ایں دو لفظ یعنی حق و صبر اشارہ   اور ان دونوں لفظوں کے لانے میں

---

[1] سرور الصدور (قلمی)

[2] فوائد الفواد ۔ ص ۲۲۰ - ۲۲۶

[3] فوائد الفواد ۔ ص ۲۳۰

[4] سیر الاولیار ۔ ص ۴۰۰ - ۴۲۰

Marfat.com

باآنست کہ مرتبہ ارشاد و تکمیل بمنزلۂ
طبابت روحانی ست و در طبابت از
دو چیز ناگزیر ست، اول تجویز دوا،
دوم فرمودن پرہیز، پس وتواصوا
بالحق اشارت بمنزلۂ مداواست،
وتواصوا بالصبر کنایت از بیان
پرہیز، وبدون این دو امر عظیم حصول
صحت روحانی از محالات ست و
چوں این ہر دو امر سرانجام یافت امر
طبابت روحانی درست شد و کارخانہ
ارشاد تکمیل انتظام پذیرفت و ریجے و
سودے کہ دریں کارخانہ حاصل
می شود از حد حساب افزوں و از احاطہ
قیاس بیرونست، زیرا کہ ہر کہ عمل
بوصیت صاحب ارشاد می نماید ثواب
او در جریدۂ اعمال این کس نوشتہ
می شود و این سلسلہ تا روز قیامت منقطع
نیست ولہذا ثواب کبار صحابہ را کہ
بارشاد و تکمیل آنہا تمام امت اصلاح
میرونند و ہمچنیں مجتہدین کبار کہ مذاہب
ایشاں تا روز قیامت مطبوع است
و ارباب خانوادہ ہائے طریقت کہ
بوصایائے آنہا طالبان و مریدان تا

یعنی حق اور صبر کا اشارہ اس بات
کی طرف ہے کہ مرتبہ ارشاد و تکمیل کا
روحانی طبابت کے مانند ہے۔ اور
طبابت میں دو چیزیں ضروری ہیں۔
اول دوا کی تجویز، دوسرے پرہیز کرانا۔
پس تواصوا بالحق دوا کرنے کی طرف
اشارہ ہے اور تواصوا بالصبر کنایت
ہے پرہیز سے۔ سو بغیر ان دونوں امر عظیم
کے صحت روحانی کا حاصل ہونا محال
ہے اور جب یہ دونوں باتیں سرانجام
کو پہنچیں تو طبابت روحانی کا کام درست
ہو گیا اور ارشاد و تکمیل کا کارخانہ جم
گیا اور جو فائدہ اور منفعت کہ اس کارخانے
میں حاصل ہوتا ہے اندازہ سے حساب
کے اور احاطہ سے قیاس کے باہر ہے
اس واسطے کہ جو شخص صاحب ارشاد
یعنی مرشد کی وصیت کے مطابق عمل کرتا
ہے تو ثواب اس کے عمل کا اس بتانے
والے کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جاتا
ہے اور یہ سلسلہ قیامت کے دن تک
تمام نہ ہوگا اسی واسطے صحابہ کرام کا
ثواب کہ اُن کے ارشاد اور تکمیل کے
سبب سے تمام امت صلاحیت کی

Marfat.com

تا منتہائے عمر دنیا عمل کردہ می روند و بمراتب قرب می رسند، ہیچ ثواب برابری نمی کند"۔ ؎۱

راہ چلتی ہے اور اسی طرح بڑے مجتہد کہ اُن کے مذہبوں پر لوگ قیامت کے دن تک چلتے رہیں گے اور اسی طرح طریقت کے خانوادے کہ ان کی وصیتوں سے طالب اور مرید دنیا کی زندگی بھر نیک عمل کئے جاتے ہیں اور قرب کے مرتبوں کو پہنچتے ہیں کوئی ثواب اس کے برابر نہیں ہو سکتا ۔

"حق" کے اصلی معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں یعنی سچائی کے سب سے بڑے مرکز، حق تعالیٰ، سے سچی وابستگی پیدا کرنا اور اس کے وجود کو حاضر و ناظر جان کر اپنی زندگی کو سنوارنا اور اس کے احکام کی پابندی کرنا۔ اس سے انسان کی شخصیت میں جلا پیدا ہوتی ہے اور وہ منشاء الٰہی کو پورا کرنے کے قابل بنتا ہے ۔

مشایخ اپنے مریدین کو حق پر استقامت کا سبق دیتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اللہ کے بتائے ہوئے احکام کی پابندی سے انسانی زندگی میں وقار اور ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ حق پر قایم رہنے کے لئے پوری ہمت اور جرأت سے حالات کا مقابلہ کرے اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملائے اور سچی بات کو نہ چھپائے (ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق) اعلاء کلمۃ الحق کے سلسلہ میں سختیاں اور مظالم سہنے پڑیں تو دل میں ذرہ برابر بھی کمزوری کا گزر نہ ہونے دے۔ بھوک اور فاقہ کی شدت یا مادی سہولتوں کی کشش اس میں ابتلاء و مصائب کی زندگی کو ترک کرنے کی ہلکی سی خواہش بھی پیدا نہ ہونے دے۔ گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہو تو "امروز ما مہمان خدا ایم" کہہ کر توکل اور فقر کی زندگی اختیار کرے لیکن کسی بادشاہ کا وظیفہ یا

؎۱ تفسیر فتح العزیز (مطبع مجتبائی ۱۳۴۵ھ) ص ۲۷۶ ؛ ترجمہ تفسیر فتح العزیز، محمد حسن خاں، (مطبع مصطفائی لکھنؤ ۱۲۶۱ھ) ص ۲۲۰

Marfat.com

ادرار قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو۔ مخالفت کی ہوائیں چاہے ہر طرف سے اُسے گھیر لیں لیکن اس کے پائے ثبات میں ذراسی بھی لغزش نہ پیدا ہو۔ اور وہ "بُنیان مرصوص" (سیسہ پلائی ہوئی بنیاد) کی طرح حق پر قایم رہے[1]۔ حق پر یہ استقامت نفوس انسانی میں نہ صرف جلا پیدا کر دیتی ہے بلکہ ان کو "بندۂ مولا صفات" کی اس منزل پر پہنچا دیتی ہے جہاں انسان اپنے ماحول کا غلام نہیں رہتا بلکہ حاکم بن جاتا ہے۔

"صبر" کے لغوی معنی "روکنے اور سہارنے" کے ہیں۔ یعنی نفس کو اضطراب اور گھبراہٹ سے روکنا۔ اس کے معنی بے بسی کی خاموشی یا انتقام نہ لے سکنے کی مجبوری کے نہیں ہیں بلکہ پوری ہمت، اخلاقی جرأت اور دل کی مضبوطی کے ساتھ نتایج کو اللہ کے حوالے کر دینا اور مشکلات کو خاطر میں نہ لانا۔ امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں:

"صبر" کے معنی ہیں اپنے جی کو اس طرح روکے رکھنا جس طرح کہ عقل اور شرع کا تقاضہ ہے.... پس صبر ایک عام لفظ ہے جس کے مختلف مواقع کے اعتبار سے مختلف نام ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی مصیبت پر تھما جا رہا ہے تو یہ صبر کے سوا کسی اور نام سے موسوم نہیں ہوگا۔ جزع (گھبراہٹ) اس کی ضد ہوگا اور اگر جنگ میں ہو تو شجاعت سے موسوم ہوگا اور جُبن (بزدلی) اس کی ضد ہوگا، اور اگر کسی ملول کر دینے والے حادثہ میں ہوگا تو رحب الصدر (کشادہ دلی) سے موسوم ہوگا اور ضجر (تنگ دلی) اس کی ضد ہوگا۔ اور اگر بات کو روکے رکھنے کے بارے میں ہوگا تو کتمان (چھپانا) سے موسوم ہوگا اور مَذَل (تنگ دل ہو کر فاش کر دینا) اس کی ضد ہوگا۔ اور حق تعالیٰ شانہٗ نے ان سب باتوں کو صبر سے موسوم فرمایا ہے۔"[2]

امام قشیریؒ اور امام غزالیؒ نے صبر کی نوعیت اور اس پر قایم رہنے کی روحانی برکت اور فضیلت

---

[1] عوارف المعارف (اردو ترجمہ) ص ۱۳۳

[2] بحوالہ لغات القرآن جلد ۴ ص ۱۱

Marfat.com

پر انتہائی بصیرت افروز بحث کی ہے، اور یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلعم سے ایمان کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: "صبر"۔ [1]

مشایخ چشت کے ملفوظات سے اگر وہ واقعات اخذ کر کے جمع کئے جائیں جن میں "حق" پر قایم رہنے اور "صبر" کا سہارا پکڑنے کی تلقین کی گئی ہے تو ایک مستقل کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جہد وسعی کا میدان ایمان کی صحیح شان پیدا کرنے، نیک عمل کی طرف بلانے، اور حق اور صبر پر قایم رہنے کی تلقین کو قرار دیا تھا اور اسی کو وہ سیرت سازی کے کام کی روح سمجھتے تھے۔

---

[1] کیمیائے سعادت ص ۴۱۴

باب ششم

خلفاء اور خاص مُریدین کی تربیت

مشایخ چشت کی خدمت میں مختلف قسم کے لوگ حاضر ہوتے تھے، اُن کی ذہنی صلاحیتیں، ضروریات اور مقاصد مختلف ہوتے تھے۔ چنانچہ مشایخ کو اُن کی اصلاح و تربیت کے لئے مختلف طریقے اور تدابیر اختیار کرنی پڑتی تھیں۔ آنے والوں میں عموماً چار طرح کے لوگ ہوتے تھے:

(۱) خلفاء:

(۲) مخصوص مریدین (یعنی وہ لوگ جن کو خلافت سے تو نہیں نوازا جاتا تھا لیکن اُن کی اصلاح کی طرف خاص توجہ کی جاتی تھی اور وہ اکثر و بیشتر شیخ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے)۔

(۳) عام مریدین (جو بیعت کرنے کے بعد عموماً شیخ سے جدا ہو جاتے تھے اور کبھی کبھی شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے)۔

(۴) عوام (وہ لوگ جو مختلف دینی یا دنیاوی مقاصد کے لئے آتے تھے)

خلفاء کی تربیت جن مریدوں کو مشایخ خرقۂ ولایت[1] دینا چاہتے تھے۔ ان کی اصلاح و تربیت کی طرف خاص طور سے توجہ فرماتے تھے۔

---

[1] مصباح الہدایت میں اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے: (باقی اگلے صفحہ پر)

ان خلفاء پر سلسلہ کی آیندہ ترقی کا انحصار ہوتا تھا، اس بنا پر ان کی شخصیت کی تعمیر میں بڑی محنت کی جاتی تھی۔ اور ان کی ظاہری اور باطنی زندگی کے ہر ہر گوشہ کو پرکھا جاتا تھا۔ شیخ کی یہ اصلاحی جدوجہد اس وقت تک جاری رہتی تھی جب تک اس کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ اب خلیفہ میں سلسلہ کے نظام کو سنبھالنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے۔

ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے حضرت محبوب الہٰیؒ سے دریافت کیا کہ خلافت کے لئے کن اوصاف کی ضرورت ہے تو فرمایا:

"اوصاف ایں کار بسیار است فاما دراں ایام کہ خواجہ من مرا بدولت خلافت خود رسانید، روزے مرا گفت باری تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق دادہ است و ہر کہ بدیں سہ صفت موصوف باشد از و خلافت مشایخ نیکو آید" [1]

اس کام کے لئے بہت سے اوصاف درکار ہیں۔ لیکن جس زمانہ میں کہ میرے خواجہ نے مجھے دولتِ خلافت عنایت فرمائی تھی، ایک دن مجھ سے یوں فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ نے تجھے علم، عشق، عقل تینوں چیزیں عنایت فرمائی ہیں۔ اور جو شخص ان تینوں چیزوں کے ساتھ موصوف ہو، اسے مشایخ کی خلافت سزاوار ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مشایخ کرام خلیفہ کی ان ہی تین صلاحیتوں ___ علم، عقل، عشق ___

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

"وآں آنست کہ چوں شیخ در مرید آثارِ ولایت و علامتِ وصول بدرجۂ تکمیل و تربیت مشاہدہ کند و خواہد کہ او را بنیابت و خلافت خود نصب کردہ بطرفے فرستد او را در تصرف و تربیت خلق ماذون گرداند، وے را خلعتِ ولایت و تشریف عنایت خود پوشاند تا مدد نفاذ امر او و موجب سرعت مطاوعت خلق گردد۔" (ص ۱۵۰، مطبوعہ ایران)

[1] سیر الاولیاء ص ۳۴۵

Marfat.com

کو صیقل کرنے کی کوشش فرمایا کرتے ہیں۔ ان کی اصلاحی جد وجہد کا مقصد ان قوتوں اور صلاحیتوں کو اس طرح پر ابھارنا ہوتا تھا کہ ان کے ذریعے دوسروں کی باطنی زندگی کو سدھارنے کا کام لیا جا سکے۔ خلیفہ کے لئے صرف یہ ہی ضروری نہ تھا کہ اس میں ذاتی کردار کی خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہوں، بلکہ یہ بھی ناگزیر تھا کہ وہ دوسروں کو پوری طرح پر متاثر کرنے کی قوت رکھتا ہو۔

(۱) علم

خلافت کے لئے جو لوگ منتخب کئے جاتے تھے وہ علومِ ظاہری میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ چشتیہ سلسلہ کے مشایخ کا یہ ایک محکم اصول تھا کہ وہ کبھی ایسے شخص کو خلافت نہ دیتے تھے جس نے علومِ ظاہری کی تکمیل نہ کر لی ہو[1]۔ اس پابندی میں بہت سی دینی مصلحتیں تھیں۔ ایک بے علم انسان نہ تو خود تصوف کے اسرار کو سمجھ سکتا ہے اور نہ ایک حاذق طبیب کی طرح امراضِ ملت کی صحیح تشخیص اور علاج کر سکتا ہے۔ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے صرف اہلِ علم کو خلافت دینے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ

در صحبت او ضلالت رواج نخواہد گرفت [2]

(اس کی صحبت میں گمراہی رواج نہیں پائے گی)

لیکن یہ علم خلفاء کے لئے کافی نہ ہوتا تھا، اس لئے مشایخ کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان کو کچھ اہم مذہبی کتابوں کا درس اپنے طریقے پر دیا جائے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ

---

[1] بابا فریدؒ اور حضرت محبوب الٰہیؒ نے کسی ایسے شخص کو خلافت نہیں دی جو صاحب علم نہ ہو (ملاحظہ ہو سیر الاولیاء) اخی سراجؒ۔ محبوب الٰہیؒ کے عزیز ترین مریدین میں تھے۔ لیکن شیخؒ نے اُن کو اس وقت تک خلافت عطا نہ فرمائی جب تک انھوں نے علومِ ظاہری کی تکمیل نہ کر لی۔

[2] مکتوبات کلیمی۔ ص ۴۵۔ مکتوب ۴۴، ۵۲، ۶۹، ۹۴ میں اُنھوں نے خلافت کے لئے علم کے ضروری ہونے پر گفتگو کی ہے۔

کو ان کے پیر نے قرآن پاک، عوارف المعارف اور تمہید ابو شکور سالمی کا درس دیا تھا[۱]
بعد کو چشتیہ سلسلہ کے بزرگ اپنے خلفاء کو بہت سی دیگر کتابوں کا بھی درس دینے لگے
تھے۔ مثلاً احادیث نبویؐ۔ احیاء العلوم۔ قوت القلوب۔ مکتوباتِ عین القضاۃ، فصوص الحکم
فتوحاتِ مکیہ، کشف المحجوب، رسالہ قشیری، کیمیائے سعادت، مثنوی مولانا روم وغیرہ[۲]
اس تعلیم کا مقصد صحیح مذہبی وجدان کو بیدار کرنا ہوتا تھا۔ اور ان کتابوں کے انتخاب میں
کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور پیش نظر ہوتی تھی۔ امام غزالی کی کتابیں مذہبی مسائل میں اعلیٰ
بصیرت پیدا کرنے کے لئے ضروری تھیں۔ سرور الصدور میں لکھا ہے کہ ایک دن شیخ حمید الدین
ناگوریؒ کیمیائے سعادت کا مطالعہ کر رہے تھے۔ جب فارغ ہوئے تو بے اختیار پکار اٹھے
شاد باش اے شیخ محمد غزالی! شاد باش اے شیخ محمد غزالی! پھر فرمایا:

بابا پیوستہ ایں را در نظر باید داشت

(بابا اس کو ہمیشہ زیر مطالعہ رکھنا چاہیئے)

کیونکہ اس کے مطالعہ سے خلق کو بڑا فائدہ پہنچتا ہے۔[۳]

عوارف کے مطالعہ سے خلیفہ کو ان تمام اصولوں سے واقفیت ہو جاتی تھی جن پر
سلسلہ کے نظام کی عمارت تعمیر کی جاتی تھی۔ حضرت امام اکبرؒ کی تصانیف تصوف کے اعلیٰ
خیالات سے روشناس کرانے کے لئے ضروری تھیں۔ لیکن ان کے درس میں بڑی احتیاط
برتی جاتی تھی۔ بعض مشایخ تو اس کا درس دیتے وقت حجروں کو بند کرا دیتے تھے۔ مثنوی کا
مطالعہ اگر ایک طرف عشق حقیقی کی آگ کو تیز تر کرنے کے لئے ضروری تھا تو دوسری طرف
تصوف کے نازک خیالات کی بزم تک صرف اسی کی مدد سے رسائی ممکن تھی۔

تصوف کی دیگر کتابیں بھی کچھ نہ کچھ افادیت رکھتی تھیں۔ مشایخ متقدمین کی روایات

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۱۰۶

[۲] ملاحظہ ہو، تاریخ فیروز شاہی، برنی (ص ۳۴۵۔۳۴۶) مکتوباتِ کلیمی، سرور الصدور وغیرہ۔

[۳] سرور الصدور (قلمی) ص ۳۱ - ۳۰

Marfat.com

سے واقفیت کے لئے ان کا مطالعہ ازبس ضروری تھا ــــــ ان کتابوں کے مطالعہ کے بعد خلفاء کا دینی احساس وشعور بیدار ہوجاتا تھا۔ اُن میں تصوف کے تاریخی اور علمی پہلوؤں سے پوری واقفیت پیدا ہوجاتی تھی۔ اور خانقہی نظام کے چلانے کے لئے جس تنظیمی قابلیت کی ضرورت ہوتی تھی وہ بھی حاصل ہوجاتی تھی۔

(۲) ترک اور توکل

تکمیل تعلیم کے بعد شیخ کا سب سے اہم کام یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے خلیفہ کے دل کو مادی آلائشوں سے پاک صاف کردے تاکہ توکل و استغنا کی دولت سے وہ ایسا مالا مال ہوجائے کہ مادی دنیا کی کوئی کشش اس کو اپنی طرف نہ کھینچ سکے۔ جاہ و حشم کی خواہش اور مال و زر کی تمنا سے وہ نہ صرف بے نیاز ہوجائے بلکہ متنفر۔

ترکِ دنیا کا مفہوم جو اُن کے ذہن میں تھا اس کی وضاحت بھی ضروری ہے ــــــ حضرت محبوب الٰہیؒ نے جب مولانا حسام الدین ملتانیؒ کو خلافت عطا فرمائی تو شہادت کی انگلی اٹھا کر دو مرتبہ فرمایا: دُنیا کو ترک کر۔ دُنیا کو ترک کر۔

مولانا نے عرض کیا، اگر حکم ہو تو شہر میں نہ رہوں۔ فرمایا: نہیں شہر ہی میں رہو اور اسی طرح رہو، جیسے اور لوگ رہتے ہیں۔ [۱]

شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ ترکِ دنیا کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اپنے آپ کو ننگا کرلے اور لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ ترکِ دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے اور کھائے بھی۔ لیکن جو کچھ اسے ملے اُس کی طرف راغب نہ ہو اور اس سے دل نہ لگائے [۲]۔ ترکِ دنیا کے سلسلے میں خلفاء سے چار چیزوں کا مطالبہ کیا جاتا تھا:

---

۱ سیر الاولیاء ص ۲۶۱

۲ فوائد الفواد۔ ص ۹

Marfat.com

(۱) فتوح[1] کو جمع کر کے نہ رکھیں گے۔

(۲) امرار و سلاطین کی صحبت سے پرہیز کریں گے۔

(۳) وظائف وادرار قبول نہ کریں گے۔

(۴) ملازمتِ شاہی سے بچیں گے۔

فتوح کے قبول کرنے اور صرف کرنے کے باقاعدہ اصول[2] تھے۔ خلیفہ کے لئے لازمی تھا کہ اگر وہ ایک ہاتھ سے قبول کرے تو دوسرے ہاتھ سے حاجت مندوں میں تقسیم کر دے۔ امرار و سلاطین کی صحبت سے پرہیز اس لئے ضروری تھا کہ درباراداری اور دینی جدوجہد دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتیں۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ انفاس العارفین میں نقل کرتے ہیں:

دربعض ملفوظات خواجگان چشتیہ مذکور است کہ ہر کہ نام او در دیوان بادشاہ نوشتہ شد، نام او از دیوان حق سبحانہٗ برمی آرند[3]	خواجگان سلسلہ چشتیہ کے بعض ملفوظات میں ہے کہ ہر وہ شخص جس کا نام بادشاہ کے دفتر میں لکھا گیا، اس کا نام حق سبحانہٗ کے دفتر سے نکال دیتے ہیں۔

بابا فریدؒ فرمایا کرتے تھے:

"ہر درویشے کہ درِ اختلاط با ملوک و امرار بکشاید عاقبت او وخیم گردد"[4]	ہر وہ درویش جو بادشاہوں اور امیروں سے اختلاط کا دروازہ کھولتا ہے۔ اس کی عاقبت خراب ہو جاتی ہے۔

اگر شیخ کو کبھی اس بات کا ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ خلیفہ شغل کی طرف مائل ہے تو اس سے خلافت نامہ واپس لے لیا جاتا تھا۔ قاضی محی الدین کاشانیؒ کو علاء الدین خلجی نے اودھ کی قضا دینی چاہی

---

[1] فتوح سے مراد وہ روپیہ یا تحائف تھے جو عقیدت مند شیخ کی خدمت میں بلا طلب پیش کرتے تھے۔ سیر الاولیار میں اس کی نوعیت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو، باب دہم)

[2] ملاحظہ ہو، سیر الاولیار، فوائد الفواد، احسن الاقوال وغیرہ۔

[3] انفاس العارفین۔ ص ۶۹ [4] تاریخ فیروز شاہی۔ برنی۔ ص ۲۰۰

Marfat.com

اُنھوں نے قبول کرنے سے پہلے شیخ کی اجازت لینی ضروری سمجھی اور دہلی تشریف لائے۔ شیخ سے عرض کیا: حضور جیسا حکم فرمائیں ویسا ہی کروں۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے کبیدہ خاطر ہو کر فرمایا: پہلے یہ خطرہ تمھارے دل میں گزرا ہو گا پھر کہیں یہ حکم صادر ہوا ہو گا۔ اس کے بعد اُنھوں نے خلافت نامہ واپس لے لیا اور سال بھر تک اُن کی طرف التفات نہ فرمایا۔ [1]

شغل (سرکاری ملازمت) سے پرہیز کی شرط صرف خلفاء کے لئے تھی۔ ورنہ عام مریدین پر اس نوعیت کی کوئی پابندی نہ تھی۔ امیر خسروؒ، امیر سجزیؒ، ضیاء الدین برنی وغیرہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مخصوص مریدین میں تھے، لیکن خلفاء نہ تھے، اس لئے شیخ کو اُن کی ملازمت پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ شیخ کو امیر خسروؒ سے جو محبت تھی وہ کسی تفصیل کی محتاج نہیں لیکن انھوں نے اس محبت کو سلسلہ کے اصولوں یا نظام میں خلل انداز نہیں ہونے دیا او جہاں تک اُن کے نظام تربیت کے اصولوں کا تعلق تھا، اُن کے ساتھ کسی طرح کی رعایت نہیں کی۔ ایک مرتبہ سماع کے موقع پر امیر خسروؒ نے رقص کرنے کے لئے ہاتھ اُٹھائے تو شیخ نے فوراً اُنھیں ٹوک دیا، اور فرمایا: تمھارا تعلق دنیا سے ہے تمھیں اس کی اجازت نہیں۔[2] عام مُریدین اور خلفاء کے جو حدود تھے اُن کا مشایخ بڑی سختی سے خیال رکھتے تھے۔

خلفاء کو اجازت نہ تھی کہ وہ کسی طرح کا وظیفہ یا جاگیر قبول کریں۔ "درویش دیہ دار" دین کی توہین تھی، علاوہ ازیں ان چیزوں میں اُلجھ جانے کے بعد دینی جدوجہد، ذہنی یکسوئی کے ساتھ کس طرح ممکن ہو سکتی تھی اور جب صورت یہ ہو کہ

شاہ مارا دہ دہد منت نہد
رازق ما رزق بے منت دہد

تو پھر کسی کا احسان لینا بے کار تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ خلافت نامہ دیتے وقت ہدایت فرمایا کرتے تھے:

---

[1] سیر الاولیاء۔ ص ۲۹۵

[2] سیر الاولیاء۔ ص ۵۰۶

Marfat.com

"می باید کہ تارک دنیا باشی بسوئے دُنیا وارباب دُنیا مائل نشوی و دیہہ قبول نہ کُنی۔ وصلہ بادشاہاں نگیری"۔ [1]

چاہیئے کہ تارک دنیا ہو جاؤ۔ دنیا اور اہل دنیا کی طرف میلان نہ رکھو اور گاؤں جاگیر قبول نہ کرو اور بادشاہوں سے صلہ نہ لو۔

نیاوی عزت وعظمت کی خواہش خلفاء کے دل سے نکالنے میں مشایخ اپنی نفسیاتی بصیرت کو کام بں لاتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا واقعہ اس سلسلہ میں بڑا دلچسپ ہے۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ طالب علمی کے زمانے میں اپنی ذہانت کی وجہ سے مشہور تھے۔ دستوں کا خیال تھا کہ وہ تکمیل کے بعد کسی اعلیٰ عہدے پر پہنچیں گے۔ اس کے برخلاف شیخ نے بابا فریدؒ سے بیعت کرکے فقر وفاقہ کی زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ ایک دن اجودھن میں پٹے پرانے کپڑے پہنے پھر رہے تھے کہ اتفاقاً ایک پُرانا ساتھی مل گیا۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر نحت متعجب ہوا اور کہنے لگا: مولانا نظام الدین! تمھاری یہ کیا حالت ہوگئی؟ اگر تم شہر میں کر لوگوں کو تعلیم ہی دیتے تو مجتہدِ زمانہ کہلاتے، اور تمھاری حالت بہتر ہوتی۔ شیخ نظام الدینؒ نے کچھ جواب نہ دیا۔ جب بابا فریدؒ کی خدمت میں آئے تو انھوں نے ذہنی حالت کا پتہ لگا لیا اور کہا کہ باورچی خانے میں سے کھانے کا ایک خوان لو اور سر پر رکھ کر اپنے دوست کے پس لے جاؤ، اور اس کی بات کا یہ جواب دو۔

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر وبرو
ترا سعادت بادا مرانگوں ساری [2]

دنیا کی طرف ذرا سی بھی رغبت جو نظام الدین اولیاءؒ کے دل میں پیدا ہو سکتی تھی، س نفسیاتی تدبیر سے ختم ہوگئی۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے محسوس کر لیا کہ اُن کی اور اُن کے وست کی راہیں مختلف ہیں۔ وہ جس دنیا میں رہتے ہیں اس کے انداز اور طریقے مختلف ہیں۔

---

[1] سیر الاولیاء۔ ص ۲۹۵
[2] سیر الاولیاء۔ ص ۲۳۹

مجو بہ محلِ شاہی کہ در ولایتِ عشق
گدا بہ تخت نشانند و پادشہ گیرند!

دماغ کو تصوف کے خیالات سے بھر دینے اور دل کو دنیا کی آلائشوں سے خالی کر دینے کے بعد، خلیفہ کی زندگی کے مختلف گوشوں پر توجہ کی جاتی تھی۔ جہاں اصلاح و تربیت کی ضرورت ہوتی شیخ اپنے حسنِ تدبیر سے کام لیتا۔ کہیں اشاروں سے کام لیا جاتا۔ غرض جس طرح سے ممکن ہوتا خلیفہ کی ظاہری و باطنی زندگی کو سنوارا جاتا۔ شیخ برہان الدین غریبؒ کا واقعہ اس سلسلہ میں بڑا سبق آموز ہے:

مولانا برہان الدینؒ کبر سنی اور ضعف کی وجہ سے اپنی کملی کی دو تہہ کر کے اس پر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن کچھ لوگوں نے حضرت محبوب الٰہیؒ سے کہا کہ مولانا برہان الدین سجادۂ مشیخت پر بیٹھ کر اپنے آپ کو افضل و برتر سمجھتے ہیں۔ سلطان المشائخ یہ سُن کر بے حد رنجیدہ ہوئے اور جب مولانا برہان الدینؒ اُن سے ملاقات کے لئے آئے تو اُن سے نہ بولے۔ مولانا قدم بوسی کے بعد جماعت خانے میں آ بیٹھے۔ فوراً اقبال (خادم خاص) نے آکر کہا کہ شیخ کا فرمان ہے کہ تم فوراً لوٹ جاؤ اور اپنے گھر چلے جاؤ۔ یہ فرمان سُن کر مولانا کے پیروں کے نیچے کی زمین نکل گئی۔ گھر جا کر گریہ و زاری کرنے لگے۔ اس درد سے روتے تھے کہ جو ملنے جاتا وہ بھی رونے لگتا۔ امیر خسرو، ان کے دوست تھے۔ اُن سے یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ شیخ کی خدمت میں عرض کیا: مولانا برہان الدین آپ کے مرید صادق ہیں اب اس درجہ ضعیف ہو گئے ہیں کہ بوریے پر نہیں بیٹھ سکتے۔ ان کے دونوں پاؤں میں سخت درد رہتا ہے۔ اور اس زحمت کو دور کرنے کے لئے ناچار اپنی کملی نیچے ڈال لیتے ہیں۔ ہر چند امیر خسروؒ نے سفارش کی شیخ نے قبول نہ فرمائی۔ آخرکار ایک دن امیر خسروؒ نے اپنی گردن میں دستار ڈالی اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مؤدب کھڑے ہو گئے۔ شیخ نے پوچھا: ترک کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا: مولانا برہان الدین کے جرم کی معافی۔ شیخ نے مسکرا کر فرمایا: اچھا اُنھیں بُلاؤ۔ مولانا برہان الدین نے بھی آکر اسی طرح معافی مانگی۔ شیخ نے معاف کر دینے کے بعد اُنھیں دوبارہ بیعت کیا[1]

---

[1] سیر الاولیا، ص ۲۸۰ - ۲۷۹

(۳) اخلاق

مشائخ اپنے خلفاء میں مکارمِ اخلاق پیدا کرنے کی بڑی کوشش فرماتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اُن کے خلفاء مہر و محبت، عجز و انکسار، ہمدردی و خلوص کی جیتی جاگتی تصویریں ہوں [۱]

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اُس کا دلِ بے نیاز
اُس کی اُمیدیں قلیل اُس کے مقاصد جلیل
اُس کی ادا دل فریب اُس کی نگاہ دلنواز

مصیبت زدہ غریب اس کی طرف دیکھے تو اس کے دل پر چھایہ سا لگ جائے۔ بات کرنے لگے تو ایسا محسوس ہو گویا پھولوں پر شبنم کی بارش ہو رہی ہے ——— لیکن اگر کسی جابر کا مقابلہ کرنا پڑے تو عجز و انکسار کا یہی مجسمہ پہاڑوں سے زیادہ مضبوط بن جائے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو خوف زدہ نہ کر سکے۔

خلفاء میں کردار کی یہ خوبیاں پیدا کرنے کے لئے، مشائخ زبان سے نہیں، عمل سے کام لیتے تھے۔ دن رات خانقاہ میں رہنے والے خلفاء و مریدین اُن کے کردار کو دیکھتے تھے اور اس سے متاثر ہوتے تھے۔

۱۵ محرم ۷۱۸ھ کو ایک شخص شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں آیا۔ اور اُن کو گالیاں دینے لگا۔ شیخ خاموشی سے سنتے رہے۔ پھر اس کے سب مطالبات پورے کر دیئے۔ جب وہ چلا گیا تو حاضرین کو بتایا کہ ایسا ہی ایک شخص ایک مرتبہ بابا فریدؒ کی خدمت میں آیا اور اُن سے بے باکی کے ساتھ کہنے لگا: تو بت بن کر بیٹھ گیا ہے۔ تو بابا فریدؒ نے نرمی سے جواب دیا:—
"من نہ ساختہ ام، خدا تعالیٰ ساختہ است" [۱]

---

[۱] فوائد الفواد ص ۴۸

Marfat.com

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پیر کا کردار کس طرح خاموشی کے ساتھ خلفاء و مریدین کے افکار و اعمال کو متاثر کرتا تھا! ـــــ بے بس اور کمزور لوگوں کی گالیاں سن لینے والے اس شخص نے سلطان مبارک خلجی اور سلطان غیاث الدین تغلق کی جابرانہ قوت و سطوت[۱] کے آگے جھکنے سے انکار کر دیا۔[۲] اس کے مریدوں نے اس سے استقامت کا سبق لیا۔ ایک قلندر نے چراغ دہلی[رح] کے جسم کو چھریوں سے لہولہان کر دیا تو انھوں نے زبان سے اُف تک نہ کہا[۳] لیکن جب محمد بن تغلق نے غصہ سے بات کی تو جان کا خیال کئے بغیر پکار اُٹھے: اس جانوروں کے غصہ سے باز آؤ![۴] ـــــ حقیقت یہ ہے کہ مشائخ چشت اپنے عمل سے خلفاء کو یہ تعلیم دیتے تھے:

رکھ وہی روش دریا کی ہے جو ہلکے کو ترا بھاری کو ڈبو
عاجز کی کبھی تحقیر نہ کر جابر کی کبھی تعظیم نہ کر
جھکنے سے سعادت ملتی ہے کھینچنے میں شقاوت ہے مضمر
پر سامنے ناحق کے نہ جھکا تو ہین سر تسلیم نہ کر[۵]

اور اِن ہی اصولوں پر ان کی شخصیت کی تعمیر ہوتی تھی۔

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، تاریخ فیروز شاہی (ضیاء الدین برنی) ص ۳۹۶، سیر العارفین مطلوب الطالبین وغیرہ۔

[۲] ملاحظہ ہو، سیر العارفین، سیر الاولیاء، تاریخ مبارک شاہی وغیرہ

[۳] سیر العارفین ص ۹۶، ۹۷ نیز تکملہ خیر المجالس

[۴] "غضب سباع کہ در طبیعت شما استقرار یافتہ است زائل گردانید"۔ سیر العارفین۔ ص ۹۶

[۵] یہ اشعار میرے ایک محترم استاد جناب عنور احمد رزمی مرحوم کے ہیں۔ فیض عام ہائی اسکول میرٹھ کے دسویں کلاس کے طلباء کو جب رخصت کرنے لگے تو یہ اشعار بورڈ پر لکھ دئے تھے۔ تقریباً ۴۰ سال گزر چکے، اُن کے پاکیزہ خط میں چاک سے لکھے ہوئے یہ اشعار اب بھی تصور میں اسی طرح روشن ہیں۔

Marfat.com

(۴) نظم اور ضبط

کوئی انسان اپنی اجتماعی ذمہ داریاں پوری نہیں کر سکتا اگر اس کی اپنی زندگی پورے طور پر منظم نہیں ہوئی۔ نظم اور ضبط سے ذاتی اور جماعتی دونوں زندگیاں متاثر ہوتی ہیں۔ چنانچہ مشایخ چشت اپنے خلفاء اور اعلیٰ مریدین سے زندگی کے ہر شعبہ میں باقاعدگی اور نظم وضبط کی توقع رکھتے تھے۔ معمولی سے معمولی کوتاہی یا فروگذاشت پر گرفت ہوتی تھی اور بعض اوقات اصلاح کے لئے ایسی سزائیں تجویز کی جاتی تھیں جو بظاہر سخت معلوم ہوتی تھیں لیکن جو اس خرابی کا جڑ سے ازالہ کر دیتی تھیں۔ مولانا برہان الدین غریبؒ سے جماعت خانہ کے آداب میں معمولی فروگذاشت ہو گئی، لیکن شیخ نے اُن کو جو سزا دی وہ ان کے لئے اصلاح اور دوسروں کے لئے تازیانہ عبرت ثابت ہوئی۔

(۱) پابندی اوقات: سب سے پہلا مطالبہ یہ ہوتا تھا کہ خلفاء وقت کی قدر کریں۔ خلفاء کو اپنے پاس رکھنے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ ان کے اوقات کی نگرانی کی جائے اور انھیں وقت کی قدر وقیمت سمجھائی جائے۔ اُن کا کہنا تھا کہ فقیر کے پاس اگر کوئی قیمتی چیز ہے تو وقت ہے۔ اگر وہ اسے بھی ضایع کر دے تو یہ اس کی بدنصیبی ہے ؎

بر دست فقیر نیست نقدے جز وقت
آں نیز کہ از دست رود وائے برو

شاہ کلیم اللہؒ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"ضبط اوقات آنکہ ندارد، خسر الدنیا والآخرۃ است"[۱]

(جو اوقات کی پابندی نہیں کرتا وہ دنیا اور آخرت دونوں میں نقصان میں رہتا ہے)

مصباح الہدایت میں شیخ کے فرائض کا ایک اہم جزو یہ بتایا گیا ہے کہ وہ مرید سے اوقات

---

۱ مکتوبات کلیمی ص ۲۶؛

Marfat.com

کی پابندی کرائے۔ [1]

شیخ نظام الدین اولیاءؒ خانقاہ میں عام آنے والوں سے ملنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے لیکن اعلیٰ مریدین میں کوئی بے وقت آجاتا تو اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ ایک بار فرمایا

"من گفتم کہ یاران خاص کہ برمن	میں نے کہا ہوا ہے کہ جو خاص یار گھر پر
درخانہ می آیند ایشاں راحاجت	میرے پاس آتے ہیں انھیں ضرورت
نیست کہ دراں انبوہ ہامرامزاحم	نہیں کہ عام انبوہ میں میرے مزاحم ہوں
شوند" [3]	

اگر کوئی بے وقت آتا تو اس سے سبب پوچھا جاتا تھا۔ [4]

ہدایت تھی کہ کوئی لمحہ بیکار نہ گزارا جائے [5] شیخ حمید الدین صوفیؒ نے ایک بار اپنی مجلس میں کہا

"از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	حضرت عائشہ رضؓ سے نقل کرتے ہیں کہ فرماتی
می آرند کہ گفتے ہرگز من پیغمبر صلی اللہ	تھیں کہ میں نے پیغمبرؐ کو کبھی بیکار نہیں
علیہ وسلم رابیکار ندیدم، یا نماز گذارد ے	دیکھا، نماز میں مصروف رہتے یا کسی اور
وبا کار ہا دیگر کہ پیغامبر را بود دراں	کام میں جو پیغامبر کا ہوتا ہے، اس میں
مشغول بودے وچوں ازاں فارغ	مشغول رہتے۔ جب ان کاموں سے
شدے ازیں خانہ آمدے ہم بیکار	فارغ ہوتے اور گھر میں آتے جب بھی

---

[1] مصباح الہدایت (ایران ایڈیشن) ص ۲۳۳ - ۲۳۲

[2] فوائد الفواد ص ۶۶

[3] فوائد الفواد ص ۱۵۸

[4] فوائد الفواد ص ۱۱؛

[5] سرور الصدور (قلمی) ص ۳۰

نبودے بندیکہ از نعلین گسستہ بودے	بیکار نہ رہتے، جوتوں کے تسمے ٹھیک کرتے
آنرا وصل کردے و یا پیوندے و نعلے	یا جوڑ لگاتے یا صفائی کرتے، بہر حال
بدوختے یا جاروب زدے البتہ بیکا	بیکار نہ رہتے۔ اسی طرح آدمی کو چاہیئے
نبودے، ہمچنیں آدمی را باید کہ ہیچ	کہ کسی وقت بیکار نہ رہے۔
وقتے بیکار نباشد" ؎	

(۲) شب بیداری پر زور: اعلیٰ مریدین کے لئے شب بیداری پر بڑا زور دیا جاتا تھا۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کہا کرتے تھے ـــــ

"بیشتر شبہا بیداری باید بود	شب کے بیشتر حصہ میں بیدار رہنا چاہیئے
زیرا کہ نزول انوار در شب می شود" ؎	اس لئے کہ انوار کا نزول رات میں ہوتا ہے

ان کا عقیدہ تھا ـــــ

واقف ہو اگر لذتِ بیداری شب سے
اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاکِ پُر اسرار!

(۳) اظہارِ کرامت سے پرہیز: مشایخ اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے کہ اُن کے خلفاء میں اظہار کرامت کا جذبہ نہ پیدا ہو۔ ان کا کہنا تھا کہ کشف و کرامات "حجابِ راہ" ہیں۔ اُن سے روحانی شخصیت ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے۔ ایک دن مولانا حسام الدینؒ نے اپنے پیر سے عرض کیا: "مخدوم! خلق، طالب کرامت ہے"! فرمایا: "کرامت کے طالب نہ بنو تم اپنے کام میں ثابت قدم رہو۔ استقامت ہی کرامت ہے"! ؎

(۴) احتسابِ نفس: مریدین کو ہدایت ہوتی تھی کہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہیں۔ جو اس طرف سے غافل ہوا اس کی عبادت و ریاضت بے اثر ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ

۱؎ سرور الصدور (قلمی) ص ۸۵

۲؎ خیر المجالس ص ۱۷۳؛

۳؎ سیر الاولیاء ص ۲۶۲؛

Marfat.com

نظام الدین اولیاءؒ نے ایک دن یہ حکایت بیان کی:

"بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا۔ اس نے ستر سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ ستر سال بعد اسے کوئی ضرورت پیش آئی۔ وہ حاجت اللہ تعالیٰ سے طلب کی لیکن پوری نہ ہوئی۔ بعد ازاں اس نے گوشہ میں جا کر اپنے نفس سے جھگڑنا شروع کیا کہ اے نفس! تو نے ستر سال اللہ کی عبادت کی۔ بیشک تیری طاعت میں اخلاص نہ ہوگا۔ اگر تو اخلاص سے عبادت کرتا تو حاجت ضرور پوری ہوتی۔ جب وہ زاہد اس طرح اپنے نفس سے جھگڑ رہا تھا تو پیغمبر وقت کو حکم ہوا کہ اس زاہد سے کہو کہ تیرا نفس کے ساتھ ایک ساعت جھگڑنا اس ستر سالہ عبادت سے ہمارے نزدیک بہتر ہے۔" [1]

(۵) قرض اور امانت سے پرہیز: مشایخ چشت، اپنے خلفاء کو ہدایت فرماتے تھے کہ وہ قرض لینے سے بچیں اور کسی کی امانت نہ رکھیں۔ شیخ برہان الدینؒ کا قول ہے:

"درویش را امانت کسے قبول نباید کرد و ضمان کسے نباید شد۔ و گواہی خود در قبالہ نباید نوشت۔" [2]

بابا فریدؒ تو یہاں تک کہتے تھے کہ جس نے امانت قبول کی وہ میرا مرید نہیں رہا۔ امانت رکھنا بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ مشایخ چشت یہ نہ چاہتے تھے کہ اُن کے خلفاء ایسی ذمہ داریاں قبول کریں جن سے اُن کی ذہنی یکسوئی میں خلل پڑے۔

مذکورہ بالا طریقہ پر خلفاء کی تربیت کرنے کے بعد، شیخ انھیں خرقۂ ولایت پہناتا اور ہدایت کرتا ؎

شیوۂ اخلاص را محکم بگیر
پاک شو از خوف سلطان و امیر
در رہِ دیں سخت چوں الماس زی
دل بر حق بر بند و بے وسواس زی

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۲۱ [2] احسن الاقوال (قلمی) ص ۱۲

Marfat.com

خاص مریدین کی تربیت خلفاء کے علاوہ کچھ بزرگ ایسے بھی ہوتے تھے جن کو خلافت تو کسی وجہ سے نہیں دی جاتی تھی، لیکن اُن کے خلوص اور جذبے کے پیشِ نظر شیخ کو ان کی باطنی اصلاح و تربیت میں خاص دلچسپی ہوتی تھی۔ ایسے لوگ عموماً شیخ کی ذات سے اپنے آپ کو وابستہ کر لیتے تھے اور رات دن خدمت گزاری میں بسر کرتے تھے۔ شیخ کی قربت سونے پر سہاگہ کا کام کرتی تھی اور اُن کی باطنی زندگی میں ایک جلا پیدا ہو جاتی تھی۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ایسے مخصوص مریدین میں خواجہ عزیز الدینؒ نبیرہ بابا فریدؒ شیخ کبیر الدینؒ، خواجہ رفیع الدین ہارونؒ، خواجہ ابوبکرؒ، مولانا قاسمؒ، سید کمال الدین کرمانی وغیرھم شامل تھے۔ شیخ نے ان کو خلافت عطا نہیں فرمائی تھی، لیکن ان کی تعلیم و تربیت کی طرف کافی توجہ کی تھی۔ شیخ کی صحبت سے اُن میں پاکیزہ اخلاق اور دینی جذبات پیدا ہو گئے تھے۔ خواجہ عزیز الدینؒ کے دینی جذبات بیان کرنے کے بعد صاحب سیر الاولیاء نے لکھا ہے:

ایں ہمہ از برکت آں بود کہ در نظر مبارک سلطان المشائخ پرورش می یافت [1]	یہ سب کچھ سلطان المشائخ کی نگرانی میں پرورش پانے کی برکت کا نتیجہ تھا

سید کمال الدین کرمانیؒ کے فضائل و کرامات بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

"ایں ہمہ فضائل ثمرۂ آں بود کہ در نظر سلطان المشائخ پرورش یافتہ بود" [2]	یہ سب فضائل سلطان المشائخ کی نگرانی میں پرورش پانے کا پھل تھے۔

ان بزرگوں کی تربیت اور روحانی ترقی میں جو چیز سب سے زیادہ ممد و معاون ہوتی تھی وہ شیخ کی صحبت تھی۔ وہ شیخ کی خلوت و جلوت کے شریک ہوتے تھے۔ کوئی مصلےٰ برداری کا کام کرتا،

---

[1] سیر الاولیاء۔ ص ۱۱۹

[2] سیر الاولیاء۔ ص ۲۱۴

Marfat.com

کوئی وضو کراتا، کوئی سحری کا انتظام کرتا۔ شیخ موقع اور مصلحت کے مطابق اُن کو نصیحتیں کرتے اور ان کی زندگی کا جو گوشہ اصلاح طلب ہوتا اس کی طرف توجہ کرتے۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے:

"بر آں جملہ کہ سلطان المشائخ بکمال عقل و حکمت و کرامت موصوف بود، ہر کسے را کارے فرمودے کہ شایان آں کار می دید، یکے را فرمود کہ لب بر بندی و در بر بندی و دوم را فرمود کہ در کثرت مرید کردن بکوشی و سیوم را فرمود کہ ترا در میاں خلق می باید بود و جفا و قفاء خلق می باید کوشید[1]	چونکہ سلطان المشائخ، عقل، حکمت اور کرامت بدرجہ اتم رکھتے تھے، اس لئے ہر شخص کو اس کی صلاحیت کے مطابق کام کرنے کا حکم دیتے تھے کسی سے فرماتے کہ سکوت اختیار کرو اور دروازہ بند کر کے بیٹھو، کسی سے فرماتے کہ مُریدوں کی تعداد بڑھانے میں جد و جہد کرو کسی سے فرماتے کہ خلق میں رہ کر اُن کی جفا اور قفا برداشت کرو۔

یہ ہی معاملہ ان خاص مریدین کے ساتھ ہوتا تھا۔ مشائخ ان کی صلاحیتوں کا اندازہ کرنے کے بعد مختلف کاموں پر متعین کرتے تھے۔

---

[1] سیر الاولیاء۔ ص ۲۳۸

باب ہفتم

عام مُریدین کی اصلاح اور تربیت

عام مریدین کی اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں شیخ کے فرائض کیا ہیں ــــــــــ

شاہ ولی اللہ دہلوی رح نے قول الجمیل کی تیسری فصل میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ شیخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مریدین کے عقائد کو درست کرے۔ توحید کا صحیح تصور اس کے دماغ میں بٹھائے۔ نبوت کے متعلق صحیح اعتقاد قائم کرائے۔ گناہوں کی تفصیل بتائے۔ کبائر وصغائر سے اجتناب کی تائید کرے۔ پھر ارکانِ اسلام کی پابندی کی ہدایت کرے، اور ضرورت معاش سے آگاہ کرے۔ [1]

شیخ محمود بن علی کاشانی رح نے شیخ کے پندرہ فرائض بتائے ہیں، جن میں تخلیصِ نیت، توزیعِ اوقات، تہذیبِ نفس وغیرہ پر زور دیا ہے۔

یہ تفصیل اپنی جگہ درست ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ بیعت ہوتے ہوں، وہاں اصلاح وتربیت کا کیا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے یا کیا گیا ہوگا۔ اس سلسلہ میں مولانا ضیاء الدین برنی کا ایک بیان جو سیر الاولیاء میں نقل کیا گیا ہے، خاص

---

[1] قول الجمیل۔ ص ۲۴۔ ۲۵ (مطبع نظامی ۱۲۹۱ھ)

[2] مصباح الہدایت۔ (مطبوعہ ایران) ص ۲۶ - ۲۲۳

طور پر قابلِ غور ہے۔

"مولانا ضیاء الدین برنی فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اشراق کے وقت سے چاشت تک آپ کے جان بخش کلمات اور رُوح افزا گفتگو سننے میں مشغول رہا۔ اس روز بہت سے بندگانِ خدا سلطان المشائخ کی خدمت میں بیعت کی نیت سے حاضر ہوئے اور دولتِ ابدی سے مشرف ہوئے اس وقت میرے دل میں خطرہ گذرا کہ مشائخ سلف مرید کرنے میں نہایت احتیاط کرتے تھے اور غور و تامل کے بعد کسی کو مرید کیا کرتے تھے۔ سلطان المشائخ انتہا درجہ کے کرم اور مہربانی کی وجہ سے عام و خاص کی دستگیری کرتے اور بغیر امتحان و امتیاز کے لوگوں سے بیعت لیتے ہیں میرے دل میں آیا کہ آپ سے اس بارے میں دریافت کرنا چاہیئے لیکن چونکہ حضور مکاشفِ عالم تھے، فوراً میرے اس خطرہ سے واقف ہو گئے، اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: مولانا ضیاء الدین! تم ہر بات کو مجھ سے دریافت کرتے ہو۔ لیکن کبھی یہ نہیں پوچھتے کہ مَیں بغیر تحقیق کئے آنے والوں کو بیعت کے سلسلہ میں کیوں داخل کر لیتا ہوں اور بے تفتیش ہر شخص کے ہاتھ میں دستِ بیعت کیوں دے دیتا ہوں۔ سلطان المشائخ کی یہ بات سُن کر مَیں سر سے پاؤں تک لرز اٹھا۔ اور حضور کے قدموں میں گر کر عرض کیا کہ عرصہ سے یہ مشکل اور دشواری مجھے درپیش تھی۔ آج بھی میرے دل میں یہ خطرہ گذرا تھا۔

فرمایا کہ سنو: خدا تعالےٰ نے ہر زمانے میں اپنی حکمتِ بالغہ کی ایک خاصیت پیدا کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے کے آدمیوں کا طریقہ اور رواج و رسم علیحدہ ہوتا ہے اور زمانے کی رفتار لوگوں میں اس درجہ اثر کرتی ہے کہ زمانۂ موجودہ کے لوگوں کے مزاج اور طبیعت گذشتہ لوگوں کے طبائع سے بالکل مشابہت نہیں رکھتے۔ البتہ بہت کم آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کی طبیعتیں پہلے لوگوں کی طبیعتوں سے ملتی جلتی ہیں اور یہ بات تجربات سے خوب واضح ہوتی ہے۔ جب اس قدر بات معلوم کر چکے تو یہ بھی معلوم کرو کہ مرید کی اصل ارادت یہ ہے کہ وہ غیر حق سے قطع تعلق کر کے مشغول بحق ہو جائے

Marfat.com

سلف کا قاعدہ تھا کہ جب تک مرید میں کلّی انقطاع نہ دیکھتے تھے اس کے ہاتھ میں دست بیعت نہ دیتے تھے۔ لیکن شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کے زمانے سے شیخ سیف الدین باخرزیؒ کے عہد تک اور شیخ شیوخ العالم شہاب الدین سہروردیؒ کے عہد مبارک سے حضرت شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے زمانے تک ایک اور ہی طریقہ نے جلوہ گری کی تھی۔ ان اولوالعزم اور جلیل القدر بادشاہوں کے دروازوں پر جن کے علو درجات اور کرامات شرح سے مستغنی ہیں، ہر وقت ہجوم خلائق رہتا تھا۔ اور ہر چار طرف سے بادشاہ، امراء، مشاہیر اور دیگر لوگ جوق درجوق آتے تھے اور اخروی مہلکات کے خوف سے اپنے تئیں ان عاشقانِ خدا کی پناہ میں ڈال دیتے تھے۔ یہ مشایخ بغیر تحقیق و تفتیش کے عام و خاص سے برابر بیعت لیتے تھے اور سلسلۂ ارادت میں داخل کرتے تھے۔ اور ہر ایک شخص کو حسبِ مراتب خرقۂ توبہ یا خرقۂ تبرک عنایت فرماتے تھے، کیونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ محبوبانِ خدا کا سا معاملہ ہر شخص کے ساتھ دوسروں پر قیاس کرکے برتا جاتا۔ پس شیخ ابوسعید ابوالخیر اور شیخ سیف الدین باخرزی اور شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اسرارہم لوگوں کو اسی طرح مرید کیا کرتے تھے جس طرح کہ میں کرتا ہوں اور اس زمانے کے موافق یہی ٹھیک بات ہے، کیونکہ اگر خدا تعالےٰ کا ایک محبوب اور پسندیدہ شخص ایک جہاں کے گناہگاروں کو اپنے سایۂ حمایت میں لینا چاہے، تو لے سکتا ہے۔ اب میں تمھارے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ سنو! میں جو مریدوں سے بیعت لینے میں زیادہ احتیاط اور تفتیش نہیں کرتا ہوں، اس کی چند وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ میں سنتا ہوں کہ بہت سے لوگ میری بیعت میں داخل ہونے سے معصیت و گناہ سے باز رہتے ہیں۔ نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں اور اوراد و نوافل میں مشغول و مصروف رہتے ہیں۔ اگر میں پہلے ہی سے ارادت کے شرائط و قیود اُن سے بیان کروں اور ان شرائط کے بجالانے پر مجبور کروں نیز خرقۂ توبہ اور خرقۂ تبرک جو خرقۂ ارادت کے قائم مقام ہیں نہ دوں تو اس قدر بھلائیاں جو اُن سے ظہور میں آتی ہیں وہ ان سے محروم و بےنصیب رہیں

دوسرے یہ کہ مجھے شیخ سے اس بات کی اجازت ہے کہ بغیر کسی سفارش یا التماس یا وسیلہ کے بدون کسی تفتیش و کرید کے لوگوں سے بیعت لوں اور جب میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان آدمی عجز و اضطراب اور مسکنت و بے چارگی کے ساتھ میرے پاس آتا اور بصد الحاح کہتا ہے کہ میں تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں تو مجھے اس سے بیعت لینے میں کون سی چیز مانع ہو سکتی ہے، خاص کر جبکہ میری نیت میں اس کے صادق ہونے کا غالب احتمال ہوتا ہے۔ پس ایسی صورت میں مجھے اس سے بیعت لینا ضرور ہو جاتا ہے، قطع نظر اس کے کہ میں نے نہایت ثقہ اور راست باز لوگوں سے سنا ہے کہ جو لوگ میری ارادت و بیعت میں داخل ہوتے ہیں وہ تمام گناہوں سے الگ ہو جاتے ہیں۔ [۱]

تذکرے اور تاریخیں اس بات کی شاہد ہیں کہ مشایخ کرام کے دست حق پرست پر توبہ کرنے کے بعد اکثر لوگ معصیت سے پرہیز کرنے لگتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے متعلق تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ ہر طرح کے لوگ ان سے بیعت کرتے تھے اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے آپ کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے، اس لئے بہت سے گناہوں سے باز رہتے تھے اور اگر شیخ کے کسی مرید سے کوئی لغزش ہو جاتی تو از سر نو بیعت کرتے اور توبہ کا خرقہ عطا فرماتے تھے، اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری اور باطنی برائیوں سے روک دیتی تھی۔ [۲]

قصبہ ابوہر میں ایک شخص سراج الدین نامی رہتا تھا۔ وہ اور اس کے متعلقین بابا فریدؒ کے مرید تھے۔ ایک دن نظام الدین اولیاءؒ اس کے مکان میں ٹھہرے۔ اتفاقاً ابوہر کے کچھ لوگوں سے اس کا جھگڑا ہوا۔ لوگوں نے اس کو برا بھلا کہا اور اس پر اتہام لگائے۔ اس کی بیوی نے جواب دیا: جو کچھ اتہام تم نے ہم پر لگائے ہیں وہ بیعت سے پہلے تو صحیح تھے، بیعت کے بعد نہیں۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اس عورت کے جواب کو بہت پسند کیا۔ [۳]

---

[۱] سیر الاولیاء۔ ص ۳۴۸-۳۴۶ (فارسی) ص ۳۴۵-۶ (اردو۔ دہلی ۱۳۲۳ھ)

[۲] تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۳۴۴-۳۴۳ [۳] فوائد الفواد۔ ص ۵۷

آخر یہ کس طرح ممکن تھا کہ ایک شخص بیعت ہونے کے بعد گناہوں سے باز آجاتا تھا جب کہ اس کو عرصہ تک شیخ کی صحبت میں رہ کر باطنی اصلاح و تربیت کا موقع بھی نہیں ملتا تھا؟ ——— مشائخ کی روحانیت کے علاوہ، اس میں ایک زبردست نفسیاتی حقیقت بھی کام کرتی تھی۔

مشائخ کے پاس جو شخص بیعت ہونے کے لئے آتا تھا اس پر دو کیفیات طاری ہوتی تھیں: (۱) اپنے گناہوں کا شدید احساس، اور اُن سے مستقبل میں پرہیز کرنے کا جذبہ۔ (۲) شیخ کے روحانی کمالات اور تہذیب نفس کی قابلیت پر کامل بھروسہ۔ مشائخ ان ہی دو کیفیات کو ایک خاص نفسیاتی طریقہ پر استعمال کر کے مرید کے دل میں ایک ایسا محتسب پیدا کر دیتے تھے جو ہر قدم پر اُس کو ٹوکتا تھا ——— تو گناہوں سے توبہ کر چکا ہے، توبہ کرنے کے بعد تائب اور متقی برابر ہو جاتے ہیں، اب تو بالکل پاک و صاف ہے، کیا تو پھر معصیت کی طرف لوٹ جائے گا؟ اگر تو نے ایسا کیا تو شیخ کی روحانی امداد و اعانت سے تو محروم ہو جائے گا! ——— دل کی یہ آواز، اور ضمیر کا یہ احتساب اپنی جگہ پڑا اہم ہوتا تھا۔ اور اسی کی وجہ سے لوگ معصیت سے بچنے لگتے تھے۔

بیعت کرنے کے بعد عام مریدین کو مشائخ چشت چار نصیحتیں فرمایا کرتے تھے[۱]:

(۱) نماز با جماعت پڑھنا۔

(۲) جمعہ فوت نہ کرنا۔

(۳) ایام بیض کے روزے لازم جاننا۔

(۴) جو کام خدا اور رسول نے منع کیا ہے اُسے نہ کرنا۔

---

[۱] خیر المجالس ص ۲۴۲

Marfat.com

باب ہشتم

عوام کو تلقین و ہدایت

ان منسلکین کے علاوہ ہزارہا آدمی مختلف دنیوی مقاصد کے لئے مشایخ کی خدمت میں
حاضر ہوتے تھے بعض لوگ محض ملاقات کے لئے آتے شیخ سے دو چار باتیں کرتے اور چلے جاتے۔
مشایخ ان سب باتوں سے فائدہ اٹھاتے، اور ایک دو نصیحت کی بات ایسے پیرائے میں کہہ
دیتے کہ سننے والے کے دل میں اُتر کر اپنا کام کر جاتی۔ آیئے مشایخ کی دو تین مجلسوں میں جا کر
اُن کے طریقہ کار کا جائزہ لیں۔

(۱) ایک بڑا امیر جو کچھ عرصہ پہلے اپنے منصب سے معزول ہو گیا تھا شیخ نصیر الدین
چراغ دہلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اس سے پہلے وہ دعا کے لئے آیا تھا۔ اب یہ خوشخبری
سُنانے آیا ہے کہ وہ شیخ کی دعا سے خلاصی پا گیا ہے۔ شیخ دیکھ کر فرماتے ہیں: "خوش آمدی بنشیں
بنشیں"۔ وہ شیخ کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:

> "جب کوئی خار کسی کے پاؤں میں چبھے یا چیونٹی کاٹے تو یہ سمجھے یہ میرے
> عمل کی جزا ہے، جیسا کہ اللہ تعالے قرآن شریف میں فرماتا ہے:
> مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ" [1]

---

[1] سورہ الشوریٰ۔ رکوع۔ ۴ پ ۲۵۔ خیر المجالس ص ۱۲۱

Marfat.com

(۲) شیخ نصیرالدین چراغ دہلیؒ حاضرین مجلس میں سے ہر ایک کی پرسش احوال کر رہے ہیں، ایک شخص سے پوچھتے ہیں: تم کیا کام کرتے ہو؟ عرض کرتا ہے۔ زراعت کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

"لقمۂ زراعت اچھا لقمہ ہے اور بہت سے کاشتکار صاحبِ حال گزرے ہیں۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کے زمانے میں ایک کاشتکار صاحبِ حال تھا ...... اُس کی بہت سی کرامتیں مشہور تھیں۔ جب دُعا کرتا پانی برستا جب موقوف ہونے کی دُعا کرتا برسنا بند ہو جاتا ...... امام حجۃ الاسلام ...... اس کے پاس گئے لوگوں نے اس بزرگ سے ان کی تعریف کی کہ یہ بڑے بزرگ عالم دین ہیں، اُن کا لقب حجۃ الاسلام ہے۔ وہ کاشتکار عامی مسلمان دیہاتی تھا۔ حجۃ الاسلام کو کیا سمجھے۔ اس وقت ٹوکری غلّہ کی بغل میں لئے ہوئے زمین میں تخم ریزی کر رہا تھا۔ اسی طرح بیج ڈالتا ہوا، امام حجۃ الاسلام کے پاس باتیں کرنے کے لئے آیا۔ اس وقت ایک اور شخص نے کہا تم ان سے باتیں کرو، غلّہ مجھ کو دو۔ اتنی دیر میں زمین میں تخم ڈالوں گا۔ اس بزرگ نے ٹوکری نہ دی ...... (اصرار کیا تو) کہا میں تخم زمین میں دل شاکر اور زبانِ ذاکر سے ڈالتا ہوں اور اُمیدوار رہتا ہوں کہ جو کھائے اس کو نور و قوتِ عبادت حاصل ہو اور یادِ خدا میں صرف ہو۔ اگر یہ غلّہ اور کو دیدوں تو کیا معلوم وہ دل شاکر اور زبان ذاکر سے بوئے یا نہ بوئے۔ ڈرتا ہوں کہ بے برکتی واقع نہ ہو۔" ؎۱

(۳) ملتان سے ایک شخص چراغ دہلیؒ کی مجلس میں آیا ہے۔ شیخ اس سے دریافت حال کرتے ہیں۔ عرض کرتا ہے: تجارت کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں: لقمۂ تجارت، اچھا لقمہ ہے اور پھر ایک تاجر خواجگی خجندی کا قصہ سناتے ہیں جو حافظِ قرآن تھا، حلقہ میں بیٹھتا تھا، سستا مال بیچتا تھا اور زکوٰۃ دیتا تھا، جس کی وجہ سے ایک مرتبہ ڈوبا ہوا مال اسے مل گیا تھا۔ ؎۲

؎۱ خیر المجالس۔ مجلس ۴۸ ص ۱۵۷-۱۵۶

؎۲ خیر المجالس۔ ص ۱۸۴

(۴) حاجی محمد ایک شخص حج سے واپس آیا ہے۔ قاضی محی الدین کاشانیؒ سے عرض کرتا ہے: جب سے حج کر کے آیا ہوں، دل میں اطمینان اور قرار نہیں پاتا۔ سلطان المشائخ سے کوئی دعا پوچھ دیجئے تاکہ میرے دل کی بے قراری اور پریشانی دفع ہو۔

سلطان المشائخ اس کا حال سُن کر فرماتے ہیں:

"ایسے شخص کو دو کام کرنے چاہئیں، یا تو کسب وحرفت میں مشغول ہونا چاہیئے جس سے وجہ معاش حاصل ہو یا عبادت و گوشہ نشینی میں کچھ زمانہ بسر کرنا چاہیئے" ۱ؔ

(۵) محمد شہ غوری نامی ایک شخص اضطراب کی حالت میں بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ شیخ ان کی پریشانی کا سبب پوچھتے ہیں۔ عرض کرتا ہے: میرا بھائی سخت بیمار ہے۔ کیا عجب ہے کہ میرے یہاں آنے تک وہ مرچکا ہو۔ اس کی وجہ سے زیر وزبر ہوں۔ فرمایا:

"ہم چنیں کہ تو ایں ساعت ہستی من ہمہ عمر ہم چنیں ام ولے باکسے پیدا نکم" ۲ؔ

ان واقعات پر غور کیجئے تو معلوم ہوجائے گا کہ عوام کی اصلاح و تربیت کے لئے ان بزرگوں نے کیا انداز اور طریقۂ کار اختیار کیا تھا۔

۱ؔ سیر الاولیاء

۲ؔ فوائد الفواد ص ۲۳۳ - ۲۳۲

Marfat.com

باب نہم

ہندوؤں کے ساتھ تعلقات

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کا ایک اہم اصول یہ رہا ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ شگفتہ تعلقات رکھے جائیں۔ نافع السالکین میں لکھا ہے:

"حضرت قبلہ من قدس سرہٗ فرمودند	حضرت قبلہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے
کہ در طریق ما ہست کہ با مسلمان	کہ ہمارے سلسلہ کا یہ اصول ہے کہ مسلمان
و ہندو صلح باید داشت۔ و این بیت	اور ہندو دونوں سے صلح رکھنی چاہیئے
شاہد آوردند ؎	اور یہ بیت پڑھا کرتے تھے

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام[1]

اُن کے نزدیک یہ تقاضا سماج اور سیاست کا نہ تھا بلکہ اخلاق و انسانیت کا مطالبہ تھا۔ وہ عملاً اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ کے قائل تھے اور چاہتے تھے کہ عقائد و نظریات کے اختلافات انسانی برادری کے رشتہ پر اثر انداز نہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان

وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَاناً

اے خدا کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ (بخاری)

---

[1] نافع السالکین۔ ص ۱۷۶

Marfat.com

اُن کا ایمان تھا۔ وہ مہر و محبت، خلوص و مروت، ہمدردی و رواداری سے انسانی قلوب کو ایک رشتۂ الفت میں پرونے کی کوشش کرتے تھے ـــــ ایک شخص نے بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں قینچی پیش کی۔ فرمایا مجھے تو سوئی دو۔ میں کاٹتا نہیں، جوڑتا ہوں۔ ؎۱

یہ جملہ ان کے افکار کا مکمل ترجمان اور چشتیہ سلسلہ کے اصولوں کا بہترین آئینہ دار ہے۔

ہندو مذہب کی طرف مشایخ چشت کا جو رویہ تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے۔ ایک روز صبح کے وقت شیخ نظام الدین اولیاءؒ اپنے جماعت خانہ کی چھت پر چہل قدمی فرما رہے تھے۔ دیکھا کہ پڑوس میں کچھ ہندو بتوں کی پوجا کر رہے ہیں۔ فرمایا:

"ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے" ؎۲

یہ جملہ اُن کے افکار کا مکمل ترجمان اور چشتیہ سلسلہ کے اصولوں کا بہترین آئینہ دار ہے۔

مشایخ چشت کی وسعتِ نظر اور رواداری کا یہ حال تھا کہ ہندوؤں کی کوئی بات پسند آتی تو اس کی بے تکلف تعریف کرتے۔ بابا فرید گنج شکرؒ کی خانقاہ میں جوگی اکثر حاضر ہوتے تھے۔ دو مرتبہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی اُن سے وہاں گفتگو ہوئی ؎۳۔ ایک بار عالم علوی اور سفلی پر بات چیت چھڑ گئی۔ جوگی نے اپنے خیالات کی جو وضاحت کی تو شیخ نظام الدینؒ پر بڑا اثر ہوا اور فرمایا: "مرا سخن او خوش آمد"

مذہبی معاملات میں خلوص اور استقامت کو مشایخ چشت بے حد پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ غالبؔ کی طرح انھوں نے یہ تو نہیں کہا

؎۱ فوائد الفواد۔ ص ۲۲۶

؎۲ امیر خسروؒ نے فوراً ہی دوسرا مصرعہ کہا ؎

من قبلہ راست کردم جانب کج کلاہے

کہتے ہیں کہ اس وقت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے سر پر ٹوپی ٹیڑھی رکھی ہوئی تھی، ملاحظہ ہو انوار العیون (قلمی) نیز تزک جہانگیری

؎۳ فوائد الفواد۔ ص ۸۵۔ ۲۴۵

Marfat.com

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے
مرے بت خانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

لیکن اس استواری کی ہمیشہ تعریف کی۔ ایک مرتبہ امیر حسن سجزیؒ کو کچھ دنوں تک تنخواہ نہ ملی جس کی وجہ سے وہ سخت پریشان ہوئے۔ شیخ نظام الدین اولیا رح کو اس کا علم ہوا تو فرمایا:

"ایک شہر میں کوئی مال دار برہمن رہتا تھا۔ شاید اس پر شہر کے حاکم نے جرمانہ کیا۔ اس کا سارا مال واسباب لے لیا، بعد ازاں وہی برہمن مفلس اور مضطرب کسی راستے چل رہا تھا۔ سامنے سے اُسے ایک دوست ملا۔ پوچھنے لگا۔ کیا حال ہے؟ برہمن نے کہا اچھا اور بہت عمدہ ہے۔ اس نے کہا ساری چیزیں تو تجھ سے چھن گئیں اب کیا خاک اچھا ہوگا۔ بولا: "زنار من با من است" (میرا جنیو تو میرے پاس ہے)" [1]

یہ حکایت سُن کر امیر حسنؒ کے دل کو بڑی تسکین ہوئی۔ علامہ اقبال امیر خسرو کے اس شعر کو بہت پسند کرتے تھے کہ مذہبی رواداری اور بے تعصبی کے جذبات کا بہترین آئینہ دار ہے ؎

اے کہ زبت طعنہ بہ ہندو بری
ہم زوے آموز پرستش گری

اسلام اور اسلام کے اصولوں کی اشاعت کے لئے جو طریقۂ کار مشائخ چشت نے اختیار کیا تھا، وہ مروّجہ طریقوں سے بالکل مختلف تھا۔ وہ زبان سے کسی اصول کی تبلیغ و اشاعت کو بے سود و بے کار سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جب تک انسان کی زندگی خود ان اُصولوں کی تفسیر نہ بن جائے کسی کو ان اُصولوں سے دلچسپی پیدا نہیں کرائی جا سکتی۔ عمل میں ایک جاذبیت ہے اس کا اثر زیادہ گہرا اور زیادہ پائیدار ہوتا ہے ——— کارلائل (CARLYLE) نے رسول مقبولؐ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ نور کے ایک بہتے ہوئے چشمے کی مانند تھے جو اُن کے نزدیک آ جاتا، منور

---

[1] فوائد الفواد ص ۵۶

ہو جاتا۔ مشایخ کی بھی کوشش یہی تھی کہ ان کے عمل کی کشش خود بخود لوگوں کو کھینچ لے، انھیں زبان سے نہ کہنا پڑے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے :

"ہر چہ علماء بزبان دعوت کنند، مشایخ بعمل دعوت کنند"

ایک دن ایک مسلمان، ایک ہندو کو لے کر شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا : یہ میرا بھائی ہے۔ حضرت شیخ نے پوچھا :

" ایں برادر تو ہیچ میلے بمسلمانی دارد "[۱]

(تیرا یہ بھائی مسلمانی سے بھی کچھ رغبت رکھتا ہے)

اس شخص نے عرض کیا : میں اسی غرض سے اُسے یہاں لایا ہوں کہ جناب کی نظر التفات سے وہ مسلمان ہو جائے۔ شیخ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرمایا : اس قوم پر کسی کے کہنے کا اثر نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کسی صالح مرد کی صحبت میں آیا جایا کریں تو شاید اس کی برکت سے مسلمان ہو جائیں"[۲] اس کے بعد انھوں نے ایک طویل حکایت بیان کی جو تبدیلی مذہب کے بنیادی اُصولوں پر اُن کے خیالات کی بہترین ترجمانی کرتی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کو نہ تو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جاسکتا ہے نہ زبانی تلقین سے۔ اچھا کردار، تلوار اور زبان سے زیادہ موثر ہوتا ہے۔ اس کی مقناطیسی قوت، اعتقاد و عمل میں انقلاب برپا کر سکتی ہے دوسروں کو مسلمان بنانے سے پہلے خود مسلمان بننا ضروری ہے۔ پھر تمھاری صحبت میں جو آئے گا خود مسلمان ہو جائے گا۔

مشایخ چشت ہدایت فرماتے تھے کہ اگر کوئی ہندو تمھاری صحبت سے گرویدگی یا عقیدت کی بنا پر تمھارے پاس آنے جانے لگے اور تم سے ذکر وغیرہ کے متعلق پوچھے تو فوراً بتادو، اس فکر میں نہ رہو کہ وہ باقاعدہ مسلمان ہو جائے جب اُسے روحانی تعلیم دی جائے۔ شاہ کلیم اللہ د

۱۔ سیر الاولیاء۔ ص ۳۲۱

۲۔ فوائد الفواد۔ ص ۱۸۲

Marfat.com

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"صلح با ہندو و مسلمان سازند و ہر کہ ازیں دو فرقہ کہ اعتقاد بشما داشتہ باشند،
ذکر و فکر مراقبہ و تعلیم او بگویند کہ ذکر بخاصیت خود او را بربقۂ اسلام خواہد کشید" [1]

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی ایک عبارت ہم اوپر نقل کر آئے ہیں کہ فرماتے تھے: اگر بیعت کے شرائط و قواعد کو وہ پہلے ہی سے بیان کر دیں تو بہت سے لوگ محروم رہ جائیں۔ دینی معاملات میں سہولت پیدا کرنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ انسانی فطرت کو بیک وقت بہت سے اصول و قواعد کی بندش میں جکڑنا اچھا نہیں۔ کسی نئی قوم کو دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام احکام کا بوجھ ایک دفعہ ان پر ڈال دینا، نفسیاتی مصلحتوں کے خلاف ہے [2] شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ (باب التیسیر [3]) میں مذہبی آسانیوں پر مفصل گفتگو کی ہے اور

---

[1] مکتوبات کلیمی۔ ص ۴۷

[2] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ کرتے ہوئے ہدایت فرماتے ہیں:

انک تاتی قوما من اهل الکتاب فادعهم الی شهادة ان لا اله الا الله و انی رسول الله فان هم اطاعوا لذالک فاعلمهم ان الله افترض علیهم خمس صلوات فی کل یوم ولیلة فان هم اطاعوا لذالک فاعلمهم ان الله افترض علیهم صدقة تؤخذ من اغنیائهم وترد الی فقرائهم فان هم اطاعوا لذالک فایاک وکرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فانه لیس بینها وبین الله حجاب۔

تم اہل کتاب کے پاس جاتے ہو، پہلے ان کو کلمۂ توحید کی دعوت دو، اگر وہ اس کو قبول کرلیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے رات اور دن میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے، جو ان کے امراء سے لے کر ان کے غرباء پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر وہ اس کو بھی تسلیم کرلیں تو ان کے بہترین مال سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا، کیونکہ اس میں اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

[3] حجۃ اللہ البالغہ۔ جلد اول ص ۲۱۱

Marfat.com

بتایا ہے کہ لوگوں کی طبیعت کی رغبتوں کو سامنے رکھ کر مذہبی اصولوں کے اتباع کی دعوت دینی چاہیئے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو تبلیغی کام کے لئے یمن روانہ کیا، تو ہدایت فرمائی:

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا	(دین کو) آسان کر کے پیش کرنا سخت بنا کر نہیں۔ لوگوں کو خوش خبری سنانا، نفرت نہ دلانا اور باہم ہمیشہ موافق رہنا اختلاف نہ کرنا۔

مشایخ چشت، اشاعتِ دین کے اسی اصول پر عامل تھے۔ اور اسی کو زیادہ موثر خیال کرتے تھے۔

ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے زمانے سے لے کر شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کے زمانے تک مشایخ کو ایسے لوگوں کی اصلاح و تربیت کرنی پڑی ہے جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن اپنے قبیلے کے ڈر سے اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ فوائد الفواد میں لکھا ہے:

"یکے از حاضران پرسید کہ ہندوے کہ کلمہ می گوید وخدائے را بوحدانیت یاد می کند رسول را برسالت، اما ہمیں کہ مسلمان می آیند ساکت می شود عاقبت او چہ باشد"۔ [1]	حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ ایک ہندو کلمہ پڑھتا ہے، اللہ کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت پر اعتقاد رکھتا ہے، لیکن جوں ہی مسلمان آتے ہیں، خاموش ہو جاتا ہے۔ اس کی عاقبت کیسی ہوگی۔

شاہ کلیم اللہ دہلویؒ ایک خط میں شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو لکھتے ہیں:

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۳۵

Marfat.com

"ودیگر مرقوم بود بھیہ دیارام وہندو ہائے دیگر بسیار در ربقۂ اسلام درآمدہ اند اما برمردم قبیلہ پوشیدہ می مانند۔" [1]

شاہ کلیم اللہؒ اس چیز کو پسند نہیں کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ آہستہ آہستہ تبدیلی مذہب کا اظہار بھی ہو جانا ضروری ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے ایسے لوگوں کے متعلق صرف اتنا فرمایا تھا:

"معاملہ او بحق است۔۔۔ تا حق چہ کند
انشاء عفا و انشاء عذب"
"اُس کا معاملہ حق سے ہے۔ خواہ اسے
بخشے خواہ عذاب کرے۔" [2]

---

[1] مکتوبات کلیمی ص ۲۵

[2] فوائد الفواد ص ۱۳۵؛ ترجمہ ص ۱۱۰

Marfat.com

باب دہم

سماع اور اس کے آداب

اصلاح و تربیت سے متعلق اس گفتگو کو ختم کرنے سے پہلے، چشتیہ سلسلہ کی ایک اہم رسم سماع کے متعلق کچھ عرض کر دینا ضروری ہے۔

سماع کے مسئلے پر علماء و مشایخ میں بڑا اختلاف رہا ہے۔ بعض مشایخ نے اس کو روحانی ترقی کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ کچھ علماء نے اس کو صریحاً حرام بتایا ہے۔ بعض محتاط بزرگوں نے "نہ انکار می کنم نہ ایں کار می کنم" کہہ کر سکوت اختیار کر لیا ہے۔ اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں کے مطالعہ کے لئے شیخ ابوالنصر سراج رح کی کتاب اللمع، شیخ عزالدین عبدالسلام المقدسی رح (م ۶۷۸ھ/۱۲۷۹ء) کی حل الرموز و مفاتیح الکنوز[1] امام ابن تیمیہ رح کا رسالہ اصول السماع والرقص[2]، مولانا ابوالفرح ابن جوزی کی کتاب تلبیس ابلیس، مولانا فخرالدین زرادی رح کا رسالہ اصول السماع، امام غزالی رح کی کیمیائے سعادت، شیخ ہجویری رح کی کشف المحجوب اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح کا رسالہ قرع الاسماع

---

[1] اس کتاب کے قلمی نسخے بانکی پور (نمبر ۸۹۵ مکتوبہ ۸۳۹ھ) رام پور (۱۰۳) آصفیہ (نمبر ۸۹
وغیرہ میں موجود ہیں۔

[2] اردو ترجمہ "وجد و سماع" از مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی (مطبوعہ الہلال بک ایجنسی)

[3] مطبوعہ مصر ۱۹۲۸ء

Marfat.com

باختلاف اقوال المشائخ واحوالہم فی السماع ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ شیخ ابوالنصر سرّاج نے حسن صوت کے سلسلہ میں متعدد احادیث نقل کی ہیں اور ان ہی پر مباحث سماع کی گفتگو کی بنیاد رکھی ہے۔

مولانا محمود کاشانیؒ نے مشائخ کے لئے اس کی ضرورت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اصحاب ریاضت وارباب مجاہدہ را از کثرت معاملات گاہ گاہ اتفاق افتد کہ کلالتے وملالتے در قلوب ونفوس حادث شود، وقبض و یاسے کہ موجب فتورِ اعمال وقصور احوال بود طاری گردد وبس مشائخ متاخر از برائے رفع ایں عارضہ ودفع ایں حادثہ ترکیبے روحانی از سماع اصواتِ طیبہ والحانِ متناسبہ واشعارِ مہیجہ مشوّقہ بر وجہے کہ مشروع بود نمودہ اند" [۱]

مشائخِ چشت، سماع کو روحانی غذا سے تعبیر کرتے تھے، لیکن اس کے آداب کا نہایت سختی سے خیال رکھتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ سماع کی چار قسمیں ہیں: حلال، حرام، مکروہ اور مباح۔ اگر صاحبِ وجد کو حق کی طرف زیادہ میل ہے، تو سماع اس کے حق میں مباح ہے، اگر اس کا میلان مجاز کی طرف زیادہ ہے تو سماع اس کے حق میں مکروہ ہے، لیکن جس کا دل بالکل مجاز ہی کی طرف ہو اس کے لئے سماع حرام ہے۔ جب میلان طبع بالکل حق کی طرف ہو تو حلال ہے۔ [۲]

سماع کے حلال ہونے کے لئے چار چیزوں کی ضرورت تھی:

(۱) مُسمّع (۲) مستمع (۳) مسموع (۴) آلۂ سماع

مُسمّع (یعنی گانے والا) مرد کامل ہو، لڑکا یا عورت نہ ہو۔ مستمع (یعنی سننے والا) یادِ حق سے خالی نہ ہو۔ مسموع (یعنی جو چیز گائی جائے) فحش نہ ہو۔ آلۂ سماع (یعنی مزامیر) موجود نہ ہوں۔ [۳]

مشائخِ چشت کا خیال تھا کہ اگر ان میں سے ایک شرط بھی پوری نہ ہو تو سماع حرام ہے۔

۱۔ مصباح الہدایت ص ۱۸۲-۱۸۰۔ آقائے جلال الدین ہمائی نے سماع پر نہایت دلچسپ اور مکمل تشریحی نوٹ لکھا ہے۔

۲۔ سیرالاولیاء ص ۴۹۱

۳۔ سیرالاولیاء ص ۴۹۲-۴۹۱

Marfat.com

رفتہ رفتہ ان شرائط کو نظر انداز کیا جانے لگا۔ یہاں تک کہ سماع کی روح ختم ہوگئی اور بقول شاہ کلیم اللہ رح، صرف "ہائے ہوئے سماع" رہ گیا۔ شاہ صاحبؒ نے ان ہی حالات کے پیش نظر اعلان کیا کہ "کثرتِ سماع ہم خوب ندارم"، اور اس کی وجہ یہ بتائی:

"امروز قدرِ راگ مشایخ نمی شناسند و آداب را رعایت نمی کنند" ؎۱

شاہ کلیم اللہ دہلوی رح کو اٹھارویں صدی میں جو شکایت اپنے معاصرین سے سماع کے سلسلہ میں تھی، وہی شکایت سات سو سال قبل ہندوستان کے مشہور بزرگ اور پہلے صوفی شیخ علی ہجویری رح کو اپنے زمانہ کے لوگوں سے تھی۔ لکھتے ہیں:

"اندریں زمانہ گروہے گم شدگان	اس زمانہ میں گمراہوں کا گروہ ایسا
بہ سماع فاسقان حاضر شوند و گویند	پیدا ہو گیا ہے جو فاسقوں کی محفل سماع
کہ سماع از حق میکنیم و فاسقان از	میں شریک ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم
آنکہ ایشاں مرایشاں را اندران	سماع حق کے لئے سنتے ہیں۔ فاسقوں
موافقت کنند بر سماع کردن و بہ	کا فسق و فجور اس سے اور بڑھتا ہے
فسق و فجور حریص تر شوند تا خود ایشان	یہاں تک کہ یہ اور وہ دونوں برباد
ہلاک شوند"۔ ؎۲	ہو جاتے ہیں۔

مرو میں ایک مشہور محدث نے شیخ ہجویری رح کو بتایا کہ جواز سماع پر اُنھوں نے ایک کتاب لکھی ہے، شیخ نے فوراً کہا یہ تو بڑا غضب ہو گیا۔ محدث نے کہا: اگر تم حلال نہیں سمجھتے ہو تو خود کیوں سنتے ہو۔ شیخ نے جواب دیا کہ اس کا حکم مختلف حالات پر منحصر ہے، کوئی ایک حکم نہیں لگایا جاسکتا

"اگر تاثیر اندر دل حلال بود سماع	اگر سماع سے دل میں تاثیر حلال پیدا
حلال بود، و اگر حرام بود، حرام و	ہوتی ہے تو سماع حلال ہے اگر حرام
اگر مباح بود مباح، چیزے را کہ حکم	پیدا ہوتی ہے تو حرام ہے اگر مباح پیدا

؎۱ مکتوباتِ کلیمی۔ ص ۸۳

؎۲ کشف المحجوب ص ۳۲۱

ظاہرش فسق است و اندر باطن حالش روشن بروجوه است، اطلاق آں بہ یک چیز محال باشد[1]	ہوتی ہے تو مباح ہے۔ ایسی شے جس کے ظاہر پر حکم فسق کا ہے اور جس کا باطن مختلف احوال کا تابع ہے، اس پر کوئی ایک قطعی حکم لگا دینا محال ہے۔

اقبال کا کہنا ہے ؎

نوا کو کرتا ہے موج نفس سے زہر آلود
وہ نے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں

اگر "نے نواز" کا ضمیر پاک ہو تو سماع "قوت روحانی" بن جاتا ہے!

---

[1] کشف المحجوب۔ ص ۳۱۶

Marfat.com

حصہ پنجم

چشتیہ سلسلہ کی اساسِ فکر

Marfat.com

باب اول

فکر کے دائرے

کوئی انسانی جماعت، ادارہ، تنظیم یا تحریک اس وقت تک اپنا دائرۂ اثر و نفوذ وسیع نہیں کر سکتی جب تک اس کی اساسِ فکر محکم، متعین اور مضبوط اصولوں پر قایم نہ ہو۔ ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کی کامیابی اور اس کی مقبولیت کا راز اس کا وہ واضح مقصد اور مضبوط لائحہ عمل تھا جس کو اکابر سلسلہ نے اعلیٰ روحانی قدروں کے سہارے، شریعت و سنت کی روشنی میں آگے بڑھایا۔ اُن کی چشم بصیرت نے زمان و مکان کے گوناگوں تقاضوں کی حقیقت کو سمجھا اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے وسیع پس منظر میں اپنی تحریک کو ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا۔

(۱) چشتیہ سلسلہ کی تمام روحانی اور اصلاحی جد و جہد کا مقصد انسان کے دل میں ذات باری تعالیٰ کی محبت پیدا کرنا تھا۔[۱] وہ کہتے تھے کہ انسانی زندگی کی تکمیل صرف اس وقت ممکن ہے جب اس میں اپنے رب سے سچی وابستگی اور سنت اللہ کا صحیح

---

۱ دُررِ نظامیہ (قلمی نسخہ، ا ب) میں ہے: "ہمہ وقت از خدائے عز و جل محبت حضرت اُو باید خواست" اس محبت کے اثر کی طرف اس طرح اشارہ ہوتا ہے "چوں محبت حق در سویدائے قلب در آید ... امکان معصیت نباشد" (۱۵ ب)

Marfat.com

احترام پیدا ہو جائے۔ جس نے اللہ کی ذات کو، اس کی صفات کے ذریعہ سمجھ لیا، اس نے دنیا کی ساری مادّی طاقتوں سے اپنے آپ کو آزاد کرا لیا۔ زندگی، رزق، صحت، عزت ـــــ سب چیزیں جن کی انسان کے دل میں خواہش ہے ـــــ ان کا دینے والا صرف اللہ ہے۔ جب یہ اعتقاد اور یقین انسان کے دل میں مضبوطی سے جم جاتا ہے تو اس میں نہ صرف غیر معمولی خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے بلکہ وہ خودی کی اس منزل پر پہونچ جاتا ہے جہاں وہ تقدیر کا مرکب نہیں رہتا بلکہ راکب بن جاتا ہے۔ شخصیت کی تعمیر، اللہ کی محبت کے بغیر ممکن نہیں۔

(۲) چشتیہ سلسلہ انسانی برادری کی وحدت کا قائل تھا اور اپنی اعلیٰ رُوحانی اور اخلاقی قدروں کو ہر انسان تک پہونچانے کا خواہش مند رہتا تھا۔ "الخلق عیال اللہ" پر محکم یقین کے ساتھ چشتی مشایخ انسانی برادری کو ایک رشتۂ الفت میں پرونے کی کوشش کرتے تھے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو دریا جیسی سخاوت، آفتاب جیسی شفقت اور زمین جیسی تواضع پیدا کرنی چاہیئے[1] کہ اُن کی فیاضیاں اور کرم گستریاں اپنے اور پرائے کا فرق نہیں کرتیں اور ہر کس و ناکس کے لئے عام ہیں۔

(۳) چشتیہ سلسلہ کے مشایخ نے مذہب کا وہ انقلابی تصور پیش کیا جو قرآن کی تعلیمات کی روح ہے۔ انھوں نے بتایا کہ مذہب حقیقتاً خدمت خلق کا دوسرا نام ہے۔ بنی نوع انسان کو راحت پہونچانے کے لئے ہر کوشش بنیادی طور پر روحانی کوشش ہے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ فرمایا کرتے تھے کہ حقیقی عبادت یہ ہے کہ

"درماندگاں را فریاد رسیدن	عاجزوں کی فریاد کو پہونچنا ضعیفوں
و حاجت بیچارگاں روا کردن و	اور بیچاروں کی حاجت روائی کرنا،
گرسنگاں را سیر گردانیدن" [2]	اور بھوکوں کا پیٹ بھرنا۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۴۶

[2] سیر الاولیاء ص ۴۶

اسی طرح شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے طاعت لازمی اور طاعت متعدی کی تقسیم کر کے[1] مذہب کو بنی آدم کی خدمت اور اس کی بہبود کے لئے جدوجہد کے مترادف بنادیا تھا۔

(۴) مشائخ چشت کا اعتقاد تھا کہ "آدم گری" یعنی انسان کو بھلائی کی طرف بلانا اور بُرائی سے روکنا، اس میں اخلاقی اور روحانی قدروں کا احترام پیدا کرنا، نہ صرف ان کا فرض ہے، بلکہ کار نبوت ہے اور اس کو جاری رکھنے کی ذمہ داری ان پر عاید ہوتی ہے۔ سید محمد گیسو درازؒ کہا کرتے تھے:

"حق تعالیٰ قادر است کہ خلق	اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے جو مخلوق کو
را خود بلاواسطۂ نبی ہدایت کند	خود بلا واسطۂ نبی ہدایت کرسکتا ہے
اما سنت او تعالیٰ بریں جاری است	مگر اللہ تعالیٰ کی سنت اسی طرح
کہ نبی مبعوث شود بر ہر قومے یکے	جاری ہے کہ پیغمبر ہر قوم پر بھیجے جاتے
از ایشاں تا دعوت کند ایشاں را	ہیں تاکہ ان میں جس طرح فرمان ہو
بدانچہ فرمان او باشد کذلک مشائخ	اس کے مطابق تبلیغ کریں۔ اسی
ہم بفرمان او دعوت خلق سوئے	طرح مشائخ بھی اُسی کے حکم سے خلق
او می کنند" [2]	کو اس کی طرف بلاتے ہیں۔

(۵) مشائخ چشت نے نظریۂ وحدت وجود کے عملی پہلو کو اُجاگر کیا۔ یہ نظریہ جب انسانی سماج میں بروئے کار آتا ہے تو اس کا اثر سماجی اتحاد اور یک جہتی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ شاہ محب اللہ الہ آبادیؒ نے ایک بار دارا شکوہ کو لکھا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک میں "رحمۃ للعالمین" کہا گیا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ سارا عالم اُن کی رحمت کے سایہ میں ہے۔ مزید تشریح کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ فصوص الحکم میں اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ انسانوں کے درمیان فرق کرنا

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۴-۱۳

[2] جوامع الکلم ص ۱۷۳

جائز نہیں[۱]۔

(۶) مشائخ چشت نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ سلطان و سیاست سے علیحدہ رہا جائے تاکہ درباداری کی نامراد زندگی اور سیاست کے ہر لمحہ بدلتے ہوئے تقاضے ان کے فکر و عمل پر اثر انداز نہ ہو سکیں اور وہ اپنے اعلیٰ روحانی اور اخلاقی مقاصد کے لئے جد و جہد میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ کریں۔ ان کا یقین تھا کہ ؎

فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

(۷) مشائخ چشت کا کہنا تھا کہ انفرادی فوز و کامرانی اور جماعتی فلاح و بہبود کا راز ضروریات کو پھیلانے میں نہیں، بلکہ ان کو محدود کرنے میں ہے۔ قناعت اور صبر کی زندگی انسان کی حقیقی خوشی کی ضامن ہے، اور یہ اس وقت ممکن ہے جب انسان خالقِ کائنات کی ہستی کو حاضر و ناظر جان کر زندگی کے سب کام اس طرح انجام دے گویا کسی اعلیٰ مقصد کی چاکری میں انجام دے رہا ہے۔

انفرادی اور جماعتی زندگی کے یہ سب اصول و مقاصد قرآن اور سنت سے اخذ کئے گئے تھے، اور سلسلہ کی تنظیم اور افراد کی تربیت میں ان پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ جو کتابیں پڑھی اور پڑھائی جاتی تھیں ان کا مقصد بھی یہ ہوتا تھا کہ انفرادی سیرت کی تعمیر کر کے اس کو اعلیٰ روحانی مقاصد کی چاکری میں لگایا جا سکے۔ قرآن کی حیثیت تو "اُم الکتاب" کی تھی ہی، اس کے علاوہ حدیث، فقہ، اور تصوف کی اعلیٰ کتابوں کے ذریعہ فکر و عمل کی دنیا کو سنوارا جاتا تھا، اور "یزکیہم و یعلمہم الکتاب والحکمۃ" کی اہمیت ذہن نشین کر کے ان کی زندگی کے مقصد و منہاج کو متعین کیا جاتا تھا۔

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کی جس وقت داغ بیل پڑی تھی، اسلامی تصوف کی تدوین فکر کا کام تقریباً پورا ہو چکا تھا۔ شیخ ابو نصر سراجؒ، امام قشیریؒ، ابو طالب مکیؒ،

---

[۱] مکتوبات شاہ محب اللہ الہ آبادیؒ (قلمی)

امام غزالیؒ وغیرہم کے عظیم الشان فکری کارنامے صوفی حلقوں میں غور و فکر کا عنوان بنے ہوئے تھے، تصوف کا پورا فلسفہ مدون ہو چکا تھا اور تصوف کی تحریک تنظیم سلاسل کی منزل میں داخل ہو رہی تھی۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کا اُن تمام صوفی مرکزوں سے تعلق رہا تھا جہاں تدوین فکر اور تنظیم سلاسل کا کام نہایت پر زور طریقہ پر انجام پا رہا تھا۔ انھوں نے شیخ نجم الدین کبریٰؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ نجیب الدین عبدالقاہر سہروردیؒ، شیخ یوسف ہمدانیؒ، شیخ ناصرالدین استرآبادیؒ، اور شیخ احمد خضرویہؒ کی صحبت پائی تھی۔ یہ وہ مشاہیر بزرگ تھے جن کے گرد تصوف کی تحریک منظم ہوئی اور جن کے اثرات نے اسلامی دنیا کے گوشہ گوشہ کو متاثر کیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خواجہ اجمیریؒ نے تصوف کے پورے فکری سرمایہ اور تنظیمی اصولوں سے باخبر ہو کر سرزمین ہند پر قدم رکھا تھا۔

خواجہ اجمیریؒ کا صرف ایک ارشاد چشتیہ سلسلہ کی فکری اساس اور جد و جہد کی حقیقی نوعیت سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

ایک دن خواجہ اجمیریؒ قلعۂ اجمیر میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک درویش آیا اور سوال کیا:

تارک دنیا را چند چیز باید کہ بجا آرد؟	تارک دنیا کو کیا کیا چیزیں کرنی چاہئیں۔

فرمایا:

"در شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم است کہ انچہ فرمودہ خدائے تعالیٰ است بجا آرد وانچہ خدائے تعالیٰ منع کردہ است ازاں بہ کلی بازماند، اگر کسے او را تارک دنیا گوید روا باشد" [1]	شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہی حکم ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے (بجالانے کے لئے) فرمایا ہے اسے بجالائے اور جس چیز سے منع کیا ہے اس سے پوری طرح بچا رہے۔ اگر ایسے شخص کو کوئی تارک دنیا کہے تو صحیح ہوگا۔

[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

پھر طریقت میں ترک دنیا کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے حضرتؒ نے شیخ حمید الدینؒ کو ایک رسالہ لکھنے کی ہدایت کی. شیخ حمید الدین نے اصول الطریقہ نامی رسالہ تصنیف کیا. اس میں سوال اور جواب کا انداز اختیار کیا گیا ہے. حقیقت میں اس رسالہ کو خواجہ اجمیریؒ ہی کی تعلیم سمجھنا چاہیئے. شیخ ناگوریؒ کے نظریات حقیقتاً خواجہ اجمیریؒ ہی کے افکار کی صدائے بازگشت ہیں. ان کی تعلیم کو چشتی حلقوں میں جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاؒ نے ان کی تصانیف میں سے ایک انتخاب تیار کیا تھا۔ ان کی روحانی تعلیم کا مرکزی نقطہ "ترک دنیا" تھا۔ وہ فقر کو روحانی زندگی کا بنیادی اصول سمجھتے تھے، اور معاصرین میں بھی اگر کوئی اس اصول سے گریز کرتا نظر آتا تھا تو اس کی تنقید میں قطعاً تامل نہ کرتے تھے۔ ایک بار ان سے شریعت و طریقت کے باہمی تعلق کے متعلق پوچھا گیا، تو فرمایا: دونوں میں وہی تعلق ہے جو جسم اور جان میں ہے۔ طریقت شریعت کی جان ہے۔ بہشت اور دوزخ کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ انسان کے اعمال ہیں۔ فمن یعمل مثقال ذرۃٍ خیرا یرہ ○ ومن یعمل مثقال ذرۃٍ شرا یرہ ○ آج جو عمل کیا جا رہا ہے کل یہی عمل متشکل نظر آئے گا۔ شیخ کے ان نظریات کے گرد صوفی فکر کی پوری دنیا تعمیر ہو سکتی ہے۔

سرور الصدور میں جن کتابوں کا ذکر آیا ہے اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کونسی کتابیں اس وقت چشتی بزرگوں کی توجہ کا مرکز تھیں اور ان سے کس نوعیت کی فکر پرورش پا سکتی تھی۔ اس فہرست میں تفسیر، حدیث، تصوف، فقہ، کلام سب فنون کی کتابیں شامل ہیں۔ اس سے نہ صرف معلومات کی وسعت اور افکار کی پہنائی کا اندازہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

لہ رسالہ شیخ حمید الدین ناگوری (قلمی)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منصور حلاج کے نظریات سے بھی وہ کافی متاثر تھے اور ان کی تصنیف کو بڑی عقیدت اور پسندیدگی سے نقل کرتے تھے۔

لہ اخبار الاخیار میں صرف چند صفحے اس سے نقل ہوئے ہیں۔ اس انتخاب کا ایک مکمل نادر نسخہ پیش نظر ہے۔

Marfat.com

ہے بلکہ خیالات کی سمت سمجھنے میں بھی مدد مل سکتی ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ذریعہ جو کتابیں رائج ہوئیں ان کے متعلق برنی کا بیان ہے:

"درغبت بیشتری متعلمان واشراف واکابر کہ بخدمت شیخ پیوستہ بودند، در مطالعہ کتب سلوک وصحائف احکام طریقت مشاہدہ می شد، وکتاب قوت القلوب، واحیاء العلوم، وترجمہ احیاء العلوم، وعوارف، وکشف المحجوب وشرح تعرف، ورسالہ قشیری ومرصاد العباد، ومکتوبات عین القضاۃ ولوائح ولوامع قاضی حمید الدین ناگوریؒ، وفوائد الفواد امیر حسن را بواسطہ ملفوظات شیخ خریداران بسیار پیدا آمدند، ومردماں بیشتر از کتابیان از کتب سلوک وحقائق باز پرس کردندے" [1]

بہت سے ایسے متعلم، اشراف اور اکابر جو شیخ کے مریدوں میں شامل ہو گئے تھے دیکھا گیا ہے کہ ان کو کتب سلوک اور احکام طریقت کے صحائف کے مطالعہ میں (دلچسپی پیدا ہو گئی) تھی۔ اور قوت القلوب، احیاء العلوم، ترجمہ احیاء العلوم (کیمیائے سعادت)، عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے لوائح اور لوامع، امیر حسن کی فوائد الفواد شیخ کے ملفوظات ہونے کے باعث، ان کتابوں کے خریدار بہت پیدا ہو گئے۔ بیشتر لوگ کتب فروشوں سے سلوک اور تصوف کی کتابوں کے متعلق پوچھتے رہتے تھے۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ جن متقدمین صوفیہ کے افکار اور زندگی سے سب سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں وہ شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ، شیخ سیف الدین باخرزیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ہیں۔ ہندوستان کے صوفی مصنفین میں وہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے بہت مداح تھے اور

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۴۶

Marfat.com

ان کی تصانیف کے متعلق ایک بزرگ کا قول نقل فرمایا کرتے تھے :

"شما آنچہ می خوانید ہم دریں کاغذہا	جو کچھ تم نے پڑھا ہے وہ بھی ان کاغذات
ہست وانچہ نہ خواندہ اید ہم دریں	میں ہے اور جو کچھ تم نے نہیں پڑھا وہ
میاں ہست وآنچہ من خواندہ ام ہم	بھی ان میں ہے اور جو کچھ میں نے پڑھا
دریں میاں ہست وانچہ نہ خواندہ ام	ہے وہ بھی ہے اور جو کچھ میں نے نہیں
ہم ہست" [1]	پڑھا وہ بھی ہے ۔

مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس ابتدائی دور ہی میں اسلامی فکر کے سب دھارے ــــ اشعری، معتزلی، وحدت الوجودی ــــ چشتی صوفیہ کے ذہن کو متاثر کرنے لگے تھے ۔

مختلف ادوار میں جو کتابیں چشتی بزرگوں کی توجہ کا مرکز رہی ہیں ان کی کم وبیش صورت یہ تھی :

دور اول : یعنی ابتداء سے چراغ دہلیؒ کے زمانہ تک ۔

(۱) **تفسیر** : کشاف ، تفسیر مقاتل ، تفسیر مدارک ، تفسیر امام ناصری ، تفسیر زاہدی ، تفسیر کبیر امام رازیؒ ، تفسیر شیخ عثمان خیر آبادیؒ ؛

(۲) **حدیث** : مشارق الانوار ، مصابیح

(۳) **فقہ** : ہدایہ ، قدوری ، بزدوی ، تمہیدات ابوشکور ،

(۴) **تصوف** : قوت القلوب ، احیاء العلوم ، کیمیائے سعادت ، جواہر القرآن ، رسالہ قشیری ، عوارف المعارف ، مرصاد العباد ، کشف المحجوب ، شرح تعرف ، مکتوبات عین القضاۃ ، تصانیف منصور حلاج ، لوائح ولوامع قاضی حمید الدین ناگوریؒ ، مکتوبات فخر الدین رازیؒ ، مقامات شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ ،

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۴۴

دورِ ثانی میں (یعنی چراغ دہلیؒ کے بعد سترھویں صدی تک) جن کتابوں کا اضافہ ہوا وہ یہ ہیں:

(۱) **تفسیر**: بیضاوی

(۲) **حدیث**: شمائل ترمذی، صحیح بخاری،

(۳) **فقہ**: شرح وقایہ، حسامی، توضیح تلویح، کنز الدقائق، مبسوط،

(۴) **تصوف**: فصوص الحکم، فتوحات مکیہ، مثنوی مولانا روم، آداب المریدین، تمہیدات عین القضاۃ، تذکرۃ الاولیاء، معارف مولانا رومؒ،

آخری دور میں یعنی سترھویں صدی سے جو نئی کتابیں چشتی صوفی حلقوں میں مقبول ہوئیں وہ یہ تھیں:

(۱) **تفسیر**: جلالین، قرآن القرآن،

(۲) **حدیث**: بخاری، مسلم، موطا، ابن ماجہ، مشکوٰۃ، سفر السعادت،

(۳) **فقہ**: نور الانوار، مسلم الثبوت، شرح مواقف، شرح عقائد،

(۴) **تصوف**: کشکول کلیمی، مرقع کلیمی، سواء السبیل، تسنیم، نفحات الانس، لمعات، منازل السائرین، رشحات، سلک السلوک، وغیرہ

اگر کتبِ مطالعہ کا تجزیہ فکر کے دائرے سمجھنے میں مددگار ہو سکتا ہے تو اس حقیقت کا اظہار کرنے میں کبھی تامل نہیں ہونا چاہئے کہ دورِ اول کے چشتی مشایخ، تصوف کی تعلیم اور اس کے عملی پہلوؤں سے، بعد کے مشایخ کے مقابلہ میں، کہیں زیادہ باخبر تھے۔ اُن کے مطالعہ کی حیثیت بنیادی تھی، انھوں نے براہِ راست اُن مآخذ سے فیض حاصل کیا تھا جن کے ذریعہ تحریکِ تصوف ابھری اور آگے بڑھی تھی۔ بعد کو بعض حیثیت سے مطالعہ کی سرحدیں وسیع ضرور ہوئیں لیکن وہ گہرائی اور ژرف نگاہی باقی نہ رہی جو دورِ اول کے صوفیہ کی خصوصیت تھی۔ متقدمین کی شخصیتیں تو اس تعلیم میں ڈھل گئی تھیں اور انھوں نے تصوف کی روح کو اپنے پیکر میں جذب کر لیا تھا۔ اُن کے بعد یہ صورت نہ رہی۔

باب دوم

محور فکر: قرآن پاک

قرآن پاک چشتی مشایخ کے لئے مرکزی تخیل کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ اس کے مطالعہ کو خواہ وہ تلاوت کی شکل میں ہو یا تفسیر کی، روحانی احساس بیدار کرنے کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ بابا صاحبؒ نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو قرآن پاک کے چند پاروں کی تفسیر کا درس دیا تھا۔[1] قرأت اور تجوید میں بھی اُن کو خاص مہارت تھی۔ "ولا الضالین" جس طرح بابا صاحبؒ پڑھتے تھے، کسی دوسرے سے اس طرح بن نہ آتا تھا۔[2]

مشایخ چشت کا حفظ قرآن پر بہت زور تھا۔ قطب صاحبؒ نے آخری عمر میں قرآن پاک حفظ کیا تھا۔[3] بابا صاحبؒ کے جماعت خانہ میں حفاظ کی کثرت تھی۔[4] شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو بھی انھوں نے حفظ قرآن کی وصیت کی تھی۔[5] قرآن کی تعلیم، بالخصوص حفظ قرآن پر، جو ان کو اصرار تھا اس کا ثبوت سیر الاولیاء کے صفحات میں جگہ جگہ ملتا ہے۔ فوائد الفواد میں

---

۱ فوائد الفواد ص ۱۶۳

۲ فوائد الفواد ص ۱۶۳

۳ فوائد الفواد ص ۷۹

۴ سیر الاولیاء ص ۱۰۷

۵ سیر الاولیاء ص ۱۲۳

Marfat.com

قرآن کی تلاوت کی بار بار تلقین ہے[۱]۔ ایک شخص نے عرض کیا: اگر حفظ کرنا میسر نہ آئے تو ناظرہ کیسا ہے؟۔ فرمایا:

"نیکو باشد، دراں دیدہ را نیز
حظے باشد" [۲]

یہ (بھی) اچھا ہے۔ اس سے آنکھوں
کو بھی حظ حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر کی جو کتابیں مشائخ کے زیر مطالعہ رہتی تھیں اُن میں تفسیر ناصری، تفسیر مقاتل، کشاف، تفسیر مدارک، تفسیر زاہدی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تفسیر ناصری، شیخ حمید الدین ناگوریؒ نے اپنے بیٹے اور پوتے سے کتابت کرائی تھی اور خود بھی لکھی تھی۔ ایک دن فرمایا:

"فریدا ایں تفسیرے کہ پدر تو می نویسد
ادبیانہ است اما تفسیرے کہ مذکراں
را کار آید آں تفسیر است کہ سعد الدین
بندال دارد، وآں تفسیر زاہد در اوچھ
است واول دریں شہر او آوردہ" [۳]

فرید! یہ تفسیر جو تیرا باپ لکھ رہا ہے
ادیبانہ ہے، لیکن جو تفسیر مذکروں کے
کام آتی ہے وہ ہے جو سعد الدین بندال
کے پاس ہے۔ اور وہ تفسیر زاہد ہے اور
اوچھ میں ہے اور اس شہر میں سب
سے پہلے وہی یہاں لائے ہیں۔

تفسیر مدارک کا بھی درس شیخ حمید الدینؒ نے دیا تھا[۴]۔ تفسیر مقاتل[۵] کے متعلق اُن کا خیال تھا:

"نیک تفسیرے پاکیزہ است و
مثل ندارد و شافعی رحمۃ اللہ علیہ
آنرا ستودہ است" [۶]

اچھی اور پاکیزہ تفسیر ہے جس کی مثال
نہیں ہے اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے
اس کی تعریف کی ہے۔

کشاف کے متعلق چشتی بزرگوں کی رائے میں بڑا اختلاف تھا۔ شیخ حمید الدین ناگوریؒ اس کے بے حد قائل تھے، اُن کی رائے پیچھے نقل کی جا چکی ہے۔ کسی نے علامہ زمخشری کے معتزلی

---

۱ فوائد الفواد ص ۱۷
۲ فوائد الفواد ص ۶۵
۳ سرور الصدور ص ۶۱
۴ سرور الصدور ص ۲۹
۵ دیکھئے مفتاح السعادہ ج ۱ ص ۴۰۳
۶ سرور الصدور ص ۲۹

ہونے کا ذکر کیا تو فرمایا :

" اگرچہ معتزلی بود اما ہمہ تفسیر اورا ستودہ اند وکذالک نحو اوراکہ دراں قیامتے بودہ " ؎۱	اگرچہ معتزلی تھے لیکن سب نے ان کی تفسیر کی تعریف کی ہے اور اسی طرح انکی کتاب نحو کی جس میں انھوں نے کمال کر دیا ہے

پھر شیخ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جس کو کشاف کی چاروں جلدیں یاد تھیں۔ خود شیخ نے اس سے بحث کی تھی، وہ ایسی دلچسپ اور عالمانہ تقریر کرتا تھا کہ سننے والے دنگ رہ جاتے تھے۔ شیخ ناگوری زمخشری کی تکفیر کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ :

" اعتقاد اہل سنت وجماعت آنست کہ تکفیر اہل قبلہ بدعت است، اہل قبلہ را کافر نباید گفت " ؎۲	اہل سنت وجماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر بدعت ہے۔ اہل قبلہ کو کافر نہ کہنا چاہیے۔

لیکن شیخ نظام الدین اولیاء کی رائے صاحب کشاف کے متعلق اچھی نہ تھی۔ ایک بار فرمایا :

" دریغا چنداں علوم کہ اورا بود اما عقیدۂ باطل داشت " ؎۳	افسوس کہ ایسا عالم ہونے کے باوجود غلط عقیدہ رکھتا تھا۔

پھر اس عقیدۂ باطل کی تفصیل اس طرح کی ——

کفر است، و بدعت است، و معصیت است، اما بدعت از معصیت بالاتر است، وکفر از بدعت بالاتر و بدعت بہ کفر	کفر، بدعت اور معصیت (تین چیزیں) ہیں۔ بدعت، معصیت سے بڑھ کر ہے، اور کفر، بدعت سے بالاتر ہے۔ بدعت کفر کے برابر ہوتی ہے۔

؎۱ سرور الصدور ص ۴۴

؎۲ سرور الصدور ص ۴۴

؎۳ فوائد الفواد ص ۱۰۹

Marfat.com

نزدیک است" [1]

زمخشری کے ذاتی عقائد سے قطع نظر، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشاف حضرت محبوب الٰہیؒ کے مطالعہ میں رہتی تھی۔ ایک مرید مولانا رکن الدین چغمر کے سلسلہ میں میر خورد نے لکھا ہے ـــــ

"در خط بے مثال زمانہ بیشترے کتب معتبر چنانکہ کشاف و مفصل دجز آں بہ جہت حضرت سلطان المشائخ کتابت کردہ رسانید۔" [2]

مولانا صدر الدین کوئلی نے حضرت محبوب الٰہیؒ سے بیان کیا کہ وہ ایک بار مولانا نجم الدین سنامیؒ سے ملنے گئے، اور اُن کی مشغولیت کے متعلق پوچھا۔ جواب دیا: مطالعہ تفسیر، پوچھا: کونسی تفسیر، کہا: کشاف، ایجاز، در عمدہ۔ مولانا نجم الدینؒ کی زبان سے بے اختیار نکلا: کشاف اور ایجاز کو جلا دو، صرف عمدہ کو پڑھو۔[3] شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے پھر شیخ صدر الدین سہروردیؒ کا واقعہ بیان کیا کہ وہ نحو مفصل پڑھنا چاہتے تھے۔ اپنے والد شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ) سے اس کا ذکر کیا۔ انھوں نے فرمایا۔ آج رات صبر کرو۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ صاحب کشاف کو زنجیروں میں جکڑے دوزخ میں لئے جاتے ہیں[4]۔ لیکن سیر الاولیاء سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ کے معتقدین و منسلکین میں کشاف کا درس ہوتا تھا۔ مولانا قوام الدین کے متعلق میر خورد نے لکھا ہے:

قاری کشاف بخدمت مولانا شمس الدین یحییٰ بود [5]	انھوں نے کشاف مولانا شمس الدین یحییٰ سے پڑھی تھی۔

امام فخر الدین رازیؒ کا ذکر غالباً سب سے پہلے شیخ حمید الدین ناگوریؒ کی مجلسوں

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۰۹

[2] سیر الاولیاء ص ۳۱۷

[3] فوائد الفواد ص ۱۰۹

[4] فوائد الفواد ص ۱۰۹

[5] سیر الاولیاء ص ۳۱۸

Marfat.com

میں ہوا۔ امام صاحبؒ سلاطین غور کے دربار میں رہے تھے اس لئے قیاس کہتا ہے کہ ان کی تصانیف کسی نہ کسی طرح دہلی کے علمی حلقوں میں پہونچ گئی ہوں گی۔ شیخ ناگوریؒ ان کی زندگی کے بعض دلچسپ واقعات بیان کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ سلطان محمد سام (محمد غوری) نے اُن کو پانچ ہزار کتابوں کا عطیہ دیا تھا[1]۔ شیخ ناگوریؒ کو مولانا نجیب الدین نے ایک بار بتایا تھا کہ اتنی کتابیں مولانا رازیؒ کے گرد رہتی تھیں کہ جب کسی کتاب کے نکالنے کی ضرورت پیش آتی تو کتابوں پر پیر رکھ کر اتارتے تھے[2]۔ ان کے خطوط کا مجموعہ انتقال کے بعد تیار کیا گیا تھا۔ ایک مرتبہ شیخ ناگوریؒ نے فرمایا کہ مولانا فخرالدین رازیؒ اور مولانا محمد غزالیؒ دونوں شافعی مذہب رکھتے تھے۔ ایک بار کچھ لوگوں میں ان دونوں بزرگوں کی عظمت اور بزرگی کے متعلق بحث ہوئی۔ بالآخر مولانا غزالیؒ کو ترجیح اس لئے دی گئی کیونکہ انھوں نے ترک دنیا مکمل طور پر کیا تھا[3]۔ شیخ ناگوریؒ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ مولانا شمس الدین حلوائی، مولانا رازیؒ کی تصانیف پڑھنے کی اجازت اس بنا پر نہیں دیتے تھے کہ

"حجت خصم را محکم بیان کردہ	دشمن کے دلائل کو مضبوط انداز میں
است وجواب طرف خود سست	بیان کیا ہے، لیکن اُن کا جواب جو
گفتہ"[4]	خود دیا ہے وہ نسبتاً کمزور ہے۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی مجلسوں میں مولانا فخرالدین رازیؒ کا اکثر ذکر رہتا تھا۔ اور وہ ان کی بزرگی اور روحانیت کے قائل تھے۔ ان کی کم از کم تین تصانیف تفسیر، الاربعین

---

[1] قطع نظر اور پہلوؤں کے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غور کی علمی اور تمدنی سطح اس قدر بلند تھی کہ بادشاہ ایک عالم کو پانچ ہزار کتابیں دے سکتا تھا۔

[2] سرور الصدور ص ۲۷

[3] سرور الصدور ص ۱۰۹ - ۱۰۸

[4] سرور الصدور ص ۱۰۹ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

فی اصول الدین اور الحسین فی اصول الدین شیخ نے مطالعہ کی تھیں۔ ایک دن شیخ نے مولانا رازیؒ کی یہ رباعی پڑھی ؎

آنم کہ نیم ذرہ ناخوش گردم   وز نیمہ نیم ذرہ دلکش گردم
از آب لطیف ترمزاجے دارم   دریاب مرا ورنہ آتش گردم [۱]

مشائخ چشت تفسیر قرآن سے زیادہ تفہیم قرآن پر زور دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ خیالی گورکھ دھندوں میں اُلجھ کر، یا وضعیت کے پیچ وخم میں پریشان ہو کر قرآن سے براہ راست استفادہ کی راہیں بند ہو جاتی ہیں ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی، نہ صاحب کشاف

حضرت گیسو درازؒ فرمایا کرتے تھے:

"درکتب سلوک است کہ باید کہ مرد بجملہ خطابات قرآن خود را مخاطب داند" [۲]   کتب سلوک میں لکھا ہے کہ انسان کو چاہئے کہ قرآن کے جملہ خطابات کا مخاطب خود کو سمجھے۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا قول ہے کہ کتاب اللہ میں چار چیزیں ہیں ——— عبادت، اشارت، لطائف، حقائق۔ عبادت عوام الناس کا حصہ ہے اور اشارت خواص کا، لطائف سے اولیاء اسند دلچسپی لیتے ہیں اور حقائق سے انبیاء۔ فرماتے تھے کہ قرآن پڑھتے وقت معانی پر اس طرح غور کرنا چاہئے کہ خدا کا جلال اور عظمت دل پر جلوہ گر ہو جائے۔ [۳]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

امام رازیؒ کے متعلق یہ رائے پڑھ کر بے اختیار مولانا ابوالکلام آزاد کے یہ جملے یاد آجاتے ہیں:
"شکوک وایرادات کے بے شمار دروازے کھل گئے۔ اُن کے کھولنے میں تو امام رازی کا ہاتھ بہت تیز نکلا، لیکن بند کرنے میں تیزی نہ دکھا سکے" ترجمان القرآن ج ۱ ص ۱۳

۱ فوائد الفواد ص ۱۱۹   ۲ جوامع الکلم ص ۶۹
۳ سیر الاولیاء ص ۴۳۵   اردو ص ۴۳۳

Marfat.com

علاوہ ازیں ہدایت تھی کہ قرآن پاک ترتیل اور تردید کے ساتھ پڑھا جائے [1]
شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی بھی ذکر تلاوت کلام اللہ سے بہتر یا بلند نہیں ہے۔ [2] شیخ نظام الدین اولیاءؒ ذکر کے ذریعہ جلد منزل مقصود تک پہونچ جانے کو تسلیم کرتے تھے لیکن فرمایا کرتے تھے:

ذکر کرنے والا اپنا مقصد تو جلد تر حاصل کرلیتا ہے، لیکن اس میں خوف زوال بھی رہتا ہے، اس کے برخلاف قرآن پڑھنے والے کو گو مقصد کے حصول میں دیر لگتی ہے لیکن زوال کا خطرہ نہیں ہوتا۔	"ذاکر را وصول زود تر بود، اما خوف زوال ہم بود فاما تالی را وصول دیر تر بود لیکن خوف زوال نباشد" [3]

مشایخ چشت کا عقیدہ تھا کہ خلوص کے ساتھ تلاوت کلام پاک، روح انسانی کو جلا دے کر پرتو قدس کا آئینہ بنا دیتی ہے ؎

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روحِ قرآنی

---

[1] سیر الاولیاء ص ۳۶۴ فوائد الفواد ص ۱،
[2] مکتوبات قدوسی ص ۲۶
[3] سیر الاولیاء ص ۳۴۶

Marfat.com

باب سوم

علم حدیث اور راہ سنت

تلاوت قرآن کے بعد سب سے اہم کام حامل قرآن کی زندگی اور احوال کا مطالعہ تھا۔ اس سے شخصیت کی تکمیل میں مدد ملتی تھی اور انسان کامل کی زندگی سرچشمۂ ہدایت بن کر سامنے آجاتی تھی۔ چشتیہ سلسلہ میں حدیث کا سب سے زیادہ چرچا شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے کیا۔ حدیث میں اُن کا انہماک مشہور رہا۔ شاہ غلام علی دہلویؒ فرمایا کرتے تھے: "سلطان جی کے برابر کوئی محدث نہ تھا"[1] انھوں نے حدیث کی تعلیم مولانا کمال الدین زاہدؒ سے حاصل کی تھی جن کا تعلق دو واسطوں سے صاحب مشارق، مولانا رضی الدین حسن صغانیؒ سے قایم ہو جاتا ہے۔[2] مشارق میں ۲۲۴۶ احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے منتخب کی گئی ہیں شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو مشارق زبانی یاد تھی۔[3] بالفاظ دیگر ان کو سوا دو ہزار حدیثیں حفظ تھیں! علم حدیث سے اُن کو جو شغف تھا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ

---

[1] مشایخ نقشبندیہ، مولوی محمد حسن ص ۳۲۳

[2] سیرالاولیاء ص ۱۰۵؛ مولوی کمال الدین زاہدؒ شاگرد مولانا برہان الدین بلخیؒ شاگرد مولانا رضی الدین حسن صغانیؒ

[3] سیرالاولیاء ص ۱۰۱؛ "مشارق الانوار را یاد گرفت"

Marfat.com

کی ایک ایک تفصیل معلوم کرنے کی جو لگن ان کے اندر تھی اس کا کچھ اندازہ فوائد الفواد، سیر الاولیاء اور دُررِ نظامیہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ اُن کی مجلس میں باقاعدہ درس حدیث ہوتا تھا اور وہ نہایت دلچسپی کے ساتھ اس میں حصہ لیتے تھے۔ اُن کے مریدوں میں حدیث کے بعض ماہرین شامل تھے جو حدیث کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرتے تھے۔ دُررِ نظامیہ کا پہلا باب احادیث سے متعلق ہے۔

لکھا ہے کہ قاضی محی الدین کاشانیؒ جب خدمت شیخ میں حاضر ہوتے تو احادیث نبویؐ پر خصوصاً گفتگو ہوتی۔ اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت محبوب الٰہیؒ اپنی مجلسوں میں جن احادیث کو بیان فرماتے تھے اُن سے زندگی کے کسی نہ کسی شعبہ کی اصلاح مقصود ہوتی تھی۔ مثلاً ایک مجلس میں جو احادیث بیان ہوئیں اُن میں سے کچھ یہ ہیں[۱]:

مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنْ أَجْمَعَ الْمَالَ وَكُنْ مِنَ التَّاجِرِيْنَ وَلٰكِنْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔	میری طرف یہ وحی نہیں کی گئی کہ مال جمع کرکے سوداگر بن جا بلکہ مجھ کو یہ وحی کی گئی ہے کہ اپنے رب کی تحمید و تسبیح اور سجدہ بجالا اور آخری وقت تک اس کی عبادت کئے جا۔
نعوذ باللہ من الکفر والدین قیل: العدل بینہما، قال: نعم	(حضور صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ہم کفر اور قرض سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ کسی نے عرض کیا۔ کہ آپ ان دونوں کو برابر کرتے ہیں، فرمایا: ہاں۔
ایما امراۃ تزوجت بزوج وطلبت الفرقۃ منہ قبل مضی سنتین و نصفُ سنۃ فھی ملعونۃ	جس عورت نے کسی شخص سے شادی کی پھر ڈھائی سال گزرنے سے پہلے اس خاوند سے جدائی چاہی تو اُس پر لعنت ہے

---

[۱] دیکھئے دُررِ نظامیہ کا باب اول

Marfat.com

الغیبة اشد من الزنی لان الرجل	غیبت کرنا زنا سے بھی سخت تر ہے کیونکہ
قد یزنی ثم یتوب فلیتوب اللہ علیه	آدمی زنا کر کے توبہ کرتا ہے تو خدا اس
وان صاحبها لا یغفر حتی یغفر	کی توبہ قبول فرماتا ہے اور غیبت
له صاحبه	کرنے والے کی بخشش نہیں ہوتی جب
	تک وہ شخص نہ بخشے جس کی غیبت کی
	ہے۔

احادیث کے سلسلہ میں حضرت محبوب الٰہیؒ کا رویہ بہت احتیاط کا تھا۔ اگر کسی حدیث کا علم نہ ہوتا تو صرف اتنا کہتے کہ یہ احادیث کی معتبر کتابوں میں نہیں ہے۔[1]

حضرت محبوب الٰہیؒ کے مریدین میں مولانا شمس الدین یحییٰؒ نے مشارق کی شرح لکھی تھی۔[2] مولانا فخر الدین زرادیؒ جلیل القدر محدث تھے۔ قاضی محی الدین کاشانیؒ، مولانا وجیہہ الدین پائلیؒ اور دیگر خلفاء حدیث کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ ان بزرگوں کے ذریعہ صوفی حلقوں میں علم حدیث کا چرچا ہوا اور دہلی علم حدیث کا زبردست مرکز بن گئی۔

مشایخ چشت کا خیال تھا کہ سنت ہی کا پیمانہ کسی کے اعمال کی سچائی اور بزرگی جانچنے کا معیار ہو سکتا ہے۔ جو سنت سے جتنا زیادہ قریب ہے اور جو اتباع پیغمبر میں جتنا زیادہ پرجوش ہے اتنا ہی وہ بزرگی میں افضل و اعلیٰ ہے۔

جس طرح حدیث کے مختلف مجموعے ہندوستان میں رائج ہوتے رہے، مشایخ چشت نہ صرف خود ان کا مطالعہ کرتے رہے بلکہ مریدین کو بھی ان کے پڑھنے کی تلقین کرتے رہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مشکوٰۃ کو صوفی مرکزوں میں خاص مقبولیت حاصل ہوئی۔ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ صحیح بخاری کا درس دیتے تھے۔[3] شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کی مجلس میں قبل عصر

---

[1] فوائد الفواد ص ۲۳۳؛ دُررِ نظامیہ (قلمی)

[2] جوامع الکلم ص ۳۰؛ اخبار الاخیار ص ۹۶

[3] انوار العارفین ص ۳۰۴

Marfat.com

مشکوٰۃ پڑھی جاتی تھی[1] شاہ فخر الدین دہلوی مشکوٰۃ، صحیح بخاری، صحیح مسلم تینوں کا درس دیتے تھے[2] ساری روحانی جدوجہد کا مرکز و محور ذات نبوی تھی، اس لئے حدیث سے واقفیت اور اس پر عمل روحانی مقاصد کے حصول کے لئے ازبس ضروری سمجھا جاتا تھا۔

حضرت عائشہؓ کے اس ارشاد پر کہ "کان خلقہ القرآن" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا)، مشایخ چشت کا ایمان تھا۔ وہ ذات نبوی کو مجسم قرآن سمجھتے تھے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی طرح ان کا یہ مسلک تھا:

فلا فرق بین النظر الیہ (قرآن)	قرآن کا دیکھنا اور رسول اللہ کا دیکھنا
وبین النظر الی رسول اللہ صلی	ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں
اللہ علیہ وسلم	ہے۔

وہ اپنے منسلکین کو برابر تلقین کرتے تھے کہ ع

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

بغیر راہ سنت پر گامزن ہوئے منزل مقصود کا نشان پانا ممکن نہ تھا۔ عشق رسولؐ کی چنگاری جس دل میں روشن ہوگئی اس کی زندگی میں اجالا ہوگیا۔ ہدایت تھی کہ جب تک جیو اتباع سنت میں سرگرم رہو، جب جان، جان آفریں کے سپرد کرنے کا وقت آئے تو عشق رسولؐ کا نقش جسد خاکی پر مرتسم ہو۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا جب آخر وقت ہوا تو بہ شکل "محمد" مراقب ہوگئے اور اسی ہیئت میں اپنے رب کے حضور میں پہونچے[3]

مشایخ چشت کی غیرت عشق اس کو قبول نہ کرتی تھی کہ حج کے طفیل میں زیارت نبی کریمؐ کی جائے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے ایک مرید شیخ حسام الدینؒ کو آداب عشق اس طرح سکھائے کہ ان کو دوبارہ حجاز صرف مدینہ منورہ میں حریم نبویؐ میں حاضری

---

[1] احسن الشمائل (قلمی)

[2] فخر الطالبین ص ۳۱

[3] خاتم سلیمانی، حصہ چہارم ص ۴۳

Marfat.com

کے لئے بھیجا۔[1] اقبال نے عشق رسول کی اسی کیفیت کے زیر اثر کہا ہے ؎

بچشم من نگہ آوردۂ تست

فروغ لا الٰہ آوردۂ تست

دوچارم کن بہ صبح "من رآنی"

شبم را تاب مہ آوردۂ تست

مشائخ چشت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق تھا اُس کی کیفیت بھی یہی تھی۔ وہ رسول ؐ کی محبت کو معرفت الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے اور منسلکین سلسلہ کو ہدایت کرتے تھے کہ راہ سنت پر سختی سے گامزن ہوں تاکہ منزل مقصود تک پہونچ سکیں۔ حضرت چراغ دہلیؒ فرماتے ہیں:

اتباع پیغمبر علیہ السلام می باید کرد؛ قولاً و فعلاً و ارادۃً تا محبت حق تعالیٰ بیابند۔ زیرا کہ محبت حق تعالیٰ بے اتباع پیغمبر میسر نیست۔ و این آیت بخواند:	متابعت پیغمبر علیہ السلام کرنی چاہیئے قولاً، فعلاً، اور ارادۃً تاکہ حق تعالیٰ کی محبت میسر آئے۔ اس واسطے کہ حق تعالیٰ کی محبت بلا پیغمبر کی اتباع کئے میسر نہیں آسکتی۔ اور یہ آیت پڑھی:
قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ط[2]	کہہ دیجئے اگر تم لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۵۸

[2] خیر المجالس۔ ص ۲۷

Marfat.com

باب چہارم

صوفیۂ متقدمین کے افکار اور اُن کا اثر

حدیث کے بعد کتب تصوف بالخصوص متقدمین صوفیہ کے حالات کا مطالعہ ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح نہ صرف شخصیت کی تعمیر میں مدد ملتی تھی، بلکہ تحریک تصوف کو آگے بڑھانے کے لئے جو ذہن بنانا مقصود ہوتا تھا اس کے لئے بیش قیمت مواد مل جاتا تھا۔ چشتیہ سلسلہ کے دور اول میں تصوف کی جن کتابوں کو اساس فکر بنایا گیا تھا وہ عوارف المعارف کیمیائے سعادت، قوت القلوب، روح الارواح اور کشف المحجوب تھیں۔ شیخ حمید الدین ناگوریؒ نے کیمیائے سعادت کو، بابا فریدؒ نے عوارف المعارف کو اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے کشف المحجوب کو مرکزی حیثیت دی تھی۔ اور یہ بات ہم آہنگ تھی ان مقاصد سے جو ان بزرگوں کے پیش نظر تھے۔ شیخ ناگوریؒ کے زمانے میں تصوف کی نوعیت اور اہمیت واضح کرنا ضروری تھا۔ اس کے لئے کیمیائے سعادت کی اہمیت مسلم تھی[1]۔ بابا صاحبؒ کے سامنے سب سے اہم کام سلسلہ کی تنظیم کا تھا اور اس کے لئے عوارف سے بہتر کوئی دوسری کتاب نہیں ہوسکتی تھی[2]۔

---

[1] کہا کرتے تھے: "بابا پیوستہ ایں را در نظر می باید داشت" (سرور الصدور ص ۳۰) شیخ نظام الدین اولیاءؒ امام غزالیؒ کے متعلق کہا کرتے تھے: "بیانی با تحقیق است" (فوائد الفواد)

[2] خواجہ محمد عاقلؒ نے صرف ان لوگوں کو خلافت دی جو عوارف کے اصولوں پر عامل تھے۔ مناقب المحبوبین ص ۹۴

شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے تصوف کی تحریک کو عوامی تحریک بنانے کا بیڑا اٹھایا تھا، اس مقصد کے حصول کے لئے کشف المحجوب بہترین رہبر کا کام دے سکتی تھی۔ یہی ایسی کتاب تھی جس سے انفرادی اصلاح و تربیت کا کام لیا جا سکتا تھا۔ ان کتابوں کے علاوہ بھی بعض کتابیں تھیں جن کا مطالعہ چشتی بزرگ ضروری سمجھتے تھے اور مریدین و منسلکین کو ان کے مطالعہ کی ہدایت کرتے تھے۔ مثلاً شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے زمانہ میں قوت القلوب کو بھی کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ وہ کہا کرتے تھے:

"از کتابہائے کہ مشائخ نبشتہ اند، روح الارواح نیک باراحت است، نیکو کتابی است! .... قاضی حمید الدین ناگوریؒ آں را یاد داشت، بر سر منبر ازاں بسیار گفتے و از کتابہائے کہ قدما نبشتہ اند قوت القلوب نیکو کتابے است در عربی و در پارسی روح الارواح" [1]	مشائخ نے جو کتابیں لکھی ہیں اُن میں روح الارواح بہت دلچسپ ہے۔ اور اچھی کتاب ہے۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ کو یہ (زبانی) یاد تھی۔ منبر پر (وعظ میں) اس میں سے بہت کچھ نقل کرتے تھے۔ اور دوسری کتابوں میں جو متقدمین نے لکھی ہیں قوت القلوب عربی میں بہت اچھی کتاب ہے اور فارسی میں روح الارواح۔

شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کی رباعیاں تو صوفی حلقوں میں مقبول تھیں ہی، ان کے حالات و ملفوظات میں اسرار التوحید کو بھی خاصی مقبولیت حاصل ہوئی۔ سرور الصدور اور خیر المجالس میں بعض حکایات کا ماخذ اسرار التوحید ہی ہے۔

شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وطن (اوش) حلاجی صوفیوں کا مرکز تھا، اور منصور حلاج کے افکار و نظریات فضاؤں میں گردش کر رہے تھے۔ ممکن نہیں کہ قطب صاحبؒ اُن سے متاثر نہ ہوئے ہوں۔ اُن کی زندگی میں استغراق اور فنا فی اللہ کی کیفیت، اور احمد جام کی شاعری

---

[1] فوائد الفواد ص ۸۳

میں غیر معمولی دلچسپی، ان کے افکار کی سمت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

عین القضاۃ ہمدانیؒ کے مکتوبات شیخ حمید الدین ناگوریؒ اور شیخ نظام الدین اولیا دونوں کو پسند تھے۔ ایک مرتبہ امیر حسن سجزی نے مکتوبات کے سمجھ میں نہ آنے کا ذکر کیا تو شیخ نے فرمایا:

"آرے کہ آں را سرحال نبشتہ است
از سر وقت کہ او را بود نبشتہ" [1]

سید محمد گیسو درازؒ نے تمہیدات عین القضاۃ کی شرح بڑے عالمانہ انداز میں لکھی تھی۔ [2]
منصور حلاج کی تصانیف شیخ حمید الدین ناگوریؒ اور غالباً خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مطالعہ میں آچکی تھیں، اور چشتی حلقوں میں اُن کا نام احترام سے لیا جاتا تھا شیخ نظام الدین اولیاؒ نے ایک بزرگ سیدی احمد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"او در عہد شیخ حسین حلاج بود رحمۃ اللہ علیہما درانچہ حسین منصور را بسوختند و خاکستر او را در آب دجلہ روان کردند سیدی احمد قدرے ازان آب کہ در و خاکستر بود بہ تبرک برداشت وبخورد، آں ہمہ برکتہا ازانجا بود" [3]

وہ (سیدی احمد) شیخ حسین حلاج کے زمانہ میں تھے۔ جب منصور کو جلا کر خاک کر دیا گیا اور خاک کو دجلہ کے پانی میں ڈال دیا گیا تو سیدی احمد نے اس میں سے کچھ پانی جس میں خاک ملی ہوئی تھی، تبرک کے طور پر لے لیا اور پی لیا۔ یہ سب اس کی برکت کا نتیجہ تھا۔

---

[1] فوائد الفواد ص ۸۳

[2] شرح زبدۃ الحقایق المعروف بہ شرح تمہیدات بہ تصحیح سید عطا حسین گلبرگہ ۱۳۶۴ھ

[3] فوائد الفواد ص ۲۵۴ ؛ لیکن احتیاط کا تقاضا تھا کہ منصور کی روش کو عام نہ کیا جائے۔ چنانچہ بعض موقعوں پر شیخ نظام الدین اولیاؒ نے اُن کی روش کی مذمت (باقی اگلے صفحہ

تحریک تصوف کے جتنے مشہور مفکر تھے، تقریباً سب سے چشتی مشایخ نہ صرف متعارف تھے بلکہ اُن کے بنیادی تصورات سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے۔ لیکن انہوں نے عام مریدین اور منتسلکین سلسلہ میں صرف ان کتابوں کو رواج دیا جن سے اصلاح وتربیت کے کام میں مدد مل سکتی تھی۔ عقل کی رہبری ان کو تسلیم تھی لیکن ایک منزل کے بعد اس کے بے اثر اور بے سود ہوجانے کا بھی اُن کو تجربہ تھا۔ سید محمد گیسو درازؒ یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

عقل گوید شش جہت حد ہست بیروں راہ نیست
عشق گوید ہست راہے رفتہ ام من بارہا [1]

مشایخ چشت کی یہ کوشش رہتی تھی کہ ایسی کتابیں پڑھی اور پڑھائی جائیں جن سے مزید جذبۂ عشق تو بیدار ہو لیکن سکر کی کیفیت پیدا نہ ہونے پائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے شریعت کی بندشیں ضروری سمجھی جاتی تھیں۔ منصور کے شعلۂ عشق کی تپش سے وہ اپنے نہاں خانۂ دل کو گرم ضرور رکھنا چاہتے تھے لیکن اگر زبان پر صدائے "انا الحق" آجائے تو دار و رسن کو اس کی جائز سزا سمجھتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

بھی کی ہے۔ ملاحظہ ہو سیر الاولیاء ص ۷۳ ؛ بابا فریدؒ کو بارہا منصور کے متعلق یہ رباعی پڑھتے ہوئے سنا گیا تھا ؎

از نور جلال مرد مطلق خیزد / واز شوق خدا اگرچہ رونق خیزد
ایں خاطر مرداں چہ عجائب بحرے است / چوں موج زند ہمہ انا الحق خیزد

(سیر الاولیاء ص ۴۸۶)

[1] جوامع الکلم ص ۲۸۱

باب پنجم

مشایخ چشت اور علماء

بیشتر مشایخ چشت خود طبقۂ علماء سے تعلق رکھتے تھے۔ علوم ظاہر کی تعلیم روحانی اصلاح و تربیت کی پہلی منزل تھی۔ پیر کے لئے عالم ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے ایک دن پوچھا گیا کہ حدیث نبوی "العلماء ورثۃ الانبیاء" میں علماء سے کون لوگ مراد ہیں؟ فرمایا:

همیں علماء کہ تو می بینی [1] — یہی علماء جنہیں تم دیکھتے ہو

ایک موقع پر شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے علماء اور صوفیہ کا فرق ایک جملہ میں اس طرح واضح کر دیا تھا:

"هرچہ علماء بزبان دعوت کنند مشایخ بعمل دعوت کنند" [2] — علماء جو کچھ زبان سے دعوت کرتے ہیں، مشایخ (اسی کی) عمل کے ذریعہ دعوت دیتے ہیں۔

اس ایک جملہ میں اتحاد مقصد کے ساتھ ساتھ طریقۂ کار کے اختلاف کو پوری طرح و

---

1. سیر الاولیاء ص ۳۳۵
2. سیر الاولیاء ص ۳۳۱

کردیا گیا ہے۔ بعض مسائل میں اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کا احترام ملحوظ خاطر رہتا تھا۔ اس سلسلہ میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور مولانا ضیاء الدین سنامی کے تعلقات اس عہد کی وضع داری اور عالی ظرفی کے آئینہ دار ہیں۔ مولانا سنامی کے سپرد احتساب کا کام تھا۔ انھوں نے احتساب پر ایک عربی کتاب نصاب الاحتساب بھی لکھی تھی۔ وہ شیخ کی محفل سماع پر معترض رہا کرتے تھے۔ جب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو شیخ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ مولانا کو اطلاع ہوئی تو اپنی دستار اتار کر دی کہ یہ شیخ کے راستہ میں بچھا دی جائے۔ شیخ نے دستار زمین سے اٹھا کر آنکھوں سے لگائی۔ جب ان کے سامنے پہونچے تو مولانا نے شرم کے مارے آنکھیں نہ ملائیں۔ شیخ اُٹھ کر باہر تشریف لائے ہی تھے کہ ان کی وفات کا شور مچ گیا۔ شیخ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمانے لگے:

یک ذات بود، حامی شریعت، — ایک حامی شریعت ذات تھی۔
حیف کہ آں نیز نماند [1] — افسوس کہ وہ بھی نہ رہی۔

مجموعی طور پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ صوفیہ اور علماء کے تعلقات بنیادی طور پر خراب نہ تھے۔ جس گروہ سے ان کی نہ بنتی تھی وہ علماء ظاہر کا وہ طبقہ تھا جو دربار سے تعلق کی بناء پر یا سرکاری ملازمت میں ہونے کے باعث صوفیہ کی اس ہر دلعزیزی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا تھا جو ان کو عوام میں حاصل تھی[2]۔ ایسے علماء کو "دانش مند" یا "دستار بند" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ سید محمد گیسو درازؒ نے ایک جملہ میں ان کی حقیقت واضح کر دی ہے:

"میان دستار بندان دوستان — دستار بندوں میں دوستان خدا
خدا کم اند" [3] — کم ہیں۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۱۰۸

[2] اس سلسلہ میں مولانا نجم الدین صغری شیخ الاسلام دہلی کا واقعہ عبرتناک ہے۔ دیکھئے سیر الاولیاء

[3] جوامع الکلم ص ۱۶

چشتی سلسلہ کی فکری بنیادیں خواجہ معین الدین چشتیؒ، قطب صاحبؒ، شیخ حمید الدین ناگوریؒ، بابا فرید گنج شکرؒ، شیخ نظام الدین اولیاؒ، شیخ نصیر الدین چراغؒ، شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، شاہ محب اللہ آبادیؒ، اور شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے استوار کی تھیں اور یہ سب عالم دین تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ دہلی کے اعلیٰ علمی حلقوں سے اپنے علمی تبحر کا سکہ منوا چکے تھے۔ اُن کے دامن تربیت سے بعض ایسے علماء وابستہ ہوئے جن کی جلالت علمی کا شہرہ دُور دُور تھا۔ مولانا شمس الدین یحییٰؒ، مولانا فخر الدین زرادیؒ، مولانا علاء الدین نیلیؒ، قاضی محی الدین کاشانیؒ وغیرہم اپنا مخصوص علمی مقام رکھتے تھے۔ شیخ حسام الدین ملتانیؒ کی زبان پر اگر ایک طرف ہدایہ اور بزدوی رہتی تھیں تو دوسری طرف قوت القلوب اور احیاء العلوم[1] انھوں نے جس طرح فقہ اور تصوف کی کتابوں کو ایک جگہ جمع کیا تھا اس سے دور رس نتائج پیدا ہوئے۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ اتنے علماء کے سلسلۂ عقیدت میں منسلک ہونے کے باوجود سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں بعض مخالف علماء نے سلطان کو ایک محضر بلانے پر آمادہ کر لیا اور سماع کی اباحت کے متعلق وہ بحث پھر شروع کر دی جس کا فیصلہ سلطان شمس الدین التتمش کے زمانہ میں قاضی حمید الدین ناگوریؒ اور دیگر صوفیہ کی کوششوں سے ہو چکا تھا۔ لیکن اس ہنگامہ آرائی میں بھی علماء کا وہ گروہ پیش پیش تھا جس کی مخالفت کے اسباب ذاتی تھے اور جو "دستار بندوں" کی قبیل سے تھا۔ اس جلسہ میں شیخ نظام الدین اولیاؒ نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت میں ایک حدیث بیان کرنا چاہی، لیکن علماء نے یہ کہہ کر سننے سے انکار کر دیا کہ دہلی میں روایت فقہ، حدیث پر مقدم ہے[2] شیخ نظام الدین اولیاؒ علماء کے اس طرز فکر سے بہت کبیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا

"میں نے کسی عالم کو دیکھا سنا نہیں کہ اس کے سامنے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثیں روایت کی جائیں اور وہ کھلم کھلا کہے کہ

---

[1] اخبار الاخیار ص ۸۹

[2] سیر الاولیاء ص ۵۳۱

میں نہیں سنتا اور نہیں جانتا۔ یہ کیسا زمانہ ہے۔ تعجب ہے کہ جس شہر میں اس درجہ مکابرہ کیا جائے اور اس درجہ عناد و حسد برتا جائے اور پھر آباد و معمور رہے"! [۱]

میر خورد اور عصامی دونوں نے لکھا ہے کہ محمد بن تغلق کے زمانہ میں علماء دہلی کو جو شہر بدر کر کے دکن بھیجا گیا تھا وہ اُن کی اسی شامتِ اعمال کا نتیجہ تھا۔ [۲] [۳]

شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے زمانہ میں علماء اور صوفیہ کے درمیان خلیج پر ہونے لگی تھی۔ اس صورت حال کے کئی اسباب تھے۔ ایک تو حضرت چراغ دہلیؒ بعض معاملات میں علماء کے نقطۂ نظر کا زیادہ لحاظ کرتے تھے، دوسرے صوفیہ اور علماء دونوں محمد بن تغلق سے پریشان تھے اور مشترکہ مسائل و مصائب نے ایک نوع کی ذہنی قربت پیدا کر دی تھی، تیسرے حضرت چراغ دہلیؒ نے اس دور کے بیشتر علماء کو اپنے نظام اصلاح و تربیت میں کھینچ لیا تھا۔ اُن کے مریدین اور خلفاء میں سید محمد گیسو درازؒ، سید محمد جعفر مکیؒ، مولانا خواجگیؒ، مولانا احمد تھانیسریؒ، شیخ صدر الدین حکیمؒ، قاضی عبد المقتدرؒ وغیرہم علمی حلقوں میں بڑی عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ سید محمد گیسو درازؒ نے ہر فن پر کتابیں تصنیف کی تھیں اور مفید حواشی بھی لکھے تھے۔ اُن کے علمی تبحر کے، صوفیہ اور علماء دونوں قائل تھے۔ سید محمد جعفر مکیؒ نے بحر المعانی، دقائق المعانی، حقائق المعانی، پنج نکات اور بحر الانساب لکھ کر اپنے وسیع مطالعہ اور گہری فکر کا ثبوت دیا تھا۔ احمد تھانیسریؒ کی علوم ظاہری میں

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۳۱ ۵ ؛ ترجمہ ص ۵۲۷

[۲] سیر الاولیاء ص ۳۴۲ ۵ "در چہارم سال ازیں ماجرا تمامی علمائے کہ دریں محضر بودہ اند و دیگر آنرا ہم بسبب ایشاں در دیوگیر جلا کردند و بیشترے ازاں علماء در دیوگیر سر نہادند، قحطے مہلک و وبائے سخت در شہر پیدا شد چنانکہ تا ایں غایت ایں بلا بکلی دفع نمی شود" آخری حصہ جو فیروز شاہ کے عہد میں لکھا گیا قابل غور ہے۔

[۳] فتوح السلاطین ص ۴۵۶

Marfat.com

مہارت اور قاضی عبدالمقتدر کی عربی دانی کا شہرہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور کا شاید ہی کوئی مشہور عالم ہو جو بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت چراغ دہلیؒ سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ ان کی اپنی علمی عظمت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ معاصرین ان کو "ابوحنیفہ ثانی" سمجھتے تھے[1]۔ کسی صوفی بزرگ کے لئے اس لقب سے شہرت پانا اس کے علمی وقار کے ساتھ ساتھ اتباع شریعت وسنت میں غیر معمولی انہماک کی دلیل ہے۔

اگر تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے گی کہ علماء اور صوفیہ کے درمیان جس بُعد کو فکر و مقاصد کا فرق سمجھا گیا ہے، وہ حقیقت میں صرف طریقۂ کار کا فرق تھا۔ دونوں کا مقصد ایک تھا، راہیں مختلف۔ صوفی کے لئے عالم ہوئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ یا یوں کہیئے کہ زمرۂ علماء سے گزر کر ہی صوفی بنا جا سکتا تھا۔ شریعت پر کاربند ہوئے بغیر راہ طریقت میں داخل ہونا ممکن نہ تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ علماء کے خیال میں "احکام الٰہی" کی پابندی ہی سب کچھ ہے، صوفیہ کہتے تھے اس سے آگے بھی ایک منزل ہے اور وہ "عشق الٰہی" کی ہے۔ اتباع احکام بے شک ضروری ہے لیکن اگر اس کے پیچھے محبت کی کارفرمائی نہ ہو تو وہ بے کار ہے ؎

بگیر از من کہ بر من بار دوش است
ثواب ایں نماز بے حضورے!

تاریخ میں صوفیہ اور علماء کے جن مناقشات کا ذکر ملتا ہے، وہ حقیقت میں علماء کے اس طبقہ سے ہیں جو دربار سے منسلک اور سیاسی زندگی میں ملوث تھا۔

---

[1] خیر المجالس ص ۱۲، ۳۴

باب ششم

شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے زمانہ میں ہیجان فکر

حضرت چراغ دہلیؒ کے زمانہ میں ایک زبردست صورت یہ پیش آئی کہ امام ابن تیمیہؒ کے اثرات نہایت تیزی کے ساتھ عالم اسلامی میں پھیلنے لگے۔ وہ صرف صوفیہ ہی کے نہیں، بلکہ تصوف کی پوری فکر اور تنظیم کے مخالف تھے۔ خانقاہوں کی تعمیر پر معترض تھے، صوفیہ کے لباس کو بدعت کہتے تھے اور پیری مریدی کے پورے نظام کو گمراہی سے تعبیر کرتے تھے۔ صوفی بزرگوں نے حکومت وقت سے جس طرح قطع تعلق کر لیا تھا اس کو ملت کے لئے مضر سمجھتے تھے۔ مختصراً یہ کہ اب تک جو تدوین فکر اور تنظیم سلاسل مشایخ نے کی تھی اس کے شدید ترین مخالف تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ ملت کے کل اجزاء اور عناصر کو احیاء و تجدید کے کام میں لگ جانا چاہئے اور حکومت وقت سے علیحدگی اختیار کرنے کے بجائے اس کے کاموں میں دخیل ہو جانا چاہئے تاکہ حکمراں طبقہ بھی صحیح راہ پر آسکے۔ صوفیہ کے اور اُن کے طریقۂ کار میں زبردست اختلاف تھا۔ صوفیہ نے ملت کے زوال اور منگولوں کی پیدا کی ہوئی تباہی اور روحانی اضمحلال کو دور کرنے کے لئے یہ ضروری سمجھا تھا کہ سلطان و سیاست سے علیحدہ، اپنے مخصوص دائروں میں رہ کر ملت کی اصلاح و تربیت کا کام انجام دیں۔ ابن تیمیہؒ کی تحریک اسلامی دنیا کے دور دراز علاقوں میں پھیلی اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ سلطان محمد بن تغلق اُن کے نظریات سے متاثر ہو گیا۔ ابن تیمیہؒ کے ایک شاگرد مولانا عبدالعزیز اردبیلی

Marfat.com

دہلی آئے اور سلطان پر اُن کی تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ بھرے دربار میں اُن کے قدم چوم لئے۔[۱]
ہر چند کہ محمد بن تغلق نے تصوف کی مذمت اس تشدد کے ساتھ نہیں کی جس کی تبلیغ امام ابن تیمیہؒ نے کی تھی، اور اس نے ناگور میں شیخ حمیدالدین سوالی ناگوریؒ کے خانوادے اور اجودھن میں شیخ علاء الدین اجودھنیؒ کے خاندان سے اچھے تعلقات رکھنے کی کوشش کی[۲] اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ سے تصوف پر کتاب لکھنے کی درخواست کی، لیکن بنیادی طور پر وہ صوفیہ کی فکر اور اُن کے طریقۂ کار کا مخالف تھا۔ ایسے نازک زمانہ میں چشتیہ سلسلہ کے اصولوں کی نگہبانی، اور ان پر مضبوطی سے قایم رہنے کی جو مثال شیخ نصیرالدین چراغ دہلیؒ نے قایم کی، وہ حیرت انگیز تھی۔ انھوں نے ایک طرف شریعت اور طریقت کے بنیادی تعلق کو واضح کیا، دوسری طرف علماء اور صوفیہ کے درمیان خلیج کو پُر کر دیا۔ اور محمد بن تغلق کی پالیسی کے خلاف ایک محکم چٹان کی طرح قایم رہے۔[۳]

حضرت چراغ دہلیؒ کے بعد چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام ہی نہیں ٹوٹا بلکہ فکری مرکزیت بھی ختم ہو گئی۔ مختلف علاقوں میں تصوف کی تحریک کو روشناس کرانے اور آگے بڑھانے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے گئے، اور مختلف نوعیت اور اہمیت کی کتابیں مختلف مرکزوں میں رائج ہونے لگیں۔ تصوف کے جو سوتے اب تک فکر و عمل کی زندگی کو سیراب کرتے رہے تھے ان کا منبع و مخرج بیشتر ہندوستان سے باہر تھا۔ جب ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تصوف کی تحریک پھیلنی شروع ہوئی تو مقامی اثرات فکر و عمل پر بھی اثر انداز ہونے لگے اور ایسا لٹریچر کثیر تعداد میں وجود میں آیا جس کی بنیادیں گو تصوف

---

۱ رحلہ ابن بطوطہ: اردو ترجمہ عجائب الاسفار ص ۱۱۳

۲ میر خورد کے بیان کے مطابق وہ شیخ علاء الدین اجودھنیؒ کا مرید ہو گیا تھا۔ سیر الاولیاء ص ۹۶

۳ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ باوجود بنیادی اختلافات کے جو مشایخ چشت کو ابن تیمیہؒ کی فکر سے تھے، ان کی کتابوں کے مطالعہ سے کلّی اجتناب نہیں کیا گیا۔ شاہ فخرالدین دہلویؒ کی کتاب فخرالحسن میں ابن تیمیہؒ کی منہاج السنتہ کے حوالے ملتے ہیں۔

Marfat.com

کی مشہور کتابوں پر تھیں لیکن ماحول ہندوستانی تھا۔ بنگال میں تحریک تصوف نے بہت سے مقامی تصورات کو قبول کیا، یہی صورت دکن اور دوسرے علاقوں میں بھی پیش آئی بھگتی تحریک نے اس رجحان کو تیز تر کر دیا۔ اس زمانہ کا صوفی لٹریچر مقامی اثرات کی عکاسی کرتا ہے۔ مقامی عناصر کی مدد نے چشتی تحریک کا حلقۂ اثر و نفوذ بہت وسیع کر دیا۔ اور محمد بن تغلق کی پالیسی اور ابن تیمیہؒ کے افکار کے باعث صوفی فکر میں جو ہیجان پیدا ہو گیا تھا بڑی حد تک اس کی تلافی ہو گئی۔

دکن میں چشتیہ سلسلہ کے دو اہم فکری مرکز شیخ برہان الدین غریبؒ اور سید محمد گیسو درازؒ کے گرد منظم ہوئے۔ شیخ برہان الدین غریبؒ پیرانہ سالی میں دکن پہونچے تھے، اُن کی ذہنی تربیت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ میں ہوئی تھی۔ اُن کے ملفوظات احسن الاقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہر عمل اور خیال کے لئے اپنے پیروں کی روش اور بُرہان تلاش کرتے تھے۔ شمائل الاتقیاء میں اُن کتابوں کی فہرست درج ہے جو مصنف کے مطالعہ میں رہتی تھیں۔ اس فہرست میں علاوہ اُن مشہور کتابوں کے جو دہلی، ناگور اور اجودھن کے صوفی حلقوں میں رائج تھیں، بعض موضوع ملفوظات اور چند ایسی کتابیں بھی شامل ہیں جو اب دستیاب نہیں ہوتیں یا جن کی علمی اور فکری اہمیت اور افادیت کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔ اس میں ایک کتاب معارف مولانا روم کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رومی کے افکار و نظریات پر دکن میں گفتگو شروع ہو چکی تھی[1]۔ مصنف نے بعض متقدمین مشائخ (مثلاً حضرت ابراہیم ادہمؒ، خواجہ معروف کرخیؒ، خواجہ یوسف ہمدانیؒ وغیرہم) کے رسائل کا ذکر کیا ہے اور بعض معاصرین مثلاً شیخ شرف الدین پانی پتیؒ اور خواجہ نخشبیؒ کے رسائل کا بھی حوالہ دیا ہے۔ مصنف نے گو اپنا بیشتر مواد

---

[1] ویسے بھی یہ حقیقت ہے کہ بہمنی دور میں دکن کے بعض اسلامی مراکز سے براہ راست تعلقات تھے۔ مولانا جامی نے اپنی شرح فصوص الحکم کا ایک نسخہ محمود گاواں کو بھیجا تھا (ریاض الانشاء ص ۱۵۶) محمود گاواں کی خواجہ عبید اللہ احرارؒ سے خط و کتابت تھی۔ (ریاض الانشاء ص ۲۳-۲۷)

Marfat.com

مرصاد العباد، قوت القلوب، عوارف المعارف وغیرہ مستند کتب سے حاصل کیا ہے۔ لیکن بعض موضوع کتابوں کے حوالے بھی شامل کر دئیے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشایخ متقدمین کی سی تحقیق اور جستجو باقی نہیں رہی تھی اور بہت سی ایسی کتابیں بھی تصوف کے فکری سرمایہ کا جزو بننے لگی تھیں جن کو وہ درجۂ استناد حاصل نہ تھا جس کی توقع مشایخ متقدمین کرتے تھے۔ بہر نوع ان سب تصانیف میں جو عماد کاشانی اور اُن کے بھائیوں نے شیخ برہان الدین غریبؒ کے تعلق سے ترتیب دی ہیں ایک جذبہ نمایاں نظر آتا ہے، اور وہ ہے چشتیہ سلسلہ کی فکر اور روایات کو ایک منظم شکل دینے کی کوشش۔ دہلی کی مرکزی حیثیت ختم ہونے اور محمد بن تغلق کی پالیسی کے زیر اثر چشتیہ سلسلہ کے نظام اور نظریات کے خطوط دھندلے پڑنے لگے تھے، مولانا برہان الدین غریبؒ کے مریدین نے ان روایات کو منظم کرنے کی کوشش ضرور کی، لیکن یہ کوشش کسی تحریک کی شکل اختیار نہ کر سکی۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ کتابیں بھی صوفی حلقوں میں رائج نہ ہو سکیں۔ معاصرین کی کتابوں میں مشکل ہی ان تصانیف کا ذکر ملتا ہے۔

سید محمد گیسو درازؒ کی علمی جد و جہد کی نوعیت مختلف تھی۔ ہر چند کہ انھوں نے حضرت چراغ دہلیؒ کے دامن میں پرورش پائی تھی اور ان کی شخصیت پر پیر و مرشد کی تعلیم کا بھی گہرا نقش تھا، لیکن اُن کے علمی اور روحانی نظریات میں انفرادیت تھی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ بعض اعتبار سے وہ پیر کے مسلک سے مختلف خیالات رکھتے تھے تو غلط نہ ہوگا[1]۔ شیخ محدثؒ نے ان کے متعلق ایک جامع جملہ لکھا ہے جس میں اس پہلو کو اپنے محتاط انداز میں واضح کر دیا ہے:

"اورا میان مشایخ چشت مشربے خاص و در بیان اسرار حقیقت طریقے مخصوص است" [2]	ان کا مشایخ چشت میں ایک خاص مشرب ہے اور اسرار حقیقت کے بیان کرنے کا ایک مخصوص طریقہ ہے

---

[1] اس اختلاف طبائع کا اندازہ خیر المجالس اور جوامع الکلم کے (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

انھوں نے مشائخ متقدمین کی بعض اہم تصانیف مثلاً رسالہ قشیریہ، آداب المریدین، تمہیدات وغیرہ پر حواشی لکھے تھے۔ ان کا مطالعہ وسیع، قلم جاندار اور فکر بیدار تھی۔ لیکن ان کی تصانیف مختلف ذہنی کیفیات کی آئینہ دار ہیں، اور بعض جگہ افکار میں ایسا فرق محسوس ہوتا ہے کہ الحاق کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ مثلاً ایک خط میں لکھتے ہیں:

"نوعاً اخر چند سالکے عارفے و چند ملکے ہالکے بسیار دین اسلام رازیاں
کار آمدند چناں کہ فرید عطار و جلال رومی و محی الدین ابن عربی سخنے
مزخرف و بذاتہ منحرف اصحاب الفصول ....." [1]

رومیؒ اور ابن عربیؒ کا تو شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات میں ذکر نہیں ہے، لیکن خواجہ فرید الدین عطارؒ کا ذکر فوائد الفواد میں احتراماً کیا گیا ہے[2]۔ یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ سید گیسو درازؒ مشائخ متقدمین بالخصوص عطارؒ رومیؒ اور ابن عربیؒ کے متعلق ایسی رائے رکھتے تھے جو ان کے بزرگوں کی نہ تھی بلکہ اکثر معاصرین بھی اس طرح نہ سوچتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مطالعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

[2] اخبار الاخیار ص ۱۳۰ - ۱۲۹؛

[3] مکتوبات ص ۲۲

[1] فوائد الفواد ص ۵۳ وغیرہ

باب ہفتم

شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور فلسفۂ وحدت وجود

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی شخصیت، اپنے افکار کی گہرائی اور اسرار تصوف کے مخصوص انداز تحقیق کی بنا پر تاریخ تصوف میں ایک امتیازی شان رکھتی ہے، اُن کے افکار و نظریات سے مسلمانوں کے بہترین دماغ متاثر ہوئے ہیں۔ اور صدیوں تک اُن کی کتابوں فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ سے تشنگان معرفت نے روشنی حاصل کی ہے۔ فکری حیثیت سے تاریخ تصوف میں کسی کو وہ مرتبہ اور مقام حاصل نہیں ہوا جو شیخ اکبر کو حاصل ہوا۔

فرشتہ نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے زیر مطالعہ رہنے والی کتابوں کی فہرست میں فصوص الحکم کو بھی شامل کیا ہے[1] لیکن کسی معاصر ملفوظ یا تذکرہ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ مولانا جمالی کے بیان کے مطابق شیخ صدر الدین عارف سہروردیؒ کو فصوص کے مطالب سے آگاہی ہوگئی ہوگی[2] لیکن شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مطالعہ میں ان کتابوں کے پہونچ جانے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ شیخ نظام الدین

---

[1] تاریخ فرشتہ، ج ۲ ص ۳۹۱

[2] سیر العارفین ص ۱۰۹

اولیاءؒ کے کچھ ہی دن بعد شیخ اکبرؒ کی تصانیف ہندوستان کے علمی اور روحانی حلقوں میں نہ صرف غور و فکر بلکہ تنقید و تبصرہ اور تائید و تردید کا موضوع بن گئی تھیں۔ انتہا یہ ہے کہ فیروز شاہ کے مدرسہ میں جن کتابوں کا درس دیا جاتا تھا اُن میں فصوص بھی شامل تھی۔ مطہر نے لکھا ہے:

زعرفانِ عوارف و زوجدانِ فصوص

زوعظ و نصائح کتاب سری [ل]

چشتیہ سلسلہ کے ابتدائی دور میں شیخ اکبر کی فکر اور تصانیف کی بابت صحیح رائے قایم نہ ہوسکی۔ سید محمد گیسودرازؒ کو فصوص کے نظریات پر اعتراض تھا اور وہ اس کی تردید میں کوئی رسالہ بھی لکھنا چاہتے تھے لیکن سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے انھیں اس ارادہ سے باز رکھا تھا[ٹ]۔ لیکن ان کی تصانیف اور ملفوظات میں شیخ اکبرؒ کی تصانیف کے جتنے حوالے ملتے ہیں ان سے کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ کی فکر کے بنیادی پہلوؤں سے زیادہ ان کو بعض فروعی اور غیر اہم باتوں پر اعتراض تھا۔ چشتی حلقوں میں اُن کی رائے کو تسلیم نہیں کیا گیا اور معاصرین میں بعض معروف شخصیتوں نے شیخ اکبرؒ کے افکار کو عزت اور احترام سے دیکھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ حضرت چراغ دہلیؒ کے ایک دوسرے مرید اور خلیفہ سید محمد جعفر مکیؒ نے شیخ اکبرؒ کا ذکر اپنی تصانیف میں عقیدت مندانہ کیا ہے۔

شیخ اکبرؒ کے نظریات کا اثر مسعود بکؒ کی مرآۃ العارفین اور اُن کے دیوان نور العین میں بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ شیخ محدثؒ نے اُن کے متعلق صحیح لکھا ہے کہ

"وے از مستان بادۂ وحدت و	وہ شراب وحدت اور خم خانۂ حقیقت
خم شکنان خم خانہ حقیقت است'	کے مست تھے مستانہ باتیں کہتے تھے۔
سخن مستانہ می گوید، در سلسلہ چشتیہ	چشتیہ سلسلہ میں کسی نے اس طرح

ل اورینٹل کالج میگزین، اگست ۱۹۳۵ء ص ۱۹۹

ٹ مکتوبات شاہ محب اللہ الہ آبادیؒ (قلمی نسخہ)

ہیچ کس ایں چنیں اسرار حقیقت
فاش نگفتہ و مستی نکردہ کہ او کردہ
بگویند اشک او بجائے گرم بود کہ
بر دست یکے می افتاد می سوخت[۱]

اسرار حقیقت کھول کر بیان نہیں کئے اور ان کی طرح مستی کا اظہار نہیں کیا۔ کہتے ہیں کہ اُن کے آنسو اتنے گرم تھے کہ اگر کسی کے ہاتھ پر گر پڑتے تو اس کا ہاتھ جل جاتا تھا۔

مسعود بکؒ کا دیوان چشتی خانقاہوں میں شیخ عبدالقدوسؒ کے زمانہ میں رائج ہوا[۲]۔ وہ شیخ اکبرؒ کے نظریات سے بہت متاثر تھے۔ اور انھوں نے فصوص کی ایک شرح بھی لکھی تھی[۳] لیکن وہ اب دستیاب نہیں ہوتی۔

گو دوسرے سلسلوں کے مشایخ مثلاً سید علی ہمدانیؒ، شیخ علی مہائمیؒ، شیخ عماد الدین عارفؒ وغیرہم نے فصوص اور فتوحات پر شرحیں اور حاشیے لکھے تھے لیکن چشتی سلسلہ کے بزرگوں میں سب سے زیادہ توجہ شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ نے اس طرف کی۔ اسی بنا پر ان کو ابن عربی ثانی کہا جاتا ہے۔ انھوں نے قرآن پاک کی دو تفسیریں ترجمۃ الکتاب اور حاشیہ ترجمۃ القرآن لکھی تھیں جن میں شیخ اکبرؒ کے نظریات کی روشنی میں آیات، قرآنی کو سمجھایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ان کی تصانیف انفاس الخواص[۴]، التسویہ بین الافادہ والقبول، المغالطہ للعامہ، تجلیۃ الفصوص، عقائد الخواص، حل معضلات الفصوص، شرح الفصوص، اخص الخواص، کتاب المبین، کا موضوع فلسفہ وحدت وجود ہے۔ عبدالرحمن چشتی کا بیان ہے کہ شیخ کی گفتگو میں بڑی تاثیر تھی اور وہ اس انداز سے اپنے نظریات کی وضاحت کرتے تھے کہ

۱؎ اخبار الاخیار ص ۱۶۹

۲؎ لطائف قدوسی ص ۹

۳؎ گلزار ابرار (قلمی)

۴؎ آخری "نفس" میں اپنے شیخ ابوسعید گنگوہیؒ کا بھی حال لکھا ہے۔

"اکثر علماء فحول کہ از مشرب ارباب توحید انکار داشتند۔ بہ فیض صحبت او تربیت یافتہ ہماں مشرب خاص اختیار نمود"[1]	اکثر جید علماء نے جو وحدت وجود کے مشرب کے منکر تھے ان کی تربیت سے فیض پاکر وہی مشرب خاص اختیار کر لیا تھا۔

لیکن اُس تمام عقیدت اور دلچسپی کے باوجود جو مشائخ چشت کو شیخ اکبرؒ کی تصانیف سے تھی، وہ عوام سے مسئلہ وحدت وجود پر گفتگو کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیمؒ کے متعلق لکھا ہے:

"حضرت ایشاں شیخ محی الدین ابن عربیؒ را بسیار تعظیم می کردند و می فرمودند اگر خواہم فصوص را بر سر منبر تقریر کنم و جمیع مسائل آں را بآیات و احادیث مبرہن سازم و بوجہی بیان نمایم کہ ہیچ کس را شبہ نماند مع ہذا از تصریح بوحدت وجود احتراز می نمودند کہ غالب اہل زماں آں را فہم نمی توانند کرد و در ورطہ الحاد و زندقہ می فتند"[2]	وہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا بہت احترام کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: "میں اگر چاہوں تو بر سر منبر فصوص پر اس طرح تقریر کر سکتا ہوں کہ اس کے جملہ مسائل کو آیات قرآنی اور احادیث کی روشنی میں ثابت کر دوں اور اس انداز سے بیان کر دوں کہ کسی کو اس میں شبہ کی گنجائش نہ رہے"۔ لیکن اس کے باوجود وہ وحدت وجود پر گفتگو سے اس لئے پرہیز کرتے تھے کہ بہت سے لوگ اس کو نہ سمجھ سکیں گے اور اس طرح الحاد و زندقہ کے بھنور میں پھنس جائیں گے۔

---

[1] مرآۃ الاسرار (قلمی نسخہ)

صاحب تذکرہ علماء ہند کا خیال ہے کہ علم تصوف میں اُن کی تحقیقات کو درجۂ اجتہاد حاصل ہے اور اسی بنا پر اُن کو "شیخ کبیر" کہتے ہیں۔ (ص ۱۷۵)

[2] انفاس العارفین ص ۸۲

یہی مسلک سب مشائخ چشت کا تھا۔ وہ وحدت وجود پر ایمان رکھنے کے باوجود عوام کو ان نازک نظریات کے بار کا متحمل نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن ان تمام پابندیوں کے ہوتے ہوئے بھی نظریہ وحدت وجود کا اظہار نظم ونثر دونوں میں ہوتا رہا۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ غالباً پہلے چشتی بزرگ تھے جن کی شیخ اکبرؒ کی تصانیف سے دلچسپی عوام تک پہونچ گئی تھی۔ شیخ امان اللہ پانی پتیؒ دوسرے عظیم المرتبت بزرگ تھے جنھوں نے شیخ اکبرؒ کے نظریات کی تبلیغ کی۔ محمد غوثی نے لکھا ہے:

"وحدت وجود کے بارے میں آپ کی تحقیقات سے شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا زمانہ یاد آتا تھا۔ فصوص اور فتوحات وغیرہ کتب صوفیہ کی مشکلات بآسانی بیان فرمایا کرتے تھے" [1]

شاہ محب اللہ الہ آبادیؒ کے رسالہ تسویہ کو عوام کے لئے مضر سمجھ کر اورنگ زیب نے جلا دینے کا حکم دیا تھا۔[2] شعراء میں شاہ نیاز احمد بریلویؒ نے وحدت وجود کو اپنی شاعری کا مرکزی نقطہ قرار دیا تھا۔ اُن کے اشعار نے ساری فضا کو "ہمہ اوست" کے ترانوں سے معمور کر دیا۔[3]

نظریہ وحدت وجود کی تردید میں سب سے زیادہ پرزور بحث شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے کی۔ انھوں نے اعلان کیا: "ہمیں فتوحات مکیہ کی ضرورت نہیں ہے، ہمیں فتوحات مدنی درکار ہیں"۔ اکبری دور کے فکری اور مذہبی انتشار کو دور کرنے کے لئے انھوں نے عوام کے ذہن کو شیخ اکبرؒ کی تصانیف سے ہٹانے کی کوشش کی۔ اُن کے بعد سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور مشائخ خواجہ محمد معصومؒ، خواجہ میر ناصر عندلیبؒ، خواجہ میر دردؒ، مولانا غلام یحییٰؒ، شاہ غلام علیؒ، اور سید احمد شہیدؒ شیخ اکبرؒ کے نظریات کی تردید کرتے رہے۔

---

[1] گلزار ابرار (قلمی)

[2] مآثر الکرام ص ۸۵-۸۴ ؛ مآثر الامراء جلد سوم ص ۶۰۲

[3] کہتے ہیں ؎

اگر کوئی جانے جہاں غیر حق ہے	سو میں اس کو دھوکا گماں دیکھتا ہوں
یہ جو کچھ کہ پیدا ہے سب عین حق ہے	کہ اک بحر ہستی رواں دیکھتا ہوں

Marfat.com

افراط و تفریط کے اس ہنگامہ میں شیخ عبدالوہاب متقیؒ، شیخ عبدالحق محدثؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، اور شاہ عبدالعزیزؒ نے اعتدال کی راہ اختیار کی۔ شیخ متقیؒ فرمایا کرتے تھے کہ فصوص الحکم کے واضحات سے محظوظ ہونا چاہئے اور مبہمات سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اس میں شکر بھی ہے اور زہر بھی۔" مطلقاً از فوائد آں محروم نشوند"! شاہ ولی اللہؒ نے شیخ اکبرؒ اور مجدد الف ثانیؒ کے نظریات میں تطبیق کی کوشش کی۔

سترہویں صدی میں جیسا کہ برنیر نے لکھا ہے وحدت وجود کی مخالفت اور موافقت میں ہندوستان میں بڑا فکری ہیجان پیدا ہو گیا تھا[1]۔ غالباً اسی کے بعد شیخ اکبرؒ کی کتابوں کا درس باقاعدہ چشتی خانقاہوں میں شروع ہو گیا۔ شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے فتوحات اور فصوص میاں محمد جان سے، جن کو شیخ اکبرؒ کی تصانیف پر بڑا عبور تھا، پڑھی تھیں[2]۔ حافظ محمد جمال ملتانیؒ (خلیفہ شاہ نور محمد مہارویؒ) جب شیخ اکبرؒ کے نظریات بیان کرتے تو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ایک سمندر موجیں مار رہا ہے[3]۔ حافظ محمد علی خیرآبادیؒ کی اس سلسلہ میں اتنی شہرت تھی کہ مولانا فضل حق خیرآبادی، جو خود جید عالم تھے، ان کی خدمت میں فصوص کا درس لینے حاضر ہوئے تھے[4]۔ حاجی نجم الدینؒ اور ان کے مرید خاص حکیم سید محمد حسن امروہویؒ، اور پیر مہر علی شاہؒ باقاعدہ فصوص کا درس دیتے تھے۔

دنیا میں وحدت الوجود کے عقیدہ کا سب سے قدیم سرچشمہ ہندوستان ہے[5]۔ اپنیشادوں میں سب سے پہلے اس نظریہ کی وضاحت کی گئی ہے اور ایک ایسے مذہبی فلسفہ کی بنیاد ڈالی گئی ہے جو مختلف مذاہب کو اپنے اندر جذب کر کے آگے بڑھنا چاہتا ہے، چنانچہ ہندوستان میں

---

[1] سفرنامہ برنیر ج ۲ ص ۲۴۲، ۳۴۵

[2] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۶

[3] مناقب المحبوبین ص ۱۲۴

[4] مناقب حافظیہ ص ۱۱۶

[5] غبار خاطر، ابوالکلام آزاد، ص ۱۵۵

Marfat.com

بعض ایسی مذہبی تحریکیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں کو فکری اعتبار سے قریب تر لانے کے لئے وجود میں آئی ہیں، اسی فلسفہ کے سہارے آگے بڑھی ہیں۔ لیکن او پنیشد مسلمانوں کے لئے کسی واضح مذہبی فکر کی بنیاد نہ بن سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اصنام پرستی گھوم پھر کر کسی نہ کسی طرح اس فکر میں شامل ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن نے صحیح لکھا ہے:

"اس میں شبہ نہیں کہ او پنیشدوں نے فکر و نظر کی دنیا میں ان خداؤں کی سلطانی برہم کر دی تھی لیکن عمل کی زندگی میں انھیں نہیں چھیڑا گیا وہ بدستور اپنی خدائی مسندوں پر جمے رہے" [1]

او پنیشدوں کا فلسفۂ وحدت وجود ہندوستان کے مسلمان مذہبی مفکرین اور صوفیہ کو اپنی طرف کھینچتا تھا، لیکن اصنام پرستی کے تصورات ایک وسیع خلیج درمیان میں پیدا کر دیتے تھے۔

کسی انسانی فکر کا صدیوں تک اہل علم و بصیرت کے لئے جاذب نظر رہنا، انتہائی حیرت انگیز ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے افکار نے اسلام کے بہترین دماغوں کو اپنی طرف کھینچا ہے اور ان کے لئے روحانی سفر کا وہ سامان مہیا کیا ہے جس نے سلوک و معرفت الٰہی کی دشوار گزار راہیں قطع کرنے میں مدد دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صوفی فکر میں توانائی، ہمہ گیری اور قوت اثر و نفوذ، صرف شیخ کی دین ہے۔ حضرت مجدد صاحبؒ، باوجود تمام اختلاف نظریات، ان کے متعلق یہ کہنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ "منکر او (ابن عربیؒ) در خطر است"۔[2] صدیوں اُن کے نظریات صوفی حلقوں میں بحث و تمحیص کا عنوان رہے ہیں اور ان کی تصانیف پر حواشی اور شروح لکھے گئے ہیں۔ اب وہ وقت آیا ہے جب اُن کے افکار و نظریات کو سمجھنے کا جذبہ مستشرقین میں بھی ترقی پر ہے۔ جاپانی عالم ازوتسو[3] نے جس طرح ان کے افکار کا تجزیہ کیا ہے اور جدید و قدیم مذہبی فکر سے مطابقت کی کوشش کی ہے اس کا اعتراف نہ کرنا، علمی دیانت کے خلاف ہوگا۔

---

[1] انڈین فلاسفی جلد اول ص ۴۵۳ [2] مقالات احسانی ص ۳۵۵

3. Toshihiko Izutsu: A comparative study of the Key Philosophical Concepts in Sufism and Taoism, Tokyo 1966

Marfat.com

باب ہشتم

صوفی شعراء اور اُن کے کلام کی مقبولیت

اپنے افکار اور جذبات دونوں کی توانائی اور تقویت کے لئے چشتیہ سلسلہ کے بزرگ، صوفی شعراء کے کلام کو پڑھتے تھے اور اس سے روحانی کیفیت حاصل کرتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ، شیخ سیف الدین باخرزیؒ کا یہ قول اکثر نقل کیا کرتے تھے: "میں سنائیؒ کا ایک قصیدہ پڑھ کر مسلمان ہوا ہوں"۔ اس قصیدہ کا ایک شعر یہ ہے جو شیخ کو بہت پسند تھا ؎

برسر طور ہوا طنبور شہوت میزنی
عشق مردلن ترانی رابدیں خواری مجوی[1]

سماع کے ذریعہ متقدمین صوفیہ کا کلام خانقاہوں میں عام ہو گیا تھا۔ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ، شیخ اوحدالدین کرمانیؒ، نظامی گنجویؒ، سنائیؒ، اور سعدیؒ، کے اشعار صوفیہ کی مجلسوں میں گرمی پیدا کر دیتے تھے۔ شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے احمد جامؒ کے اشعار سنتے سنتے جان جان آفرین کے سپرد کر دی تھی۔ جب اجودھن میں ایک پرانے ساتھی نے شیخ نظام الدین اولیاؒ کی غریبی پر افسوس اور تعجب کیا تھا تو باباصاحبؒ نے ان کو عین القضات کا یہ

---

[1] فوائد الفواد ص ۲۵۲

شعر پڑھنے کی ہدایت کی تھی ؎

نہ ہم ہی تو مرا راہ خویش گیر د برو
ترا سعادتے بادا مرا نگوں ساری

شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے ایک دن فرمایا:

"اکثر مشایخ را قدس اللہ ارواحھم نظمہا بسیار است کہ از خواندن آں طالباں را حالتے و رقتے بحصول می انجامد چنانچہ اشعار شیخ اوحد الدین کرمانی و شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ و شیخ سیف الدین باخرزی قدس اللہ ارواحھم و میگویند کہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ را در شعر گفتن غلوی تمام بودہ است تا غایتی کہ مریدان شیخ بخدمت او باز نمودند کہ از ہر شیخے و بزرگواری کتابے و تالیفے ماندہ است شما چرا چیزی نمی نویسید کہ در جہاں یادگاری بماند۔ جواب فرمودند کہ ہر بیت من یک کتابی است پیش اہل دل" [۱]

اکثر مشایخ کی بہت سی نظمیں ہیں جن کے پڑھنے سے حال اور رقت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ اور شیخ سیف الدین باخرزیؒ کے اشعار۔ کہتے ہیں کہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ کو شاعری میں بڑا غلو تھا۔ یہاں تک کہ شیخ کے مریدوں نے ایک دن اُن کی خدمت میں عرض کیا کہ ہر ایک شیخ اور بزرگ نے کوئی کتاب یا تالیف چھوڑی ہے۔ آپ کوئی چیز کیوں نہیں لکھتے کہ دنیا میں یادگار رہے۔ جواب دیا:
میرا ہر شعر اہل دل کے لئے ایک کتاب ہے۔

سلطان المشایخؒ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کی بعض رباعیوں اور اشعار کو خود اپنے مسلک کی ترجمانی کے طور پر پڑھتے اور پیش کرتے تھے۔ مثلاً

---

[۱] دُرر نظامیہ ۹۸ ب ۹۹ الف؛ فوائد الفواد ص ۳۵

Marfat.com

ے ہر کہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد — ہر کہ مارا یار نبود ایزد اورا یار باد
ہر کہ اندر راہ ما خارے نہد از دشمنی — ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

ے با عاشقاں نشین و غم عاشقی گزیں — با ہر کہ نیست عاشق کم کن از و قریں

بعض چشتی بزرگ متقدمین صوفی شعراء کے اشعار ایسے جوش اور وارفتگی کے انداز میں پڑھتے اور وجد کرتے تھے کہ ایسا محسوس ہوتا تھا گویا شاعر نے خود ان کے جذبات کی تصویر کھینچ دی ہے شیخ معین الدین چشتیؒ یہ بیت اکثر پڑھا کرتے تھے ے

ہاں اے دل گرم با دم سرد بساز — با دیدۂ لعل و بارخ زرد بساز
فریاد رسی چو نیست فریاد مکن — درماں چو نمی بینی با درد بساز

شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ جب خلوت میں ہوتے تو یہ رباعی پڑھتے ے

ے سودائے تو اندر دل دیوانۂ ماست — ہر چہ آں نہ حدیث تست افسانۂ ماست
بیگانہ کہ از گفت او خویش من ست — خویشی کہ نہ از تو گفت بیگانۂ ماست

بابا فریدؒ بند حجرے میں سر برہنہ یہ اشعار پڑھا کرتے تھے ے

ے خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم — خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی — از بہر تو میرم ز برائے تو زیم

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی زبان پر اخیر شب میں کوئی شعر آجاتا اور وہ گھنٹوں اس سے لطف اندوز ہوتے۔ یہی حال شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ اور دوسرے مشائخ سلسلہ کا تھا۔

شیخ سعدیؒ کی غزلیں بھی چشتی بزرگوں کی محفل میں سوز و گداز پیدا کر دیتی تھیں۔ حضرت چراغ دہلیؒ نے ایک بار ان کے متعلق فرمایا تھا:

---

۱ سرور الصدور (قلمی) ص ۱۸
۲ درر نظامیہ ۹۹، الف
۳ خیر المجالس ص ۲۲۴
۴ سیر الاولیاء ص ۱۲۰

امیر خسرو و امیر حسن بسیار خواستند کہ بطریق خواجہ سعدی بگویند، میسر نشد۔ خواجہ سعدی آنچہ گفت از سر حال گفت" [1]	امیر خسرو اور امیر حسن نے بہت کوشش کی کہ خواجہ سعدی کے انداز میں (شعر) کہیں، لیکن اُن کو میسر نہ ہوا۔ خواجہ سعدی نے جو کچھ کہا ہے وہ جذبہ اور حال کا نتیجہ ہے۔

سعدیؒ کے اشعار جب شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی محفل سماع میں پڑھے جاتے تھے تو اُن پر خاص کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

صوفی بزرگوں کی محفل میں جب مثنوی مولانا روم پہونچی تو سارے دوسرے چراغ ماند پڑ گئے۔ نثر میں جن خیالات کی ترویج و اشاعت کو مشائخ چشت نے عوام کے لئے مضر سمجھ کر شیخ اکبرؒ کی تصانیف کو مخصوص طبقہ تک محدود رکھا تھا، وہ مثنوی کے ذریعہ صوفی حلقوں میں عام ہو گئے۔ غالباً چشتیہ سلسلہ میں نظم کی کسی دوسری کتاب کو وہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جو مثنوی کو ہوئی۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے ملفوظات خیر المجالس میں مولانا رومؒ کا ایک شعر پہلی بار نقل ہوا ہے [2] لیکن اُن کے خلیفہ سید محمد جعفر مکیؒ نے مثنوی کے چند اشعار اپنے خیالات کی تائید میں نقل کئے ہیں [3]۔ بعد کو چشتی خانقاہوں میں مثنوی کا وہ چرچا ہوا کہ تمام فضائیں پرشور ہو گئیں۔ شاہ فخر الدین دہلویؒ کی مجلس مثنوی بڑے اہتمام سے ہوتی تھی [4]۔ حافظ

---

[1] خیر المجالس ص ۱۴۳؛ لیکن امیر خسروؒ کے اشعار دہلی اور ناگور کی خانقاہوں میں بہت مقبول تھے۔ سرور الصدور کے ضمیمہ میں لکھا ہے: "و اشعار غزل امیر خسرو در مجلس حضرت شیخ فرید الدین محمود ناگوری مسموع و مایہ نشاط و احتظاظ یاران طریقت می شد"

[2] خیر المجالس ص ۱۶۳

[3] بحر المعانی ص ۸۱، ۲۲۴ وغیرہ

[4] شجرۃ الانوار (قلمی)

Marfat.com

محمد علی خیر آبادیؒ مثنوی بہترین انداز میں پڑھتے اور پڑھاتے تھے[1]۔ ان کے درس مثنوی میں ہندو بھی شریک ہوتے تھے[2]۔ دو چشتی بزرگوں، شیخ محمد تھانویؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مثنوی کی شرحیں قابل قدر ہیں[3]۔

عموماً فارسی شعراء کا کلام ہی چشتی خانقاہوں میں سنا جاتا تھا۔ لیکن بعض اوقات مقامی زبان کے اشعار بھی محفلوں میں گرمی پیدا کر دیتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ پر ہندی کی یہ 'جکری' سن کر وجد طاری ہو گیا تھا۔

بنیا بن بھاجی ایسا سکھ سین باسئون[4]

سید محمد گیسو درازؒ کا بیان ہے کہ ایک بار رہٹ پر بیل چلاتے ہوئے ایک آدمی "باہری ہو باہر" کہہ رہا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ پر یہ سن کر ایک کیفیت طاری ہو گئی[5]۔ ایک دن کسی شخص نے سید محمد گیسو درازؒ سے دریافت کیا کہ صوفیوں کو ہندوی میں زیادہ ذوق کیوں محسوس ہوتا ہے؟ جواب دیا:

"ہندوی بیشتر نرم و مرقق می باشد و
سخن کشادہ گفتہ می شود" [6]

۱۔ مناقب المحبوبین ص ۳۵۷
۲۔ مناقب حافظیہ ص ۲۵۶
۳۔ شیخ محمدؒ کی شرح مثنوی (منظوم) کا نام "شورش عشق" ہے اور مولانا اشرف علیؒ کی کلید مثنوی
۴۔ سیر الاولیاء ص ۵۲۲
۵۔ جوامع الکلم ص ۱۵۰
۶۔ جوامع الکلم ص ۱۷۳

Marfat.com

باب نہم

مشائخ چشت کی تصانیف کی فکری اور اصلاحی نوعیت

چشتی بزرگوں کی تعلیم اور انداز تربیت[1] پر سب سے زیادہ روشنی ملفوظات سے پڑتی ہے۔ فوائد الفواد کی حیثیت "دستور العمل صادقان[2]" کی تھی۔ بہت سے چشتی بزرگ اس کو روحانی سعادت سمجھ کر پڑھتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء رح کے کچھ اور ملفوظات بھی مرتب کئے گئے تھے، مثلاً دُرر نظامیہ، انوار المجالس، تحفۃ الابرار و کرامت الاخیار، اور حسرت نامہ، لیکن ان کو وہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جو فوائد الفواد کو حاصل ہوئی۔ اور اب تو دُرر نظامیہ کے علاوہ کوئی دوسرا ملفوظ ملتا بھی نہیں۔ چشتی بزرگوں کے کچھ ملفوظات موضوع ہیں بالخصوص گنج الاسرار، انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین، اسرار الاولیاء، راحت القلوب اور مفتاح العاشقین کی نسبت[3] تصنیف چشتی بزرگوں کی طرف غلط ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء رح[4]، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رح، سید محمد گیسو دراز، شیخ عبدالحق محدث

ﻟﮧ تاریخ فیروز شاہی ص ۳۴۶ ؛ سیر الاولیاء ص ۳۰۸ ؛ اخبار الاخیار ص ۱۰۱

ﮐﮧ فوائد الفواد ص ۴۵

ﺳﮧ خیر المجالس ص ۵۳

ﻤﮧ جوامع الکلم ص ۱۳۴

Marfat.com

دہلویؒ[1]، اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ[2]، اس لٹریچر کو موضوع سمجھتے تھے۔ لیکن یہ لٹریچر ابتدائی زمانہ میں ہی شہرت پا گیا تھا۔ چشتی بزرگوں کے ملفوظات میں خیر المجالس، سرور الصدور، احسن الاقوال، نفائس الانفاس، جوامع الکلم، انوار العیون، لطائف قدوسی، فخرالطالبین اور نافع السالکین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں چشتی مشایخ کی تعلیم کا تقریباً ہر پہلو نمایاں ہوگیا ہے اور پچھلے صفحات میں جو گفتگو اساس فکر کے متعلق کی گئی ہے اس کا ماخذ یہی ملفوظات ہیں۔

پھر صوفیہ کے مکتوبات کے بھی کچھ مجموعے چشتی سلسلہ کی تعلیم اور افکار کی نوعیت سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ صحائف السلوک، بحر المعانی، مکتوبات اشرفی، مکتوبات نور قطب عالم، مکتوبات قدوسی، مکتوبات کلیمی میں چشتیہ سلسلہ کی تعلیم کا نچوڑ ملتا ہے۔ سید محمد گیسو درازؒ کے مکتوبات بھی اس سلسلہ میں لایق مطالعہ ہیں۔ وہ ایک طرف شیخ اکبرؒ کے نظریات کی تردید کرتے تھے، دوسری طرف اس فکر کے زبردست مبلغ مسعود بکؒ سے اُن کی نہایت مخلصانہ خط و کتابت تھی۔

مشایخ چشت کے افکار و تعلیمات پر شیخ جمال الدین ہانسویؒ کی ملہمات قدیم ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اس میں مقولوں کی شکل میں تصوف کے بنیادی نظریات کو موثر طریقہ پر پیش کیا گیا ہے۔ امیر حسن سجزیؒ نے اسی نوع کی کوشش مخ المعانی میں کی ہے[3] لیکن اس میں وہ تاثیر نہیں جو شیخ ہانسویؒ کی تصنیف کا امتیاز ہے۔ اصول السماع میں شیخ فخر الدین زرادیؒ نے اباحت سماع پر گفتگو کی ہے۔ ضیاء الدین نخشبیؒ نے جو شیخ فرید الدین محمود

---

[1] انھوں نے اخبار الاخیار میں موضوع ملفوظات کو استعمال نہیں کیا۔

[2] ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۸۱

[3] ملاحظہ ہو تاریخی مقالات (نظامی) ص ۱۷۲ - ۱۶۶
مخ المعانی کا قلمی نسخہ ذخیرہ شاہ محمد سلیمان (مسلم یونیورسٹی) میں ہے۔

[4] ملاحظہ ہو تاریخی مقالات ص ۱۱۴ - ۷۹

Marfat.com

ناگوریؒ کے مرید تھے اپنی تصانیف سلک السلوک، ناموس اکبر، طوطی نامہ وغیرہ میں چشتی تعلیمات کو مخصوص انداز سے عوام تک پہونچانے کی کوشش کی ہے۔

مشایخ چشت کی بعض تصانیف مریدین کے عقائد کی اصلاح، تصوف کے بنیادی افکار کی وضاحت یا اعمال واشغال میں رہنمائی کے لئے لکھی گئی تھیں۔ ان کتابوں میں آداب الطالبین، عشرہ کاملہ، کشکول، مرقع، نظام القلوب، نظام العقائد کی اہمیت اور افادیت مسلم ہے۔ آداب الطالبین میں شیخ محمد چشتیؒ نے مریدین کی دینی تربیت کے لئے بعض بنیادی مسائل بیان کئے ہیں۔ ابتدا ہی میں فرماتے ہیں کہ طالب کو نماز، روزہ وغیرہ کی تفصیلات سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے احکام الصلوٰۃ یا مقدمۃ الصلوٰۃ یا نام حق یا اسی نوع کی دوسری کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ اس کے بعد ممکن ہو تو کنز الدقائق پڑھے۔ علم کے حصول میں کاہلی مطلق نہ کرے۔ قرآن پاک کی تلاوت کو لازمی کرلے۔ اس کے بعد با وضو رہنے کی ہدایت ہے، مسواک کے استعمال پر زور ہے۔ ہر روز اپنے اعمال کا محاسبہ کرے۔ قلت طعام، قلت کلام قلت منام اور قلت محبت کو لازم سمجھے۔ سماع کے سلسلہ میں اُن اصولوں کی پابندی کرے جن کا ذکر "شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے اپنے رسالہ میں کیا ہے"۔

کشکول میں شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے راہ سلوک سے بحث کی ہے اور 'سیر الی اللہ' اور 'سیر فی اللہ' کا مفہوم سمجھایا ہے۔ اذکار و اعمال کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ طریق تلقین، ذکر، مراقبات، وغیرہ کا بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اے برادر ایں چند سطر بنظر دل	اے بھائی اگر یہ چند سطر تو دل کی نظر
مطالعہ فرمائی، امید واثق است	سے مطالعہ کرے گا تو امید قوی ہے
کہ بے توسط شیخے در ظاہر کار خود را از	کہ ظاہر میں بلا ذریعہ شیخ کے اپنے کو
حضیض بذروہ توانی رسانید اما	پستی سے بلندی پر پہونچا سکتا ہے
دانم کہ کار بے توجہ شیخ تمام نشود[1]	مگر میں جانتا ہوں کہ بلا مدد شیخ کے

---

[1] کشکول کلیمی ص ۸،

کام پورا نہ ہوگا"

ایک جگہ "ہمہ اوست" کے سلسلہ کی بعض غلط فہمیوں کی نشاندہی کی ہے[۱]۔ ایک عام ہدایت یہ بھی کی ہے کہ

اگر مرید عجمی باشد بہ زبان کہ دانستہ باشد تلقین فرمایند[۲]	اگر مرید عجمی ہو تو اسی کی زبان میں تعلیم دی جائے۔

مرقع میں اعمال و اذکار کا ذکر ہے[۳]۔ بعض اعمال جواہر خمسہ سے بھی لئے گئے ہیں۔ نظام القلوب میں اذکار سے بحث کی گئی ہے[۴]۔

نظم میں مشائخ چشت نے جو کتابیں لکھی ہیں اُن میں دیوان جمال الدین ہانسوی اور یوسف گدا کی تحفۃ النصائح خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ موخر الذکر نے سلسلہ کے بنیادی عقائد اور تعلیم مشائخ کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔ توحید باری تعالیٰ، نماز، وضو، زکوٰۃ، حج، نکاح، آداب طعام خوردن، آداب لباس، آداب خواب، آداب بیع و شرا، حسن اخلاق، وغیرہ پر نہایت موثر اشعار لکھے ہیں۔ بادشاہوں کی صحبت سے پرہیز کرنے کی ہدایت اس طرح کرتے ہیں ؎

نزدیک سلطاں خود مرو، دریا و سلطاں داں بلا
چون تو ہوس سلطاں کنی باشد ترا از جاں خطر[۵]

۱۔ کشکول کلیمی ص ۳۰۔
۲۔ کشکول کلیمی ص ۳۰۔
ایک جگہ لکھتے ہیں: "حضرت شیخ گنج شکر قدس سرہ بزبان پنجابی ذکر کردہ اند" اسی تخیل کو آگے بڑھاتے ہوئے شاہ فخر الدین دہلوی نے خطبہ کو "بلفظ ہندی" دینے کی سفارش کی۔ فخر الطالبین ص ۲۳
۳۔ اس میں روحانی اور جسمانی دونوں امراض کا ذکر ہے۔ لمبے لمبے نقش بھی نقل کئے گئے ہیں۔ مثلاً ص ۴۰ پر۔
۴۔ مثلاً ذکر جہر، پاس انفاس، حبس دم، مراقبہ وغیرہ۔ فصل پانزدہم میں اذکار جوگیہ بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ص ۳۲۔ ۳۱
۵۔ تحفۃ النصائح ص ۷

Marfat.com

باب دہم

ختم سخن

حاصل کلام یہ ہے کہ

(۱) چشتیہ سلسلہ کے مشایخ نے اپنے عقائد اور اعمال کی عمارت دو محکم ستونوں پر قایم کی تھی ——— قرآن اور سنت۔ شیخ نصیرالدین چراغ دہلیؒ کا یہ اعلان چشتیہ سلسلہ کے مسلک کا ترجمان ہے:

"مشرب پیر... حجت نمی شود، دلیل از کتاب و حدیث می باید"[1]	مشرب پیر حجت نہیں ہو سکتا۔ (ہر قول و فعل کا جواز) کتاب اور حدیث سے ہونا چاہیے۔

(۲) مشایخ چشت کی روحانی فکر کی اساس نظریۂ وحدت وجود تھا۔ شیخ اکبرؒ کی تصانیف فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ، اُن کے روحانی سفر میں روشن میناروں کی طرح تھیں۔ اس نظریہ کی تائید میں وہ آیات قرآنی پیش کرتے تھے۔ قرآن کی جو تفسیریں مشایخ چشت نے لکھی ہیں وہ وحدت وجود کے نظریہ کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں۔

(۳) خانقہی نظام کی بنیادیں عوارف المعارف[2] کے اصولوں پر قایم تھیں۔ شیخ

---

[1] اخبار الاخیار ص ۸۱۔

[2] حافظ محمد علی خیرآبادیؒ کو عوارف اس لئے پسند تھی کہ "اس میں ہر مسئلہ حدیث شریف سے لکھا گیا ہے" مناقب حافظیہ ص ۲۱۲

Marfat.com

شہاب الدین سہروردیؒ نے صوفیہ کی زندگی اور خانقھی تنظیم کے ہر پہلو پر گفتگو کی ہے اور ہر جگہ اپنی دلیل کو قرآن اور حدیث سے محکم کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض احادیث اصول اسناد کی کسوٹی پر پوری نہ اترتی ہوں لیکن حدیث و سنت کو رہبر بنانے کی کوشش بہر حال پوری طرح واضح ہے۔

(۴) انفرادی زندگی کی اصلاح، تزکیۂ نفس اور تجلیۂ باطن کے لئے امام غزالیؒ کی کیمیائے سعادت اور شیخ ہجویریؒ کی کشف المحجوب بنیادی کتابیں تھیں۔ ان کی رہبری میں انسان ہر برائی کے منبع و مخرج سے واقف ہوکر اپنی ملکوتی صفات کو اجاگر کرسکتا تھا۔

(۵) تصوف کے بنیادی مقصد، اس کی جہد و سعی کی حقیقی سمت اور متقدمین صوفیہ کے افکار سے آگہی کے لئے رسالہ قشیریہ اور روح الارواح کا مطالعہ ازبس ضروری سمجھا جاتا تھا۔

(۶) اعمال واشغال کی حیثیت دو طرح کی تھی ـــ ایک وہ جو کتابوں میں مذکور ہیں[1] اور دوسرے وہ جن کی ہدایت پیر اپنے کسی مرید کی صلاحیتوں اور رجحانات کو دیکھ کر کرے۔ اس ضمن کی تعلیمات ملفوظات میں درج ہیں۔ بعض مشائخ نے اس سلسلہ میں ہدایات کے لئے رسائل بھی ترتیب دیئے تھے۔

اعمال واشغال کے سلسلہ میں گو بعض چیزیں دوسرے مذاہب اور طریقۂ فکر سے اخذ کی گئی تھیں لیکن اُن کا جواز بعض روایات کے سہارے سنت رسولؐ سے پیش کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ بابا فریدؒ نے صلوٰۃ معکوس[2] پڑھی تھی، چشتی بزرگوں نے اس کو رسول اکرمؐ سے منسوب کرنے کی کوشش کی، لیکن جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ نے وضاحت کی ہے

---

[1] اس ضمن میں بھی شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی ایک کتاب اوراد شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بعض مشائخ کے سامنے رہتی تھی۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ اس کا حوالہ دیتے ہیں (سیر الاولیاء ص ۳۸۸) میرے پیش نظر اس کا قدیم قلمی نسخہ ہے۔ سید محمد گیسو درازؒ نے بھی اس کا ذکر اپنی مجلسوں میں کیا تھا۔ (جوامع الکلم ص ۲۹)

[2] باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر۔

اس کا کوئی ثبوت احادیث میں نہیں ملتا۔[۱]

(۷) تربیت باطن کے لئے علوم ظاہر کی تعلیم ازبس ضروری سمجھی جاتی تھی۔ علم کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے مشایخ چشت نے خانقاہوں میں ہی مدارس بھی قایم کئے تھے۔ متاخرین مشایخ چشت کی کوششیں اس سلسلہ میں خاص طور پر اہم ہیں۔ انھوں نے مدرسہ اور خانقاہ کا فاصلہ ختم کر دیا۔ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ اور شاہ فخرالدین دہلویؒ کے مدرسوں نے اُس مرکز علم میں اپنا لوہا منوایا تھا[۲] جہاں خاندان ولی اللہی کی علمی عظمت مسلم تھی اور مدرسہ رحیمیہ کا فیض دور دور پہونچ گیا تھا۔ کتنی زبردست کامیابی تھی اس نوع کی جدوجہد کے لئے کہ جب شاہ عبدالعزیزؒ کو اپنے عظیم المرتبت باپ کی مسند درس پر بٹھا جانے لگا تو اس کام کے لئے نظریں شاہ فخرالدینؒ کی طرف اٹھیں!

علوم ظاہر اور علوم باطن کی اس تعلیم کا مقصد انفرادی شخصیت کو سنوارنا او اجتماعی نظام کو اعلیٰ روحانی اقدار سے آشنا کرنا تھا، اس یقین کے ساتھ کہ اگر انسان احکا الٰہی کا پابند بن جائے تو وہ اپنی تقدیر خود بنا سکتا ہے ؎

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

۱۔ نماز معکوس کے متعلق لکھا ہے کہ خواجہ ابو محمد چشتیؒ نے بھی ادا کی تھی (سیر الاولیاء ص ۴۰) لیکن غالباً اس کی روایت چشتیوں میں شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ کے ذریعہ آئی۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے ایک دن فرمایا کہ شیخ کہا کرتے تھے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز معکوس کرنے کے متعلق سنا تو خود کنوئیں میں رسی سے لٹک کر نماز پڑھی۔ فوائد الفواد ص،

۲۔ شاہ فخرالدینؒ، مدرسہ رحیمیہ میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی موجودگی میں سماع سنتے تھے۔ شاہ عبدالعزیزؒ کا بیان ہے "در مدرسہ شریف بلکہ مسجد و صحن مسجد سماع بے مزامیری شنیدند و شورش می کردند" ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۵۵

Marfat.com

ماخذ

التعرف علی اھل التصوف : الکلاباذی

قاہرہ سنہ ۱۹۳۴ء

اٰثار الصنادید : سرسید احمد خاں

سید الاخبار پریس دہلی سنہ ۱۸۴۷ء

احسن الشمائل : ملفوظات وحالات شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ، مرتبہ خواجہ کامگار خاں

(قلمی نسخہ، شیفتہ کلکشن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

احسن الاقوال : ملفوظات شیخ برہان الدین غریبؒ، مرتبہ خواجہ حماد بن عماد کاشانی

(قلمی نسخہ ذاتی)

احیاء علوم الدین : امام غزالیؒ

(۱) عربی: قاہرہ سنہ ۱۳۲۶ھ (۲) اردو ترجمہ: مذاق العارفین نول کشور سنہ ۱۸۷۵ء

اخبار الاخیار : شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

فارسی نسخہ: مطبع مجتبائی دہلی سنہ ۱۳۰۹ھ اردو ترجمہ: مسلم پریس دہلی سنہ ۱۳۲۶ھ

آداب الطالبین : شیخ محمدؒ تھانوی

قلمی: ذاتی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی سنہ ۱۳۱۱ھ

الرسالۃ القشیریہ : امام قشیری

قاہرہ سنہ ۱۹۵۹ء

Marfat.com

اساس التقدیس : امام فخرالدین رازیؒ
قاہرہ ۱۳۲۸ھ
اسماء الاسرار : سید محمد گیسو درازؒ
حیدرآباد ۱۳۵۰ھ
السنتہ الجلیہ فی الچشتیہ العلیہ : مولانا اشرف علی تھانویؒ
کتب خانہ اشرفیہ دہلی ۱۳۵۱ھ
اصول السماع مولانا فخرالدین زرادی
مسلم پریس جھجر ۱۳۱۱ھ
اصول الطریقۃ : شیخ حمیدالدین ناگوریؒ
(قلمی، ذاتی)
الغزالی : مولانا شبلی
نامی پریس کانپور ۱۹۰۲ء
الافاضات الیومیہ : مولانا اشرف علی تھانویؒ
جلد دہم
الفوز الکبیر فی اصول التفسیر : شاہ ولی اللہ دہلویؒ
لاہور ۱۸۸۳ء
اقتباس الانوار : محمد اکرم
مطبع اسلامیہ، لاہور
القول المستحسن فی شرح فخر الحسن : مولانا احسن الزماں حیدرآبادی
(مطبوعہ)
الکامل فی التاریخ : ابن الاثیر
لیڈن۔ ۱۸۶۷-۷۴ء

Marfat.com

المنقذ من الضلال : امام غزالیؒ

(قاہرہ)

المامون : مولانا شبلی

قومی پریس لکھنؤ ۱۸۸۹ء

انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ : شاہ ولی اللہ دہلویؒ

مطبع احمدی ۱۳۱۱ھ

انفاس العارفین : شاہ ولی اللہ دہلویؒ

مطبع مجتبائی ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء

انوار العاشقین : مشتاق احمد انبیٹھوی

حیدرآباد ۱۳۳۲ھ

انوار العارفین : حافظ محمد حسین مرادآبادی

مطبع صدیقی بریلی ۱۲۹۰ھ

انوار العیون : حالات و ملفوظات شیخ احمد عبدالحقؒ مرتبہ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ

احسن المطابع علی گڑھ ۱۹۰۵ء

انیس العشاق : دیوان سید محمد گیسو درازؒ

حیدرآباد ۱۳۶۰ھ

اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان : مولانا ابوالکلام آزاد

مطبوعہ لاہور ۱۹۳۹ء

آئین اکبری : ابوالفضل، مرتبہ سرسید احمد خاں

(دہلی)

بحر المعانی : سید محمد بن جعفر مکی الحسینی خلیفہ حضرت چراغ دہلیؒ

مطبع احتشامیہ، مرادآباد ۱۸۸۹ء

Marfat.com

برہان مآثر : سید علی طباطبا
حیدر آباد ۱۳۵۵ھ

بہجۃ الاسرار و معدن الانوار : حالات و ملفوظات شیخ عبدالقادر جیلانی، مرتبہ شیخ نورالدین
علی بن یوسف الشطنوفی قاہرہ ۱۳۰۱ھ

تاریخ جہاں کشا : عطا ملک جوینی بہ تصحیح مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی
(گب میموریل سیریز)

تاریخ فیروز شاہی : ضیاء الدین برنی، مرتبہ سر سید احمد خاں
ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، ۱۸۶۰ء

تاریخ فیروز شاہی : شمس سراج عفیف
ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، ۱۸۹۱ء

تاریخ فرشتہ : ابوالقاسم ہندو شاہ فرشتہ
نول کشور ۱۲۸۱ھ

تاریخی مقالات : خلیق احمد نظامی
دہلی ۱۹۶۵ء

تحفۃ النصائح : شیخ یوسف گدا مرید شیخ نصیرالدین چراغ دہلیؒ
مطبع نور لاہور ۱۲۸۳ھ

تذکرہ : مولانا ابوالکلام آزاد
کلکتہ ۱۹۱۹ء

تذکرۃ الاولیاء : خواجہ فریدالدین عطارؒ
فارسی : مطبع محمدی، لاہور ۱۳۰۶ھ۔ اردو ترجمہ۔ عبدالرحمن شوق، لاہور

تذکرہ دولت شاہ سمرقندی :
بمبئی ۱۳۰۵ھ

Marfat.com

تذکرہ علماء ہند : مولوی رحمان علی

۱۔ نول کشور ۱۹۱۴ء ۲۔ مرتبہ محمد ایوب قادری۔ کراچی ۱۹۶۱ء

ترجمان القرآن : مولانا ابوالکلام آزاد

جلد اول، لاہور ۱۹۴۷ء جلد دوم، بجنور و کلکتہ

تزک جہانگیری : مرتبہ سرسید احمد خاں

پرائیویٹ پریس، علی گڑھ ۱۸۶۴ء

تفسیر فتح العزیز : شاہ عبدالعزیز دہلوی

فارسی : مطبع مجتبائی ۱۳۴۰ھ اردو ترجمہ : محمد حسن خاں، مطبع مصطفائی لکھنؤ ۱۲۶۱ھ

تفسیر الکبیر : فخر الدین رازی

الآستانہ ۱۲۹۴ھ

تفہیمات الٰہیہ : شاہ ولی اللہ دہلوی

مطبوعہ

تکملۂ سیر الاولیاء : خواجہ گل محمد احمد پوری

مطبع رضوی دہلی ۱۳۱۲ھ

تلبیس ابلیس : علامہ ابن جوزی

مطبوعہ مصر ۱۹۲۸ء

جمہرۃ اللغت : ابن درید

مطبوعہ حیدرآباد

جواہر فریدی : علی اصغر چشتی

فارسی : دکٹوریہ پریس لاہور ۱۳۰۱ھ قلمی نسخہ : ذاتی اردو ترجمہ : کریمی پریس، لاہور

جوامع الکلم : ملفوظات حضرت سید محمد گیسو دراز، مرتبہ سید محمد اکبر حسینی فرزند شیخ

مطبوعہ انتظامی پریس عثمان گنج، حیدرآباد

Marfat.com

حجۃ اللہ البالغہ : شاہ ولی اللہ دہلویؒ، عربی: بہ تصحیح محمد احسن نانوتوی، بریلی ۱۲۸۶ھ
اردو ترجمہ: آیات اللہ الکاملہ، مولوی خلیل احمد، مطبع اسلامی، لاہور
عربی اور اردو ترجمہ: حمایت اسلام پریس۔ لاہور ۱۳۲۲ھ

حدائق الحنفیہ : حالات علماء و فقہاء حنفیہ۔ از مولوی فقیر محمد جہلمی
مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۸۸۶ء

حضرت مولانا الیاس اور اُن کی دینی دعوت : مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
مطبوعہ جید پریس دہلی

حقیقۃ الصلوٰۃ : ابوالکلام آزاد
لاہور ۱۹۴۵ء

حقیقۃ الصیام : ابوالکلام آزاد
لاہور ۱۹۴۵ء

حلیۃ الاولیاء : ابونعیم الاصفہانی
قاہرہ

حیات خسرو : مولانا سعید احمد مارہروی
نول کشور اسٹیم پریس لاہور ۱۹۰۹ء

حیات مالک : مولانا سید سلیمان ندوی
دار المصنفین اعظم گڈھ

خاتمہ مرآۃ احمدی : مرزا محمد حسن
کلکتہ ۱۹۳۰ء

خزینۃ الاصفیاء : مولانا غلام سرور
مطبع ثمر ہند لکھنؤ ۱۸۷۳ء

خیر المجالس : ملفوظات شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ، مرتبہ حمید قلندر
فارسی: بہ تصحیح خلیق احمد نظامی اردو ترجمہ: سراج المجالس دہلی ۱۳۱۵ھ علی گڑھ ۱۹۵۹ء

دُررِنظامیہ : مولانا علی شاہ محمود بن جاندار
(قلمی نسخہ ذاتی اور سر سالار جنگ میوزیم)

دول رانی خضر خاں : امیر خسروؒ
بہ تصحیح رشید احمد سالم علی گڑھ ۱۹۱۷ء

دیوان بے نیاز : دیوان شاہ نیاز احمد بریلوی
مطبع آگرہ اخبار آگرہ ۱۳۴۰ھ

دیوان جمال الدین ہانسویؒ : شائع کردہ، پیرجی رفیع الدین
دہلی ۱۸۸۹ء

دیوان حسن دہلوی : دیوان امیر حسن علاء سجزیؒ، مرتبہ مسعود علی محوی
ابراہیمیہ مشین پریس حیدر آباد دکن ۱۳۵۲ھ

دیوان مطہر : اورنٹیل کالج میگزین
مئی و اگست ۱۹۳۵ء

ذوارف اللطائف فی شرح عوارف المعارف : علی بن احمد مہائمی
(قلمی نسخہ)

رحلہ ابن بطوطہ :
عربی : مصر ۱۳۴۶ھ اردو ترجمہ : عجائب الاسفار، لاہور ۱۸۹۸ء

رسالہ احوال پیران چشت : بہابن... نبیرۂ قاضی حمید الدین ناگوریؒ
(قلمی نسخہ، ذاتی)

رسالہ تحقق آراضیِ ہند : شیخ جلال الدین تھانیسریؒ
(قلمی نسخہ)

رسالہ حال خانوادۂ چشت : تاج الدین نبیرۂ شہاب الدین امام
(قلمی نسخہ ذاتی)

Marfat.com

سرور الصدور : ملفوظات وحالات شیخ حمید الدین سوالی ناگوریؒ
(قلمی نسخہ ذاتی)

سفینۃ الاولیاء : داراشکوہ
آگرہ ۱۲۶۹ھ

سوانح احمدی : محمد جعفر تھانیسری
(بلالی اسٹیم پریس ساڈھورہ ۔ ضلع انبالہ)

سوانح مولانا روم مولانا شبلی
(نامی پریس کانپور)

سیر الاولیاء : میر خورد کرمانی
فارسی : مطبع محب ہند، دہلی ۱۳۰۲ھ اردو ترجمہ : غلام احمد بریاں مسلم پریس دہلی ۱۳۲۰ھ

سیر الاقطاب : شیخ اللہ دیا چشتی
(نول کشور ۱۸۸۱ء)

سیر العارفین : فضل اللہ المعروف بہ درویش جمالی
فارسی : مطبع رضوی، دہلی ۱۳۱۱ھ قلمی نسخہ : ذاتی اردو ترجمہ : غلام احمد، شمس المطابع مراد آباد ۱۹۰۱ء

سیر محمدی : مولانا شاہ محمد علی
یونانی دواخانہ پریس الہ آباد

سیرۃ النبی : مولانا شبلی و مولانا سید سلیمان ندوی
(دار المصنفین اعظم گڈھ)

سیرۃ النعمان : مولانا شبلی
مطبع مفید آگرہ ۱۸۹۲ء

سواء السبیل : شاہ کلیم اللہ دہلویؒ
(قلمی)

رسالہ مطلوب فی عشق المحبوب : محمد امیر ماہ بہرائچی
(قلمی نسخہ، ذاتی)

رشحات : واعظ الکاشفی
فارسی : نول کشور کانپور ۱۹۱۲ء اردو ترجمہ : نول کشور لکھنؤ ۱۸۹۳ء

رشد نامہ : شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ
(قلمی نسخہ)

روضۂ اقطاب : محمد بلاق چشتی
(مطبع محب ہند دہلی)

روضۂ اولیاء : غلام علی آزاد بلگرامی
اورنگ آباد ۱۳۱۰ھ

روضۃ الصفا : میر خوند
بمبئی ۱۸۴۵ء

ریاض الانشاء : محمود گاواں بہ تصحیح شیخ چاند
حیدرآباد ۱۹۴۸ء

ریاض السلاطین : غلام حسین
کلکتہ ۱۸۹۰ء

ریاض القدس : شیخ نظام الدین بلخیؒ
کریم المطابع بجنور ۱۳۰۵ھ

زمزمۂ صابری : تسلیم احمد امروہوی
مطبع حقانی امروہہ ۱۹۰۷ء

سبع سنابل : میر عبد الواحد بلگرامی
مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۹ھ

شجرۃ الانوار : مولانا رحیم بخش فخری مرید و خلیفہ شاہ فخر الدین دہلویؒ
(قلمی، کتابت ۱۲۸۱ھ، ذاتی)

شرح زبدۃ الحقایق المعروف بہ شرح تمہیدات : سید محمد گیسو دراز بہ تصحیح سید عطا حسین
گلبرگہ ۱۳۶۴ھ

شعر العجم : مولانا شبلی
(دار المصنفین، اعظم گڈھ)

شورش عشق : دفتر ہفتم مثنوی مولانا روم از شیخ محمد تھانویؒ
محبوب المطابع میرٹھ ۱۳۰۹ھ

صبح الاعشیٰ : القلقشندی (انگریزی ترجمہ) آٹو اسپیس
علی گڑھ

صحیح البخاری : ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل
قاہرہ ۱۳۸۶ھ

صفۃ الصفوۃ : ابن الجوزی
حیدر آباد ۱۳۵۶ھ

طبقات : ابن سعد
بیروت ۱۹۵۷ء

طبقات الشافعیہ : امام سبکی
(مطبوعہ)

طبقات الصوفیہ : عبد الرحمن السلمی

طبقات ناصری : منہاج السراج جوزجانی
(ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۶۲ء)

Marfat.com

ظفرنامہ : شرف الدین یزدی

کلکتہ ۱۸۸۵ء-۸۸

عشرہ کاملہ : شاہ کلیم اللہ دہلوی

(قلمی)

علمائے سلف : نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی صدر یار جنگ

(مطبوعہ علی گڑھ)

عوارف المعارف : شیخ شہاب الدین سہروردیؒ

دارالکتاب العربیہ بیروت ۱۹۶۶ء اردو ترجمہ مولوی ابوالحسن نول کشور لکھنؤ ۱۹۲۶ء

غبار خاطر : ابوالکلام آزاد

(کراچی)

غرائب الفوائد : شیخ عبدالقدوسؒ

مسلم پریس جھجر

فتح الربانی : شیخ عبدالقادر گیلانیؒ اردو ترجمہ، مولانا عاشق الٰہی

دہلی ۱۳۳۹ھ

فتح الرحمٰن : شاہ ولی اللہ دہلویؒ

دہلی ۱۲۸۳ھ

فتوح السلاطین : عصامی پہلا ایڈیشن، مہدی حسن، آگرہ ۱۹۳۸ء

دوسرا ایڈیشن، محمد یوشع، مدراس ۱۹۴۸ء

فتوحات مکیہ : شیخ محی الدین ابن عربیؒ

(مطبوعہ بولاق)

فخر الحسن : از شاہ فخر الدین دہلویؒ

(قلمی)

Marfat.com

فخر الطالبین : ملفوظات وحالات حضرت شاہ فخر الدین دہلوی از سید نور الدین حسینی فخری
قلمی نسخہ : ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۰۰ھ ذاتی۔ مطبوعہ : مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۵ھ

فصوص الحکم : ابن عربی بقلم ابو العلا عفیفی
(بیروت) مع اردو ترجمہ مطبع احمدی کانپور ۱۳۰۰ھ

فوائد الفواد : ملفوظات حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ۔ مرتبہ خواجہ میر حسن علا سجزیؒ
مطبوعہ نول کشور ۱۳۰۲ھ

قوت القلوب : ابو طالب المکیؒ
قاہرہ ۱۳۱۰ھ

قول الجمیل : شاہ ولی اللہ دہلویؒ
(مطبوعہ دہلی)

کتاب اللمع : شیخ ابو نصر السراج
گب میموریل سیریز ۱۹۱۴ء

کتاب الہند : البیرونی مرتبہ ای سی زخاؤ
لندن ۱۸۸۸ء اردو ترجمہ، سید اصغر علی : انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۴۱ء

کشف المحجوب : شیخ علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش
سی ایڈیشن : (۱) مطبع پنجابی لاہور (۲) لاہور ۱۹۶۸ء۔ اردو ترجمہ : حکیم ظہیر احمد لاہور ۱۳۴۳ھ

کشکول کلیمی : شاہ کلیم اللہ دہلویؒ
فارسی مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۰ھ مع اردو ترجمہ۔ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ

کلید مثنوی : شرح مثنوی روم از مولانا اشرف علی تھانویؒ
انتظامی پریس ۱۳۲۱ھ

کیمیائے سعادت : امام غزالی
مطبع ہاشمی، میرٹھ ۱۳۷۷ھ

Marfat.com

گلزار ابرار : محمد غوثی شطاری

فارسی: قلمی ذاتی - اردو ترجمہ: مفید عام مطبع، آگرہ ۱۳۲۶ھ

لطائف اشرفی : مرتبہ مولانا نظام الدین یمینی المعروف بہ نظام حاجی غریب یمینی

نصرت المطابع دہلی ۱۲۹۵ھ

لطائف قدوسی ملفوظات و حالات شیخ عبد القدوس گنگوہی از شیخ رکن الدین

مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ

لیلیٰ مجنوں : امیر خسرو بہ تصحیح مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی

علی گڑھ ۱۳۳۵ھ

مآثر الکرام : غلام علی آزاد بلگرامی

مفید عام پریس آگرہ ۱۹۱۰ء

مثنوی : مولانا جلال الدین رومی

مطبع نامی کانپور

مجموعہ یازدہ رسائل : سید محمد گیسو دراز

حیدر آباد ۱۳۶۰ھ

مختصر الفتاوی المصریہ : ابن تیمیہ

قاہرہ ۱۹۴۹ء

مخ المعانی : امیر حسن سجزی

(قلمی نسخہ یونیورسٹی لائبریری)

مرآۃ الاسرار : عبد الرحمٰن چشتی

(قلمی، ذاتی)

مرقع کلیمی : شاہ کلیم اللہ دہلوی

مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ

Marfat.com

مرأة العارفین : مسعود بک

(قلمی، ذاتی)

مسئلہ خلافت اور جزیرہ عرب : مولانا ابوالکلام آزاد

کلکتہ ۱۹۲۰ء

مصارع العشاق : ابو محمد جعفر بن احمد بن حسین السراج القاری

(مطبوعہ الجوائب قسطنطنیہ

مصباح الہدایۃ : شیخ محمود بن علی کاشانی

مطبع نول کشور، نیز ایران

مطلوب الطالبین : محمد بولاق چشتیؒ

(قلمی)

معارج الولایت : غلام معین الدین عبداللہ خویشگی

دو جلد، قلمی نسخہ، ذاتی

مفتاح السعادہ : طاش کبری زادہ

حیدرآباد ۱۳۵۶ھ

مقام دعوت : ابوالکلام آزاد

لاہور ۱۹۴۵ء

مقدمہ ابن خلدون : اردو ترجمہ مولوی عبدالرحمٰن

مطبع حمیدیہ لاہور ۱۹۰۴ء

مکاتبات امام غزالی : مرتبہ سرسید احمد خاں

علی گڑھ

مکتوبات امام ربانی : شیخ احمد سرہندی

نول کشور ۱۸۷۷ء

Marfat.com

مکتوبات حضرت گیسو درازؒ :

حیدرآباد ۱۳۶۴ھ

مکتوبات سید اشرف جہانگیر :

(قلمی نسخہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

مکتوبات شاہ محب اللہ الہ آبادیؒ :

(قلمی نسخہ ذاتی)

مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیری :

نول کشور ۱۸۹۸ء

مکتوبات قدوسی : مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ

مطبع احمدی، دہلی

مکتوبات کلیمی : مکتوبات شاہ کلیم اللہ دہلوی، مرتبہ مولوی محمد قاسم کلیمی

مطبع یوسفی دہلی ۱۳۰۱ھ

ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ : مرتبہ قاضی بشیرالدین میرٹھی

مطبع مجتبائی، میرٹھ ۱۳۱۴ھ

ملہمات : شیخ جمال الدین ہانسویؒ

(مطبوعہ الور، نیز دہلی)

مناقب حافظیہ : اردو ترجمہ موسوم بہ مشاہدہ حافظی، از محمد ہادی علی خاں، مترجمہ منشی نذر محمد

نظامی پریس لکھنؤ ۱۳۵۴ھ

مناقب فخریہ : از نظام الملک، مشتمل برحالات شاہ فخرالدین دہلویؒ

قلمی نسخہ کتابت ۱۳۰۰ھ، ذاتی۔ مطبوعہ: مطبع مجتبائی ۱۳۱۵ھ

مناقب المحبوبین : حاجی نجم الدین

مطبع محمد حسن رام پور ۱۲۸۹ھ

منتخب التواریخ : ملا عبدالقادر بدایونی

(مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ)

Marfat.com

منتخب اللباب : خافی خاں

مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ

منطق الطیر : خواجہ فرید الدین عطارؒ

بمبئی ۱۲۹۷ھ

نافع السالکین : ملفوظات خواجہ محمد سلیمان تونسوی از مولانا امام الدین

مطبوعہ لاہور ۱۲۸۵ھ

نفحات الانس : مولانا عبد الرحمٰن جامی

مطبوعہ بمبئی ۱۲۸۴ھ

نظام القلوب : شاہ نظام الدین اورنگ آبادی

مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ء

وجد و سماع : اردو ترجمہ رسالہ "السماع والرقص" ابن تیمیہ از مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی

مطبوعہ الہلال بک ایجنسی لاہور

وصیت نامہ : شاہ ولی اللہ دہلویؒ

(مطبع الرحمٰن سید حیات علی شاہ جہاں آباد ۱۲۶۸ھ)

وفیات الاعیان : ابن خلکان

قاہرہ ۱۲۹۹ھ

رسائل :-

اورنٹیل کالج میگزین، لاہور

برہان ، دہلی

معارف ، اعظم گڑھ

وکیل ، امرتسر

الفرقان، بریلی

Islamic culture, Hyderabad.

Afifi, Abul 'Ala — *The Mystical Philosophy of Muhyid Din Ibn ul Arabi*, Cambridge 1936.

Arberry, A.J. — *The Doctrine of the Sufis*, Cambridge 1935.

Brockelmann, — *Geschichte der Arabischen Litteratur*, Leiden 1943-1949.

Browne, E.G. — *A Literary History of Persia*, 4 vols. Cambridge 1902-24.

Chatelier, A. le — *Les Confreries musulmanes du Hedjaz*, Paris 1887.

Corbin, Henri, — *Creative Imagination in the Sufism of Ibn Arabi*, Princeton 1969.

Hitti, P.K. — *History of the Arabs*, London 1951.

Iqbal, Sir Mohd. — *Six Lectures on the Reconstruction of Religious Thought in Islam*, Lahore 1930.

Lawrence, Bruce. B. — *Notes from a Distant Flute*, Tehran 1978.

Lokkegaard, Frede — *Islamic Taxation in the Classic Period*, Copenhagen 1950.

Massignon, Louis — *Essai sur les origines du lexique technique de la mystique Musulmane* (Paris 1928).

Mez, Adam — *The Renaissance of Islam*, Patna 1937.

Mirza, Wahid — *Life and Works of Amir Khusrau*, Calcutta 1935.

Nicholson, R.A. — *Studies in Islamic Mysticism*, Cambridge 1967.

Omar-ud-din — *Ethical Philosophy of Al-Ghazzali*, Aligarh.

Prasad, Beni — *History of Jahangir*, Allahabad 1930.

Sarkar J.N. — *Chaitanya's life and teachings*, Calcutta 1912.

Sarkar J.N. — *Chaitanya's pilgrimages and teachings*.

Saksena, Banarsi Prasad — *History of Shah Jahan of Dihli*, Allahabad 1932.

Schimmel, Annemarie — *Mystical Dimensions of Islam*, North Carolina Press, 1975.

Storey, C.A. — *Persian Literature*, London.

Trimingham, J.S. — *The Sufi Orders in Islam*, Oxford University Press, 1971.

Williams, R. — *An Empire builder of the 16th Century*, Calcutta.

Zubaid Ahmad, M.G. — *The Contribution of India to Arabic Literature* Allahabad 1945.

اشاریہ

الف

اباحیہ - ۱۶۶ -
ابراہیم خلیل اللہؑ (حضرت) ۲۷ - ۲۸ - ۴۶ - ۱۳۲ -
ابراہیم شرقی، سلطان - ۵۶ - ۲۵۷ -
ابراہیم خواجہ - ۲۲۴ -
ابراہیم خاں شیروانی - ۲۷۵ -
ابراہیم بن ابی بکر اصفہانی - ۱۱۳ -
ابراہیم ادہمؒ (حضرت) ۱۰۳ - ۱۰۷ - ۱۹۳ - ۱۹۵ - ۴۲۹ -
ابن الاعرابی احمد بن محمد البصریؒ - ۵۸ -
ابن بطوطہ - ۲۲۳ - ۲۵۳ -
ابن ام الحکم - ۴۴ -
ابن تیمیہؒ (امام) - ۱۱۰ - ۳۴۲ - ۳۹۰ - ۴۲۷ - ۴۲۸ - ۴۲۹
ابن جوزی (علامہ) ۳۲ - ۷۰ ۵ - ۱۲۶ -
ابن خلدون - ۴۲ - ۱۳۴ - ۱۴۶ -
ابن خلکان - ۱۳۹ - ۱۴۳ -
ابن دُرید - ۸۴
ابن رشد - ۱۳۱
ابن سالمؒ - ۱۲۲
ابن اکوع - ۳۱۲
ابن کعب القرضیؒ - ۵۸
ابن الاثیر - ۱۳۲ - ۱۴۵ - ۱۴۹ - ۲۰۰ -
ابن ماجہ - ۳۰۲ - ۳۰۳ - ۴۰۵
ابن مسکویہ - ۸۹
ابو احمد چشتیؒ (شیخ) - ۱۹۲ - ۱۹۳ - ۱۹۴ -
اسحٰق - ۴۶
اسحٰق، قاضی - ۲۶۸ -
ابو اسحٰق شامیؒ (شیخ) - ۱۸۹ - ۱۹۰ - ۱۹۱ - ۱۹۲ - ۱۹۳ - ۱۹۴ -
ابو اسحٰق - ۱۱۱ -
ابو الحسنؒ (شیخ) - ۸۶ -
ابو الحسن خرقانیؒ (شیخ) - ۱۴۳ -
ابو الحسن قوسنجہؒ (شیخ) - ۶۳
ابو العباس خضر بن عبداللہ حسینی - ۱۴۷ -
ابو العباس سیاری - ۱۲۴
ابو العمر منصورؒ (شیخ) - ۱۳۸
ابو المظفر - ۱۴۷ -
ابو الفتح (شیخ) - ۲۴۰ -
ابو الفتح قریشی - ۲۶۱ -
ابو الفضل - ۱۷۷ - ۱۹۸ -
ابو الفضل بیہقی - ۱۲۸ -
ابو القاسم - ۱۰۰

Marfat.com

ابوالقاسم قشیریؒ (شیخ) دیکھئے قشیری
ابوالکلام آزاد (مولانا) - ۵۰-۵۱ - ۷۳-
۸۹ - ۹۶ - ۱۰۱ - ۱۱۳ - ۱۱۸ -
۲۰۴ - ۴۱۱ - ۴۳۷
ابوالاشعث صنعانیؒ - ۱۰۰
ابو بکرؒ (خواجہ) - ۳۷۳
ابو بکر صدیقؓ (حضرت) - ۱۰-۱۱- ۳۲۴ -
ابو بکرؒ (شیخ) - ۱۱۹ - ۱۲۰ - ۱۲۱ -
ابو بکر طمستانیؒ (شیخ) - ۵۸
ابو حمزہ (شیخ) - ۱۰۴
ابو حنیفہؒ (امام) - ۱۰۴-۱۰۶-۱۰۷-۱۱۶
۱۹۵ -
ابو داؤدؒ (امام) - ۹۳ -
ابو ذر غفاریؓ (حضرت) - ۵۶ -
ابو ریحان البیرونی - ۴۱ - ۲۰۱ -
ابو سعید گنگوہیؒ (شیخ) - ۲۷۹ - ۲۸۱-۲۸۲
ابو سعید ابن العربیؒ - ۱۱۹ - ۱۲۰ -
ابو سعید خدریؓ - ۵۷ -
ابو سعید خرازیؒ - ۱۲۴ -
ابو سعید ابوالخیرؒ - ۱۲۶ - ۱۳۰ - ۱۳۱ -
۱۵۰ - ۴۰۴ - ۴۱۹ - ۴۳۹ -
۴۴۰ -
ابو طالب مکیؒ - ۱۱۹ - ۱۲۰ - ۱۳۴ -
ابو عبدالرحمٰنؒ - ۱۱۹ - ۱۲۰ -
ابو عبدالرحمٰن السلمیؒ - ۱۲۰ -
ابو عبداللہ حارث بن اسد محاسبیؒ (شیخ) - ۱۲۳ -
ابو عبداللہ محمد بن خفیفؒ - ۱۲۴ -
ابو عبیدہ - ۱۱۰ -
ابو علی الدقاقؒ (شیخ) - ۱۶۲ -
ابو محمد جعفر بن احمد بن حسین السراج القاری - ۴۴
ابو مسعود انصاریؓ - ۶۹ -
ابو محمد الخلدیؒ - ۱۱۹ - ۱۲۰ -
ابو محمد چشتیؒ (خواجہ) - ۴۵۰ -
ابو موسیٰ اشعریؓ - ۳۸۸ -
ابو نجیب عبدالقاہر سہروردیؒ (شیخ) - ۱۳۸-۱۳۹ -
ابو نعیم اصبہانیؒ - ۱۲۵ - ۱۳۱ -
ابو نصر سراجؒ - ۴۲ - ۴۳ - ۵۳ - ۱۱۹ -
۱۲۱ - ۱۲۲ - ۴۰۰ -
ابو ہاشم کوفیؒ - ۴۳ -
ابو ہر - ۳۷۸
ابی الحسن بن نوری - ۱۲۳ -
ابی احمد چشتیؒ (خواجہ) - ۱۹۶
ابی ہریرہؓ (حضرت) - ۷۴ -
اپسالہ یونیورسٹی - ۲۱۷
اتحادیہ - ۱۶۷
اجل شیرازیؒ (شیخ) - ۸۸ - ۳۵۱ -
اجین - ۲۳۴ - ۲۶۸
اجمیر - ۱۷۸ - ۱۹۸ - ۱۹۹ - ۲۰۳ - ۲۰۷ -
۲۰۸ - ۲۱۳ - ۲۲۲ - ۲۴۱ - ۲۴۴ -
۲۷۳ -

Marfat.com

اجودھن - ۲۰۹ - ۲۱۳ - ۲۱۴ - ۲۴۱ -
۲۵۰ - ۴۳۹ -
احسن الزمان (مولانا) - ۱۹۴ - ۲۹۱ -
احسن الاقوال - ۲۳۰ - ۲۶۰ - ۲۷۲ -
۴۴۵ - ۴۱۶ -
احسن الشمائل - ۴۱۶ -
احکام الصلوٰۃ - ۴۴۶ -
احمد بن حنبلؒ (امام) - ۱۱۰ - ۱۱۱ - ۱۱۶ - ۱۹۵ -
احمد بلور - ۲۹۲ -
احمد تھانیسریؒ (شیخ) - ۲۴۲ - ۲۶۳ - ۴۲۵
احمد خضرویہ (شیخ) - ۴۰۱
احمد آباد - ۱۸۳ - ۲۴۰ - ۲۵۲ - ۲۶۵ -
احمد انبیٹھوی (حکیم شیخ) - ۲۸۲ -
احمد قنوجیؒ (مولانا) - ۲۵۸ -
احمد یسویؒ (شیخ) - ۱۷۱ - ۱۷۲ - ۲۷۰ -
احمد عبدالحقؒ (شیخ) - ۲۷۱ - ۲۷۷ -
احمد جامؒ (شیخ) - ۴۱۹ -
احمد سرہندیؒ (شیخ) - ۱۸۵ - ۱۸۶ - ۲۷۷ - ۲۷۸ -
احمد شہیدؒ (سید) - ۲۹۳ - ۴۳۶ -
احمد گرپائیؒ (شیخ) - ۱۷۶ -
احمد معشوقؒ (شیخ) - ۱۷۹ -
احمد حسن محدثؒ (مولانا) - ۲۹۴ -
احمد عطاء اللہ (شیخ) - ۲۲۲ -
احمد غزالیؒ - ۱۳۲ - ۱۳۸ -
احمد اتا یسویؒ (خواجہ) - ۱۶۰ - ۱۷۲ -
احمد کبیر - ۱۸۰
احمد نہر والہؒ (شیخ) - ۱۷۹ -
احمدیہ - ۱۶۴

احیاء العلوم - ۸۵ - ۱۳۱ - ۱۳۲ - ۱۳۳ -
۱۳۴ - ۱۳۵ - ۱۳۶ - ۲۳۱ - ۳۳۰ -
۳۳۳ - ۳۴۸ - ۳۶۱ - ۳۰۳ -
۴۰۴ - ۴۲۴ -
اخبار الاخیار - ۵۸ - ۸۸ - ۱۷۸ - ۱۸۳ -
۱۹۹ - ۲۰۵ - ۲۰۹ - ۲۱۷ - ۲۱۹ -
۲۲۱ - ۲۳۱ - ۲۳۳ - ۲۳۵ - ۲۳۶ -
۲۴۱ - ۲۴۲ - ۲۴۵ - ۲۵۶ - ۲۵۸ -
۲۶۰ - ۲۶۱ - ۲۶۵ - ۲۶۶ - ۲۶۹ -
۲۷۱ - ۲۷۶ - ۲۷۸ - ۲۸۰ - ۲۸۳ -
۲۸۹ - ۴۰۲ - ۴۱۵ - ۴۲۳ - ۴۳۱ -
۴۳۴ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۸ -
آخبار الاثار - ۱۳۷ - ۲۰۵ -
اخبار مکہ - ۴۳ -
اختیار الدینؒ (عمر خواجہ) - ۲۴۰ -
اخی سراجؒ - ۳۶۰ -

اخص الخواص - ۴۳۴ -
ادریسیہ - ۱۶۶ -
آداب الطالبین - ۴۴۶ -
آداب المریدین - ۴۰۵ - ۴۳۱ -
آدم بنوریؒ (خواجہ) - ۱۸۶ -
اردبیلی، عبدالعزیز - ۴۲۷ -
ادھن بلگرامی (سید) ۱۷۹

ادھمیان - ۱۷۸ -
آدھمیہ - ۱۶۴
اربل - ۱۴۹

اربیری (پروفیسر) - ۱۲۱ -
ارشاد الطالبین - ۱۸۱ -
ازوتسو - ۴۳۸ -
آزاد بلگرامی - ۲۱۰ - ۲۳۱ -
اسپین - ۹۹ - ۱۳۹ - ۱۴۶ -
استر آبادی (شیخ ناصرالدین) - ۴۰۱ -
اسحاق بن ابراہیم بن مصعب - ۱۱۰ -
اسحاق خطلانیؒ - ۱۷۶ -
اسرار الاولیاء - ۲۱۹ - ۴۴۴ -
اسرائیل (ابو) - ۱۰۲ -
اسلم (حافظ محمد) - ۲۹۱ -
اسمٰعیل (شیخ) - ۲۴۰ -
اسمٰعیل منگلوری (قاضی محمد) - ۲۸۲
اسمٰعیل ناگوریؒ (شیخ) - ۲۸۶ -
اسکندریہ - ۱۰۹ -
اسماء الاسرار - ۲۶۲ -
اسمٰعیلیہ - ۱۶۷ -
اشبیلیہ - ۱۳۹ - ۲۳۴ - ۲۵۶ - ۲۵۷ - ۴۳۴ -
اشرف جہانگیر سمنانیؒ - ۱۷۶ - ۲۳۳ -
اشرف علی تھانویؒ (مولانا) - ۴۸ - ۲۹۳ - ۲۹۴ - ۳۴۹ - ۴۴۳ -
اشرف الدین - ۱۹۴ -
اشرفیہ - ۱۶۴ -
اشراقیہ - ۱۶۷ -
اصحاب صفہ - ۵۶ - ۵۷ - ۵۸ -
اصول الطریقہ - ۴۰۲ -
اصول السماع - ۲۳۲ - ۳۹۰ - ۴۴۵ -
اعظم (سید) - ۲۸۲ -
اعظم پور - ۲۷۷ -
اغثِ باشیہ - ۱۶۶ -
اغث شاشیہ - ۱۶۶ -
افضل الدین فضیل - ۲۲۳ -
افریقہ - ۴۹ -
افسر افضال الدین - ۱۰
افغانستان - ۴۹ - ۱۸۹ -
اقبال - ۲۸ - ۴۳ - ۷۳ - ۲۲۹ - ۲۳۷ - ۴۱۷ -
اقتباس الانوار - ۲۸۲ -
اکبر (شہنشاہ) - ۱۱۸ - ۱۸۵ - ۲۷۸ - ۲۸۱ - ۲۸۵ -
اکبر (شیخ) - ۱۳۹ - ۱۴۰ - ۱۴۱ - ۱۴۳ - ۱۵۱ - ۱۵۲ -
اکبر حسینیؒ (شیخ) - ۱۶۱ -
اکبریہ - ۱۶۴ -
اکرم محمد - ۲۸۲ -
اکھراوٹ - ۲۸۸ -
آگرہ - ۲۸۱ - ۲۸۲ -
الجامع الکبیر فی الفقہ والاختلاف - ۱۰۴ -

Marfat.com

الجزائر - ۱۶۳ - ۱۶۵ -
الجیریا - ۱۶۴ -
الجواب الکافی - ۴ - ۳۰ -
الاربعین فی اصول الدین - ۴۱۰ - ۴۱۱ -
الخمسین فی اصول الدین - ۴۱۱ -
التسویہ بین الافادہ والقبول - ۴۳۴ -
۴۳۶ -
المغالط للعامہ - ۴۳۴ -
السنتہ الجلیہ فی الچشتیہ العلیہ - ۳۴۹ -
الحسن البصریؒ - ۱۹۲ -
الفیوضات الربانیہ - ۱۳۸ -
الکامل - ۱۴۹ -
اللہ بخش (شیخ) - ۱۸۴ -
المامون - ۱۱۰ -
اللمع - ۳۹۰ -
المنقذ من الضلال - ۱۱۲ - ۱۳۴ -
الہ آباد - ۲۸۲ - ۲۸۳ -
اللہ بخش تونسویؒ (خواجہ) - ۷ - ۲۹۱ -
اللہ داد (شیخ) - ۱۸۶ - ۲۳۴ -
اللہ داد (مولانا) - ۲۸۸ -
اللہ دیا چشتی (شیخ) - ۲۶۹ -
الور - ۲۱۷ -
الیاس کاندھلویؒ (مولانا محمد) - ۲۹۴ -
امام (خواجہ محمد) - ۲۲۰ - ۲۲۴ - ۲۳۰ -
امانت علی (سید) - ۲۸۲ -
امجد علی شاہ - ۲۱۲
امداد اللہ مہاجر مکیؒ (حاجی) - ۲۷۷ - ۲۸۲ -

۲۹۳ - ۲۹۴ - ۴۱۶ -
امام الدین ابدال (شیخ) - ۲۱۱ - ۲۲۲ -
امام اکبرؒ (ابن عربیؒ) - ۳۶۱ -
امام راغب - ۳۵۶ -
امام (مالک) - ۱۹۵ -
امروہہ - ۲۲۲ - ۲۲۴ - ۲۷۰ - ۲۸۹ - ۲۸۶ -
۲۸۷ - ۲۹۱ - ۲۹۲ - ۲۹۴ -
امرت کنڈ - ۱۸۳ -
امیر بدھا (سید محمد) - ۲۵۸ -
امیر حسن سجزیؒ - ۸ - ۳۳۷ - ۳۶۴ - ۳۸۵ -
۴۰۴ - ۴۴۲ - ۴۴۵ -
امیر خسروؒ - ۳۱۶ - ۳۶۴ - ۳۶۶ - ۳۸۵ -
۴۴۲ -
امیر غنیہ - ۱۶۴ -
امیر معاویہؓ - ۴۴ -
اُمّی سنانیہ - ۱۷۰ -
امیہ (بنی) - ۹۶ - ۹۷ - ۹۸ - ۱۰۰ - ۱۰۱ -
۱۰۲ - ۱۰۹ -
انبیٹھی - ۲۸۹ -
انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ - ۱۶۲ - ۱۶۳ -
۲۷۷ -
اندلس - ۱۴۴ -
انجمن ترقی اردو - ۲۰۱ -
انفاس الخواص - ۴۳۴ -
انفاس العارفین - ۳۶۳ - ۴۳۵ -
انوار العیون - ۲۷۱ - ۳۸۶ - ۴۴۵ -

Marfat.com

انوار المجالس - ۲۲۰ -
انوار العارفین - ۲۱۵ -
انوار العاشقین - ۲۹۲ -
انیس الارواح - ۴۴۴ -
اوپنیشد - ۴۳۷ - ۴۳۸ -
اوچھ - ۱۶۸ - ۱۸۱ - ۱۸۳ - ۲۱۴ - ۳۰۷ -
اوراد شیخ شہاب الدین سہروردیؒ - ۴۴۹ -
اوحدی کرمانی - ۱۵۵ -
اودھ - ۲۳۲ - ۲۳۳ -
اودھنؒ (شیخ) - ۱۸۰ -
اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان - ۹۰ -
اویس قرنیؒ (حضرت) - ۱۰۲ -
اوسیہ - ۱۷۱ -
اورنگ آباد - ۲۹۱ -
اورنگ آبادی (شیخ نظام الدینؒ) ۴۱۵ - ۴۳۷ -
اورنگ زیب عالمگیر - ۲۸۳ - ۴۳۶ -
آوش - ۴۱۹ -
ایبک (قطب الدین سلطان) - ۲۰۲ - ۲۴۴
ایرج - ۲۴۰ -
ایلتمش (سلطان) - ۲۰۵ - ۲۰۶ - ۲۰۸ - ۲۱۰ - ۲۱۱ - ۲۱۳ - ۲۴۴ - ۴۲۴ -
ایجاز - ۴۰۹ -
ایلزبیتھ - ۱۴ -
آئین اکبری - ۱۷۷ - ۱۹۸ - ۲۷۳ -
اینگلز - ۱۷ -
ایوب سختیانیؒ - ۱۱۷ -

ب

بابا فریدؒ - ۷۶ -
بابائیہ - ۱۶۴ -
بابر - ۱۷۳ - ۲۷۳ - ۲۷۴ -
بارک اللہ (شیخ) - ۳۴ - ۲۶۲ - ۲۶۳ -
بارہ بنکی - ۲۷۱ -
بالاکوٹ - ۲۸۲ - ۲۹۳ -
باقی باللہؒ (خواجہ) - ۱۸۵ - ۱۸۶ -
بامیان - ۱۳۶ -
بایزید بسطامیؒ (شیخ) - ۱۱۴ - ۱۱۵ - ۱۲۲ - ۲۲۱ - ۲۲۳ -
بٹھوریہ - ۲۵۶ -
بچھراؤں - ۲۸۳ -
بحر الانساب - ۴۲۵ -
بحر الحیات - ۴۷ - ۱۸۳ -
بحر المعانی - ۲۴۲ - ۴۲۵ - ۴۴۲ - ۴۴۵ -
بجوریہ - ۱۶۵ -
بخارا - ۲۰۶ - ۲۱۹ -
بخاریؒ (امام) - ۹۴ -
بدایوں - ۱۹۹ - ۲۰۰ -
بدر الدین اسحاقؒ (مولانا) - ۲۱۵ - ۲۱۶ - ۲۱۹ - ۲۲۰ - ۲۲۵ -
بدر الدین سرہندیؒ - ۱۶۹ -
بدر الدین سلیمانؒ (شیخ) - ۲۱۹ - ۲۲۱ - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۲۵ -
بدر الدین غزنویؒ (شیخ) - ۲۱۹ - ۲۱۳ - ۲۲۳

Marfat.com

بدرالدین فردوسیؒ (شیخ السمرقندی) ۔ ۱۷۶ ۔
۱۷۷ ۔ ۱۸۱ ۔
بَدَویہ ۔ ۱۶۴ ۔
بدیع ۔ ۲۶۴ ۔
بدہن (شیخ) ۔ ۱۸۴ ۔
بدھ (شیخ) ۔ ۲۷۷ ۔
بدھ مذہب ۔ ۴۵ ۔ ۴۷ ۔ ۱۳۶ ۔
براء بن عازبؓ ۔ ۷۵ ۔
براؤن (پروفیسر) ۔ ۴۲ ۔
برکلے ۔ ۱۶ ۔
برکمان ۔ ۱۴۰ ۔
برکیارق ۔ ۱۴۵ ۔
برونل (ڈاکٹر فرانسس) ۔ ۷۹ ۔
بُرہان ۔ ۲۰۶ ۔ ۲۳۷ ۔
بُرہانؒ (شیخ) ۔ ۱۸۴ ۔
بُرہان الدین صوفیؒ ۔ ۲۱۸ ۔
بُرہان الدین غریبؒ (شیخ) ۔ ۲۳۰ ۔ ۲۳۴ ۔
۲۵۹ ۔ ۲۶۰ ۔ ۲۶۲ ۔
بُرہان الدین قطب عالمؒ (سید) ۱۸۰ ۔
بُرہان الدین بلخیؒ (مولانا) ۔ ۴۱۳ ۔
بُرہان پور ۔ ۳۵۲ ۔
بُرہان المآثر ۔ ۲۶۱ ۔
بُرہانیہ ۔ ۱۶۵ ۔
بریلی ۔ ۲۹۱ ۔
بزدوی ۔ ۲۶۴ ۔ ۴۰۴ ۔ ۴۲۴ ۔
بسطامیہ ۔ ۱۶۵ ۔
بستان العارفین ۔ ۱۵۶ ۔

بصرہ ۔ ۱۹۹ ۔ ۱۰۲ ۔
بغداد ۔ ۱۱۰ ۔ ۱۳۳ ۔ ۱۳۹ ۔ ۱۴۴ ۔ ۱۴۷ ۔
۱۵۳ ۔ ۱۹۱ ۔ ۲۰۰ ۔ ۲۵۰ ۔ ۲۸۴
بقیۃ الغرائب ۔ ۲۶۰ ۔
بکائیہ ۔ ۱۶۴ ۔
بکریہ ۔ ۱۶۴ ۔
بلبن (سلطان غیاث الدین) ۔ ۲۲۴ ۔ ۲۴۸ ۔
۲۷۰ ۔
بلگرام ۔ ۲۰۹ ۔ ۲۱۰ ۔
بلالؓ (حضرت) ۔ ۵۷ ۔ ۹۴ ۔
بنارس ۔ ۱۹۹ ۔
بناوہ ۔ ۱۶۴ ۔
بکتاشیہ ۔ ۱۶۴ ۔
بنگال ۔ ۱۸۱ ۔ ۲۴۴ ۔ ۲۵۲ ۔ ۲۵۳ ۔ ۲۵۵ ۔
۲۵۸ ۔ ۲۷۱ ۔ ۲۸۶ ۔ ۳۲۹ ۔
بوعلی سینا (شیخ) ۔ ۱۳۰ ۔
بُوعلیہ ۔ ۱۶۵ ۔
بُونوجیہ ۔ ۱۶۵ ۔
بیریہ ۔ ۱۶۵ ۔
بہار ۔ ۱۸۱ ۔ ۱۹۹ ۔ ۲۰۰ ۔ ۲۵۸ ۔
بہاءالدین نقشبندؒ (شیخ) ۔ ۱۵۹ ۔ ۱۶۲ ۔ ۱۷۳ ۔
۱۷۷ ۔
بہاءالدین زکریا ملتانیؒ (شیخ) ۔ ۱۶۸ ۔ ۱۶۹ ۔
۱۸۱ ۔ ۲۰۵ ۔ ۲۱۸ ۔ ۲۸۷ ۔

Marfat.com

بہاء الدین گنج رواںؒ (شیخ) ۔ ۲۲۲ ۔
بہجۃ الاسرار ۔ ۱۴۷ ۔
بھروچ ۔ ۲۵۶ ۔

بھگوتی پرشاد (پنڈت) ۔ ۲۸۸ ۔
بہلول (شیخ) ۔ ۱۸۴ ۔
بہمنی سلطنت ۔ ۴۲۹ ۔
بیعت رضواں ۔ ۳۱۲ ۔
بیت المقدس ۔ ۲۵۰ ۔
بیرم خاں (خانخاناں) ۔ ۲۸۴ ۔
بیضاوی ۔ ۴۰۵ ۔
بیرمیہ ۔ ۱۶۴ ۔
بینی پرشاد ۔ ۲۸۶ ۔

پ

پاک پٹن ۔ ۲۱۹ ۔ ۲۲۲ ۔
پانی پت ۔ ۲۷۰ ۔ ۲۷۷ ۔
پانی پتی (شیخ شرف الدینؒ) ۔ ۴۲۹ ۔
پدماوت ۔ ۲۸۸ ۔
پرتھوی راج ۔ ۱۷۸ ۔ ۱۹۸ ۔ ۱۹۹ ۔ ۲۰۲ ۔
پنجاب ۔ ۱۸۱ ۔ ۱۸۳ ۔ ۲۰۲ ۔ ۲۱۳ ۔ ۲۹۲ ۔
پنج نکات ۔ ۴۲۵ ۔
پنڈوہ ۔ ۲۳۴ ۔ ۲۵۲ ۔ ۲۵۶ ۔ ۲۷۱ ۔
پیارنؒ (شاہ) ۱۸۰ ۔
پیارہ بنگالی (شیخ) ۲۲۰ ۔ ۲۸۵
پیڈرسن (جے) ۱۲۰ ۔
پیر حاجاتؒ ۔ ۱۶۸ ۔

ت

تاتار ۔ ۱۵۳ ۔ ۱۷۵ ۔
تاج الدین سبکیؒ (محدث) ۔ ۱۴۴ ۔
تاج الدین امامؒ (مولانا) ۔ ۲۱۱ ۔ ۲۲۲ ۔
تاج الدین (شیخ) ۔ ۱۸۴ ۔ ۲۲۲ ۔
تاج الدین شیر سوارؒ (شیخ) ۔ ۲۳۴ ۔
تاریخ آل سبکتگین ۔ ۱۲۸ ۔
تاریخ اسراریہ ۔ ۲۸۷ ۔
تاریخ جہاں کشا ۔ ۱۵۲ ۔
تاریخ جہاں گیر ۔ ۲۸۶ ۔
تاریخ فیروز شاہی برنی ۔ ۱۳۶ ۔ ۲۲۳ ۔ ۲۲۷ ۔
۲۲۸ ۔ ۲۳۵ ۔ ۲۴۴ ۔ ۲۴۵ ۔ ۲۵۰ ۔
۳۳۸ ۔ ۳۶۱ ۔ ۳۶۳ ۔ ۳۶۸ ۔ ۳۷۸ ۔
۴۰۴ ۔ ۴۴۴ ۔
تاریخ فیروز شاہی عفیف ۔ ۲۴۵ ۔
تاریخ فرشتہ ۔ ۲۵۹ ۔ ۲۶۱

تاریخ مکہ ۔ ۴۳ ۔

تاریخی مقالات ۔ ۴۴۵ ۔
تبائیہ ۔ ۱۷۰ ۔
تجانیہ ۔ ۱۷۰ ۔
تجلیۃ الفصوص ۔ ۴۳۴ ۔
تحفۃ الابرار ۔ ۴۴۴ ۔
تحفۃ الشباب ۔ ۲۰۵ ۔
تحفۃ النصائح ۔ ۲۴۰ ۔ ۳۵۱ ۔ ۴۴۷ ۔
تراب (قلندر) ۔ ۲۳۸ ۔
تردی بیگ ۔ ۲۷۵ ۔

ترجمہ احیاء العلوم (کیمیائے سعادت) - ۴۰۳ -
۴۰۴ - ۴۱۸ - ۴۴۹ -
ترجمان القرآن - ۵۰ - ۷۳ - ۱۱۳ - ۱۱۴ -
۱۱۸ - ۲۰۴ - ۴۱۱ -
ترک بیابانی (شیخ) - ۱۷۹ -
ترکستان - ۱۲۷ - ۱۷۱ - ۱۷۲ - ۲۷۰ -
تذکرۃ الاولیاء - ۵۸ - ۵۹ - ۱۰۳ - ۱۱۵ -
۱۱۶ - ۱۲۲ - ۱۲۳ - ۱۲۴ - ۱۹۰ -
۱۹۵ - ۴۰۵ -
تذکرہ دولت شاہ سمرقندی - ۱۵۱ -
تذکرہ سماجی رفیع الدین مراد آبادی - ۲۹۲ -
تذکرہ علمائے ہند - ۲۶۶ - ۴۳۵ -
تزک جہانگیری - ۱۸۵ - ۲۸۴ - ۲۸۵
۳۸۴ -
تستریہ - ۱۲۳ -
تسلیم احمد امروہی - ۲۷۰ -
تسنیم - ۴۰۵ -
تسویہ - ۲۸۳ -
تصریف بدری - ۲۱۹ -
تفسیر امام ناصری - ۶۷ - ۲۰۵ - ۴۰۴ - ۴۰۷ -
تفسیر زاہد - ۲۰۵ - ۴۰۴ - ۴۰۷ -
تفسیر شیخ عثمان خیر آبادی - ۴۰۴ -
تفسیر فتح العزیز - ۳۵۵ -
تفسیر کبیر امام رازیؒ - ۴۰۴ -

تفسیر مدارک - ۲۰۵ - ۴۰۴ - ۴۰۷ -
تفسیر مقاتل - ۲۰۵ - ۴۰۴ - ۴۰۷ -
تفہیمات الٰہیہ - ۱۵۹ -
تقی الدین اخیؒ (شیخ) - ۱۷۶ -
تکملہ سیر الاولیاء - ۲۶۳ - ۲۶۴
۲۹۱ - ۴۳۷ -
تلبیس ابلیس - ۲۹۰ -
تلقینیہ - ۱۷۰ -
تمہیدات عین القضاۃ - ۲۶۱ - ۴۰۵ -
توضیح تلویح - ۲۶۴ - ۴۰۵ -
تونسہ - ۲۹۱ - ۲۹۲ -
تہامیہ - ۱۷۰ -
تھانہ بھون - ۲۸۲ - ۲۹۳ - ۲۹۵ -
تھانیسر - ۲۷۷ - ۲۸۱ -
تیمور - ۱۷۲ -
تیونس - ۱۷۴ -

ٹ

ٹریمنگھم -

ث

ثناء اللہ پانی پتیؒ (مولوی) - ۱۸۶ -

ج

جابر بن حیا - ۱۰۲
جام - ۱۸۹
جامیؒ (مولانا) - ۲۲ - ۴۳ - ۱۲۰ - ۱۳۹ -
۱۷۳ - ۱۹۶ - ۱۹۷ - ۴۲۹ -

جاوا - ۴۹ -
جبادیہ - ۱۶۵ -
جراحیہ - ۱۶۵ -
جرمنی - ۲۰۱ -
جریر - ۹۸ -
جزولیہ - ۱۶۵ -
جزیرہ عرب اور مسئلہ خلافت - ۹۶ - ۱۰۲ -
جعفری الخلدیؒ (شیخ) ۱۶۲ -
جلال پور - ۲۹۱ -
جلال الدین تبریزیؒ (شیخ) - ۱۷۹ - ۱۸۱ -
۲۰۵ -
جلال الدین خلجی (سلطان) - ۲۲۶ -
جلال الدین سرخ بخاریؒ - ۱۷۹ - ۱۸۰ -
جلال الدین فاروقیؒ (شیخ) - ۲۷۷ -
جلال گجراتی - ۲۴۰ -
جلال الدین محمود - ۲۷۷ - ۲۷۹ - ۲۸۱ -
جلال الدین مخدوم جہانیانؒ - ۱۸۰ - ۱۸۱ -
جلالین - ۴۰۵ -
جلال الدین سیوطی - ۵۸ -
جلال الدین (شاہ) - ۱۸۰ -
جلالہ - ۱۶۵ -
جلالیہ بخاریہ - ۱۶۵ -
جلوتیہ - ۱۶۵ -
جلال الدین حمنؒ (شیخ) - ۲۴۰ - ۲۶۴ -
جلال الدین پانی پتیؒ - ۲۷۰ -

جمال (حافظ) - ۲۹۱ -
جمال الدین ملتانی - ۴۳۷ -
جمال الدین احسنؒ - ۳۸۵ -
جمال الدین دہلویؒ (شیخ) - ۲۲ -
جمال الدین ہانسویؒ (شیخ) - ۲۱۷ - ۲۱۸ -
۲۲۲ - ۲۲۵ -
جمالی (مولانا) - ۱۸۰ -
جمالیہ - ۱۶۵ -
جمنا (دریا) - ۱۸۱ - ۲۲۶ -
جمہرۃ اللغت - ۸۵ -
جنید بغدادیؒ (خواجہ) - ۱۹ - ۵۹ - ۶۱ -
۶۲ - ۸۲ - ۱۱۴ - ۱۴۳ - ۱۹۵ - ۲۲۹
جنیدیان - ۱۷۷ -
جنیدیہ - ۱۶۵ -
جوامع الکلم - ۲۶۱ - ۳۰۵ - ۳۹۹ - ۴۱۱ -
۴۱۵ - ۴۲۱ - ۴۲۳ - ۴۳۰ -
۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۹ -
جواہر فریدی - ۲۲۳ -
جواہر خمسہ - ۴۴۷ -
جونپور - ۲۳۴ - ۲۴۰ - ۲۴۴ - ۲۵۲ - ۲۵۸
۲۸۲ - ۲۸۶ - ۲۸۸ -
جہانگیر - ۱۸۵ - ۲۸۴ - ۲۸۵ -
جھجھر - ۲۳۲ -
جہریہ - ۱۶۵ -
جہمیہ - ۱۱۱ -
جھنجون - ۲۹۱ -

Marfat.com

جھنجانہ ۔ ۲۹۱ ۔
جے پور ۔ ۲۸۲ ۔
جیوا گوسوامی ۔ ۲۵۷ ۔

چ

چاچڑان ۔ ۲۹۱ ۔ ۲۹۲ ۔
چائیلدہ رح (شیخ) ۔ ۲۸۴ ۔
چشت ۔ ۱۸۹ ۔ ۱۹۱ ۔
چشتیان ۔ ۱۶۸ ۔
چندیری ۔ ۲۳۴ ۔ ۲۶۷ ۔ ۲۷۳ ۔
چیتنبا ۔ ۲۵۷ ۔
چین ۔ ۴۹ ۔ ۲۰۶ ۔

ح

حاتمیہ ۔ ۱۶۶ ۔
حاجی پور ۔ ۲۶۳ ۔
حاجی محمد افضل ۔ ۱۸۶ ۔
حارثہ رض ۔ ۵۵ ۔
حافظ (شیخ) ۔ ۱۸۴ ۔ ۲۵۳ ۔
حافظ شیرازی رح ۔ ۵۸ ۔
حافظ ابو نعیم ۔ ۵۷ ۔
حافظ عبداللہ ۔ ۱۸۶ ۔
حافظ محمد محسن نقشبندی ۔ ۱۸۶
حاکمیہ ۔ ۱۶۶ ۔
حامد الدین احمد ۔ ۲۶۲ ۔
حامد (شیخ) ۔ ۲۷۷ ۔
حامد گنج بخش رح (سید) ۔ ۱۸۲ ۔ ۱۸۳ ۔ ۲۵۸
حبیب گنج ۔ ۲۰۴ ۔
حبیب عجمی رح ۔ ۱۸ ۔ ۱۰۳ ۔ ۱۰۴ ۔
حبیباں ۔ ۱۷۷ ۔
حبیبیہ ۔ ۱۶۶ ۔
حجاز ۔ ۱۳۹ ۔ ۲۸۴ ۔ ۲۹۳ ۔
حجاج بن یوسف ۔ ۹۸ ۔ ۹۹ ۔ ۱۰۰ ۔
حجۃ اللہ البالغہ ۔ ۵۵ ۔ ۱۰۱ ۔ ۳۲۹ ۔
۳۳۲ ۔ ۳۳۳ ۔
حدّادیہ ۔ ۱۶۶ ۔
حداوہ ۔ ۱۶۶ ۔
حدائق الحنفیہ ۔ ۲۶۳ ۔
حدیقہ ۔ ۱۵۰ ۔
حذیفہ بن یمان رض ۔ ۵۷ ۔
حذیفۃ المرعشی رح ۔ ۱۹۳ ۔ ۱۹۴ ۔
حروفیہ ۔ ۱۹۶ ۔
حریریہ ۔ ۱۶۶ ۔
حسام الدین مانکپوری رح (شیخ) ۔ ۲۲۳ ۔
۲۳۴ ۔ ۲۵۸ ۔ ۲۸۷ ۔
حسام الدین ملتانی رح (شیخ) ۔ ۲۳۰ ۔ ۲۳۲ ۔
۲۳۴ ۔ ۲۶۲ ۔ ۲۶۳ ۔ ۴۱۶ ۔
۴۲۴ ۔
حسامی ۔ ۴۰۵ ۔
حسرت نامہ ۔ ۲۳۵ ۔ ۴۴۴ ۔
حسن افغان ۔ ۳۴۷ ۔
حسن بصری رح (خواجہ) ۔ ۴۳ ۔ ۹۹ ۔ ۱۰۲ ۔
۱۰۳ ۔ ۱۹۲ ۔ ۱۹۴ ۔ ۱۹۵ ۔ ۳۲۲ ۔
حسن سجزی رح ۔ ۲۳۳ ۔ ۲۳۵ ۔
حسن سرمست رح (شیخ) ۔ ۲۴۰ ۔
حسن محمد (شیخ) ۔ ۲۴۰ ۔ ۲۶۴ ۔

Marfat.com

حسن بھوری (شیخ) ۲۸۱ -
حسن طاہر (شیخ) - ۲۳۴ - ۲۸۳ -
حسن موذن - ۳۲۸ -
حسین احمد مدنیؒ (مولانا) - ۲۹۴ - ۳۴۹ -

حسین (حاجی) - ۲۸۵ -
حسین (شیخ سید) - ۲۶۲ -
حسین علی (سید) - ۲۳۴ -
حسین ناگوریؒ (شیخ) - ۲۸۶ -
حسین نوری - ۶۰ -
حضرموت - ۱۶۳ -
حضرت مولانا محمدؒ الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ۳۳۵
حفص بن غیاث - ۱۱۸ -
حُفنویہ - ۱۶۶ -

حقائق المعانی - ۴۲۵ -
حکیم ترمذیؒ - ۱۲۴ -

حلاجیہ - ۱۶۶ -
حل الرموز و مفاتیح الکنوز - ۳۹۰ -
حُلمانیہ - ۱۶۶ -
حلولی - ۱۲۲ -
حُلولیہ - ۱۶۶ -
حل مفصلات الفصوص - ۴۳۴ -
حماد بن عماد کاشانی - ۲۰۶ -
حمادشہ - ۱۶۶ -

حمیدالدین صوفی سوالیؒ - ۱۶۸ - ۲۰۳ - ۲۰۵ - ۲۲۲ - ۲۶۵ - ۲۷۶ - ۲۸۶ -
حمید قلندر - ۹ - ۲۲ -
حمیدالدین ابو حاکم الہنکاریؒ (شیخ) ۱۷۹ -
حمیدالدین ناگوریؒ (شیخ) ۱۲۹ - ۱۶۸ - ۱۷۹ - ۱۹۱ - ۲۱۰ - ۲۱۲
حمزاویہ - ۱۶۶ -
حمزہ (شیخ) - ۱۸۴ -
حنصلیہ - ۱۶۶ -
حیات مالک - ۱۱۷ -
حیدرآباد - ۲۶۲ - ۲۹۱ -

حیدریہ - ۱۶۶ -

خ

خاتمہ مراۃ احمدی - ۲۶۳ - ۲۶۶ -
خاتم سلیمانی - ۴۱۶ -

خاضریہ - ۱۶۷ -
خانی خاں - ۲۵۹ -

خانونؒ (شیخ) - ۲۴۰ - ۲۸۶ -
خدابخش - ۲۹۱ -
خرازیہ - ۱۶۷ -
خراسان - ۱۶۳ - ۲۰۶ - ۳۴۷ -
خزینۃ الاصفیاء - ۷ - ۱۹۰ - ۱۹۱ -
خسروؒ (حضرت امیر) - ۲۱۶ - ۲۲۵ - ۲۲۷ - ۲۲۹ - ۲۳۳ - ۲۳۶ -

Marfat.com

خضر - ۲۲۹ -
خضر (خواجہ) - ۲۸۸ - ۳۱۰ -
خفیفیہ - ۱۶۷ -
خفیہ - ۱۶۷ -
خلوتیہ - ۱۶۷ -
خلیل احمد (مولانا) - ۲۹۴ -
خلیلیہ - ۱۶۶ -
خموسیہ - ۱۶۷ -
خواجگان - ۱۶۷ -
خواجگی (مولانا) - ۲۴۰ - ۲۴۲ - ۲۶۵ -
۴۲۵ -
خوارزم (شاہ) - ۱۴۹ - ۱۵۲ -
خواص خاں - ۲۷۵ -
خواطریہ - ۱۶۷ -
خوشی محمد - ۲۹۵ -
خیرآباد - ۲۸۹ - ۲۹۱ -
خیرالمجالس - ۸ - ۵۸ - ۶۵ - ۶۷ - ۷۱ - ۸۷ -
۲۱۶ - ۲۲۶ - ۲۳۰ - ۲۳۷ - ۲۳۸ -
۲۴۱ - ۲۴۳ - ۳۰۵ - ۳۱۳ - ۳۲۰ -
۳۲۱ - ۳۲۵ - ۳۴۱ - ۳۴۶ - ۳۴۷ -
۳۵۱ - ۳۷۱ - ۳۷۹ - ۳۸۰ - ۳۸۱ -
۴۱۹ - ۴۲۶ - ۴۳۰ - ۴۴۱ - ۴۴۲ -
۴۴۴ - ۴۴۵ -

د

داراشکوہ - ۴۷ - ۷۳ - ۲۸۲ - ۳۹۹ -
دانیال حسینی (شیخ) - ۲۳۴ - ۲۸۸ -
داؤد (شیخ) - ۱۸۴ -
داؤد کرمانی (شیخ) - ۱۸۲ - ۱۸۳ -
دجلہ - ۱۳۹ - ۱۵۳ - ۴۲۰ -
دردیریہ - ۱۶۵ -
دُرر نظامیہ - ۶۲ - ۱۲۸ - ۳۲۴ - ۳۴۱ -
۳۹۷ - ۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۴۰ - ۴۴۱ - ۴۴۴ -
درقاوہ - ۱۶۵ -
دسوقیہ - ۱۶۵ -
دقائق المعانی - ۴۲۵ -
دکن - ۲۳۲ - ۲۳۳ - ۲۴۴ - ۲۴۷ - ۲۴۸
۲۵۲ - ۲۵۳ - ۲۵۸ - ۲۶۳ - ۲۷۱
۲۹۱ - ۲۹۲ -
دکن کالج ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بلیٹن (پونہ) ۴۳۹
دلائل الاتقیاء - ۲۶۰ -
دلیل العارفین - ۴۴۴ -
دمشق - ۱۳۹ - ۱۵۵ -
دول رانی خضر خاں - ۲۲۹ -
دولت آباد - ۲۳۴ - ۲۵۲ -
دہلی - ۱۸۱ - ۱۸۹ - ۲۰۳ - ۲۰۶ - ۲۱۳ - ۲۱۷
۲۲۰ - ۲۲۲ - ۲۲۴ - ۲۲۵ - ۲۳۰ -
۲۳۲ - ۲۳۵ - ۲۳۷ - ۲۴۰ - ۲۴۱ -
۲۴۳ - ۲۴۴ - ۲۴۶ - ۲۵۲ - ۲۵۵
۲۵۸ - ۲۵۹ - ۲۶۳ - ۴۶۴ - ۲۶۶
۲۷۱ - ۲۸۳ - ۲۸۶ - ۲۸۹ - ۲۹۲ -
۲۹۴ - ۴۲۵ - ۴۲۹ -
دیوان جمال الدین ہانسوی - ۴۴۷ -
دیوان حسن دہلوی - ۲۲۵ -
دیوبند - ۲۹۳ - ۲۹۴ -
دیوگیر - ۲۲۴ - ۲۳۲ - ۲۳۵ - ۲۵۰ -
۲۵۵ - ۲۶۰ -

ذ

ذوالنون المصری - ۱۰۴ - ۱۱۴ - ۱۸۵ -

Marfat.com

ذہبیہ - ۱۶۵ -

ر

رابعہ بصریؒ (حضرت) - ۱۰۳ -
راجپوتانہ - ۲۰۴ -
راج شاہی - ۲۵۶ -
راجی حامد شاہ (شیخ) - ۲۳۴ - ۲۸۷ - ۲۸۸
راحت القلوب - ۲۴۴ -
رازیؒ فخرالدین (امام) - ۲۹ - ۱۱۲ - ۱۳۱
۲۰۴ - ۳۹۰ - ۴۰۹ - ۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲ -
ربیعۃ بن الحارث - ۹۵ -
رجب پور - ۲۸۶ - ۲۸۷ -
رحالیہ - ۱۶۹ -
رحلہ ابن بطوطہ (عجائب الاسفار) - ۲۲۳ -
۴۲۸ -
رحمانیہ - ۱۲۹ -
رحمت اللہ (شیخ) - ۲۶۶ -
ردولی - ۲۷۱ - ۲۷۳ - ۲۷۷ -
رزق اللہ مشتاقی (شیخ) - ۱۸۴ -
رسالہ احوال پیران چشت - ۱۹۲ - ۲۰۲ -
رسالہ تحقیق اراضی الہند - ۲۸۱ -
رسالہ حال خانوادہ چشت - ۲۱۱ - ۲۲۲ -
رسالہ قدسیہ - ۲۷۵ -
رسالہ قشیریہ - ۵۸ - ۵۹ - ۸۶ - ۱۲۳ -
۱۲۶ - ۲۶۱ - ۳۶۱ - ۴۰۳ - ۴۰۴
۴۳۱ - ۴۴۹ -
رسالہ مطلوب فی عشق المحبوب - ۳۳۰ -
رسول شاہیہ - ۱۶۹ -
رسول اللہؐ - ۱۸ - ۴۰ - ۵۱ - ۵۴ -
۵۵ - ۵۶ - ۸۴ - ۹۶ - ۱۰۴ - ۲۰۴
۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۸ - ۳۱۶ - ۳۱۸ -
۳۲۴ - ۳۳۱ - ۳۴۱ - ۳۴۸ - ۳۵۷
۳۸۷ - ۳۸۸ -
رشبروک ولیمس - ۲۷۳ -
رشحات - ۱۷۱ - ۱۷۲ - ۴۰۵ -
رشدنامہ - ۲۷۵ -
رشید احمد گنگوہیؒ (مولانا) - ۲۹۳ - ۲۹۴
۲۹۵ -
رشیدیہ - ۱۶۹ -
رضی الدین حسن صغانی (مولانا) - ۱۹۹ - ۲۰۵
۴۱۳ -
رضی الدین علی لالاؒ - ۱۷۶ - ۱۷۷ -
رزاعیہ - ۱۶۹ -
رفیع الدین (شاہ) - ۱۸۶ -
رفیع الدین مرادآبادی (حاجی) - ۲۹۲ -
رفیع الدین ہاردنیؒ (شیخ) - ۲۷۳ -
رفیق العارفین - ۲۵۸ -
رکن الدین ابوالفتحؒ (شیخ) - ۱۷۹ - ۱۸۱ -
رکن الدین اجودھنیؒ (شیخ) - ۲۸۵ -
رکن الدین (شیخ) - ۱۸۴ - ۲۶۵ - ۲۷۵ - ۲۷۶ -
رکن الدین علاء الدولہ سمنانی - ۱۷۶ -
رکن الدین فردوسیؒ (شیخ) - ۱۷۶ - ۱۸۱ -
رکن الدین ملتانیؒ (شیخ) - ۸۷ -
رکن الدین مودود گان شکرگنج - ۲۲۲ - ۲۶۵ -
رکن الدین (مولانا) - ۲۲۲ - ۴۰۹ -
رکنیہ - ۱۶۹ -

Marfat.com

رویا - ۲۷۵ -
روپڑ - ۲۸۲ -
روح الارواح - ۳۳۰ - ۴۱۸ - ۴۱۹ -
۴۴۹ -
روشنیہ - ۱۶۹ -
روضۃ الاقطاب - ۲۱۱ - ۲۵۴ - ۲۵۶ -
۲۵۸ -
روضۃ الصفا - ۱۴۹ -
روم - ۱۱۰ - ۲۰۷ - ۲۸۴ -
رومیؒ جلال الدین (مولانا) - ۱۵۰ - ۱۵۱ -
۱۵۲ - ۱۵۵ - ۱۷۷ - ۲۹ - ۴۳۱
۴۴۴ -
رومی (شیخ اسمٰعیل) - ۱۶۴ -
رومیہ - ۱۶۹ -
روہیلکھنڈ - ۲۹۲ -
ریاض الاثار - ۴۳۹ -
ریاض السلاطین - ۲۵۳ -
ریاض الصالحین - ۱۵۶ -

ز

زبدۃ المقامات - ۲۷۶ - ۲۷۸ -
زخاؤ (پروفیسر) - ۲۰۱
زروقیہ - ۱۷۱ -
زریقیہ - ۱۷۱ -
زکریا (مولانا محمد) - ۲۹۴ -
زمخشری (علامہ) - ۴۰۷ - ۴۰۸ -
زمزمہ صابری - ۲۷۰ -
زیاد - ۹۸ -
زیانیہ - ۱۷۱ -
زیدیان - ۱۷۸ -
زین الدین (شیخ) - ۲۴۲ - ۲۴۳ - ۲۶۰ -
زین الدین علی (شیخ) - ۲۳۸ - ۲۳۹
زینبیہ - ۱۷۱ -

س

ساسانیہ - ۱۶۹ -
سالار سرمست (شیخ) - ۲۴۰ -
سالارؒ شیخ (نبیرہ بابا فرید) - ۱۷۹ - ۲۸۷ -
سبکیؒ (امام) - ۱۱۳ -
سبع سنابل - ۳۰۱ -
سبعینیہ - ۱۶۹ -
سراج الدین (شیخ) - ۲۴۰ - ۲۶۳ - ۲۶۴ -
سرور الصدر - ۹۹ - ۱۲۹ - ۲۰۴ - ۲۰۵ -
۳۱۹ - ۳۲۳ - ۳۳۵ - ۳۵۲ -
۳۵۳ - ۳۶۱ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۴۰۲ -
۴۰۷ - ۴۰۸ - ۴۱۰ - ۴۱۸ - ۴۱۹ -
۴۴۱ - ۴۴۲ - ۴۴۵ -
سری سقطی - ۱۱۵ -
سرہنگا - ۲۱۲ -
سعدؓ - ۶۸
سعد بن ابی وقاصؓ - ۹۸ -
سعد (شیخ) - ۲۰۹ -
سعد الدین بندال - ۴۰۷ -
سعد الدین حمویہؒ - ۱۷۶ - ۱۷۷ -
سعد اللہ (شیخ) - ۲۴۰ -
سعد اللہ گلشنؒ (شیخ) ۱۸۶ -
سعدیؒ (شیخ) - ۵۸ - ۱۴۴ - ۱۵۳ - ۱۵۵ -
۱۶۰ - ۴۱ - ۴۴۲ -
سعدیہ - ۱۶۹ -
سعید احمد مارہروی (مولانا) - ۲۳۵ -

Marfat.com

سعید (شیخ) - ۲۸۲ -
سفر السعادت - ۴۰۵ -
سفرنامہ برنیر - ۴۳۷ -
سفیان ثوریؒ (حضرت) - ۴۳ - ۱۰۴ - ۱۰۵ -
۱۰۷
سفینۃ الاولیاء - ۱۹۶ - ۲۸۶ -
سقطیؒ - ۱۱۰ -
سقطیان - ۱۷۷ -
سقطیہ - ۱۶۹ -
سکندر - ۷۳ -
سکندر لودی - ۲۱ - ۲۷۲ -
سلامیہ - ۱۶۹ -
سلسلہ اشرفیہ - ۱۷۶ -
سلسلہ چشتیہ - ۱۶۲ - ۱۷۰ - ۱۷۱ - ۱۷۸ - ۱۸۹
۱۹۷ - ۱۹۸ -
سلسلہ خواجگان - ۱۷۱ - ۱۷۲ -
سلسلہ رکنیہ - ۱۷۶ -
سلسلہ سہروردیہ - ۱۶۲ - ۱۶۳ - ۱۷۰ - ۱۷۱ -
۱۷۸ - ۱۸۱ -
سلسلہ شطاریہ - ۱۶۳ - ۱۷۰ - ۱۸۱ - ۱۸۳ -
۱۸۴ -
سلسلہ فردوسیہ - ۱۷۱ - ۱۷۶ - ۱۷۷ - ۱۸۱ -
سلسلہ قادریہ - ۱۶۲ - ۱۶۵ - ۱۶۷ - ۱۷۱ - ۱۷۲ -
۱۷۴ - ۱۷۸ - ۱۸۱ - ۱۸۲ - ۱۸۳ -
سلسلہ کبرویہ - ۱۶۲ - ۱۶۳ - ۱۶۷ - ۱۷۱ -
۱۷۵ - ۱۷۶ - ۱۷۷ -
سلسلہ نقشبندیہ - ۱۸۳ - ۱۸۵ -
سلسلہ ہمدانیہ - ۱۷۶ -
سلمان فارسیؓ - ۵۷ - ۹۴ -

سلیم چشتی (شیخ) - ۲۸۴ -
سلطان روم - ۱۴۷ -
سلطانیہ - ۱۷۰ -
سلک السلوک - ۴۰۵ - ۴۴۶ -
سلیمان ندوی (مولانا) - ۱۱۴ - ۲۹۴ -
سماء الدین - ۱۸۰ - ۱۸۱ -
سمآنیہ - ۱۶۹ -
سمنانی (علاء الدولہ) - ۱۴۲ -
سناتن - ۲۵۷ -
سنان امیہ - ۱۷۰ -
سنانیہ - ۱۶۹ -
سنائیؒ (حکیم) - ۳۴ - ۱۴۹ - ۱۵۰ -
۱۵۲ - ۱۵۵ - ۴۳۹ -
سنبلیہ - ۱۷۰ -
سنبھل - ۲۸۷ -
سنجر - ۱۴۵ -
سندھ - ۱۲۷ - ۱۶۳ - ۱۸۱ -
سنوسیہ - ۱۶۶ -
سواء السبیل - ۴۰۵ -
سوانح مولانا روم - ۱۵۶ -
سوڈان - ۱۶۳ - ۱۷۴ -
سوندھا (شیخ) - ۲۸۲ -
سوندھوکردی (مولانا) - ۲۵۸ -
سہارنپور - ۲۷۲ - ۲۹۴ -
سہروردیان - ۱۷۸ -
سہل بن عبداللہ تستریؒ (شیخ) - ۱۲۳ -
سہلیہ - ۱۶۹ - ۱۷۰ -
سیاریہ - ۱۶۹ -
سیال - ۲۹۱ -

Marfat.com

سید احمد خاں (سر) - ۲۷۳ - ۲۷۴ -
سیدوؒ (شیخ) - ۲۳۴ - ۲۸۷ - ۲۸۸ -
سیدی احمد - ۴۲۰ -
سیر الاقطاب - ۲۶۹ - ۲۷۰ - ۲۷۲ - ۲۸۶ -
سیر الاولیاء - ۲۰ - ۶۳ - ۸۶ - ۱۵۷ -
۱۸۹ - ۱۹۰ - ۱۹۲ - ۱۹۶ - ۱۹۷ -
۱۹۸ - ۲۰۱ - ۲۰۳ - ۲۰۸ - ۲۱۱ -
۲۱۳ - ۲۱۷ - ۲۲۱ - ۲۲۳ - ۲۲۴ -
۲۲۶ - ۲۲۷ - ۲۲۹ - ۲۳۳ - ۲۳۵
۲۳۶ - ۲۴۲ - ۲۴۵ - ۲۴۸ - ۲۴۹ -
۲۵۴ - ۲۵۵ - ۲۶۰ - ۲۶۳ - ۲۶۷ -
۲۶۹ - ۲۸۷ - ۳۰۵ - ۳۰۸ - ۳۱۰ تا
۳۲۰ - ۳۳۴ - ۳۳۸ - ۳۴۱ - ۳۴۷
تا ۳۶۶ - ۳۶۸ - ۳۷۱ - ۳۷۳ - ۳۷۴
۳۷۵ - ۳۷۸ - ۳۸۲ - ۳۸۶ - ۳۹۱ -
۳۹۸ - ۴۰۶ - ۴۰۹ - ۴۱۱ - ۴۱۲ -
۴۱۳ - ۴۲۱ - ۴۲۲ - ۴۲۳ - ۴۲۴ -
۴۲۵ - ۴۲۸ - ۴۴۱ - ۴۴۳ - ۴۴۴ -
۴۴۹ -
سیر العارفین - ۲۰۲ - ۲۰۵ - ۲۴۳ - ۲۴۵ -
۳۶۸ - ۴۳۲ -
سیر العباد - ۱۵۰ -
سیر محمدی - ۲۶۱ -
سیر الملوک - ۲۰۵ -
سیرت النبی - ۹۸ -
سیرت النعمان - ۱۰۶
سیف الدین باخرزیؒ - ۱۷۶ - ۱۷۷ - ۳۷۷ -
سیف الدینؒ (خواجہ) ۱۸۵ - ۱۸۶ -
سیف الدین عبدالوہابؒ (شیخ) - ۱۳۸ - ۱۴۶ ۔

سیکری - ۲۸۴
سیوستان - ۲۲۰ -

ش

شاذلیہ - ۱۶۳ - ۱۶۹ -
شافعیؒ (امام) - ۱۱۶ - ۱۱۷ - ۴۱۷ -
شام - ۹۹ - ۱۱۰ - ۱۶۴ - ۱۷۴ - ۲۸۴ -
شاہ آباد - ۲۷۱ -
شاہ ابن چشتیؒ - ۲۸۶ - ۲۲۲ -
شاہ ابوالرضاؒ - ۱۸۶ -
شاہ ابوسعیدؒ - ۱۸۱ -
شاہ ابوالمعالی قادریؒ - ۱۸۲ - ۱۸۳ - ۲۸۲ -
شاہ احمد سعیدؒ - ۱۸۶ -
شاہ بڈا - ۱۸۰ -
شاہ پیرؒ - ۱۸۴ - ۲۸۱ -
شاہ دولتؒ - ۱۸۴ -
شاہ عالمؒ (شیخ) - ۱۸۰ -
شاہی موئے تابؒ (شیخ) - ۱۷۹ -
شبلیؒ (علامہ) - ۶۲ - ۶۶ - ۱۱۹ - ۱۳۰ - ۱۳۱ -
۱۳۲ - ۱۳۴ - ۱۴۹ - ۱۵۰ - ۱۵۵ -
شتیلتر - ۱۶۳ -
شجرۃ الانوار - ۱۹۰ - ۱۹۱ - ۲۶۳ - ۲۶۴ -
۴۴۲ -
شرح آداب المریدین - ۲۶۲ -
شرح تعرف - ۴۰۳ - ۴۰۴ -
شرح زبدۃ الحقائق - ۴۲۰ -
شرح عقاید - ۴۰۵ -
شرح الفصوص - ۴۳۴ -
شرح مواقف - ۴۰۵ -
شرح وقایہ - ۴۰۵ -

Marfat.com

شرف الدین یحییٰ منیری (شیخ) - ۱۶۰ - ۱۶۶ -
۱۸۱ - ۴۲۸ -
شرقاوہ - ۱۷۰ -
شریف بلگرامی (سید) - ۲۰۹ -
شریف بی بی - ۲۲۱ -
شریف الزندنیؒ - ۱۹۳ -
شعبانیہ - ۱۶۹ -
شعرالعجم - ۱۲۰ - ۱۳۰ - ۱۵۰ - ۱۵۱ -
شمائل الاتقیاء - ۲۶۰ - ۴۲۹ -
شمائل ترمذی - ۴۰۵ -
شمس تبریزی - ۱۵۵ -
شمس سراج عفیف - ۲۴۵ -
شمس الدین - ۲۹۱ -
شمس الدین ترک (شیخ) - ۲۷۰ - ۲۷۳ -
شمس الدین حلوائی - ۴۱۰ -
شمس الدین طاہر (سید) - ۲۳۴ -
شمس الدین یحییٰ (شیخ) - ۱۹۲ - ۱۹۶ - ۲۳۰ -
۲۳۱ - ۲۴۷ - ۲۴۹ - ۳۰۵ - ۴۰۹ -
۴۱۵ - ۴۲۴ -
شمسیہ - ۱۱۷ -
شنشبانی - ۱۸۹ -
شوپنہار - ۲۳ -
شوذبہ - ۱۷۰ -
شہاب الدین امام (مولانا) - ۲۲۲ - ۲۳۰ -
۲۳۳ -
شہاب الدین حق گوؒ - ۴۲۳ -
شہاب الدین دولت آبادی (قاضی) - ۲۴۲ -
۲۸۸ -
شہاب الدین سہروردیؒ - ۵۲ - ۶۱ - ۱۳۹ -
۱۴۲ - ۱۴۳ - ۱۴۴ - ۱۴۸ - ۱۴۹ -
۱۵۱ - ۱۵۵ - ۱۶۸ - ۱۶۹ - ۳۱۱ -
۳۲۲ - ۳۴۲ - ۳۷۷ - ۴۰۴ - ۴۰۹ -
شہاب الدین (شیخ) - ۲۳ -
شہاب الدین (شیخ زادہ) - ۲۶۱ -
شہاب الدین عاشق خدا (شیخ) - ۲۱۱ - ۲۲۲ -
شہاب الدین عمری - ۲۵۰ -
شہاب الدین مانکپوری المعروف بہ ارزانی شاہ
۲۵۸ -
شہاب الدین (مولانا) - ۳۲۱ -
شہر اللہ ابوالقاسم ملتانی - ۲۲۰ - ۲۵۸ -
شیخ الاشراق - ۱۳۱ -
شیخ حسین - ۱۶۹ -
شیخ کرمانی - ۴۳۹ - ۴۴۰ -
شیخبہ - ۱۷۰ -
شیراز - ۲۵۳ -
شیرگڈھ - ۱۸۳ -

ص

صاحبقران - ۱۷۲ -
صاعد بن الفارس - ۱۳۲ -
صالح ابن احمد بن حنبلؒ - ۱۱۰ -
صالح المری - ۱۰۲ -
صبح الاعشی - ۲۵۰ -
صحاح لغت - ۲۰۵ -
صحائف السلوک - ۴۴۵ -
صحیح بخاری - ۵۶ - ۹۴ - ۴۰۵ - ۴۱۵ - ۴۱۶ -
صحیح مسلم - ۴۰۵ - ۴۱۵ - ۴۰۶ -
صدر الدین اودہی - ۲۶۱ -
صدر الدین حکیم - ۲۴۵ - ۴۲۵ -

Marfat.com

صدر الدین ذاکر (شیخ) - ۱۸۴ -
صدر الدین راجو قتالؒ - ۱۸۰ -
صدر الدین سہروردی (شیخ) - ۴۰۹ - ۴۳۲ -
صدر الدین عارفؒ - ۱۷۹ -
صدر الدین طبیب - ۲۳۹ -
صدر الدین کومکی - ۴۰۹ -
صدر الدین مفتی دہلوی - ۲۹۴ -
صدیق احمد انبیٹھوی - ۲۹۴ -
صدیقیہ - ۱۷۰ -
صفویہ - ۱۶۹ -
صفی (سید) - ۱۷۹ -

ض

ضیاء الدین برنی - ۱۰ - ۱۱ - ۱۳۷ - ۱۵۷ -
۲۲۳ - ۲۲۷ - ۲۲۹ - ۲۳۵ - ۲۴۴ -
۲۴۵ - ۲۵۰ - ۳۳۸ - ۳۶۴ - ۳۷۵ -
۳۷۶ - ۴۰۳ -
ضیاء الدین رومی (شیخ) - ۱۷۹ -
ضیاء الدین سنامی (مولانا) - ۴۲۴ -
ضیاء الدین (شیخ) - ۲۸۷ -
ضیاء الدین نخشبی (مولانا) - ۲۰۶ - ۴۲۹ - ۴۴۵
ضیاء الدین یوسف داود کردی - ۲۵۸ -

ط

طالبیہ - ۱۷۰ -
طبقات اکبری - ۲۵۹ -
طبقات امام سبکی - ۱۴۴ -
طبقات الشافعیہ - ۱۱۳ -
طبقات الصوفیہ - ۱۲۰ - ۱۲۹ -
طبقات الصوفیین - ۱۲۰ -
طبقات کبری - ۱۹۵ - ۱۹۶ -
طبقات ناصری - ۲۰۶ -
طرطوس - ۱۱۰ -
طوطی نامہ - ۴۴۶ -
طوسیان - ۱۷۸ -
طہارۃ القلوب والخضوع لعلام الغیوب - ۱۵۴ -
طیبیہ - ۱۷۰ -
طیفوریہ - ۱۲۲ - ۱۷۰ -
طیفوریان - ۱۷۷ -

ظ

ظفر نامہ یزدی - ۱۸۴ -
ظہور (شیخ حاجی) - ۱۸۴ -

ع

عارف رومیؒ - ۳۳ -
عارف (شیخ) - ۱۸۴ - ۲۱۷ - ۲۲۰ - ۲۷۱ - ۲۷۲ -
۲۷۷ -
عارف (عماد الیمن) - ۴۳۴ -
عاشقیہ - ۱۶۴ -
عاقل خاں رازی - ۱۸۴ -
عالم پانی پتی (مولانا) - ۲۶۳ -
عالم سنگریزہؒ - ۲۶۳ -
عائشہ رضؓ (حضرت) - ۳۱۶ - ۴۱۶ -
عباسیان - ۱۷۸ -
عبد الاحد، شیخ (معروف بہ شاہ گل) - ۱۸۶ -
۲۷۷ - ۲۷۸ -
عبد الباری (شاہ) - ۲۸۲ - ۲۹۲ - ۲۹۳ -
عبد الباقی (شیخ) - ۲۷۸ -
عبد الحق انبیٹھوی - ۲۸۲ -

Marfat.com

عبدالحق محدث دہلوی (شیخ) - ۵۸ - ۱۳۶ - ۱۳۷ -
۱۳۸ - ۱۸۲ - ۱۸۳ - ۲۲۱ - ۲۲۲ -
۲۴۰ - ۲۵۷ - ۲۵۸ - ۲۶۱ - ۲۶۶ -
۲۶۹ - ۲۷۱ - ۲۷۶ - ۲۷۸ - ۲۸۰ -
۲۸۳ - ۲۸۹ - ۳۹۰ - ۴۳۷ - ۴۴۴ -
عبدالحمید (شیخ) - ۲۲۳ -
عبدالخالق عجدوانی (خواجہ) - ۱۶۲ -
عبدالرحمٰن جامی (مولانا) - ۱۹۰ - ۱۹۷ -
عبدالرحمٰن چشتی - ۲۶۹ - ۲۷۷ -
عبدالرحمٰن سلمی - ۱۲۹ -
عبدالرحمٰن صوفی ۱۸۴ -
عبدالرحمٰن کشمیری (شیخ) - ۱۸۱ -
عبدالرحمٰن محدث (مولانا) - ۲۹۴ -
عبدالرحیم (خواجہ) - ۸۲ -
عبدالرحیم رائپوری (مولانا) - ۲۹۴ -
عبدالرحیم (شاہ) - ۳۳۴ - ۳۳۵ -
عبدالرحیم فاطمی (سید) - ۲۸۲ - ۲۹۳ -
عبدالرزاق (شیخ) - ۱۶۴ - ۱۸۲ -
عبدالصمد (شیخ) - ۲۲۲ -
عبدالعزیز چشتی - ۲۸۳ - ۲۸۴ -
عبدالعزیز (شاہ) - ۱۸۶ - ۳۵۳ - ۴۳۷ -
۴۴۵ - ۴۵۰ -
عبدالعزیز (شیخ) - ۱۶۴ -
عبدالغفور داناپوری - ۱۶۰ -
عبدالغفور (شیخ) - ۲۷۷ - ۲۷۹ -
عبدالغنی بدایونی (شیخ) - ۲۸۲ - ۲۸۴ -
عبدالغنی (سید) - ۱۷۹ -
عبدالغنی (شاہ) - ۱۸۶ -

عبدالقادر بدایونی (ملا) - ۲۷۸ - ۲۷۹ - ۲۸۱ -
۲۸۴ - ۲۸۵ - ۲۸۷ - ۲۸۹ -
عبدالقادر ثانی (مخدوم) - ۱۸۲ -
عبدالقادر رائپوری - ۲۹۴ -
عبدالقادر (شاہ) - ۱۸۶ -
عبدالقادر جیلانی (شیخ) - ۱۳۶ - ۱۳۸ - ۱۴۷ -
۱۵۸ - ۱۶۲ - ۱۶۳ - ۱۶۴ - ۱۸۳ -
عبدالقدوس گنگوہی - ۲۷۱ - ۲۸۰ - ۲۱۲ -
۴۲۴ - ۴۳۴ - ۴۳۶ -
عبدالکریم (شیخ) - ۲۷۸ - ۲۸۱ -
عبداللہ بن زبیر - ۱۰۰
عبداللہ ابن مبارک (شیخ) - ۱۰۴ -
عبداللہ انصاری ہروی (شیخ) - ۱۲۰ - ۱۲۶ -
۱۲۹ - ۱۳۱ - ۱۹۷ - ۳۲۳ -
عبداللہ تستری (شیخ) - ۲۰۵ -
عبداللہ چغتائی (ڈاکٹر) - ۲۰۳ -
عبداللہ خفیف - ۶۸ -
عبداللہ صوفی (شیخ) - ۱۸۴ -
عبداللطیف داورالملک - ۱۸۰ -
عبدالمقتدر تھانیسری - ۲۳۹ -
عبدالمقتدر (قاضی) - ۲۴۰ - ۲۴۲ - ۴۲۵ -
۴۲۶ -
عبدالنبی (شیخ) - ۲۷۸ -
عبدالواحد بلگرامی (میر) - ۳۰۱ -
عبدالواحد بن زید - ۶۱ - ۱۰۲ - ۱۹۲ - ۱۹۵ -
عبدالوہاب متقی (شیخ) - ۴۳۷ -
عبیداللہ احرار (خواجہ) - ۴۲۹ -
عبیداللہ سندھی (مولانا) - ۱۴۲ -

Marfat.com

عتیق اللہ - ۱۸۰ -
عثمان رض (حضرت) - ۳۲۴ -
عثمان ہرونی رح (خواجہ) - ۱۹۳ - ۱۹۴ - ۱۹۷ -
عجم - ۱۹۲ - ۲۶۶ -
عدن - ۲۲۷ -
عراق - ۱۵۵ - ۱۶۴ -
عرب - ۱۶۲ - ۱۹۲ - ۲۰۶ - ۲۵۳ - ۲۶۶ -
عروسیہ - ۱۶۴ -
عزالدین ابو محمد عبدالعزیز الدمیری الدھری رح -
۱۵۶ -
عزالدین کیکاؤس - ۱۴۷ - ۱۴۸ -
عزوزیہ - ۱۶۴ -
عزیز الحسن (مجذوب) - ۲۹۴ -
عزیز الدین (خواجہ) - ۷۶ - ۲۲۴ - ۳۷۳ -
عزیز الدین (شیخ) - ۳۳۴ - ۳۹۰ -
عزیز (شیخ) - ۳۳۴ -
عزیز اللہ المتوکل علی اللہ رح - ۲۲۲ - ۲۲۶ -
عشاقیہ - ۱۷۱ -
عشرہ کاملہ - ۴۴۶ -
عشقیہ - ۱۷۱ -
عصامی - ۱۹۳ - ۲۰۶ - ۲۰۷ - ۴۲۵ -
عضدالدین (شاہ) - ۲۸۲ - ۲۹۲ -
عطا ملک جوینی - ۱۵۲ -
عقاید الخواص - ۴۳۴ -
علاء الدین اجودھنی (شیخ) - ۲۲۳ - ۲۲۵ -
۴۲۸ -
علاء الدین اسد لاہوری - ۲۳۴ - ۲۵۵ -
۲۵۶ -
علاء الدین بن بدرالدین سلیمان رح - ۲۶۵ -
علاء الدین بن نور الدین (شیخ) - ۲۸۶ -
علاء الدین بہمن (شاہ) - ۲۵۸ - ۲۵۹ -
علاء الدین حسین (شاہ) - ۲۶۰ -
علاء الدین خلجی (سلطان) - ۸۰ - ۲۰ - ۲۳۷ -
۲۴۴ - ۲۴۶ - ۳۶۳ -
علاء الدین، شیخ رح (نبیرہ شیخ سلیم چشتی رح) - ۱۸۴ -
۲۸۵ -
علاء الدین کردی - ۲۵۸ -
علاء الدین گوالیاری - ۲۶۱ -
علاء الدین محمود - ۲۶۸ -
علاء الدین نیلی (شیخ) - ۲۳۰ - ۲۳۲ - ۲۳۴
علم الحق (شیخ) - ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۴۰ - ۲۶۴ -
علم الدین - ۲۶۵ -
علمائے سلف - ۱۴۹ -
علوانیہ - ۱۷۰ -
علو دینوری رح - ۱۹۰ - ۱۹۱ - ۱۹۳ - ۱۹۶ -
علویہ - ۱۶۴ -
علی احمد صابر رح (شیخ) - ۲۱۷ - ۲۲۰ - ۲۲۱ - ۹۹
۲۷۰ - ۲۷۷ -
علی بن ابی طالب رض - ۹۶ - ۱۹۲ - ۱۹۴ - ۳۲۴ -
۳۵۰ -
علی جاندار (شیخ) - ۱۲۸ - ۳۴۰ -
علی شاہ بن محمود جاندار - ۶۲ -
علی (شیخ) - ۱۶۹ - ۱۸۴ - ۲۷۹ -
علی شیر (شیخ) - ۲۲۳ -
علی طباطبائی (سید) - ۲۶۱ -
علی قوام (سید) - ۲۶۱ -
علی کابل گل بہاری - ۲۷۰ -
علی گڈھ - ۶ -

علی متقیؒ - ۲۶۶ -

علی مملوک (مولانا) - ۲۹۴ -

علی مہائمیؒ (شیخ) - ۳۳۴ -

علی ہجویریؒ (شیخ) - ۳۹۰ - ۳۹۲ -

علی ہمدانی (سید) - ۱۷۶ - ۲۳۴ -

عمادالدین (خواجہ) - ۲۹۰ -

عمادالدین (شیخ) - ۲۱۱ - ۲۱۲ - ۲۲۲ -

عماد (قاضی) - ۲۰۹ -

عماد کاشانی - ۴۳۰ -

عمارؓ (حضرت) - ۵۷ -

عماریہ - ۱۶۴ -

عمدہ - ۴۰۹

عمرؓ (حضرت) - ۹۸ - ۱۴۵ - ۳۴۴ -

عمرالدین (پروفیسر) - ۱۲۳ - ۲۵۰ -

عوارف المعارف - ۵۸ - ۶۱ - ۶۲ - ۲۲۱ - ۲۶۱ - ۲۷۴ - ۳۳۰ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۳ - ۳۴۴ - ۳۵۶ - ۳۶۱ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۱۸ - ۴۳۰ - ۴۳۳ - ۴۳۸

عوابریہ - ۱۶۴ -

عیدروسیہ - ۱۶۳ - ۱۶۴ -

عین القضاۃ ہمدانیؒ - ۴۲۰ - ۴۳۹ -

عیسیٰ علیہ السلام (حضرت) - ۱۸ - ۴۶ - ۲۲۵ -

عیسیٰؒ (شیخ) - ۱۸۴ -

غ

غازیہ - ۱۶۵ -

غبارخاطر - ۴۳۷ -

غرائب الکرامات - ۲۶۰ -

غرجستان - ۱۳۶ -

غریب الفواد - ۲۷۵ -

غزالیؒ (امام) - ۱۱۲ - ۱۳۱ - ۱۳۲ - ۱۳۳ - ۱۳۴ - ۱۳۵ - ۱۳۶ - ۱۳۸ - ۱۴۴ - ۱۴۵ - ۱۴۶ - ۱۴۷ - ۱۵۱ - ۱۵۲ - ۳۱۲ - ۳۳۳ - ۳۵۶ - ۳۶۱ - ۳۸۱ - ۳۹۰ - ۴۰۱ - ۴۱۰ - ۴۱۱ -

غزالیہ - ۱۶۵ -

غزنین - ۳۱۰ -

غلام احمد خاں بریاں (مولانا) - ۲۳۲ - ۲۷۵ - ۳۰۸ -

غلام حسین سلیم - ۲۵۳ -

غلام حیدر شاہ جلال پوریؒ - ۲۹۱ -

غلام سرور لاہوری، مفتی - ۷ -

غلام علی آزاد - ۱۸۴ -

غلام علی (شاہ) - ۱۸۵ - ۱۸۶ - ۴۱۳ - ۴۳۶ -

غلام یحییٰ (مولانا) - ۴۳۶ -

غنیۃ الطالبین - ۱۳۸ -

غوثیہ - ۱۶۵ -

غور - ۱۳۶ - ۴۱۰ -

غیاث پور - ۲۲۶ - ۲۲۸ -

غیاث الدین تغلق (سلطان) - ۲۵۳ - ۲۶۱ - ۲۲۴ -

ف

فاطمہ بی بی - ۲۲۱ - ۲۲۴ -

فاطمہؓ (حضرت) - ۹۴ -

فان کریمر - ۴۵ -

فتاویٰ جہانداری - ۱۰ - ۲۳۵ -

فتح پور - ۲۹۱ -

فتح پور ہنسور - ۲۸۷ -

فتح ربانی - ۱۳۷ - ۱۵۹ - ۱۷۴ -

فتح الرحمٰن - ۵۳

Marfat.com

فتح اللہ ترین سنبھلی - ۴۸۵ -
فتوح السلاطین - ۱۹۳ - ۱۹۴ - ۲۰۶ - ۴۴۵
فتوح الغیب - ۱۳۷ -
فتوحات مکیہ - ۱۴۰ - ۱۴۷ - ۳۶۱ - ۴۰۵ -
۴۳۲ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۴۸ -
فخرالحسن - ۱۹۴ - ۱۹۵ - ۴۳۸ -
فخرالدین ابراہیم عراقیؒ - ۱۷۹ -
فخرالدین بغدادی - ۲۶۱ -
فخرالدین ثانی (شیخ) - ۲۲۲ -
فخرالدین دہلویؒ (شاہ) - ۱۹۴ - ۲۹۰ - ۲۹۱ -
۳۱۵ - ۴۱۶ - ۴۲۰ - ۴۴۲ - ۴۵۰ -
فخرالدین زاہدیؒ (شیخ) - ۲۲۲ -
فخرالدین زرادیؒ - ۲۳۰ - ۲۳۲ - ۲۴۷ -
۲۴۹ - ۲۵۴ - ۴۱۵ - ۴۳۴ - ۴۴۵
فخرالدین مزوریؒ - ۶۳ - ۲۳۵ -
فخرالطالبین - ۴۱۶ - ۴۴۵ - ۴۴۷ -
فرائیڈ - ۳۱۷ -
فردوسیان - ۱۷۸ -
فردوسیہ - ۱۶۵ -
فرشتہ (محمد قاسم) - ۲۵۹ - ۲۶۰ - ۴۳۲ -
فریدالدینؒ (پسر شیخ حمیدالدین ناگوری) -
۴۰۷ -
فریدالدین سالار عراقی (مولانا) - ۲۵۸ -
فریدالدین (شیخ) - ۲۰۵ - ۲۰۶ - ۲۲۳ -
فریدالدین عطارؒ (خواجہ) - ۶۱ - ۱۰۳ - ۱۰۴ -
۱۱۵ - ۱۲۱ - ۱۲۲ - ۱۴۹ - ۱۵۰ - ۱۵۱ -
۱۵۵ - ۱۶۱ - ۱۷۶ - ۱۷۷ - ۱۹۰ - ۱۹۵ -
۴۳۱ -
فریدالدین گنج شکرؒ، شیخ (بابا فرید) - ۹ - ۲۰ -
۱۳۱ - ۱۴۳ - ۱۶۸ - ۲۰۹ - ۲۱۳ -
۲۱۵ - ۲۲۵ - ۲۲۷ - ۲۴۱ - ۲۴۲ -
۲۵۰ - ۲۶۵ - ۲۸۴ - ۲۸۶ - ۲۸۷ -
۲۹۵ - ۳۱۰ - ۳۱۵ - ۳۱۸ - ۳۳۶ -
۳۳۷ - ۳۴۲ - ۳۴۶ - ۳۵۰ - ۳۶۰ -
۳۶۳ - ۳۶۵ - ۳۶۷ - ۳۷۸ - ۳۸۲ -
۳۸۴ - ۴۰۶ - ۴۱۸ - ۴۲۱ - ۴۲۴ -
۴۳۹ - ۴۴۱ - ۴۴۹ -
نصوص الحکم - ۱۴۰ - ۱۴۱ - ۱۴۲ - ۲۶۵ - ۲۷۴ -
۲۸۱ - ۳۶۱ - ۳۹۹ - ۴۰۵ - ۴۲۹ -
۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۵ - ۴۳۶ -
۴۳۷ - ۴۴۸ -
فضل (شیخ) - ۱۰۴ -
فضل الرقاشی - ۱۰۲ -
فضیل بن عیاضؒ (خواجہ) - ۱۰۳ - ۱۰۴ - ۱۰۵ -
۱۰۷ - ۱۹۲ - ۱۹۳ - ۱۹۳ - ۱۹۴ - ۱۹۵ -
فوائد السالکین - ۴۴۴ -
فوائد الفواد - ۸ - ۵۸ - ۶۷ - ۹ - ۸۹ - ۱۹۹ -
۲۱۱ - ۲۱۳ - ۲۱۶ - ۲۳۰ - ۲۳۳ -
۲۳۵ - ۳۰۰ - ۳۰۳ - ۳۱۰ - ۳۱۲ -
۳۱۳ - ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۲۱ - ۳۲۲ -
۳۲۴ - ۳۲۷ - ۳۲۸ - ۳۲۹ - ۳۳۰ -
۳۳۶ - ۳۳۷ - ۳۳۸ - ۳۴۳ - ۳۴۶ -
۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۲ -
۳۵۳ - ۳۶۲ - ۳۶۳ - ۳۶۷ - ۳۷۰ -
۳۷۲ - ۳۷۸ - ۳۸۲ - ۳۸۴ - ۳۸۵ -
۳۸۶ - ۳۸۸ - ۳۹۹ - ۴۰۴ - ۴۰۶ -
۴۰۷ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۱ - ۴۱۲ -
۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۳۱ -

۴۳۹ - ۴۴۰ - ۴۴۴

فیروزشاہ بہمنی - ۲۶۱ - ۲۶۳ -

فیروزشاہ تغلق (سلطان) - ۹ - ۱۰ - ۲۴۳ -
۲۴۵ - ۲۸۷ - ۳۳۰ -

فیروزکوہ - ۱۸۹ -

فیض الحسن (مولانا) - ۲۹۴ -

ق

قاسم نانوتویؒ (مولانا) - ۲۹۳ - ۲۹۴ - ۳۷۳ -

قاضن (شیخ) - ۱۸۴ -

قاضی (خواجہ) - ۲۲۴ - ۴۰۴ -

قدوری - ۲۰۵ -

قرآن القرآن - ۴۰۵ -

قرآن مجید - ۱۵ - ۱۶ - ۲۷ - ۳۱ - ۳۲ - ۳۸ -
۳۹ - ۴۶ - ۴۸ - ۴۹ - ۵۰ - ۵۱ -
۵۲ - ۵۳ - ۵۴ - ۶۴ - ۸۴ - ۸۵ -
۹۵ - ۱۱۰ - ۱۱۱ - ۱۱۶ - ۱۲۰ - ۱۲۶ -
۱۵۳ - ۲۶۲ - ۳۰۱ - ۳۱۴ - ۳۱۶ -
۳۱۸ - ۳۳۱ - ۳۳۷ - ۳۵۲ - ۳۸۰ -
۳۸۳ - ۳۹۹ - ۴۰۶ - ۴۱۱ - ۴۱۲ -
۴۱۴ - ۴۳۴ - ۱۴۴۹ -

قرطبہ - ۱۳۹ -

قرع الاسماع باختلاف اقوال المشائخ -
۳۹۰ - ۳۹۱ -

قریشی (شیخ اسمٰعیل) - ۱۷۹ -

قسطنطیہ - ۲۵۰ -

قشیریؒ (امام ابوالقاسم) - ۲ - ۴۲ - ۶ - ۱۲ - ۱۲۷ -
۱۳۴ - ۱۳۵ - ۴۰۰ -

قشیریہ - ۱۶۷ -

قصار حمدون (شیخ) - ۱۲۲ -

قصاریہ - ۱۲۲ - ۱۶۷ -

قطب الدین بختیار کاکیؒ (خواجہ) - ۱۷۸ - ۲۰۳ -
۲۰۶ - ۲۱۰ - ۲۱۲ - ۲۱۳ - ۲۲۲ -
۲۴۱ - ۲۶۲ - ۴۱۹ - ۴۳۴ - ۴۴۱ -

قطب الدین حسنؒ (خواجہ) - ۲۲۴ -

قطب الدین (شیخ) - ۱۴۴ - ۱۷۷ -

قطب الدین مبارک خلجی - ۳۸ - ۲۶۸ -

قطب الدین منورؒ (شیخ) - ۱۸ - ۲۳۰ - ۲۳۴ -
۲۴۹ -

قطب عالم (شیخ) - ۱۸۱ - ۲۸۴ -

قلندریہ - ۱۶۷ -

قنوج - ۱۹۹ - ۲۰۰ - ۲۱۰ -

قوام الدین (مولانا) - ۴۰۹ -

قوت القلوب - ۵۸ - ۱۲۰ - ۲۰۵ - ۲۳۱ -
۲۶۱ - ۳۳۰ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۱۷ -
۴۱۸ - ۴۱۹ - ۴۲۴ - ۴۳۰ -

قول الجمیل - ۱۷۲ - ۳۳۰ - ۳۳۵ - ۳۷۵ -

قونیاویہ - ۱۶۷ -

ک

کارلائل - ۳۸۵ -

کازرونیان - ۱۷۷ -

کالپی - ۲۲۲ - ۲۴۰ -

کبیر الدین اسمٰعیلؒ (شیخ) - ۱۸۰ - ۳۷۳ -

کبیر الدین ناگوری (شیخ) - ۲۶۳ - ۲۶۵ -

کتاب التعارف لمذہب التصوف - ۱۲۱ -

کتاب التفسیر - ۱۰۴ -

کتاب جامع الکلام - ۱۲۹ -

کتاب الحدود - ۹۴ -

کتاب الزاہد - ۱۰۴ -

کتاب الصلوٰة - ۹۳ -

Marfat.com

کتاب الفائق - ۲۰۵ -
کتاب الفرائض - ۱۰۴ -
کتاب اللمع - ۴۳ - ۵۳ - ۶۲ - ۱۲۱ - ۱۲۳ -
کتاب المبین - ۴۳۴ -

کچھوچھہ - ۲۳۴ -
کراچی - ۲۹۴ -
کرامیہ - ۱۶۷ -
کرزازیہ - ۱۶۷ -
کشاف - ۲۰۴ - ۲۰۵ - ۲۳۲ - ۴۰۴ - ۴۰۷ -
۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۱ -
کشف المحجوب - ۵۵ - ۵۸ - ۶۰ - ۶۳ - ۶۶ -
۷۳ - ۸۶ - ۸۷ - ۹۷ - ۱۰۶ - ۱۲۲ -
۱۲۳ - ۱۲۷ - ۱۲۸ - ۱۲۹ - ۱۳۱ - ۱۶۱ -
۳۹۰ - ۳۹۳ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۷ - ۴۱۸ -
۴۴۵ -
کشکول - ۴۴۶ - ۴۴۷ -
کشکول کلیمی - ۳۳۴ - ۴۰۵ -
کشمیر - ۱۶۳ - ۲۳۱ - ۲۴۹ -
کلیر - ۲۷۷ -
کلیم اللہ جہاں آبادیؒ (شاہ) - ۲۴ - ۲۶۴ - ۲۹۰ -
۲۹۲ - یا
کلیم اللہ دہلویؒ (شاہ) - ۷ - ۳۷ - ۶۰ - ۱۴۱ -
۳۳۴ - ۳۳۸ - ۳۴۹ - ۳۶۰ -
۳۶۹ - ۳۸۶ - ۳۸۸ - ۳۸۹ -
۳۹۲ - ۴۱۵ - ۴۳۴ - ۴۴۶ - ۴۵۰ -
کمال الوری (شیخ) - ۲۸۵ -
کمال بن سید اول - ۲۸۷ -
کمال الدین زاہدؒ (مولانا) - ۲۴۸ - ۴۱۳ -
کمال الدین سلیمان قریشی (شیخ) - ۱۸۴ -

کمال الدینؒ (شیخ) - ۲۲۱ - ۲۳۴ - ۲۶۶ - ۲۶۷ -
کمال الدین غلام (شیخ) - ۲۴ - ۲۶۳ - ۲۶۵ -
کمال الدین قزوینی (سید) ۲۶۳ - ۲۶۵ -
کمال الدین کرمانی - ۳۷۳ -
کنز الدقائق - ۴۰۵ - ۴۴۶ -
کنس (راجہ) - ۲۵۶ -
کنعان - ۲۲۷ -
کنفوشیس - ۱۴ -
کوٹ مٹھن - ۲۹۲ -
کوفہ - ۱۰۲ - ۱۰۶ -
کیقباد - ۲۲۶ -
کیمیائے سعادت - ۲۰۴ - ۲۰۵ - ۳۵۷ - ۳۶۱ -
۳۹۰ -

گ

گب (ایچ - اے - آر) - ۳۵ - ۳۶ -
گجرات - ۲۲۳ - ۲۳۲ - ۲۴۴ - ۲۵۲ -
۲۵۳ - ۲۶۲ - ۲۶۶ -
گرزمار - ۱۶۶ -
گلبرگہ - ۲۴ - ۲۵۲ - ۲۶۱ -
گلزار ابرار - ۱۴۱ - ۱۴۲ - ۱۴۳ - ۲۱۰ - ۲۱۱ -
۲۱۷ - ۲۱۸ - ۲۲۴ - ۲۲۹ - ۲۵۶ -
۲۵۸ - ۲۶۱ - ۲۶۲ - ۲۶۵ - ۲۶۸ -
۲۷۰ - ۲۷۳ - ۲۷۵ - ۲۸۶ - ۲۸۹ -
۴۳۴ - ۴۳۶ -
گلشنیہ - ۱۶۶ -
گل محمد - ۱۹۱ -
گل محمد (خواجہ) - ۲۹۱ -
گنج الاسرار - ۴۴۴ -
گنگ (دریائے) - ۲۱۰ -
گنگوہ - ۲۷۲ - ۲۷۷ - ۲۸۲ - ۲۹۴ -

Marfat.com

گوالیار - ۲۴۰ - ۲۸۶ -

گوپامئو - ۲۸۹ -

گوڑ - ۲۳۴ -

گولڑہ - ۲۹۱ -

گیلانی (شیخ) - ۱۳۸ -

ل

لامارک - ۸۹ -

لاہور - ۲۸ - ۱۲۷ - ۱۸۳ - ۲۰۳ - ۲۱۰ -

لبن - ۱۳۹ -

لطائف الاشارات - ۱۲۶ -

لطائف اشرفی - ۱۹۱ - ۲۵۶ -

لطائف قدوسی - ۲۷۳ - ۲۷۴ - ۲۷۸ -
۴۳۴ - ۴۴۵ -

لغات القران - ۳۵۶ -

لکھنؤ - ۲۷ -

لکھنوتی - ۲۵۲ - ۲۵۴ - ۲۵۵ -

لمعات - ۴۰۵ -

لوائح ولوامع - ۴۰۳ - ۴۰۴ -

لوکی گارڈ - ۳۵ -

لوئی رن - ۱۶۳ -

لوئی میسی نیوں - ۴۶ - ۴۹ - ۱۶۳ -

لینن - ۱۶ - ۱۷ - ۱۸ -

م

مآثر الامراء - ۴۳۶ -

مآثر الکرام - ۲۰۹ - ۲۱۰ - ۲۳۱ - ۲۴۲ -
۲۶۵ - ۲۶۶ - ۴۳۶ -

مارکس - ۱۶ -

مارگولیتھ - ۱۳۷ -

مالکؒ (امام) - ۱۱۶ -

مالک بن دینار - ۱۰۲ -

مالوہ - ۲۲۱ - ۲۳۴ - ۲۴۴ - ۲۵۲ - ۲۵۳ -
۲۶۶ - ۲۶۸ - ۲۷۱ -

مامون رشید (خلیفہ) - ۱۰۹ - ۱۱۰ -

مانڈو - ۱۸۳ -

مانک پور - ۲۳۴ - ۲۸۲ - ۲۸۷ - ۲۸۸ -
۳۷۱ -

ماؤسی تنگ - ۱۴ - ۲۰ -

مبارک بالادست (شیخ) - ۱۸۴ -

مبارک شاہ (سید) - ۱۶۸ -

مبارک (شیخ) - ۱۷۹ -

مبسوط - ۴۰۵ -

متبولیہ - ۱۶۸ -

متوکل - ۱۱۱ -

مثنوی مولانا روم - ۳۶۱ -

مجد الدین بغدادی (شیخ) - ۱۷۶ - ۱۷۷ -

مجد الدین (حاجی) - ۱۷۸ - ۱۷۹ -

مجد الدین (مولانا) - ۲۱۰ -

مجدد الف ثانیؒ - ۵۳ - ۱۴۲ - ۱۷۳ - ۱۸۵ -
۲۷۷ - ۲۷۸ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۳۸ -

مجمع البحرین - ۴۷ -

مجنوں لیلیٰ - ۲۲۵ -

محاسبیہ - ۱۶۸ -

محب اللہ الہ آبادیؒ (شیخ) - ۲۸۱ - ۲۸۲ -
۲۹۲ - ۳۶۹ - ۴۲۴ - ۴۳۴ - ۴۳۷ -

محمدؐ - ۱۳۵ -

محمد ارشد (شیخ) - ۱۸۴ -

محمد اسمٰعیل شہید (شاہ) - ۱۸۶ -

محمد افضل (خواجہ) - ۱۸۶ -

محمد قطع - ۶۲ -

محمد بن اسحاق - ۴۳ -

Marfat.com

محمد الیاسؒ (مولانا)۔ ۳۳۵۔
محمد امیر۔ ۳۳۰۔
محمد بن بختیار خلجی۔ ۲۰۰۔
محمد بن تغلق (سلطان)۔ ۲۲۳۔۲۲۵۔
۲۳۱۔۲۳۳۔۲۳۷۔۲۳۸۔
۲۴۴۔۲۴۷۔۲۴۹۔۲۵۱۔۲۵۵۔
۲۵۸۔۲۵۹۔۲۶۳۔۳۶۸۔۴۲۵۔
۴۲۷۔۴۲۸۔۴۳۰۔
محمد بن جعفر مکی الحسینیؒ۔ ۲۴۲۔
محمد بن عبداللہ تومرت۔ ۱۴۶۔
محمد بن علی بن حسین بن علیؓ۔ ۸۷۔
محمد بن قصاب۔ ۸۶۔
محمد بن ملک شاہ۔ ۱۴۵۔
محمد بن نوح۔ ۱۱۱۔
محمد بن یحییٰ۔ ۳۰۹۔
محمد بولاق چشتی۔ ۲۱۱۔
محمد تھانوی (شیخ)۔ ۳۴۳۔
محمد جان (میاں)۔ ۴۳۷۔
محمد جعفر مکی (سید)۔ ۴۲۵۔۴۳۳۔۴۴۲۔
محمد چشتی (خواجہ)۔ ۱۹۷۔
محمد حبیب (پروفیسر)۔ ۱۲۸۔۲۰۱۔۲۲۹۔
۲۳۵۔۲۳۸۔
محمد حسن امروہویؒ (حکیم سید)۔ ۲۹۱۔۴۳۷
محمد حسن (مرزا)۔ ۲۶۳۔۲۶۶۔
محمد حسن (مولوی)۔ ۴۱۳۔
محمد حسین (حافظ)۔ ۲۸۲۔۲۹۲۔
محمد داؤد (شیخ)۔ ۲۸۲۔
محمد رشید (شیخ)۔ ۱۸۴۔
محمد زاہد (شیخ)۔ ۲۶۵۔۲۶۶۔

محمد سالم (سید)۔ ۲۸۲۔
محمد سادی (قاضی)۔ ۲۴۰۔
محمد سعید (خواجہ)۔ ۱۸۶۔
محمد سلیمان تونسویؒ (شاہ)۔ ۳۳۸۔۳۴۸۔
محمد سلیمان (شاہ)۔ ۲۹۱۔
محمد سلیمان (قاضی)۔ ۲۶۱۔
محمد صادق (خواجہ)۔ ۱۸۶۔
محمد صادق (شیخ)۔ ۲۸۱۔۲۸۲۔
محمد صغریٰ (سید خواجہ)۔ ۲۰۹۔
محمد ضامن (شہید)۔ ۲۸۲۔
محمد عابد (حاجی)۔ ۲۹۳۔۲۹۴۔
محمد عاقلؒ (خواجہ)۔ ۲۱۸۔
محمد عاقل (شیخ)۔ ۲۹۱۔
محمد علی (حافظ)۔ ۲۹۱۔
محمد علی خیرآبادیؒ (حافظ)۔ ۳۳۷۔۳۴۳۔
محمد علی (شاہ)۔ ۲۶۱۔
محمد غوث گوالیاریؒ (سید)۔ ۴۷۔۱۸۳۔
۱۸۴۔
محمد غوثی۔ ۱۴۱۔۱۴۳۔۲۶۶۔۲۸۶۔۲۸۹۔
۴۳۶۔
محمد غوری (سلطان شہاب الدین)۔ ۱۸۹۔
۱۹۹۔۲۰۰۔۲۰۲۔۲۴۵۔۲۱۰۔
محمد گیسودرازؒ (سید)۔ ۲۴۰۔۲۶۱۔۲۶۲۔
۲۶۵۔۳۰۵۔۳۹۹۔۴۱۱۔۴۲۱۔
۴۲۳۔۴۲۵۔۴۲۱۔۴۳۰۔۴۳۱۔
۴۳۳۔۴۴۴۔۴۴۵۔
محمد گیلانی حلبیؒ (مخدوم)۔ ۱۸۲۔۱۸۳۔
محمد محدثؒ (شیخ)۔ ۲۲۳۔۲۴۰۔۲۶۴۔۲۷۲۔
۲۷۷۔۲۸۲۔

Marfat.com

محمد معصومؒ (خواجہ)۔ ۱۸۵ - ۸۶ - ۴۳۶ -
محمد موسیٰ (خواجہ)۔ ۲۲۰ - ۲۲۴ -
محمد ناصر عندلیب (خواجہ)۔ ۱۸۶ -
محمد نعمان (میر)۔ ۱۸۶ -
محمد نقشبندؒ (خواجہ)۔ ۱۷۲ - ۱۸۶ -
محمد واسع - ۱۰۳ -
محمد یحییٰ (شیخ)۔ ۱۸۶ -
محمد یعقوبؒ (شیخ)۔ ۲۲۱ - ۲۲۴ - ۲۶۳ -
۲۶۵ - ۲۸۶ -
محمد یعقوب نانوتویؒ (مولانا)۔ ۲۹۳ - ۲۹۴ -
محمد یوشع - ۲۰۶ -
محمدیہ - ۱۶۸ -
محمود بن علی کاشانی - ۳۷۵ - ۳۹۱ -
محمود بیگڑہ (سلطان)۔ ۲۶۶ -
محمود تھانیسری (قاضی)۔ ۲۷۳ -
محمود الحسن (شیخ الہند مولانا) - ۲۹۳ - ۲۹۵ -
محمود خلجی (سلطان)۔ ۲۶۷ -
محمود راجن (شیخ)۔ ۲۴۰ -
محمود (شیخ)۔ ۲۴۰ - ۲۶۲ - ۲۶۴ -
محمود غزنوی - ۱۹۷ - ۲۰۰ -
محمود گاواں - ۴۲۹ -
محمود مزدقانی (شیخ)۔ ۱۷۶ -
محمود موئنہ دوزؒ (خواجہ)۔ ۱۷۹ -
محمود نہروالہ (شیخ)۔ ۲۰۹ - ۲۲۲ -
محی الدین ابن عربیؒ - ۱۱۲ - ۱۳۹ - ۱۴۰ -
۱۴۲ - ۱۵۵ - ۱۶۵ - ۲۷۴ - ۲۸۱ -
۴۱۶ - ۴۳۱ - ۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۴ -
۴۳۵ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۳۸ -
محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النودویؒ۔
۱۵۶ -
محی الدین (شاہ)۔ ۲۹۱ -
محی الدین (شیخ)۔ ۱۸۴ -
محی الدین کاشانی (قاضی)۔ ۲۳۰ - ۲۳۳ -
۳۶۳ - ۳۸۲ - ۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۳۴ -
مخ المعانی - ۴۴۵ -
مخدوم الملک - ۱۱۸ -

مداریہ (شاہ)۔ ۱۶۸ - ۱۶۹ -
مدنیہ - ۱۶۸ -
مدینہ - ۴۴ - ۱۰۰ - ۱۶۳ - ۲۹۴ -
مرآۃ احمدی - ۲۶۳ -
مرآۃ الاسرار - ۱۹۰ - ۱۹۱ - ۲۱۱ - ۲۱۷ - ۲۵۶ -
۲۵۸ - ۲۶۰ - ۲۶۹ - ۲۷۰ - ۲۷۷ - ۴۳۵
مرآۃ العارفین - ۴۳۳ -
مراۃ المبتدین - ۲۰۹ -
مرادآباد - ۲۸۲ - ۲۸۳ -
مرادیہ ۱۶۸ -
مرازقہ - ۶۸ -
مراکش - ۱۶۵ -
مرتعشؒ (شیخ)۔ ۸۷ -
مرزا (عمر شیخ)۔ ۱۷۳ -
مرسیہ (شہر)۔ ۱۳۹ -
مرصاد العباد - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۳۰ - ۴۴۶ -
۴۴۷ -
مرعشی (خواجہ)۔ ۱۹۴ -
مرقع دہلی - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۳۰ - ۴۴۶ - ۴۴۷
مرقع کلیمی - ۴۰۵ -
مرو - ۳۹۲ -

Marfat.com

مسالک الابصار - ۲۵۰-

مستعصم - ۱۵۳-

مستنجد باللہ (ابوالمظفر) - ۱۴۷-

مستورہ بی بی - ۲۲۱ - ۲۲۴-

مسعود بک - ۲۲۲-

مسعود (شیخ) - ۲۲۳ - ۲۵۸-

مسعود علی (مولوی) - ۲۳۵-

مسلم الثبوت - ۴۰۵-

مسنار - ۸۴-

مشارق الانوار - ۱۹۹ - ۲۰۵ - ۲۳۱ - ۲۶۶ - ۴۰۴ - ۴۱۳ - ۴۱۵-

مشاریہ - ۱۶۸-

مشایخ نقشبندیہ - ۴۱۳-

مشتاق احمد (مولانا) - ۱۶۸-

مشکوٰۃ شریف - ۴۰۵ - ۴۱۵ - ۴۱۶-

مشیشیہ - ۱۶۸-

مصابیح - ۴۰۴-

مصباح الدجیٰ - ۲۰۵-

مصباح النحو - ۲۶۵-

مصباح الہدایت - ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۹ - ۳۴۰ - ۳۴۱ - ۳۵۸ - ۳۶۹ - ۳۷۰ - ۳۷۵ - ۳۹۱-

مصر - ۲۲ - ۱۰۹ - ۱۱۰ - ۱۳۹ - ۱۵۶ - ۱۶۳ - ۱۶۵ - ۱۷۴ - ۲۲۷ - ۲۵۰-

مصطفیٰ سہارنپوری (شیخ) - ۲۷۸-

مطالع - ۲۶۴-

مطاوعہ - ۱۶۸-

مطر - ۲۶۱-

مظہر جان جاناںؒ (مرزا) - ۱۸۵ - ۱۸۶-

مظہر الدین - ۲۲۴-

مظہر الغرائب - ۲۷۵-

معاذ بن جبلؓ - ۹۷ - ۹۸ - ۳۸۸-

معارج الولایت - ۲۱۷ - ۲۱۹ - ۲۵۶ - ۲۶۰ - ۲۶۹ - ۲۷۰ - ۲۸۸-

معارف مولانا رومؒ - ۴۰۵-

معروف کرخیؒ (شیخ) - ۱۶۲ - ۲۳۴ - ۲۸۸ - ۴۲۹-

معز الدین (خواجہ) - ۲۴۴-

معز الدین (شیخ) - ۲۰۹ - ۲۲۲ - ۲۲۳-

معین الاسلام اودھی - ۲۵۸-

معین الدین چشتیؒ (خواجہ) - ۱۲۹ - ۱۶۰ - ۱۷۸ - ۱۹۳ - ۱۹۴ - ۱۹۸ - ۲۰۰ - ۲۰۱ - ۲۰۴ - ۲۰۷ - ۲۰۸ - ۲۱۳ - ۲۲۲ - ۲۲۵ - ۲۴۱ - ۲۴۴ - ۲۶۵ - ۳۲۰ - ۳۹۸ - ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۲۰ - ۴۲۴ - ۴۴۱-

معین الدین عبداللہ خویشگی چشتی - ۲۶۹ - ۲۸۸-

معین الدین فریدی (خواجہ) - ۲۸۷-

مغربیہ - ۱۶۸-

مغیث الدین (شیخ) - ۲۳۴ - ۲۶۶ - ۲۶۸-

مفتاح - ۲۳۲ - ۲۶۴-

مفتاح الخزائن - ۲۹۲-

مفتاح السعادت - ۴۰۷-

مفتاح العاشقین - ۴۴۴-

مقاصد العارفین - ۲۹۲-

مقالات احسانی - ۴۳۸-

مقالات شیخ ابوسعید ابوالخیر - ۲۰۵ - ۴۰۴-

مقدمہ ابن خلدون - ۱۴۶-

Marfat.com

مقدمۃ الصلوٰۃ ۔ ۴۴۶ ۔
مکاتیب امام غزالیؒ ۔ ۱۳۲ ۔
مکتوبات اشرف جہانگیر سمنانیؒ ۔ ۲۵۶ ۔
۴۴۵ ۔
مکتوبات امام ربانی ۔ ۱۷۳ ۔
مکتوبات شیخ الاسلام ۔ ۳۴۹ ۔
مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ
(اشرفیہ) ۔ ۱۶۰ ۔
مکتوبات شیخ عبدالقدوس (قدوسیہ)
۲۷۴ ۔ ۲۷۵ ۔ ۲۷۶ ۔ ۴۱۲ ۔ ۴۴۵ ۔
مکتوبات عین القضاۃ ۔ ۲۰۵ ۔ ۴۰۳ ۔ ۴۰۴
مکتوبات فخرالدین رازی ۔ ۲۰۵ ۔ ۴۰۴ ۔
مکتوبات کلیمی ۔ ۶۰ ۔ ۱۴۱ ۔ ۳۱۳ ۔ ۳۴۹ ۔
۳۶۰ ۔ ۳۶۱ ۔ ۳۶۹ ۔ ۳۸۷ ۔ ۳۸۹ ۔
۳۹۲ ۔
مکتوبات مجدد الف ثانیؒ ۔ ۵۳ ۔
مکتوبات محب اللہ الہ آبادیؒ ۔ ۴۰۰ ۔
۴۳۳ ۔
مکتوبات نور قطب عالمؒ ۔ ۴۴۵ ۔
مکہ ۔ ۹۵ ۔ ۲۸۲ ۔
مکی (ابوطالب) ۔ ۴۰۰ ۔
ملامتیہ ۔ ۱۲۳ ۔
ملامیہ ۔ ۱۶۸ ۔
ملاوہ ۔ ۲۰۴ ۔
ملایا ۔ ۴۹ ۔
ملتان ۔ ۱۷۸ ۔ ۱۸۳ ۔ ۲۱۴ ۔ ۲۹۱ ۔
۲۹۲ ۔ ۳۴۷ ۔ ۳۸۸ ۔
ملفوظات شاہ عبدالعزیز ۔ ۴۴۵ ۔ ۴۵۰ ۔
ملفوظات شیخ حمیدالدین ناگوریؒ ۔ ۹۹ ۔

ملک شاہ سلجوقی ۔ ۱۴۵ ۔
ملک محمد جائسی ۔ ۲۸۸ ۔
ملہات ۔ ۲۱۷ ۔ ۲۴۵ ۔
ممشاد دینوریؒ (شیخ) ۔ ۱۹۶ ۔
مناجات ۔ ۱۲۹ ۔
منازل السائرین ۔ ۱۲۹ ۔ ۴۰۵ ۔
مناقب حافظیہ ۔ ۴۳۷ ۔ ۴۴۲ ۔ ۴۴۸ ۔
مناقب فخریہ ۔ ۳۱۵ ۔ ۳۱۶ ۔
مناقب المحبوبین ۔ ۱۴۱ ۔ ۴۱۸ ۔ ۴۳۷ ۔ ۴۴۳ ۔ ۴۴۴
منتخب التواریخ ۔ ۲۷۸ ۔ ۲۸۱ ۔ ۲۸۴ ۔ ۲۸۵
۲۸۹ ۔
منتخب اللباب ۔ ۲۵۹ ۔
منصور بن عمار ۔ ۱۰۲
منصور حلاج ۔ ۱۰۴ ۔ ۴۰۲ ۔ ۴۰۴ ۔ ۴۰۷ ۔ ۴۱۹ ۔
۴۲۰ ۔ ۴۲۱ ۔
منصور (خلیفہ) ۱۰۵ ۔ ۱۰۶ ۔
منصوریہ ۔ ۱۶۸ ۔
منطق الطیر ۔ ۱۷۱ ۔
منور (شیخ) ۔ ۲۲۲ ۔
منہاج الدین بہاری (مولانا) ۔ ۲۵۸ ۔
منہاج السراج (مولانا) ۔ ۲۰۶ ۔ ۲۱۰ ۔ ۲۱۳
مودود چشتیؒ (خواجہ) ۔ ۱۹۲ ۔ ۱۹۳ ۔ ۱۹۷ ۔
موسیٰ (شیخ) ۔ ۲۸۷ ۔ ۲۹۱ ۔
موسیٰ علیہ السلام (حضرت) ۔ ۲۹ ۔ ۳۰ ۔ ۴۶ ۔
موسیٰ مانکپوری ۔ ۳۸۲ ۔
مؤطا امام مالکؒ ۔ ۱۱۶ ۔ ۱۱۷ ۔ ۴۰۵ ۔
مولویہ ۔ ۱۶۸ ۔
مہارن ۔ ۲۹۱ ۔
مہدی جونپوری (سید محمد) ۔ ۲۸۸ ۔

Marfat.com

مہر علی شاہ (پیر) - ۲۹۱ - ۴۳۷ -
مہندر ناتھ سرکار - ۲۴۷ -
میاں میر (حضرت) - ۱۸۳ -
میرٹھ - ۶ - ۱۸۳ -
میر خورد - ۳۶ - ۷۰ - ۷۵ - ۱۹۶ -
۱۹۷ - ۲۰۷ - ۲۱۰ - ۲۲۰ - ۲۲۳ -
۲۲۹ - ۲۳۰ - ۲۳۵ - ۲۵۵ - ۳۱۲ -
۳۱۳ - ۳۴۸ - ۴۰۹ - ۴۲۵ - ۴۲۸ -
میر درد (خواجہ) - ۱۸۶ - ۴۳۶ -
میرک گرامی - ۷۰ -
میر لطف اللہ - ۱۸۴ -
میسی نیون - ۱۶۳ -
میوات - ۲۸۶ -

ن

نارنول - ۲۴۴ -
ناصر خسرو - ۲۳۵ -
ناصر الدین محمود (سلطان) - ۲۱۴ -
ناصر علی سرہندی - ۱۸۶ -
ناصر عندلیب (میر) - ۴۳۶ -
ناصریہ - ۱۶۸ -
نافع السالکین - ۳۳۹ - ۳۴۸ - ۳۵۳ -
۳۸۳ - ۴۴۵ -
ناگور - ۱۹۹ - ۲۰۳ - ۲۱۳ - ۲۲۲ - ۳۶۵ -
۲۷۳ -
نالڈیکی - ۴۱ -
ناموس اکبر - ۴۴۶ -
نبویہ - ۱۶۸ -
نجد - ۲۲۷ -
نجف - ۲۸۴ -
نجم الدین (حاجی) - ۲۹۱ -
نجم الدین سنامی (مولانا) - ۴۰۹ -
نجم الدین صغری (شیخ الاسلام) - ۲۰۷ - ۴۳۳ -
نجم الدین (قاضی) - ۱۸۰ -
نجم الدین کبری (شیخ) - ۱۶۱ - ۱۷۵ - ۱۶۶ - ۴۰۱ -
نجیب الدین عبدالقادر سہروردی - ۱۴۸ -
۱۴۹ - ۴۰۱ -
نجیب الدین فردوسی (شیخ) - ۱۸۱ -
نجیب الدین (مولانا) - ۴۱۰ -
نحو مفصل - ۴۰۹ -
نزہت علی (شیخ) - ۲۹۲ -
نصاب الاحتساب - ۴۲۳ -
نصر الدین (شیخ) - ۲۲۵ -
نصر اللہ (شیخ) - ۲۲۱ - ۲۶۷ -
نصیحت الملوک - ۱۴۵ -
نصیر الدین (سید) - ۱۸۰ -
نصیر الدین چراغ دہلی (شیخ) - ۹ - ۲۲ - ۵۸ -
۶۵ - ۶۷ - ۶۸ - ۱۴۸ - ۲۲۴ - ۲۳۰ -
۲۳۱ - ۲۳۴ - ۲۳۶ - ۲۳۸ - ۲۴۰ -
۲۴۵ - ۲۴۷ - ۲۴۹ - ۲۵۴ - ۲۶۳ -
۲۶۵ - ۲۸۶ - ۳۰۵ - ۳۱۳ - ۳۲۰ -
۳۲۱ - ۳۲۴ - ۳۳۱ - ۳۳۴ - ۳۴۱ -
۳۴۶ - ۳۵۱ - ۳۵۲ - ۳۶۸ - ۳۷۱ -
۳۸۰ - ۴۰۵ - ۴۲۴ - ۴۲۵ - ۴۲۶ -
۴۲۷ - ۴۲۸ - ۴۳۰ - ۴۳۳ - ۴۳۴ -
۴۴۱ - ۴۴۲ - ۴۴۴ - ۴۴۶ - ۴۴۸ -
نصیر الدین ملتانی ابن شہر اللہ - ۲۵۸ -
نظام الدین احمد بخشی - ۲۵۹ -
نظام الدین امیٹھی وال (شیخ) - ۲۳۴ - ۲۸۹ -

Marfat.com

نظام الدین اورنگ آبادیؒ (شیخ) - ۲۹۰ -

نظام الدین اولیاءؒ، شیخ (محبوب الٰہی) - ۷ - ۸ - ۱۱ - ۱۸ - ۱۹ - ۲۰ - ۲۲ - ۲۳ - ۳۱ - ۳۳ - ۶۲ - ۶۳ - ۶۵ - ۶۷ - ۶۸ - ۶۹ - ۷۰ - ۷۵ - ۷۶ - ۷۷ - ۷۹ - ۸۰ - ۸۱ - ۸۲ - ۸۶ - ۸۸ - ۱۲۸ - ۱۵۷ - ۱۷۸ - ۱۹۳ - ۱۹۶ - ۲۱۰ - ۲۱۱ - ۲۱۳ تا ۲۲۹ - ۲۳۱ - ۲۳۲ - ۲۳۳ - ۲۳۵ - ۲۳۶ - ۲۴۱ - ۲۴۴ - ۲۴۶ - ۲۴۸ - ۲۵۰ - ۲۵۴ - ۲۵۵ - ۲۵۹ - ۲۶۰ - ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۲۶۶ - ۲۶۷ - ۳۰۰ - ۳۰۴ - ۳۰۵ - ۳۰۹ - ۳۱۰ - ۳۱۲ - ۳۱۳ - ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۲۱ - ۳۲۲ - ۳۲۴ - ۳۲۸ - ۳۲۹ - ۳۳۴ - ۳۳۵ - ۳۳۶ - ۳۳۷ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۰ - ۳۴۶ - ۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۲ - ۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۲ - ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۷ - ۳۷۰ - ۳۷۲ - ۳۷۳ - ۳۷۸ - ۳۸۴ - ۳۸۵ - ۳۸۶ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۳۹۱ - ۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۶ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۱۳ - ۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۱۶ - ۴۱۸ - ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۲ - ۴۲۳ - ۴۲۴ - ۴۲۹ - ۴۳۱ - ۴۳۲ - ۴۳۹ - ۴۴۱ - ۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۵۰ -

نظام الدین خریطہ دار - ۲۱۱ - ۳۴۲ -

نظام الدین (خواجہ) - ۲۲۱ - ۲۲۴ - ۲۲۵ - ۲۹۱ -

نظام الدین بمبئی (مولانا) - ۲۵۶ -

نظام العقائد - ۴۴۳ -

نظام القلوب - ۴۴۶ - ۴۴۷ -

نظام نارنولی (شیخ) - ۲۴۰ - ۲۸۶ -

نظامی (خلیق احمد) - ۶ - ۷ - ۸ - ۱۱ - ۱۶ - ۱۸ - ۲۰ - ۲۳ -

نظامی گنجویؒ - ۱۴۹ - ۴۳۹ -

نعمت اللہ - ۲۱۲ -

نعمت اللہ قادری - ۱۸۱ -

نعمت اللٰہیہ - ۱۶۸ -

نفائس الانفاس - ۲۶۰ -

نفحات الانس - ۴۳ - ۱۲۰ - ۱۲۳ - ۱۲۴ - ۱۷۲ - ۱۷۳ - ۱۷۵ - ۱۹۰ - ۱۹۵ - ۱۹۶ - ۱۹۷ - ۱۹۸ - ۴۰۵ -

نقشبندیہ - ۱۶۲ - ۱۶۸ - ۱۷۷ -

نکلسن - ۱۸ - ۴۵ - ۱۲۱ -

نورالانوار - ۴۰۵ -

نوربخشیہ - ۱۶۸ -

نورترک (مولانا) - ۲۱۳ -

نورالدین (شیخ) - ۲۳۴ -

نورالدین ضیاءاللہ (شیخ) - ۱۸۴ -

نورالدین مبارک غزنوی (سید) - ۱۷۸ - ۱۷۹ - ۲۱۰ -

نورالدینیہ - ۱۶۸ -

نورالعین - ۴۳۴ -

نورقطب عالمؒ (شیخ) - ۲۳۴ - ۲۵۶ - ۲۵۸ - ۲۷۱ -

نوراللہ (مولوی) - ۲۲۴ -

نورمحمد پشاوری (شیخ) - ۱۸۶ -

Marfat.com

نور محمد مہارویؒ (شاہ)۔ ۱۴۱۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۴۳۷۔

نور محمد (میاں جی)۔ ۲۱۲۔ ۲۹۳۔

نوریؒ (شیخ)۔ ۱۰۴۔ ۱۲۳۔

نوریہ۔ ۱۲۳۔ ۱۶۸۔

نتھو (شیخ)۔ ۱۰۴۔ ۱۲۳۔

نہج البلاغت۔ ۲۰۵۔

نہروالہ۔ ۲۰۹۔ ۲۲۲۔ ۲۳۴۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۵۔

نیاز احمد بریلویؒ (شاہ)۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۴۳۶۔

نیازیہ۔ ۱۶۸۔

و

واثق باللہ۔ ۱۱۱۔

وارث علی شاہیہ۔ ۱۷۱۔

وجیہ الدین پائلیؒ۔ ۲۳۵۔ ۴۱۵۔

وجیہ الدین عثمانؒ۔ ۱۰۹۔

وجیہ الدین علوی گجراتیؒ۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔

وجیہ الدین یوسف (مولانا)۔ ۲۲۰۔ ۲۳۴۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷

وحدت الوجود۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔

وحدتیہ۔ ۱۷۱۔

وحید الدین (مولانا)۔ ۲۱۳۔

وحید مرزا (ڈاکٹر)۔ ۲۳۵۔

وزی گوتھ۔ ۵۹۔

وسط ایشیا۔ ۲۰۷۔

وصولیہ۔ ۱۷۱۔

وفائیہ۔ ۱۷۱۔

وفیات الاعیان۔ ۱۴۳۔

ولبر فورس کلارک۔ ۴۶۔

ولی تراش (شیخ)۔ ۱۷۵۔

ولی اللہ دہلویؒ (شاہ)۔ ۳۲۔ ۴۰۔ ۵۳۔ ۵۵۔ ۱۰۱۔ ۱۲۱۔ ۱۵۹۔ ۱۶۲۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۹۴۔ ۲۷۷۔ ۳۰۲۔ ۳۲۹۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۶۲۔ ۳۶۵۔ ۳۸۷۔ ۴۳۵۔ ۴۳۷۔ ۴۴۹۔

ولید۔ ۹۹۔

ہ

ہارون الرشید۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۹۔ ۱۱۷۔

ہاشم کشمی (خواجہ)۔ ۱۸۶۔

ہانسی۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۷۔ ۲۲۲۔ ۲۳۴۔

ہبیرۃ البصری۔ ۱۹۳۔

ہبیریان۔ ۱۷۸۔

ہتی (پروفیسر)۔ ۳۵۔

ہجویریؒ (شیخ)۔ ۳۴۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۷۔ ۵۶۔ ۵۹۔ ۷۰۔ ۹۶۔ ۱۲۱۔ ۱۲۳۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۳۱۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۹۵۔

ہدایہ۔ ۱۶۶۔ ۲۳۱۔ ۲۶۲۔ ۴۰۴۔ ۴۲۴۔

ہدیۃ اللہ (شیخ)۔ ۱۸۴۔

ہرات۔ ۲۲۔

ہشام بن حکیم بن حزام۔ ۹۹۔

ہلبیر۔ ۸۹۔

ہمدانیہ۔ ۱۶۶۔

ہمزہ ناگوری (مولانا)۔ ۲۶۴۔

ہندوستان۔ ۴۷۔ ۱۶۲۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۸۔ ۲۱۲۔ ۲۲۱۔ ۲۲۵۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۷۔ ۲۴۳۔ ۲۴۷۔

Marfat.com

۲۵۱ - ۲۵۲ - ۲۵۳ - ۲۵۴ -
۲۵۵ - ۲۵۹ - ۲۶۲ - ۲۶۵ -
۲۷۰ - ۲۷۳ - ۲۷۵ - ۲۸۹ -
۲۹۳ - ۲۹۵ - ۳۰۰ - ۳۹۷ -
۴۰۴ - ۴۲۸ - ۴۳۷ -
ہودؒ (شیخ) - ۱۰۹ -
ہمایوں - ۲۱ -
ہولینڈ - ۳۵ -
ہیبت خاں شروانی - ۲۷۵ -
یحییٰ بن معاذ رازی - ۳۲ -
یحییٰ مدنیؒ (شیخ) - ۲۴۰ - ۲۶۴ -
یداللہؒ (سید) - ۲۴۰ -
یداللہؒ (شاہ) - ۲۶۱ -
یزید بن معاویہ - ۱۰۰ -
یسی (قریہ) - ۱۷۲ -
یعقوب - ۴۶ -
یعقوب - ۱۱۰ -
یمن - ۱۷۴ -
یوسف چشتیؒ (ناصر الدین) - ۱۹۲ - ۱۹۳ - ۱۹۷ -
یوسف حسینیؒ (سید) - ۱۶۱ -
یوسف گدا - ۲۴۰ - ۲۴۷ -
یوسف (مولانا) - ۲۶۷ -
یوسف ہمدانی (شیخ) - ۲۴۷ -
یونان - ۲۰۷ -

کتبہ محمد یونس صدیقی مہ خوش قلم
۱۹ ۶ ۸۰